لاہور کی نرتکیاں
بازارِ حسن کے عروج و زوال کی داستان
لوئیس براؤن
مترجم: ڈاکٹر نعیم طارق
The Dancing Girls of Lahore

لاہور کی نرتکیاں

(بازارِ حسن کے عروج و زوال کی داستان)

لوئیس براؤن

مترجم: ڈاکٹر نعیم طارق
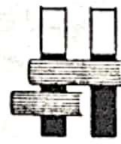
لاہور ● حیدرآباد ● کراچی ●

An Urdu Translation of
"The Dancing Girls of Lahore"
By: Louise Brown

نام کتاب	:	لاہور کی نرتکیاں
مصنفہ	:	لوئیس براؤن
ترجمہ	:	ڈاکٹر نعیم طارق
اہتمام	:	ظہور احمد خاں
پبلشرز	:	فکشن ہاؤس لاہور
کمپوزنگ	:	فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز	:	سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور
سرورق	:	ریاض ظہور
اشاعت اول	:	2012ء
اشاعت دوم	:	2017ء
قیمت	:	-/600 روپے

تقسیم کنندہ:

فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ 39- مزنگ روڈ لاہور، فون: 042-37249218-37237430

فکشن ہاؤس: 52,53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدرآباد، فون: 022-2780608

فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر، فرسٹ فلور دوکان نمبر 5 اردو بازار کراچی

فکشن ہاؤس

● لاہور ● حیدرآباد ● کراچی

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

انتساب

دنیا کی اُس پہلی عورت کے نام

جس نے ضرورت کے تحت اپنا بدن بیچا

فہرست

کچھ مترجم کے بارے میں

ڈاکٹر نعیم طارق کی شخصیت کے کئی حوالے ہیں۔ وہ علم دوست، کتاب دوست، ترقی پسند دانشور، نقاد، مترجم اور شاعر ہیں۔ ان کی زندگی سے اگر کتاب نکال دی جائے تو وہ کہتے ہیں کہ میرا امن کا آنگن خالی ہو جائے گا۔ اس لئے نعیم طارق کا اوڑھنا بچھونا ہی کتاب ہے۔ نعیم طارق کی ترجمہ کردہ جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کا موضوع ایسا ہے کہ شاید ہی کوئی مترجم اس مشکل کام کو ہاتھ لگاتا۔ کہ اس کتاب کا موضوع ہمارے معاشرے کا وہ تاریک رخ ہے جس کا تذکرہ ہم دن کی روشنی میں نہیں کر سکتے۔ نعیم طارق چونکہ روشن خیالی کو اپنا منشورِ حیات سمجھتا ہے اس لئے وہ اردو پڑھنے والوں کے لئے لوئیس براؤن کی کتاب ''دی ڈانسنگ گرلز آف لاہور'' کا ترجمہ لے کر آیا ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے مختلف معنی رکھتی ہے اس لئے نعیم طارق یہ مشکل کام آسانی سے کر کے کامیاب ہو چکے ہیں۔

اس سے پہلے اسی موضوع پر فوزیہ سعید کی ایک بہت اچھی ریسرچ ''TABOO'' کے نام سے آ چکی ہے جس نے بڑے بڑے جغادری ادیبوں سے اس موضوع پر اختلاف کرنے کی جرأت کی بنیاد رکھی تھی۔ لوئیس براؤن کی یہ کتاب بھی اسی سلسلے کو آگے بڑھا رہی ہے۔

اردو ادب میں طوائف کے موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا۔ خاص طور پر سعادت حسن منٹو، مرزا ہادی رسواء، عصمت چغتائی، رحمان مذنب اور دیگر نے کھل کر اس انسٹی ٹیوشن پر لکھا۔ منٹو صاحب بازارِ حسن کا ذکر کرتا ہے تو وہاں پر موجود عورت کو کسبی، کنکیائی، دھندے والی اور طوائف کا نام دیتا ہے۔ جبکہ مرزا ہادی رسواء نے اپنے ناول میں اصل طوائف کی عکاسی کی ہے۔ رحمان مذنب نے اپنی تخلیقات میں بالا خانے کا مکمل تعارف کرایا ہے۔ عصمت چغتائی نے بازارِ حسن کے مکالموں کو زبان دی۔ ان تمام اہلِ قلم نے جب بازارِ حسن کا ذکر کیا تو اس میں انہوں نے اسے ادارے کا درجہ دیا کہ یہ بازارِ حسن ایک زمانے میں تہذیب کا مرکز ہوتے تھے۔ صاحب حیثیت لوگ اپنے بچوں کو تربیت کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب پاکستان کی تشکیل نہیں ہوئی تھی۔ جیسے ہی دنیا کے نقشے پر پاکستان ابھرا تو صدیوں سے قائم یہ ادارہ تہذیبی اعتبار سے زوال کی طرف جانے لگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کے رہنے والوں نے واضح کر دیا کہ بازارِ حسن میں صرف ''دھندا'' ہوتا ہے حالانکہ صورتِ حال اس سے

مختلف تھی کہ اس زمانے میں جسمانی تعلق بڑی مشکل سے قائم ہوتا تھا۔ اب حالات نے تمام صورتِ حال ہی تبدیل کر دی ہے۔ بدلتے رجحانات نے دونوں کلچر کو گڈمڈ کر دیا ہے جس میں عورت کی زیادہ تذلیل کی جاتی ہے۔ اچھے برے کا فرق ختم ہو گیا ہے۔ موجودہ دور میں ماضی کی درجہ بندیاں ختم ہو گئی ہیں خاص طور پر کال گرلز کلچر نے اس ادارے کو بہت نقصان پہنچایا۔ اب اس پس منظر میں جب نعیم طارق نے لوئیس براؤن کی کتاب کا ترجمہ کیا تو یہ اردو پڑھنے والوں کے لئے ایک ایسا تحفہ ہے جو اس موضوع پر مکمل اور منفرد معلومات لئے ہوئے ہے۔ یہ کتاب جہاں بازارِ حسن کی سیر کراتی ہے وہاں پر پیروں کے درباروں پر ہونے والے واقعات کو منظرِ عام پر بھی لاتی ہے۔ اس کے علاوہ مصنفہ نے اس کتاب کے ذریعے لاہور کے ان بڑے گھرانوں کے چہرے سے نقاب بھی اٹھایا ہے جو بڑے بڑے گھروں میں رہ کر عورت کی تذلیل کے گھناؤنے کاروبار سے منسلک ہیں۔ یہ کتاب مجموعی طور پر عصمت فروشی کے خوفناک واقعات کو سامنے لاتی ہے اور یہ بات بھی آشکار کرتی ہے کہ ہوس پرست کس انداز سے حوا کی بیٹیوں کی تجارت میں مصروف ہیں۔ خاص طور پر مصنفہ جب خود مصنوعی طوائف کے روپ میں لاہور کی ہیرا منڈی کا حصہ بنتی ہے تو وہ تجربات و مشاہدات پڑھنے کے لائق ہیں۔

اردو پڑھنے والے ڈاکٹر نعیم طارق کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے ایک ایسے موضوع کے لئے ترجمے کا انتخاب کیا جس کے قریب سے گذرتے ہوئے بہت سے لوگوں کے ماتھے پر پسینہ آ جاتا ہے۔ چونکہ ڈاکٹر نعیم طارق ایک جرأت مند انسان ہیں اس لئے ان کو ترجمہ پر مبارک باد دی جانی چاہئے اور مستقبل میں یہ امید بھی رکھی جا سکتی ہے کہ وہ آئندہ بھی اردو پڑھنے والوں کے لئے مشکل موضوعات پر لکھی مختلف کتابوں کے تراجم کرتے رہیں گے۔

شاکر حسین شاکر

جنوری 2012ء

ملتان

لوئیس براؤن کہتی ہیں

1990ء کی دہائی کے شروع میں میں کھٹمنڈو رہی تھی۔ تب سے مجھے ایشیا سے محبت ہو گئی۔ ان دنوں میرا شوہر برٹش ایڈ پروگرام کے تحت نیپال میں کام کر رہا تھا۔ میں اپنے دونوں ننھے بچوں کے ساتھ وہاں گئی۔ روزی میری بڑی بیٹی کا نام ہے اور لارنا انہی دنوں ہی پیدا ہوئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیوں یہ جگہ میری روح کی گہرائیوں میں اتر گئی۔ شاید اس کی وجہ ثقافتی پیمان ہو جس سے ایک نئے کلچر سے میرا واسطہ پڑا۔ ایک ایسا کلچر جو اس سے کہیں مختلف تھا جس کلچر میں میں رہتی رہی تھی۔ لیکن اس دن کے بعد سے شمالی برصغیر کے ساتھ میری وابستگی اور شیفتگی کبھی ماند نہیں پڑی۔

جب 2000ء میں میں نے ہیرا منڈی پر تحقیق کا فیصلہ کیا تب میں یونیورسٹی آف برمنگھم میں ایشیا سے متعلق تاریخ کی استاد تھی۔ 2000ء کے انہی دنوں میں میری تازہ تازہ طلاق ہوئی تھی اور تین بچے بھی میری ذمہ داری بن چکے تھے۔ دو بچوں کا ذکر او پر ہو چکا چھوٹا بیٹا جوزف 1993ء میں پیدا ہوا۔ ہیرا منڈی پر تحقیق نہ صرف میرے مضمون یعنی ایشیائی تاریخ سے میل کھاتی تھی بلکہ یہ میری دلچسپی کے مضمون، صنفی مسائل، اور عورتوں کی جسم فروشی کے موضوع کے حوالے سے بھی میرے لیے دلچسپ تھا۔ ہیرا منڈی کا کلچر بمشکل دریافت شدہ، دلکش اور پیچیدہ موضوع ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ اس لیے دشوار تھا کہ مجھ جیسی عورت کے لیے یہ بھاری پتھر تھا جو چوم کے ایک طرف رکھا جا سکتا تھا، اور دوسری اہم بات یہ کہ اگر آپ کے گھر میں تین بچے آپ کی دیکھ بھال کے منتظر ہوں تو دور دراز کے کسی ملک میں تحقیق کی سرگرمی ویسے بھی مشکل ہو جاتی ہے۔ یہ کام بھی شاید اس لیے ممکن ہو گیا کہ مجھے میرے والدین کی کافی سے زیادہ مدد مل گئی۔ ہم نے یہ پرانا ضرب المثل نما قول سن رکھا ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت ہوتی ہے۔ میں اس میں اضافہ کروں گی کہ ہر کامیاب عورت کے پیچھے بھی ایک عورت ہی ہوتی ہے بلکہ بعض ایک سے بھی زیادہ عورتیں۔ ایسی عورتیں جو محنت و مشقت سے گھر اور خاندان کے نظام کو چلاتی ہیں۔ میری ماں بھی اسی طرح کی ہی ایک عورت ہے۔

مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ یہ کام کرنے کا فیصلہ میں نے کیوں کیا، کیوں اتنے زیادہ اور اتنے طویل عرصے تک خطرات میں گھری رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ خطرات بہت ہی کم تھے۔ شاید برمنگھم میں آدھی

رات کے بعد تنہا سڑکوں پر چلنا اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، اور دوسری بات یہ کہ یہ موضوع بھی اہم تھا۔ ہیرامنڈی کی عورتوں کا بھی حق ہے کہ ان کی کہانی کو سنا جائے۔ جب یہ پروجیکٹ شروع ہوا تھا تو میرے ذہن میں اس کا خیال تک نہیں تھا کہ میں مسلسل چھ سال تک ہیرامنڈی جاؤں گی۔ لیکن لوگ اور واقعات ہماری زندگی کے راستے متعین کرنے میں اہم ہوتے ہیں اور میں بھی آہستہ آہستہ ماہا کے خاندان سے جڑتی گئی۔ یہ وہ تعلق صرف محبت اور خیر خواہی کی ڈوری سے بندھا تھا بلکہ فرائض کی حد تک گہرا ہو چلا تھا۔ لوگوں نے میری خاطر اپنی زندگی کے وہ راز بھی کھول کر رکھ دیے جو صرف چھپانے کے لیے ہوتے ہیں۔ اس لئے میرا ارادہ ہے کہ اس موسم گرما میں ایک بار پھر ہیرامنڈی کا چکر لگاؤں اور یہ بھی ارادہ ہے کہ یہ دورے مسلسل رہیں۔

دوسری طرف یہ بھی ایک عملی اور بنیادی ضرورت تھی کہ جب میں ہیرامنڈی پر تحقیق کے حوالے سے مصروف ہوں تو میرے اور میرے بچوں کے لیے ایک چھت بھی مہیا رہے۔ اس لیے ایشین سٹڈیز کے حوالے سے یونیورسٹی کی میری جاب بھی میرے لئے اہم تھی۔

جس طرح سے میں یہ کتاب لکھ پائی ہوں اس طرح لکھنے کے لیے میرے پاس نوکری کا ہونا ناگزیر تھا، نہ صرف نوکری بلکہ پیچھے گھر میں پیار کرنے والے ساتھیوں کا ساتھ بھی لازم تھا۔ میں خود کو یہ طفل تسلی دیتی رہی ہوں کہ میرا اپنے کلچر سے مختلف ثقافتوں سے رویہ ہمدردانہ ہے اور اس حوالے سے میں خود کو مبارک باد کا مستحق سمجھتی ہوں کہ میں مختلف النوع ثقافتوں کی نہ صرف تفہیم رکھتی ہوں بلکہ مختلف ثقافت میں خود کو بدلنے پر بھی قادر ہوں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بسا اوقات معاملات اتنے سادہ نہ تھے جتنا میں سمجھتی تھی۔ میں جتنا جس کلچر کے بارے میں جانتی جاتی میرا یہ احساس بھی گہرا ہوتا جاتا کہ میں بیرونی ثقافتوں سے زیادہ آگاہ نہیں ہوں۔ ہیرامنڈی میں بعض اوقات میں احمقانہ حرکتیں کر جاتی تھی مگر یہاں کے لوگ اتنے مہذب تھے کہ مجھے اس کا احساس نہ ہونے دیتے۔ میں جب بھی محلے میں واپس لوٹی ہر بار مجھے کچھ سیکھنے موقع ملا۔

میرے بچے ماہا اور اس کے خاندان میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ میری بڑی دونوں بیٹیوں نے تو یہ کتاب بھی پڑھ لی ہے، اور میری بڑی بیٹی روزی کی نینا سے دوستی بھی ہو چکی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو ٹیکسٹ میسج کرتی ہیں اور اکثر اردو انگریزی کے امتزاج سے وجود پانے والی ایک مختلف زبان میں ایک دوسرے سے باتیں بھی کرتی ہیں۔ ابھی چند ہفتے پہلے جب میں لاہور سے واپس انگلینڈ آئی تو نینا نے میری بیٹی کے لیے کافی ساری سی ڈیز بھی بھیجیں۔ میرے گھر میں اب ہر وقت جدید پاپ پنجابی میوزک گونجتا رہتا ہے اور اچانک میں نے خود کو بوڑھا محسوس کرنا شروع کر دیا ہے۔ اگلی بار جب میں لاہور آؤں گی تو ہیرامنڈی کے اس دورے پر میری بیٹی روزی بھی میرے ہمراہ ہو گی۔ اس نے میری ہچکچاہٹ اور یہاں لانے کے حوالے سے موجود تامل کو اپنے جوان دباؤ سے ختم کر دیا ہے۔ مجھے پتہ ہے ماہا کے خاندان اور خاص

طور پر نینا سے وہ گھل مل جائے گی۔ یہ دونوں لڑکیاں ذہین، خوبصورت اور ہم عمر ہیں۔
مجھے امید ہے کہ ماہا اور اس کی بیٹیاں مجھے پسند کرتی ہوں گی۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے پسند کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میرا دل بہت اچھا ہے۔ میں نے ایک بار ان کی گفتگو سنی جب ان کا خیال تھا کہ میں سو رہی تھی۔ اس پسندیدگی کے علاوہ وہ مجھے کچھ بے وقوف بھی سمجھتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ میں سادہ اور احمق ہوں جوان کے نزدیک واحد متاع، جنسی کشش، جوانی، حسن اور جنسی مہارتوں سے ناآشنا ہوں۔ دو ماہ قبل جب میں ہیرامنڈی گئی تو میں ان کے لیے یہ خوش خبری بھی لے کر گئی کہ طویل عرصے تک تنہا رہنے کے بعد بالآخر ایک بار پھر میں نے ڈیٹنگ شروع کر دی ہے۔ میرا نیا دوست لاہور میں پیدا ہوا تھا اور برطانیہ میں اس کی پرورش ہوئی ہے۔ وہ اچھا انسان ہے۔

معمول کا جنوبی ایشیائی یہ برطانوی شخص متوسط آدمی ہے۔ ماہا اور اس کے بچے جب مجھے ائیر پورٹ پر لینے آئے تو اس حوالے سے بڑے کرید کرید کر سوال کیے اور مجھے ان کے اس ردِ عمل کی پہلے سے ہی توقع تھی۔

جب میں نے ماہا کو بتایا تو اس نے کار کا ڈیش بورڈ تھام لیا۔

”کیا وہ پاکستانی ہے؟“ اس نے کچھ مایوسی سے کہا ”اوہ، لوئیس تمہیں تو کسی برطانوی شہزادے سے شادی کرنی چاہیے۔“

مجھے احساس ہے کہ میں نے ماہا کو مایوس کیا ہے۔

چند باتیں

ترجمے کی خوبی خامیوں کا بیان ان چند باتوں کا مقصد نہیں ہے۔ میں فقط ان چند جذبوں، احساسات اور خیالات کو آپ سے شیئر کرنا چاہتا ہوں جو اس کتاب کے مطالعے اور ترجمے کے دوران ابھرے، ابھر ابھر کر ڈوبے اور پھر ابھرے۔ کئی مواقع پر میرے اندر غصہ امڈا، کتنے ہی موقعوں پر میری آنکھوں میں آنسو آئے اور کتنے ہی پیرے ایسے آئے کہ میں تنہا بیٹھا ہنستا رہا۔ سماجی مسائل، معاشی مشکلیں اور سیاسی تنازعات ہر معاشرے کا ازل سے حصہ رہے ہیں اور ابد تک یہ سلسلہ نہ رکنے کے لیے موجود رہے گا۔ قاری اس کتاب سے ہیرامنڈی کی بدنام دنیا کی عینک سے اپنے سماج کی خوبیوں خامیوں کو دیکھنے کا تہیہ کر لے تو یہ کتاب راز بہت سے کھولتی ہے۔

ہماری سماجی منافقتیں، امرا کی بے ڈھنگی چال، جنسی تشنگی اور کجروی، مذہبی رویے، توہم پرستی پر مبنی تصورات، طاقت اور دولت کا عدم توازن یہ سب باتیں اس کتاب کے ذریعے ہم تک پہنچتی ہیں۔ مصنفہ کا انداز فکشن رائٹر والا ہے، اور تحقیقی طرز خالص مغربی اور معروضی۔ اگر لوئیس براؤن فکشن رائٹر بنی تو غضب ڈھائے گی۔

ذیل میں کتاب سے چند اہم اقتباسات درج کیے جا رہے ہیں جو کیونکہ خود بولتے لفظ ہیں اس لیے ان کی وضاحت کی ضرورت نہیں پڑے گی:

''ایک عورت نے مجھے بریزیئر کے انوکھے استعمال بتاتے ہوئے کہا کہ یہ ''پاکستانی جیب'' ہے۔ اس نے کہا اگر میں ایک بڑے کپ والا بریزیئر استعمال کروں تو اس میں ہر ضروری چیز رکھی جا سکتی ہے۔ اب میں ٹشو، رقم، کمرے کی چابی، لینز کا ایک ڈبہ اور اس کا لیکویڈ باکس، اندرون شہر کا نقشہ اور بعض اوقات موبائل فون بھی ''پاکستانی جیب'' میں رکھتی ہوں۔ خوش قسمتی یہ ہے کہ میں یہاں دوپٹہ لیتی ہوں ورنہ یوں محسوس ہوتا کہ میرا سینہ پُرگوشت اور بہت بڑا ہے۔''

''جو میڈم تھی وہ بہت زیادہ پیسے گاہکوں سے لیتی تھی مگر آدھی فیس خود رکھ لیتی تھی۔ اس کی بہترین لڑکیوں کو ایک رات کے 20 ہزار ملتے تھے۔ وہ بہت اچھے طریقے سے رہ رہی تھی، خوبصورت کپڑے، شاندار گھر اور تین کاریں...... کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ نائکہ ہے کیونکہ وہ ایک آرمی میجر کی بیوی تھی۔''

''خاکروب جاننا چاہتے ہیں کہ پاکستان اور میرے وطن کے درمیان کیا فرق ہے۔ وہ انگلینڈ کے کوڑے کرکٹ کے نظام کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ میں نے بتایا کہ انگریز گھروں میں ہم اپنا کوڑا کرکٹ کوڑے دانوں میں خود جمع کرتے ہیں، پھر سرکاری گاڑی آتی ہے اور اسے لے جاتی ہے۔ کسی کو بھی میری بات پر یقین نہ آیا۔''

''اب ہم قلعے کی طرف جا رہی ہیں اور شمسہ چاہتی ہے کہ میرا کیمرہ لے۔ قلعہ لوگوں سے بھرا ہے۔ لیکن آج قلعے کی اہم چیز شیش محل کی بجائے شمسہ بنی ہوئی ہے۔ جو گھاس پر مختلف انداز سے لیٹ کر یوں فوٹو شوٹ کرا رہی ہے کہ گویا بھارتی فلم میں کام کرتی ہو۔ وہ ان مردوں اور جوان لڑکوں سے بے پروا ہے جو ہمارے گرد دائرہ بنائے کھڑے ہیں

''عیدی لینے والوں کی قطار لگی ہے اور ماہا اپنے تحفوں کو پھر ترتیب دے رہی ہے۔ پرفیوم اور چاکلیٹ جو میں نے ماہا کو دیے تھے وہ فریج کے اوپر رکھے ہوئے ہیں تا کہ باہر سے آنے والے سب لوگ دیکھ سکیں کہ ان کے گھر میں غیر ملکی چیزیں آتی ہیں۔ وہ میزبانی کا لطف لے رہی ہے۔ وہ ہمدردی کے ان چھوٹے چھوٹے افعال اور خاکروب عورتوں کی مسکراہٹ پر خوش ہے جو ابھی ابھی 100 روپے کا نوٹ لے کر نکلی ہیں۔ اس نے اپنے بھاگتے ہوئے بھتیجے کو پکڑا اور اس کے ہاتھ میں ہزار روپے کا نوٹ تھماتے ہوئے کہا: ''تمہارے اور تمہارے بھائی کے گرم کوٹوں کے لیے'' اس فیاضی کی قیمت یقیناً ماہا کو چکانی ہو گی جب اگلے مہینے کا کرایہ دینے کے لیے اس کے پاس پیسے نہ ہوں گے۔ لیکن اس وقت وہ مستقبل سے لاپرواہ خود میں مگن ہے۔ وہ اس لمحے کو خوشی سے جی رہی ہے۔

''جوں ہی اقبال اپنی بالکنی میں بیٹھا لوگوں کے ایک ہجوم نے اسے گھیر لیا۔ وہ لوگوں کے ہاتھوں میں موجود سرکاری کاغذات پر بیٹھا دستخط کر رہا ہے اور انہیں ایک طرح سے جائز ہونے کا ثبوت دے رہا ہے۔ وہ اکثر ریفری، ضمانتی اور گواہ کا کردار ادا کرتا رہتا ہے، ہیرامنڈی کے ان بہت سے بے شناخت لوگوں کے لیے جن میں سے وہ ایک ہونے کے باوجود بھی وہ ان جیسا نہیں ہے۔ وہ اسی کمیونٹی میں سے ہے لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ نیشنل اکیڈمی آف آرٹس میں پروفیسر اور معروف آرٹسٹ بھی ہے۔ محلے کے باہر لوگ اسے آج بھی بازاری عورت کا بیٹا سمجھتے ہیں جس نے کسی نہ کسی طرح اسے کالج تک پہنچایا لیکن پھر بھی وہ ایک ایسی شناخت کا حامل ہے جو ہیرامنڈی کی اکثریتی آبادی کو کبھی نصیب نہ ہو گی۔ وہ اپنا نام کاغذات میں لکھ سکتا ہے اور اس کی اہمیت بھی ہو گی، اس کا ایک پتہ ہے، ایک عنوان اور ایک کیریئر بہر حال ہے۔ کاغذات کی تصدیق کے حوالے سے اقبال کے گھر میں اکثر لوگوں کا ہجوم جمع رہتا ہے کیونکہ یہاں ہیرامنڈی میں کم ہی لوگوں کے پاس اوریجنل کاغذات ہوتے ہیں۔ بچے جو یہاں کی عورتیں پیدا کرتی ہیں ان کے باپ اکثر نامعلوم رہتے ہیں۔ پیدائش نامے پر خاندان کی کسی علامت کا ذکر نہیں ہوتا۔ پاسپورٹ اور شناختی کارڈ پر باپ کا سرنیم نہیں

ہوتا۔اس طرح کے مرد کے غلبے پر قائم معاشرے میں جن بچوں کے باپ نہیں ہوتے وہ گویا معدوم ہیں، موجود ہی نہیں۔ جب ہیرامنڈی کے ان لاوارث بچوں کو باہر کی دنیا کے بیوروکریٹک ڈھانچے سے پالا پڑتا ہے تو اقبال ان کے کاغذات پر دستخط کر کے یہ شہادت دیتا ہے کہ یہ نیم خواندہ اور جاہل لوگ بھی حقیقت ہیں، واہمہ نہیں۔"

"میں نے کہا: "سارے مرد ہمیں دیکھ رہے ہیں۔

"مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"پلیز اپنا دوپٹہ پہن لو" میں نے التجا کی۔

اور اس نے میری التجا رَد کر دی۔"

"یہ عورتیں کبھی نہیں بتاتیں کہ وہ ہیرامنڈی سے آئی ہیں۔ وہ بتاتی ہیں کہ ہمارا گھر کریم پارک میں ہے یا پھر لاہور کے کسی اور پوش علاقے کا نام لیتی ہیں اور میرے بارے میں ان عورتوں کو بتاتی ہیں کہ یہ امریکی ہیں اور ہماری دوست ہیں۔ میرا تعلق برطانیہ سے ظاہر کرنا بھی شاید ان کی مخاطب عورتوں کے لیے مسحور کن نہیں ہوتا۔"

"غریب حسن ایک ایسی دنیا میں پلا بڑھا ہے جہاں سیکس اور دولت اظہار محبت کا پیمانہ ہیں۔ وقت سے پہلے بالغ ہونے والے لیکن بہت پیارے بچے کی تربیت جس ماحول میں ہوئی ہے اور جس طرح اس نے اپنی ماں کے پاس گاہکوں کو آتے دیکھا ہے تو اس نے وہ سارے تباہ کن اثرات جذب کر لیے ہیں۔"

"میں خاموش ہو کر بیٹھ گئی اور اس وقت واحد اور پہلی دفعہ تماش بین بولے: انہوں نے مجھے کہا کہ کھسروں کے اس چکلے ہیں اتنے کھسروں کے درمیان ننگے سر نہ بیٹھیں اور دوپٹہ اوڑھ لیں۔ میں نے مذاق میں کہا کہ ان لوگوں نے تو نہیں پہنے ہوئے۔ تمام کھسرے ہنس پڑے اور کندھے اچکا کر کہا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ تماش بین بولے یہ تو آدھی عورتیں ہیں اس لیے عورتوں کے تمام فرائض ان پر لاگو نہیں ہوتے۔"

"زبانوں کے بھی یہی مراتب ہیں جو پاکستانیوں کو ایک دوسرے سے ممیز کرتے ہیں۔ نچلے طبقے کے لوگ مادری زبان میں بات کرتے ہیں جیسے پشتو یا پنجابی۔ مڈل کلاس اور اپر کلاس قومی زبان اردو بولتی ہے۔ جو جتنی شستہ اردو بولتا ہے اس کا اتنا زیادہ مرتبہ ہوتا ہے۔ طبقہ امرا، مغربیت زدہ انگریزی میں بات کرتے ہیں، بعض لوگ برطانوی لہجے میں، جبکہ اکثریت امریکی لہجے میں _ _ _ یہ ان کی مہنگی بیرونی تعلیم کا ثبوت ہوتا ہے۔"

"اگر ایک بار کوئی لڑکی ___ یا عورت ___ یا لڑکا بھی، ریپ کا شکار ہو جائے تو اس سے اتنی نفرت کی جاتی ہے، شرمندہ کیا جاتا ہے اور اسے اتنا بے قیمت کر دیا جاتا ہے کہ لوگ اسے پبلک پراپرٹی سمجھ لیتے ہیں۔

کسی کا بھی ریپ صرف ایک بار نہیں ہوتا۔"

"معاشرے کے دو مظلوم طبقے ہیرامنڈی میں شانہ بشانہ چلتے تو نہیں مگر رہتے ضرور ہیں...... دھندا کرنے والی عورتیں اور نشہ کرنے والے نشئی۔ نشہ کرنے والے ہیرامنڈی کی طرف اس لیے رخ کرتے ہیں کہ یہاں انہیں کوئی یہ کہہ کر نہیں دھتکارتا کہ تم علاقے کا ماحول خراب کر رہے ہو۔ ہیرامنڈی میں نشئی لوگوں کی اکثریت باہر سے آتی ہے۔ وہ عموماً غیر ہنرمند مزدور ہوتے ہیں جو شہر کے گندے ہاسٹلوں میں قیام کرتے ہیں اور معمولی آمدنیاں کماتے ہیں۔ ان کی اکثریت ملول اور تنہائی کا شکار نوجوان لڑکوں اور مردوں پر مشتمل ہے جو طویل عرصے سے اپنے گھروں سے دور ہوتے ہیں۔ ان کے پاس اتنے پیسے بہر حال ہوتے ہیں کہ وہ زندگی سے کچھ وصول کر ہی لیتے ہیں اور زندگی سے یہ کچھ وہ نشہ اور یہاں کی عورتوں سے ہمبستری کی صورت وصول کرتے ہیں۔ وہ حشیش اور ہیروئن کا نشہ کرتے ہیں۔ جب نشہ چڑھ جاتا ہے تو کسی گلی، پارک یا پھر جہاں گر گئے وہیں پڑ کے سو جاتے ہیں۔"

"جو شخص اس ڈرگ مارکیٹ کو چلا رہا ہے وہ مذہبی چھٹیوں میں شاندار سبیلوں کا اہتمام کرتا ہے لیکن وہ شخص بھی دراصل ڈرگ نیٹ ورک کی ایک چھوٹی سی کڑی ہے جو ان لوگوں کا ایک گاہک ہے جو اس سے کہیں زیادہ طاقتور اور دولت مند ہیں۔ ماہا کی میڈم کی طرح، جو ایک آرمی میجر کی بیوی ہے، یہ لوگ بھی شہر کے پوش علاقوں میں رہتے ہیں۔"

"وہ پھر شرم اور عزت کی باتیں کرنے لگی ہے۔ لیکن اس موضوع پر ہمارے دماغ کبھی ہم آہنگی کی صورتِ حال سے دوچار نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہاں پر دو تہذیبوں کا ایک ناقابل عبور خلا موجود ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک ماہا کا گھر کی صفائی کا خیال رکھنا زیادہ بڑی بے شرمی ہے۔ ماہا کا خیال ہے میں ٹوائلٹ کی صفائی جیسا کام کر کے خود کو بے عزت کر رہی ہوں اور شرمندہ بھی"

"دوسری لڑکیاں بھی اسے تعریفی انداز میں دیکھ رہی ہیں۔ نینا پُرجوش ہے اور میں...... میں بہت شدید الجھن اور ابہام کا شکار۔ میں نے سوچا میں ہیرامنڈی اس لیے آ رہی ہوں کہ اس خوفناک تجارت سے متعلق حقائق لکھوں لیکن پھر بھی میں چاہتی ہوں کہ نینا اس جسم فروشی کے دھندے میں نہ پھنسے۔ چودہ سال کی عمر میں وہ بڑے جوش سے اپنے خاندانی دھندے کو گلے لگانے جا رہی ہے۔ وہ یقیناً وہی کرنے جا رہی ہے جو نسلوں سے اس کے خاندان کی لڑکیاں کرتی آ رہی ہیں، اور بیس سال بعد نینا بھی اپنی ماں کی طرح ایک رَد شدہ عورت ہو گی جس کا زندہ رہنے اور بقا کا انحصار اپنی کم سن بیٹیوں کی فروخت پر ہو گا۔"

"دلال نے باقی معلومات دینا یوں شروع کیں "اسے کنواری لڑکیاں پسند ہیں...... صرف جنسی رغبت کے سبب نہیں ___ کیونکہ اس کام کے لیے دنیا بھر میں اس کی کئی گرل فرینڈز موجود ہیں ___ بلکہ وہ کنوارہ پن کو توڑنا پسند کرتا ہے اور یہ صرف چند منٹوں کا کام ہے۔ ایسی لڑکیاں دنیا بھر سے اس کے پاس لائی جاتی

ہیں۔ بھارت سے، پاکستان سے اور ایران سے..... وہ تو ان لڑکیوں کی اکثریت کے کپڑے بھی نہیں اتارتا۔ بس یوں سمجھ لیں کہ یہ اس کی عادت ہے۔ اسے کسی نے بتایا ہے کہ کنواری لڑکیوں کے ساتھ سیکس کرنے سے آدمی ہمہ دم جوان رہتا ہے۔"

وہ رینگتی ہوئی میرے پاس آئی اور میرے ساتھ بستر پر لیٹ گئی۔ وہ نینا کی باتیں کرنا چاہتی ہے مگر کہانی اتنی گنجلک اور چہار رخی ہوگئی ہے کہ میں سمجھ نہیں پا رہی۔ نینا کی کہانی میں ایک خوبصورت نوجوان کی کہانی گھس آئی ہے۔ ایک نوجوان کی، جس نے کبھی ایک لڑکی کو کہا تھا کہ وہ بہت خوبصورت اور سیکسی ہے اور جس نے اسے ایک مہینے تک اپنے بستر کی زینت بنائے رکھا تھا۔ یہ کہانی جس میں درد کی شدتیں تھیں، بستر پر ہر جگہ پھیلے ہوئے خون کی کہانیاں اور ان نشہ آور ادویات کی کہانیاں جس نے لڑکی کو کچھ باتیں یاد رہنے دیں اور کچھ یاد کے نہاں خانوں سے محو ہوگئیں، یہ شیخ زید کی کہانی تھی جو اس لڑکی کا پہلا شوہر تھا اور جس نے اس کو چکھنے کے بعد، تھوڑی دیر بعد اس سنہری بیڈروم کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ شیخ خاسب کی کہانی تھی، جس نے بیس سال قبل، ہیرا منڈی کی ایک 12 سالہ لڑکی کے ساتھ ہمبستری کرنے کا لطف اٹھایا تھا۔ وہ لڑکی............ وہ لڑکی ماہا تھی"

میرا خیال ہے مندرجہ بالا پیراگراف خود وضاحتی جملے ہیں، جنہیں مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

ڈاکٹر نعیم طارق

ہم گندی کنجریاں نہیں...... فنکار ہیں

موسم گرما اپریل۔ جون 2000ء

لاہور اپنے ٹھاٹھ دار رنگ ڈھنگ اور پامال جاذبیت کے ساتھ ایک حیرت انگیز شہر ہے۔ مبہوت کر دینے والی شاہی مسجد، رعب دار شاہی قلعہ، حسین شالا مار باغ، بادشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہاں کے خستہ حال مقبرے...... یہ وہ عظمت کے نشان ہیں جو اس جدید شہر کو مغلیہ سلطنت سے وراثت میں ملے۔ شہر کے بیچوں بیچ گزرتی وسیع و عریض اور درختوں سے اٹی مال روڈ پر برطانوی راج کی نشانیاں، کئی غیر فعال اور مرمت طلب قدیم عمارتیں جا بجا بکھری ہوئی ہیں۔ اب لاہور کے ارد گرد کئی مضافات وجود میں آ چکے ہیں۔ ان مضافاتی علاقوں میں کچھ پوش ہیں تو کچھ انتہائی پسماندہ...... لاہور کی گلیاں اور بازار زندگی کی ہنگامہ خیزیوں سے بھرپور ہیں۔ یہاں مسجدوں مزاروں پر ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔

لاہور کی سب سے نمایاں خصوصیت وہ قدیم شہر ہے جو قلعہ بند شہر یا اندرون شہر کہلاتا ہے۔ یہاں ایک مربع میل پر پھیلے کرائے کے وہ چھوٹے چھوٹے گھر اور دکانیں ہزاروں کی تعداد میں ہیں جن میں ڈھائی لاکھ انسانی نفوس ٹھنسے ہوئے ہیں...... یہ ہے لاہور کا دل جہاں شہر کی روح خود کو بے نقاب کرتی ہے۔

پرانا لاہور صدیوں سے اسی طرح کا ہے، جس میں بہت کم تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ عرصہ ہوا خندقیں بھر چکی ہیں اور دفاعی فصیلیں غائب ہو چکی ہیں۔ مگر قدیم رہائشی، تاریخی یادوں اور قدیم زمینی حدود سے مجبور آج بھی اپنے گھر تعمیر کیے جا رہے ہیں جیسے کہ قدیم فصیلیں آج بھی موجود ہوں...... نہ نظر آنے والی اور زمان کی حدوں سے ماورا فصیلیں اور شہر کے تیرہ دروازے آج بھی موجود ہیں۔ ہمعصر لاہور کی کشادہ سڑکیں اور پیدل آنے والے آج بھی قلعہ بند شہر کی تنگ گلیوں کی طرف آتے ہیں۔ رکشے، تانگے، موٹر سائیکل اور چھوٹی گاڑیاں پیدل چلنے والے لوگوں کے انبوہ میں سے راستہ بنا کر چلتی نظر آتی ہیں۔ مگر ان تنگ ترین گلیوں میں ٹریفک کا یہ بے مہار ہجوم داخل نہیں ہو پاتا، جہاں سورج کی روشنی کا بھی ان تاریک گلیوں سے گزر نہیں ہو پاتا ہے۔ روشن سورج کی منور کرنیں صرف کھلی گلیوں اور بازاروں میں ہی اپنے جلوے دکھا پاتی ہیں۔ پرانے لاہور کی زیادہ تر قدیم تنگ گلیوں پر ہمہ دم اور دائمی قسم کی دھند آلود اداسی طاری رہتی ہے۔

پرانے شہر کے نظارے کا بہترین وقت صبح سویرے ہوتا ہے۔ موسم گرما میں درجہ حرارت کے بڑھنے سے قبل چند گھنٹے ایسے ہوتے ہیں جن میں پرانے لاہور کو حقیقی رنگ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد اس کی تنگ سڑکیں لوگوں سے بھر جاتی ہیں۔

شہر یہاں آج بھی اسی طرح جاگتا ہے اور زندگی آج بھی خود کو یہاں ویسے ہی آشکار کرتی ہے جیسے صدیوں پہلے یہاں کا معمول ہوتا تھا۔ صبح کا وقت ہے، دکاندار مصروف ہیں، قصائی مرغیوں اور بکریوں کا گوشت کاٹ رہے ہیں، چائے کے ڈھابے کھل چکے ہیں اور بکری پر ناشتے کے لیے حلوہ پوری تیار ہے۔ پھل اور سبزی فروش رنگا رنگ سبزیوں اور پھلوں کو اپنی ریڑھی پر سجا رہے ہیں...... فربہ بینگن، مولیاں، سرخ گاجریں، سرخ ٹماٹر، پالک کی گتھیاں، تازہ کھیرے اور سلاد و پودینے کی پتہ دار گانٹھیں...... گلیوں میں چیختے چنگھاڑتے گدھے سے جڑے چھکڑے، سامان تجارت ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا رہے ہیں۔ کسی گدھا گاڑی پر بڑے بڑے دھاتی ڈول رکھے ہیں جن میں گاؤں سے آیا دودھ چھلک رہا ہے۔ کچھ ریڑھیوں پر چاول اور آٹے کے بورے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر آ جا رہے ہیں۔ ایک رکشہ آیا جس کی سواریاں درجنوں مرغیاں ہیں، اس پر سے شور مچاتی مرغیوں کو اتار کر قصائی کی دکان میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ چھوٹی چھوٹی تنگ ورکشاپوں میں بچے اور بڑے کام کے لیے پہنچ چکے ہیں، یہ لوگ عموماً سات بجے ورکشاپوں میں پہنچ جاتے ہیں اور عجیب وغریب، گندی اور کالے تیل میں ڈوبی چیزوں کو ایک ترتیب سے رکھ رہے ہیں۔ یہ ان مزدوروں اور چھوٹے تاجروں کے دن بھر کی مصروفیت کا آغاز ہے۔

ہیرامنڈی ___ ڈائمنڈ مارکیٹ ___ قلعہ بند شہر کے شمالی کونے میں موجود ہے جہاں گیٹو نما تین تین چار چار منزلہ رہائشی عمارتیں ہیں...... مغلیہ سلطنت کے عظیم ترین شاہی قلعے اور سب سے بڑی اور خوبصورت مسجد سے بالکل پہلے...... قدیم عورتیں جو یہاں رہتی ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ علاقہ انیسویں صدی کے نصف میں انگریزوں کی آمد سے قبل ہی ''ممنوعہ علاقہ'' (ریڈ لائٹ ایریا) تھا۔ ہیرامنڈی، جسے شاہی محلہ بھی کہا جاتا ہے، تب بہت اہمیت کا حامل علاقہ تھا۔ اپنے اچھے دنوں میں اس نے وہ طوائفیں پیدا کیں جنہوں نے بادشاہوں کے دلوں پر راج کیا۔ یہاں کی بوڑھیوں کا اصرار ہے کہ اس زمانے میں چیزیں مختلف تھیں اور ان کی قسم کی عورتیں قابلِ عزت تھیں، انہیں فنکار سمجھا جاتا تھا نہ کہ گندی کنجریاں...... یا دھندا کرنے والیاں......

مجھے شاہی محلے کے سب سے معروف گھر میں کمرہ ملا ہے۔ یہ اقبال حسین کا گھر ہے جو فائن آرٹس کا پروفیسر ہے اور ہیرامنڈی کی عورتوں کی پینٹنگز بناتا ہے۔ جب میں پہلی بار لاہور آئی تھی تو اقبال نے ہی مجھے پاکستان میں عصمت فروشی کے دھندے اور اس محلے کی زندگی کے متعلق ابتدائی معلومات دی تھیں۔ بلاشبہ وہ اس موضوع پر سند کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ وہ اس زندگی کو جیتا ہے اور یہ زندگی اس میں سانس لیتی ہے...... یہ اس کے خون میں ہے۔ وہ خود ایک طوائف کا بیٹا ہے اور قریباً نصف صدی اس نے ہیرامنڈی میں گزاری

ہے۔ اقبال اسی گھر میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا ہے جو شاہی مسجد کے سائے میں ہے اور جو سماج کے ماتھے پر ایک بدنما دھبہ تصور ہوتا ہے۔ اس شخص کی دوستی نے ہی مجھے وہ احساسِ تحفظ فراہم کیا، جسکے باعث اب میں اس محلے کی زندگی کو بچشم خود دیکھنے کے لیے یہاں آئی ہوں۔

اقبال کے گھر میں ہر مہینے توسیع ہوتی رہتی ہے۔ جب بھی کہیں قدیم حویلیوں کو گرایا جاتا ہے، اقبال وہاں سے کھڑکیاں، دروازے، مجسمے، قدیم ٹائلیں لے آتا ہے اور اپنے گھر میں ان کا انبار لگاتا جاتا ہے۔ یہ گرنے والی حویلیاں ایک وقت میں قدیم لاہور کے رؤسا کی رہائش گاہیں تھیں۔ اقبال حسین کے گھر میں اس نوع کی اتنی چیزیں جمع ہوگئی ہیں کہ اب وہاں ہندو، مسلم اور سکھ ثقافت کا مکمل امتزاج وجود میں آچکا ہے۔ میرا کمرہ تیسری منزل پر واقع ہے۔ یہ شاید ہیرامنڈی کا سب سے بڑا کمرہ ہے اور سب سے خوبصورت بھی۔ اس میں تین کھڑکیاں ہیں جو باہر کی طرف کھلتی ہیں۔ تینوں کھڑکیوں میں رنگدار شیشے جڑے ہیں۔ دروازوں اور فرنیچر پر کھدائی کا کام ہوا ہے۔ جہازی سائز کے گاؤ تکیے، بستر کے تکیے اور بھاری پردے سنہرے اور سرخ رنگ کے ہیں۔ یہ کمرہ بھی باقی گھر کی طرح پرانے لاہور کے تمام آثار اپنے اندر محفوظ رکھتا ہے۔

گھر کے گراؤنڈ فلور اور چھت پر اقبال نے ایک ریستوران کھول رکھا ہے جہاں نوجوان جوڑے ممنوعہ رومانوی لمحات گزارنے آتے ہیں۔ یہ جوڑے عقبی کمروں میں بیٹھتے ہیں۔ گرمیوں میں ان کا مشروب سیون اپ ہوتا ہے جبکہ سردیوں میں یہ یہاں بیٹھ کر کافی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر عموماً لڑکا ہی باتیں کرتا رہتا ہے، جبکہ لڑکی خوامخواہ، بات بے بات ہنستی رہتی ہے۔ شام کے وقت ریستوران میں عموماً رعب دار قسم کے تگڑے آدمی آتے ہیں۔ باقی اوقات میں ریستوران میں پوری کی پوری فیملیز بھی آجاتی ہیں جس میں دادا دادی سے لے کر چھوٹے چھوٹے بچے تک سب شامل ہوتے ہیں۔ عموماً چاچے مامے بھی اس طرح کی دعوتوں میں شامل ہوتے ہیں۔ خاندان بڑی میزوں پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور بعد ازاں چھت سے بادشاہی مسجد اور شاہی قلعے کا نظارہ کرتے ہیں۔

میرے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے مجھ تک عموماً ان کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ ان میں کوئی یہ شکوہ کررہا ہوتا ہے کہ سیڑھیاں بالکل عمودی ہیں تو کوئی ان زینوں کا رونا رو رہا ہوتا ہے جن کی حالت خستہ ہو چکی ہے۔

یہاں آنا اس لیے بھی ایڈونچر بن جاتا ہے کہ سیاح خود کو ناجائز سرگرمیوں کا مرتکب محسوس کرتے ہیں، اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو پاکستانیوں کی نبض کی رفتار تیز کردیتی ہے۔ وہ اپنی ایئرکنڈیشنڈ کاریں ریستوران کے باہر پارک کرتے ہیں، جلدی سے اندر جاتے ہیں اور کھانا کھانے کے بعد ان صحنوں میں جھانکتے ہیں جن سے سکینڈل مخصوص ہوتے ہیں یعنی ہیرامنڈی کے صحنوں میں۔

اقبال کے گھر کی چھت کی بالکنی سے بادشاہی مسجد کے صحن کی سنگ مرمر کی ٹائلیں صاف نظر آتی ہیں۔

دن بھراور رات میں بھی بادشاہی مسجد میں نمازیوں کا تانتا بندھا رہتا ہے جنہیں اقبال کے گھر کی چھت سے ننگے پاؤں چلتا آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے۔ شام کو بادشاہی مسجد کے اردگرد پھیلے میدانوں میں سینکڑوں نوجوان اورلڑکے کرکٹ کھیلتے نظر آتے ہیں۔ کئی گروپ بھی وہاں بیٹھے دیکھے جاسکتے ہیں جومختلف بحثوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ ہیروئن کا نشہ کرنے والے بھی میدانوں کے ساتھ موجوداونچی گھاس اور درختوں کے درمیان بیٹھ کرنشہ کرتے ہیں تاکہ ان کی پرائیویسی قائم رہے۔ یہ ان کی محفوظ پناہ گاہ ہے۔

مخالف افق کی طرف نظر دوڑائیں تو پرانے شہر کے بے ترتیبی سے بنے گھر موجودنظر آتے ہیں۔ شیعہ مسلمانوں کے کالے جھنڈے زنگ آلود پائپوں پر لٹکے نظر آتے ہیں۔ جھنڈوں کے علاوہ شیعہ مسلمانوں کی نمایاں علامت پنجہ بھی نظر آرہا ہوتا ہے۔ یہ جھنڈے اور پنجے گھروں سے کئی فٹ اوپر دکھائی دیتے ہیں۔ چھتیں بے ترتیب ہیں، جن پر ٹوٹی پھوٹی اینٹیں، سیمنٹ، تمام قسم کا کچرا، پرانی رضائیوں کے ڈھیر اور ٹوٹا پھوٹا فرنیچر موجود ہوتا ہے۔ تمام چھتوں پر کپڑے سکھانے کے لیے لٹکے ہوتے ہیں...... یہ تباہ حالی اور ابتری دیکھ کر ہیرامنڈی کی وہ یادیں ذہن میں گھوم جاتی ہیں جب لاہور مختلف ثقافتوں اور مذاہب کا ترجمان تھا۔

40 سال قبل ہیرامنڈی پُرتکلف آرائشوں سے سجی ہوئی رہائشی کالونی تھی۔ مرکزی شاہراہ کے اردگرد بنی قدیم عمارتوں میں خوبصورت جھروکے اور بالکنیاں ہوتی تھیں۔ مگر اب صرف چند ہی ایسی عمارتیں رہ گئی ہیں جہاں جھروکے دیکھے جاسکتے ہیں۔ باقی سارے جھروکے ختم ہوکر رہ گئے ہیں اور ان کی جگہ بدہیئت کنکریٹ یا لکڑی کی کھڑکیوں یا لوہے کی سلاخوں نے لے لی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اب یہ عمارتیں رہنے کے لیے زیادہ قابل قبول ہوگئی ہوں مگر پرانے لاہور کا حسن مجروح ہوکر رہ گیا ہے۔

شام کے وقت مرد حضرات چھتوں پر آرام کرتے ہیں۔ کچھ عورتیں بھی ان کے ساتھ بیٹھی اپنے بچوں کے بالوں میں کنگھی کرتی اور جوئیں نکالتی نظر آتی ہیں۔ باقی بچے کھڑکیوں یا پردے پر نیچے جھک کر صحن میں دیکھ رہے ہیں جہاں عورتیں چارپائیوں پر بیٹھی نظر آرہی ہیں۔ عورتیں باتوں میں مشغول ہیں اور پان چبا چبا کر تھوکے جارہی ہیں۔ درجن بھر چھوٹے بچے ان عورتوں کے گرد بھاگ رہے ہیں اور ایک چھوٹی سی سائیکل کے لیے باہم گتھم گتھا ہیں۔ یہ بچے اس صحن کے اردگرد موجود کمروں کے رہائشی ہیں۔ نصف صدی قبل یہ عمارت غالباً ایک شاندار رہائش گاہ ہوگی۔ مگر اب یہ عمارت دو دو تین تین کمروں کے اپارٹمنٹس میں بدل چکی ہے۔ تنگ گلی میں موجود چھوٹے چھوٹے گھر غالباً شروع دن سے ہی غریبوں کے لیے کرائے کے مکان کے طور پر بنائے گئے ہوں گے جہاں تازہ ہوا اور سورج کی روشنی کا گزر بھی مشکل سے ہوتا ہے۔

شام کے وقت چوہوں کی اچھل کود زیادہ ہوجاتی ہے جو تیزی سے ایک سے دوسرے گھر میں بھاگتے آسانی سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ جوں ہی سورج کی آخری کرن کو شام کے دھندلکے نگل لیتے ہیں تو مسجد سے موذن کی اذان گونجتی ہے۔ سامنے موجود بلڈنگ میں ایک عورت بیٹھی غزل گارہی ہے۔ اس کی مدھر آواز کی

تانیں پورے صحن میں گونج رہی ہوتی ہیں مگر جوں ہی اذان کی آواز اس کے کانوں میں پہنچتی ہے وہ غزل گانا بند کردیتی ہے۔ وہ شام کے وقت روزانہ ہی گاتی ہے اور جب کبھی وہ کھڑکی کے پاس سے گزرتی ہے ہم اس کے حسن کی ایک جھلک دیکھنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ بعض وقت وہ اپنے کسی بچے کے ساتھ ہوتی ہے تو کبھی ایک مرد کے ساتھ جو اکثر اس کے پاس آتا ہے۔ ہمیشہ ایک ہی مرد کو میں نے وہاں آتے دیکھا ہے اور جب کبھی وہ شخص اس عورت کو مارتا تو میں یوں ظاہر کرتی کہ گویا میں اس کی طرف دیکھ ہی نہیں رہی۔

مجھے اقبال کے گھر کی چھت سے دن کا یہ لمحہ سب سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ چھت چار منزلوں کے اوپر ہے۔ میں دھندلکے میں بیٹھتی ہوں۔ بڑی سی ایک غیر مربوط کاپی میں اپنے خیالات اور یہ منظر لکھتی رہتی ہوں۔ بہت کچھ لکھنے کے لیے ہے۔ بہت کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے لیے ہے لیکن مجھے یہ خدشہ ہے کہ میں صرف اس ممنوعہ تحتی ثقافت (سب کلچر) کا ایک سرسری تجزیہ ہی کرسکوں گی۔

بطور محقق اپنی پیشہ وارانہ زندگی کے گذشتہ پانچ سال میں نے جسم فروشی اور ایشیا میں عورتوں کی خرید وفروخت کے حوالے سے تحقیق میں گزارے ہیں۔ انسانی حقوق سے متعلق معاملات، قرض کے بندھن، اور ایڈز سے متعلق معاملات بھی میری تحقیق کا حصہ ہیں۔ میں نے جن مقامات پر اپنی تحقیق کے حوالے سے وقت گزارا ہے ان میں ٹوکیو کے کلب، بنکاک اور فلپائن کے لڑکیوں کے بار اور ممبئی، کلکتہ اور بنگلہ دیش کے وہ بڑے بڑے قحبہ خانے شامل ہیں جنہیں دیکھ کر یہ گمان گزرتا ہے کہ یہ ان شہروں میں آباد الگ شہر ہیں۔ ہیرامنڈی بھی ان جگہوں کی طرح کی ایک جگہ ہے مگر پھر بھی یہ مختلف ہے۔ یہ اب بھی انڈیا کے روایتی چکلوں کے عناصر اپنے اندر رکھتی ہے مگر یہ تیزی سے بدل رہی ہے۔ میرا یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ میں اس تبدیلی کو محفوظ کرسکوں۔ ایک عہد کے خاتمے کا مشاہدہ بچشم خود کرسکوں۔ میں اس محلے میں قریب ایک ماہ رہوں گی اور ایسا سال میں تین بار ہوگا یعنی یہاں میرے ایک سال میں تین دورے ہونے ہیں۔ زیادہ دن یہاں گزارنا میرے لیے مشکل ہے کیونکہ وہاں مجھے نوکری بھی کرنی ہے۔ میں ایک یونیورسٹی میں پڑھاتی ہوں، اور پھر میرے تین بچے بھی ہیں، ایک خوبصورت لڑکا اور دو پیاری سی بچیاں...... میں انہیں سکیورٹی کے خدشات اور غیر مخلوط معاشرے کے باعث ہیرامنڈی نہیں لاسکتی اس لیے وہ انگلینڈ میں میری ماں کے پاس ہی رہیں گے۔

میرے صحن سے دور ادھر چند نوجوان عورتیں سکھائی گئی بستروں کی چادریں لپیٹ رہی ہیں۔ وہ مسکرا رہی ہیں اور الہڑ انداز میں اِدھر اُدھر گھوم رہی ہیں۔ میں انہیں دیکھنے کے لیے لکھنا بند کرتی ہوں۔ ان کا چھوٹا بھائی انہیں نظرانداز کررہا ہے جو پتنگ بازی میں مشغول ہے اور اپنی چھت کے بلند سے بلند مقام پر پہنچنے کی فکر میں ہے۔ جب دوپہر یا شام میں موسم خوشگوار ہوتا ہے تو درجنوں اور بعض اوقات سینکڑوں پتنگیں پرانے لاہور کے اوپر پھڑپھڑاتی نظر آتی ہیں۔ یہ ایک خوبصورت منظر ہوتا ہے۔ پتنگ بازی دیکھنے میں بے ضرر ور

مہذب مشغلہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت اور میں ایسا نہیں ہے کیونکہ ہر پتنگ باز اسی کوشش میں ہوتا ہے کہ مخالف کی ڈور کاٹ کر اس کی پتنگ کو زمین کا راستہ دکھا سکے۔

پڑوسیوں کی چھت پر موجود بچے وہاں پڑی پرانی رضائیوں کے ڈھیر پر کود رہے ہیں۔ ایک بوڑھی عورت جو غالباً ان بچوں کی دادی ہے، کونے میں بیٹھی بچوں کو کھیلتا ہوا بھی دیکھ رہی ہے اور چاولوں سے کنکریاں بھی نکال رہی ہے جو اس نے ایک بڑے برتن میں پھیلائے ہوئے ہیں۔ ہیرا منڈی کا جو منظر ہم ہیرا منڈی کی گلیوں میں دیکھتے ہیں وہ ایک نامکمل منظر ہے اور محلے کی مکمل زندگی کا ترجمان نہیں۔ عمارتوں کے اندر ایک اور ہی دنیا موجود ہے، عورت کی مخفی دنیا...... اور پھر گھروں کی چھت پر موجود دنیا، جو ست سہی مگر مسلسل متحرک ہے جو اندرون شہر گھروں کی چھت پر رواں رہتی ہے۔

یہاں کوٹھے راتوں کو جاگتے ہیں اور ان کی روشنیاں صبح تک روشن رہتی ہیں۔ موٹر سائیکل آتے جاتے رہتے ہیں۔ اپنے چھکڑوں پر میوزک چلائے پاپ کارن بیچنے والے رات بھر گلیوں میں گھومتے ہیں۔ چارپائیوں پر دلال گروپ بنا کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ رات میں ایک کتا بھونکتا ہے اور پھر بھونکنے کی آوازوں کا ایک سلسلہ چل پڑتا ہے۔ شہر کے اس حصے میں عورت کی زندگی رات کے گرد گھومتی ہے۔ رات بھر وہ گھروں میں ہوتی ہیں مگر سوتی نہیں۔ وہ نیچے قالین پر سوتی ہیں یا بستروں پر پڑی رہتی ہیں۔ کھانے اور پینے کے دوران وہ ٹی وی دیکھ رہی ہیں یا پھر موسیقی سنتی رہتی ہیں۔ وہ منتظر ہیں۔ گاہے بگاہے بعض گھروں کے دروازے بند ہوتے رہتے ہیں اور ایک گھنٹے کے قریب وہ دوبارہ کھلتے ہیں۔ آدمی تین تین دو دو کے گروپوں میں گھومتے نظر آتے ہیں اور پھر ان گہرے سایوں میں موجود گلیوں میں غائب ہو جاتے ہیں جہاں دن کے اوقات میں بھی چلنا پھرنا مشکل ہوتا ہے۔

اقبال کے گھر کے سامنے کا حصہ شاہی قلعہ روڈ کی طرف کھلتا ہے۔ یہ روڈ مسجد اور قلعے کے احاطے کے پاس سے گزرتی ہے۔ اقبال کے گھر سے 100 میٹر کے فاصلے پر روشنائی گیٹ ہے۔ اس دروازے کو روشنائی گیٹ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک وقت میں یہ دروازہ روشنیوں سے جھلملاتا رہتا تھا۔ یہ وہ دروازہ ہے جہاں سے پرانے لاہور کے باسی، جنہیں عموماً اندرون شہر والے کہا جاتا ہے، حضوری باغ میں داخل ہوتے ہیں۔ باغ سے یہ لوگ مسجد کے حدود میں داخل ہو سکتے ہیں یا پھر عالمگیری گیٹ سے شاہی قلعے میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ایک زمانے میں عالمگیری گیٹ طاقت کا مرکز تھا، نہ صرف اس شہر کا بلکہ پوری سلطنت کا۔

لاہور پنجاب کا ثقافتی مرکز ہے۔ پنجاب جو جنوبی ایشیا کا ایک اہم اور دولت مند علاقہ ہے۔ پنجاب لفظ پانچ دریاؤں ''پنج آب'' سے ماخوذ ہے جو اس خطے میں جمع ہو کر زرخیز زرعی میدانوں کو جنم دیتے ہیں اور طاقت کا وہ مرکز تشکیل پاتا ہے جس کے ذریعے حکمران برصغیر کے وسیع علاقوں کو کنٹرول کیا کرتے تھے۔ مغل دورِ حکومت میں، سولہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک، دہلی، آگرہ اور لاہور، تینوں مقامات، مختلف

موقعوں پر شاہی دارالخلافہ رہے ہیں۔ بادشاہوں نے یہاں شاندار عمارتیں بنوائیں جن سے ان کے مذہبی رجحانات، طاقت اور ملکاؤں سے ان کی محبت کا اظہار ہوتا تھا۔ آگرہ میں موجود تاج محل، لال قلعہ اور جامع مسجد دہلی میں اور شاہی قلعہ اور بادشاہی مسجد لاہور میں...... مغل بادشاہ ہاتھیوں پر سوار ہو کر عالمگیری گیٹ سے شاہی قلعے میں داخل ہوتے اور ان کے دربار میں ناچنے والی طوائفیں، رقاصائیں اور درباری بھی اسی راستے سے گزر کر دربار پہنچتے تھے۔ تاجر، زرگر، درزی بھی پہلے جھلملاتے روشنائی گیٹ سے گزر کر عالمگیری دروازے تک پہنچتے اور یوں روشنائی گیٹ وہ ذریعہ تھا جس سے ہو کر لوگ بادشاہوں اور عبادت گاہ تک رسائی حاصل کرتے تھے۔

اب روشنائی گیٹ اتنا روشن نہیں رہا اور اس کی وہ عظمت بھی باقی نہیں ہے۔ مجھے شک ہے کہ یہاں کی طوائفوں کی زندگی کبھی بھی اتنی رومان پرور نہیں رہی ہوگی جتنا کہ بیان ہوتی ہے۔ شاید سب سے زیادہ خوبصورت عورتیں حرم سرا میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہوں اور روسا کی بہت سی داشتاؤں میں سے ایک بن جاتی ہوں۔ لیکن اکثریت کی عصمت ایسی ہی ہوتی ہوگی جیسی کہ آج ہے۔ نازنخروں کا ایک چھوٹا سا دور اور پھر ریٹائرمنٹ کی طویل زندگی۔

آج عالمگیری گیٹ کے باہر ہاتھیوں کی سواری کسی کا انتظار کرتی نظر نہیں آتی۔ ہاں کاریں اور چھوٹی گاڑیاں سیاحوں کو اِدھر اُدھر لے جانے کے لیے موجود ہیں۔ لیکن روشنائی گیٹ کی وہ سمت جہاں ہمارا گھر ہے، یعنی اندرون، ایک صدی قبل یقیناً یہ جگہ مختلف رہی ہوگی۔ اب یہاں آبادی بہت گنجان ہے اور ہاتھی گاڑی کی بجائے یہاں موٹر رکشے زیادہ ہیں۔ لیکن سنیکس بیچنے والوں کے چھکڑے، بہرحال اب بھی موجود ہوتے ہیں جو موسم کی مناسبت سے اپنا سامان تجارت بدلتے رہتے ہیں۔ گرمیوں میں یہ چھکڑے گنے کا جوس اور برف لگے ٹھنڈے آم بیچتے ہیں جبکہ سردیاں آتے ساتھ ہی ان چھکڑوں پر آلو کے گرم چپس نظر آتے ہیں۔

کونے میں موجود دکان پر اب لذیذ شربت کی بجائے کوک اور سپرائٹ بکتی ہے۔ لیکن بالکل سامنے موجود الفیصل ہوٹل میں آج بھی روایتی کھانے مل جاتے ہیں جو بڑے بڑے برتنوں میں موجود ہر وقت چولہے پر چڑھے ہوتے ہیں۔ معروف کھانوں میں دال، سبزیاں، بکرے یا دنبے کا شوربے والا سالن اور تلی کراری مزیدار روٹیاں شامل ہیں۔ بیکری والا دھاتی برتنوں میں آٹا اور پانی ڈال کر انہیں مکس کرتا ہے، پھر انہیں نرم نرم گول گیندوں کی شکل میں لے آتا ہے پھر انہیں بیلنے کے ذریعے چپٹا کر کے تندور میں لگاتا جاتا ہے جہاں تھوڑی دیر میں روٹیاں تیار ہو جاتی ہیں، تندور سے نکلتے وقت یہ روٹیاں اتنی گرم ہوتی ہیں کہ انہیں ہاتھ میں پکڑنا مشکل ہوتا ہے۔ زیادہ تر گاہک وہیں ریسٹوران میں پڑی میزوں پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ اگرچہ فیصل ہوٹل میں آنے والے زیادہ تر مرد ہی ہوتے ہیں مگر عورتوں کے لیے بھی ایک کونا موجود ہے جہاں پھولدار پردے لٹکے ہیں تاکہ عورتیں پردے میں بیٹھ کر کھانا کھا سکیں۔ یہ کونا بالکل ایسے ہے جیسے ہمارے ہاں

یورپ میں نہانے کے لیے گھر میں کونے بنے ہوتے ہیں۔

بہت کم ہی یہ پھولدار پردے گرانے کی نوبت آتی ہے کیونکہ شاذ ہی کوئی نوجوان عورت یہاں کھانا کھانے آتی ہے۔ گلیوں میں جو چند عورتیں گھومتی نظر آتی ہیں وہ مکمل پردے میں اور تیز تیز چل رہی ہوتی ہیں۔ 12 سے 50 سال کے درمیان کی عورتیں اور لڑکیاں اپنی حفاظت کے پیش نظر زیادہ تر گھروں کے اندر ہی رہتی ہیں۔ اس سے ان کی عزت محفوظ رہتی ہے۔ ان عورتوں اور لڑکیوں کی تمام عمر عموماً چند کمروں تک محدود رہتی ہے۔ وہ روزانہ کی شاپنگ کے لیے بھی شاذ ہی باہر جاتی ہیں۔ گھر میں موجود لڑکے اور مرد ہی روزمرہ کا سودا سلف لاتے ہیں۔

کھانے کے حوالے سے ہیرا منڈی بہت عمدہ جگہ ہے۔ ٹی اسٹال اور ریستوران ہر وقت لوگوں کے ہجوم میں گھرے رہتے ہیں۔ لوگ یہاں میٹھی چائے، کیک، دنبے کے کباب، اشتہا انگیز تلی ہوئی مرغیاں اور تازہ بنی روٹیاں خریدتے ہیں۔

یہ لذیذ کھانے جسمانی ڈھانچے پر اندرونی اور گہرے اثرات چھوڑتے ہیں۔ اس علاقے کے غریب چاہے ان کی عمر کتنی ہی ہو پتلے اور پچکے ہوئے ہیں لیکن کھاتے پیتے گھرانوں کے نوجوان جو ہیرا منڈی میں تفریح کے لیے آتے ہیں حیران کن حد تک صحت مند اور خوبصورت ہیں۔ ان کے رنگ گندمی، جسم مضبوط اور لہجے پُر اعتماد ہیں۔ لیکن جوں ہی وہ تیس کے پیٹے میں داخل ہوتے ہیں، موٹے ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ یہ لذیذ اور تلے ہوئے کھانے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جب یہ اپنی عمر کے چالیسویں عشرے میں پہنچتے ہیں ان کے چہرے پلپلے ہو جاتے ہیں اور پیٹ یوں باہر نکل آتے ہیں جیسے حاملہ عورتوں کے ہوتے ہیں۔

قلعے کی سڑک روشنائی گیٹ سے مڑ کر قلعے کی دیوار کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔ یہاں پر بہت سی ورکشاپس اور گیراج ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بے رنگ جگہیں بھی کافی ہیں جہاں لوگ موٹر سائیکل، رکشے اور گاڑیاں پارک کرتے ہیں۔ درجنوں نائی بھی سڑک کے ساتھ بنی فٹ پاتھ پر ریڑھیاں لگا کے بیٹھے بال کاٹتے ہیں اور تیز ریزر سے شیو کر رہے ہوتے ہیں۔ کان کی صفائی کرنے والے بہت سے ماہرین بھی اس فٹ پاتھ پر بیٹھے لوگوں کے کانوں سے میل نکالتے ہیں اور جو لوگ وہاں کان کی صفائی کروا رہے ہوتے ہیں انہیں دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ وہ مزے لے رہے ہیں۔

جوں ہی یہ سڑک کچھ آگے بڑھتی ہے اس کے رنگ ڈھنگ بھی بدلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اب دکانیں زیادہ بڑی اور خوشحال ہیں۔ دوپہر میں یہاں کی معروف بیکری پر بہترین سموسے اور چٹنی ملتی ہے۔ گاہک بے ترتیبی سے دوکان پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور جوں ہی وہ سموسے خریدنے میں کامیاب ہوتے ہیں گرم سموسوں کے ساتھ تیزی سے گھر کا رخ کرتے ہیں۔ سموسے جس کاغذ میں لپٹے ہوتے ہیں ان سے گھی ٹپک رہا ہوتا ہے اور چٹنی اور چنے شاپروں میں ہل رہے ہوتے ہیں۔ سڑک کے آخری سرے پر ہیرا منڈی چوک واقع ہے

اور یہاں سے آپ وہ سڑک کراس کر کے جس کے دونوں طرف دکانیں ہیں، عزت دار علاقوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان دکانوں پر روایتی آلات موسیقی کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ آلات موسیقی کے علاوہ دانتوں کی سرجری کے آلات کی بھی یہاں کئی دکانیں موجود ہیں جن پر بڑے بڑے بورڈ لگے ہوتے ہیں۔ ان بورڈوں پر مردوں عورتوں کی تصویریں پینٹ کی گئی ہیں جو کانوں کی صفائی یا علاج کراتے دکھائی دیتے ہیں۔

آج کل ہیرا منڈی کی مرکزی گلی چائے کی دکانوں، ریستورانوں اور بلیرڈ اور پن بالوں کی گیمز کی دکانوں سے بھری ہوئی ہے، جن پر مختلف قسم کی روشنیاں جھلملا رہی ہیں۔ ترنم چوک میں واقع سنیما پر فلموں کے بڑے بڑے بل بورڈ لٹکے ہیں جن پر فربہ اور خوبصورت فلمی لڑکیوں کی تصویریں دور سے نظر آتی ہیں۔ یہ محلے کا مصروف ترین اور گنجان آباد حصہ ہے۔ سنیما کے سامنے شور مچاتے رکشے، ریڑھیاں اور موٹر سائیکلوں کا اژدھام ہے۔ یہ گلیاں کبھی خاموش نہیں ہوتیں، ہر وقت یہاں لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ حتیٰ کہ رات کے وقت بھی یہاں ہلچل ہوتی ہے۔ رات میں ان گلیوں کے ہنگامے کی نوعیت خصوصی ہوتی ہے۔ دن کے وقت شاہی محلے کی گلیوں کی چہل پہل اندرون شہر کی دیگر گلیوں کی طرح ہوتی ہے مگر شام ہوتے ہی یہ گلیاں اپنا رنگ بدل لیتی ہیں۔ ریستوران لوگوں سے بھر جاتے ہیں۔ رنگ رلیوں کے لیے آنے والے......صرف مرد...... ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے چل رہے ہوتے ہیں۔ یہ گلیاں اب زندہ، پُر جوش اور پُر شور ہو چکی ہیں۔ چھوٹی گلیوں میں آدمی ایک دوسرے کو دھکے دیتے آگے بڑھ رہے ہیں اور بازار ٹریفک کی وجہ سے بھر چکے ہیں۔ لوگوں کے ہجوم میں پاپ کارن اور آئس کریم کے ٹھیلے والے اپنا میوزک چلاتے آگے بڑھ رہے ہیں۔ مرکزی گلی کے کونے میں موجود ایک سرکاری آفس کی بلڈنگ اداکاراؤں کی تصویروں سے اٹی ہے۔ یہ واضح نہیں ہو رہا کہ یہ سرکاری آفس کونسی خدمات مہیا کرتا ہے۔ ایک کھڑکی پر ایک بورڈ لگا ہے جس پر اردو میں کچھ لکھ کر اس کا غلط انگریزی ترجمہ کچھ یوں لکھا گیا ہے۔

Best Music Gorup....Eny Fungton

جوں ہی رات شاہی محلے پہ اُترتی ہے کچھ ادھیڑ عمر عورتیں گاہکوں کی تلاش میں اپنے گھر کے دروازے پر براجمان ہو جاتی ہیں۔ اوپر والے کمروں کے کوٹھے ابھی بند ہیں اور کچھ نوجوان عورتیں مدھم لائٹ میں بالکنی میں بیٹھی نظر آ رہی ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہیرا منڈی کا اصل کام ہوتا ہے۔ ایک اکیلی نوجوان عورت گلی میں چلتی نظر آ رہی ہے......لمبی تڑنگی اور مسحور کن جسمانی اعضاء کے ساتھ وہ مجمع کے درمیان سے جنسی شہوت ابھارنے والی چال کے ساتھ چلی جا رہی ہے۔ اس نے پردہ نہیں کیا ہوا۔ سرخ شلوار اور سرخ و سفید دھاریوں والی قمیض پہن رکھی ہے۔ اپنے بالوں کو اچکاتے اور سینہ اکڑا کر چلتے ہوئے وہ بہت پُر اعتماد اور جرات مند لگ رہی ہے...... میں نے اسے غور سے دیکھا اور تب مجھے پتہ چلا کہ وہ کیوں ایسے چلی جا رہی ہے......وہ عورت نہیں ہے بلکہ کھسرا ہے......آدھی عورت، آدھا مرد۔

دن کی روشنی میں آپ اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ ہیرامنڈی ریڈ لائٹ ڈسٹرکٹ (قحبہ خانہ) ہے جہاں سینکڑوں عورتیں رہتی اور جنسی کام کرتی ہیں۔ پاکستان میں جسم فروشی غیر قانونی دھندا ہے اور اس لیے شادی کے علاوہ کوئی بھی جنسی عمل زنا کے زمرے میں شامل اور ملک کے اسلامی قانون کے مطابق قابل سزا ہے۔ جس کی سزا سنگ زنی یا کوڑے ہیں۔ یہاں جسم فروشی کرنے والی عورتیں گھٹیا اور دھرتی کی ذلیل ترین مخلوق تصور ہوتی ہیں۔ مگر آدھی رات کا ایک گھنٹہ انہیں کچھ رعایت مل جاتی ہے۔

کچھ درجن دوکانوں کے شٹر کھلے ہیں۔ اندر عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں جنہوں نے پردہ نہیں کیا ہوا۔ شوخ رنگ کے کپڑے زیب تن کر رکھے ہیں۔ بھاری میک اپ منہ پر تھوپا ہوا ہے اور ایسے صوفوں پر بیٹھی ہیں جن پر سفید سائن کی چادریں چڑھی ہیں۔ ان کے چہروں پر مضطرب سی اک مسکراہٹ ہے جو غالباً اس وجہ سے ہے کہ وہ باہر موجود اندھیری گلی میں کچھ دیکھنے سے قاصر ہیں۔ مہنگی گاڑیاں آ کر رکتی ہیں۔ بعض اوقات کچھ مرد دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ اونچی کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ شٹر بند ہو گئے ہیں۔ صوفے، کرسیاں اور میزیں دیوار کے ساتھ کھسکائی جا چکی ہیں۔ فرش پر سفید چادریں بچھ چکی ہیں۔ کمرے کے کونے میں بیٹھے موسیقاروں نے اپنے ہارمونیم طبلے اور ڈھولک بجانے شروع کر دیے...... یہ ہیں کوٹھے...... ہیرامنڈی کے کوٹھے...... یہ ہیں وہ جگہیں جہاں ایک وقت میں محلے کی طوائفوں نے اپنا نام بنایا تھا۔

ماہا

ماہا اپنے پانچ بچوں کے ساتھ ایک اپارٹمنٹ کے دوسرے فلور پر رہتی ہے۔ اس اپارٹمنٹ کا صحن کافی کشادہ ہے۔ اپنی کھڑکی سے میں نے کئی بار ماہا کو سرسری نگاہوں سے دیکھا ہے۔ آج مجھے اس نے اپنے گھر دعوت پر بلایا ہے۔ وہ جس صوفے پر بیٹھی ہوئی ہے وہ حیران کن طور پر قیمتی محسوس ہو رہا ہے۔ گھر کا اندرونی منظر عزت دار مڈل کلاس کی نشاندہی کر رہا ہے لیکن گھومتی ہوئی سیڑھیوں کے جو زینے اس گھر تک آتے ہیں وہ انتہائی گندے، بدبودار اور زنگ آلود لوہے کی گرلز پر مشتمل ہیں اور جو راستہ اس گھر کی طرف رہ نمائی کرتا ہے اس پر بھی جا بجا گندگی اور غلاظت کے ڈھیر پڑے ہیں۔

ماہا ایک پیاری سی خاتون ہے، جس کے چہرے پر فطری خود اعتمادی جھلک رہی ہے۔ اس کے لمبے بالوں پر سیاہی مائل سرخ حنا لگی ہے۔ اگرچہ وہ کچھ فربہ ہے مگر اب بھی دلکش نظر آتی ہے۔ اور جہاں تک اس کے رقص کی بات ہے تو وہ واقعی انتہائی شاندار ہے۔ دس سال قبل یقیناً وہ توبہ شکن حد تک خوبصورت رہی ہو گی۔ اب وہ تیس کے پیٹے میں داخل ہو چکی ہے اور کئی بچوں کی ماں بھی ہے۔ اس کے بچے خوبصورت ہیں مگر ان کی وجہ سے ماہا کا کیریئر تباہ ہو چکا ہے۔ ان کی وجہ سے ماہا کی حیثیت اور جسمانی خال و خط گہنا گئے ہیں۔

نچلی منزل پر ماہا کی ماں اور بہنیں رہتی ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی خوبصورتی میں ماہا کی ہم پلہ نہیں

ہے۔ بوڑھی خاتون دن بھر کھڑکی میں بیٹھی پان چباتی رہتی ہے۔ اکثر ماہا کی ماں کا لہجہ تلخ ہی رہتا ہے۔ ماہا کا کہنا ہے کہ گھر میں کوئی بھی اس بوڑھی عورت پر توجہ نہیں دیتا کیونکہ اب وہ پیسے نہیں کما سکتی۔ ماہا کی ماں کا اصرار ہے کہ ماہا کو سارا دن گھر میں نہیں پڑے رہنا چاہئے کیونکہ اب بھی اس کا حسن اتنا طاقتور ہے کہ بازار میں جا کر کئی گاہکوں کو پھنسا سکتی ہے۔

دوسری طرف ماہا کا کہنا یہ ہے کہ وہ ہیرامنڈی میں جا کر کسی کوٹھے پر رقص نہیں کر سکتی کیونکہ اس کا شوہر عدنان اس کی اجازت نہیں دے گا۔ ماہا عدنان کی دوسری بیوی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ داشتہ زیادہ ہے اور بیوی کم۔ مسلمان ایک وقت میں چار بیویاں رکھ سکتے ہیں اور طلاق کے ذریعے بیویاں بدلی بھی جا سکتی ہیں...... عدنان نے ماہا کے گھر کی مالی معاونت سے عرصہ ہوا ہاتھ کھینچ لیا ہے اور اب ماہا کا خیال ہے کہ وہ جلد ہی اسے طلاق دے دے گا۔

پھر بھی ماہا اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ وہ کسی کی قانونی بیوی ہے۔ کیونکہ ہیرامنڈی کی زیادہ تر عورتوں کو نام کا شوہر بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اگرچہ یہاں کی عورتیں اپنے گاہکوں کو بھی شوہر کہہ کر ہی پکارتی ہیں کیونکہ دوسری صورت میں وہ مجرم قرار پائیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی جیلوں میں سزا کاٹ رہی اکثر عورتیں ایسی ہیں جنہوں نے اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور سے جنسی تعلق استوار کیا۔ دوسری طرف یہاں یہ قابلِ حیرت امر نہیں کہ عورتوں کے مقابلے میں ان مردوں کی تعداد جیلوں میں کہیں کم ہے جنہوں نے اپنی بیویوں کے علاوہ کسی اور عورت کے ساتھ سیکس کیا۔

عدنان نے ماہا پر اور بھی کئی پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ پانچ سال پہلے حالات قدرے مختلف تھے۔ تب عدنان ایک کامیاب بزنس مین تھا جس نے ماہا کو اندرون شہر سے باہر ایک خوبصورت مکان لے کر دیا تھا۔ عدنان سے ماہا کے دو بچے ہیں۔ معتذر جو 4 سال کا لڑکا اور خاندان کا واحد مذکر بچہ ہے، اور صوفیہ، جس کی عمر 18 مہینے ہے۔ گھر کی خوشحال زندگی اب زوال آمادہ ہے کیونکہ عدنان اب ماہا سے اور بچوں کی کفالت سے اکتا چکا ہے۔ ماہا عدنان کے رویے کی وجہ سے دن بھر اتنا روتی ہے کہ اس کا ناک سرخ ہو جاتا ہے۔ وہ کہتی ہے:

''عدنان نے مجھے پیار کیا لیکن جب بچے جننے کی وجہ سے میں ایسی ہو گئی ہوں وہ مجھے کہتا ہے کہ یہاں سے چلی جاؤ واپس ہیرامنڈی، اب وہ مجھے اتنا پیار نہیں کرتا کیونکہ میں موٹی ہو گئی ہوں، میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور جوانی ختم ہو گئی ہے۔''

غالباً وہ ٹھیک ہی کہتی ہے۔ ماہا کی کہانی ان گلیوں کی عام کہانی ہے۔ ہیرامنڈی کی خوبصورت عورتیں جب بیس کے پیٹے میں ہوتی ہیں تو انہیں وقتی طور پر یہاں سے چھٹکارا مل جاتا ہے مگر جونہی وہ تیس کے پیٹے میں داخل ہوتی ہیں اسی زندگی میں انہیں دوبارہ دھکیل دیا جاتا ہے اور قحبہ خانے کی زندگی ایک بار پھر ان کا مقدر ہو جاتی ہے۔ ماہا بھی واپس اسی گھر میں آ گئی ہے جہاں وہ پیدا ہوئی تھی اور جہاں سے ہمیشہ وہ تعلق

رکھتی تھی۔

ہم نے ماہا کے گھر میں عدنان کی بھتیجی کی شادی کی ویڈیو دیکھی۔ یہ بھتیجی اس کی قانونی بیوی کی ہے اور عزت دار خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ ماہا کو شادی میں نہیں بلایا گیا تھا۔ مگر اس نے وہاں نہ جانے کی کمی کو یوں پورا کیا کہ اس شاندار ضیافت کی ویڈیو کو اتنی بار دیکھ چکی ہے کہ ویڈیو فلم ناکارہ ہونے والی ہے۔ اسے پوری ویڈیو فلم کا ایک ایک منظر زبانی یاد ہو چکا ہے۔ فلم دیکھنے کے دوران وہ چلائی "یہ عدنان ہے" عدنان ماہا سے عمر میں تقریباً 20 سال بڑا نظر آتا ہے اور جب کیمرہ اس کی طرف جاتا ہے تو وہ شرما جاتا ہے۔ ممتاز (عدنان کی قانونی بیوی) کی آنکھوں میں خلا اور چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ ہے اور زیورات سے لدی ہوئی ہے۔

ماہا فلم کو روکتی ہے تاکہ ہم تقریب میں شامل تمام مہمانوں کا تجزیہ کر سکیں۔ پھر وہ کہتی ہے:

"ممتاز کا ناک اتنا اچھا نہیں ہے، عورت کا ناک اچھا نہ ہو تو وہ خوبصورت نہیں ہوتی، اور اس کی آنکھیں بھی میری طرح خوبصورت نہیں ہیں...... میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں...... وہ 43 سال کی ہے۔ اس کا خیال ہے وہ جنسی طور پر پُرکشش ہے"

وہ یہ کہہ کر ہنسنے کی کوشش کرتی ہے مگر اس کی چیخ نکل جاتی ہے۔ میں اس سے متفق ہوں۔ ممتاز نہ تو ماہا کی طرح خوبصورت ہے اور نہ ہی جوان۔

ماہا کا نیا گھر دو کمروں پر مشتمل ہے اور پہلے گھر سے کہیں گھٹیا ہے ان دو چھوٹے کمروں میں سے ایک میں پرانا سا ایک ائیر کولر پڑا ہے جو جب چلتا ہے تو اتنی تیز اور پُرشور ہوا دیتا ہے کہ بال کھوپڑی سے الگ ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔ ہوا سے زیادہ یہ شور پیدا کرتا ہے۔ جب گرمیوں میں مہمان اس کمرے میں آتے ہیں تو ایک دوسرے تک اپنی آواز پہنچانے کے لیے انہیں چیخ کر بولنا پڑتا ہے۔ کمرے میں دوسری نمایاں چیز وہ بڑا سا گدا ہے جس پر بیٹھ کر میں گھنٹوں اس زندگی کا مشاہدہ کرتی رہتی ہوں۔ اس دوران ماہا کی چھوٹی بیٹی صوفیہ مجھ پر کودتی رہتی ہے۔ صوفیہ موٹی سی بچی ہے جس کا ناک چہرے پر نمایاں ہے۔ وہ میرے گلاس سے کوک پیتی رہتی ہے اور اس میں موجود سٹرا کو اس وقت تک چباتی رہتی ہے جب تک وہ ختم نہیں ہو جاتا۔ اس کے بعد وہ گدے پر پڑے کھانے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اٹھا کر میرے منہ میں ڈالنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔

کوٹھا اچھے خاصے بازار کا منظر پیش کر رہا ہے۔ چیزیں بیچنے والے مسلسل آ جا رہے ہیں۔ گرم دنوں میں یہاں شربت بیچنے والے مختلف قسم کے پھلوں کے شربت بیچتے ہیں۔ ایک چھکڑے والا کلپ، الاسٹک، اور کچھ جیسی دیگر اشیا بیچتا رہتا ہے جو خواتین سے متعلق ہوتی ہیں۔ لنڈے کے کپڑوں کے حوالے سے بھی یہاں لین دین جاری رہتا ہے۔ کچھ اور بھی چیزیں ہیں جو بیچنے کے لیے پھیری والے یہاں گھومتے رہتے ہیں۔ ایک شخص پائپ کے ساتھ لگے گجرے اور پھولوں کے ہار بیچ رہا ہے۔ یہ گجرے اور ہار بہت

خوبصورت ہوتے ہیں مگر ان کی زندگی چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں ہوتی اور تھوڑی ہی دیر میں یہ نرم نرم پتیوں کی شکل میں اِدھر اُدھر بکھر جاتے ہیں۔ کچھ ہار گلاب کے بنے ہوتے ہیں، جس کی گلابی پتیاں دل لبھانے والی ہوتی ہیں جب کہ کچھ ہار اور گجرے موتیے کے سفید پھولوں سے بنتے ہیں جن کی خوشبو ناقابل فراموش ہے۔ ماہا موتیے کے یہ پھول ایک پلیٹ میں رکھ کر کمرے کے ایک کونے میں رکھ دیتی ہے جن کی خوشبو سے پورا کمرہ مہکتا رہتا ہے۔

صحن میں اشیا فروشوں کے علاوہ خدمات فروش بھی آتے رہتے ہیں۔ مالش کرنے والے اپنی مہارت کی شہرت کے لیے ایک چھوٹے سے دھاتی جنگلے میں موجود تیل کی شیشیوں کو کھنکھاتے رہتے ہیں۔ ننگے پاؤں چلنے والا ایک بھکاری نعتیں اور مذہبی گیت گاتا رہتا ہے۔ اس کی بڑی سی سفید داڑھی ہے۔ اس کی آواز بہت اونچی اور نمایاں ہے اور وہ ہر ایک یا دو دن میں یہاں چکر لگانے آتا ہے۔ ہر بار وہ ایک ہی نعت سناتا ہے۔ حسب معمول کھڑکی سے ایک روپے کا نوٹ اڑتا ہوا آتا ہے اور فقیر اسے لے کر اپنی راہ چل پڑتا ہے۔ جوں جوں وہ گلی میں آگے بڑھتا جاتا ہے، اس کی آواز مدہم ہوتی جاتی ہے۔

ماہا اور اس کی بیٹیاں بہت توجہ دینے والی میزبان ہیں۔ ہمیشہ وقفے وقفے سے مجھے چکن اسنیکس، نمکو، مونگ پھلی، دال، آلو کے چپس، املیاں، بسکٹس، سیون اپ اور کوکا کولا پیش کرتی رہتی ہیں۔ مسلم معاشروں میں یہ رواج ہے کہ وہ اپنے مہمانوں کے ساتھ مہربانی والا اور سخاوت والا سلوک اختیار کرتے ہیں۔ پاکستانی گھروں میں آنے والا کوئی بھی سیاح کبھی بھوکا اور پیاسا نہیں جا سکتا۔ یہاں کے باسی گرم جوشی سے استقبال کرتے ہیں اور غریب سے غریب گھر والے بھی مقدور بھر کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مہمان کو اچھا کھلائیں پلائیں چاہے بدلے میں اس دن خود انہیں بھوکا ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔ یہ سخاوت ہے اور اس کے باعث میں کئی بار ہراساں بھی ہوئی۔ بعض اوقات تو اس وجہ سے کہ میرے میزبان یہ سخاوت کرنے کے متحمل نہیں ہوتے اور بعض اوقات اس وجہ سے کہ مجھے بہت سے گھروں کو جانا پڑتا تھا اور دل رکھنے کے لیے ایک ہی دن میں تمام گھروں سے کچھ نہ کچھ کھانا یا پینا پڑتا تھا۔ یہاں کے کھانے لذیذ ہیں مگر تمام ہی کھانے تلے ہوئے ہوتے ہیں۔ گوشت گھی میں تیرتا ہوا ہوتا ہے اور شربت بہت زیادہ میٹھا۔

اس میں حیرانگی کی کوئی بات نہیں کہ ہیرا منڈی کی عورتیں ویسی ہیں جیسے انہیں ہونا چاہئے۔ یہاں کی نوجوان عورتیں خوبصورت اور لچکیلی ہیں مگر پندرہ سال بعد ہی یہ بہت موٹی ہو جاتی ہیں۔ ایک ہی کمرے میں زیادہ لوگ، غیر صحت بخش غذا اور ورزش سے مکمل پرہیز کی وجہ سے ان کے جسم پر چربی کی تہیں نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں۔

ماہا اور اس کی رشتہ دار عورتیں میری جسامت دیکھ کر حیران ہوتی ہیں۔ میں 36 سال کی ہوں اور میرے تین بچے ہیں۔ وہ مجھ سے پوچھتی ہیں:

''تمہارا پیٹ کہاں ہے؟ تمہاری پس (چوتڑ) کہاں ہیں، تمہاری پس بہت چھوٹی ہیں۔''

ماہا اور اس کی کزنز مجھے بڑی ترس کھانے والی نظروں سے دیکھتی ہیں کیونکہ شاہی محلے میں یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ آدمی بڑی پس والی عورتوں کو پسند کرتے ہیں۔

ماہا کی دو بڑی بیٹیاں نیشا اور نینا کمرے میں کھیل رہی ہیں۔ یہ بچے ماہا کے پہلے طویل ازدواجی رشتے سے ہیں۔ ماہا جب 15 سال کی تھی ایک سیّد نے اسے بطور داشتہ اپنے پاس رکھا تھا۔ سیّد اس کو کہتے ہیں جن کی نسل مسلمانوں کے نبی محمدؐ سے جا ملتی ہے۔ ماہا کہتی ہے کہ سیّد صاحب سے اس کے تعلق نے اس کی عزت اور وقار میں اضافہ کیا اور ان کا پورا نام بار بار اور احترام سے دہراتی ہے جس سے میں ان سیّد صاحب کی اہمیت کا اندازہ لگاتی ہوں۔ وہ اس بات کو قابلِ فخر گردانتی ہے کہ اس کے بچوں کا باپ ایک اہم آدمی ہے۔ اس تعلق نے اس کے سماجی رتبے کو بھی بڑھایا ہے اور وہ بڑے فخر سے بتاتی ہے کہ یہ بچے لاوارث یا کسی گمنام گاہک کی اولاد نہیں ہیں۔

سیّد صاحب کی داشتہ بننے سے قبل ماہا کے کئی اور نمایاں شخصیات سے بھی تعلقات رہے ہیں۔ ایسی شخصیات جو خوبصورت ترین اور ماہر ترین رقاصاؤں کی ہی سرپرستی کرتے ہیں۔ وہ بتاتی ہے کہ میرا پہلا شوہر بہت بوڑھا لیکن بہت اہم آدمی تھا۔ اس کا نام شیخ زید تھا۔ اس نے پہلے میری بہن فوزیہ سے شادی کی اور پھر چند ہفتوں بعد ہی اس نے مجھ سے شادی کی کیونکہ فوزیہ کو ہمبستری کے وقت خون نہیں نکلا تھا۔

بے چاری فوزیہ کو بے عزت ہو کر واپس گھر آنا پڑا۔ شیخ کنواریوں کو پسند کرتا تھا اور کم عمر بھی۔ جب فوزیہ کی وجہ سے اس خاندان کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا تو نقصان کی تلافی کے لیے ماہا کو بھیجا گیا اور ماہا یہاں سے کراچی عظیم شیخ کی خدمت میں پہنچا دی گئی۔

''اس نے میرے لیے بہت بڑی رقم دی...... دو لاکھ روپے اور تب میں صرف 12 سال کی تھی۔''

ماہا اس جسمانی تعلق پر فخر کرتی ہے اور شاید یہ بجا بھی ہے کیونکہ شیخ زید دبئی کا حکمران اور متحدہ عرب امارات کا صدر تھا۔

ماہا کو شیخ سے ملاقات یاد نہیں کیونکہ اس سے پہلے اسے نشہ آور گولیاں کھلائی گئی تھیں مگر وہ یہ جانتی ہے کہ یہ ملاقات زیادہ طویل نہیں تھی، غالباً ایک گھنٹہ...... پھر اسے ایک اور شخص کے پاس بھیجا گیا جو خوبصورت بھی تھا اور جوان بھی۔ ماہا اسے بہت پسند آئی اور وہ ایک مہینے تک اس کے ساتھ ہمبستری کرتا رہا۔

جب وہ نوجوان شیخ کے ان الفاظ کو یاد کرتی ہے بے تحاشا ہنستی ہے۔ شیخ نے اسے کہا تھا ''تم بہت سیکسی لڑکی ہو۔''

جو جنسی کشش اور مقناطیسی جاذبیت ماہا میں ہے، نیشا اور نینا میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔ اس کے سامنے ان کا چراغ نہیں جلتا۔ زرد اور خوبصورت...... اپنی ماں کے ادھورے سائے۔ بڑی لڑکی نیشا لمبی، پتلی

اور غصیلی ہے، اگرچہ مسکراتی ہے مگر پچھتاوے کا لاوا اس میں کھولتا رہتا ہے، وہ کہتی ہے میں یہ جگہ نہیں چھوڑوں گی۔ اس کی چھوٹی بہن نینا بہت نرم خو ہے اس کی لمبی پلکوں والی آنکھوں میں بچوں کا شرمیلا پن چھلکتا ہے۔ وہ بہت رحم دل اور فرض شناس ہے۔ ایک دن میں بیمار ہوئی تو نینا نے اصرار کیا کہ وہ مجھے پنکھا جھلتی ہے۔ میں وہیں گدے پر سو گئی۔ جب میں دو گھنٹے بعد جاگی وہ وہیں موجود تھی، مسکراتی اور پنکھا جھلتی ہوئی۔

مجھے یقین نہیں کہ یہ لڑکیاں کامیاب طوائفیں بن پائیں گی۔ اگرچہ ان کی زندگی میں کوٹھا پہلے دن سے لکھا جا چکا ہے۔ وہ بالکل ناخواندہ ہیں۔ سکول نہیں جاتیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ کہیں بھی نہیں جاتیں۔ وہ اپنی زندگیاں کوٹھے کے کنارے موجود ان دو کمروں میں گزارتی ہیں، جہاں سے نیچے گھومتی ہوئی سیڑھیاں جاتی ہیں۔ کبھی کبھی وہ ان سیڑھیوں سے ہو کر گلی میں آتی ہیں یا پھر کبھی کبھار سودا سلف لانے کے لیے رکشے میں بیٹھ کر بازار چلی جاتی ہیں۔ یہی ان کی دنیا ہے۔

روایتی ہیرا منڈی کے لائف سائیکل میں ماہا کا خاندان خود کو بدلنے کا سوچے گا۔ پرانے لاہور کی طوائفیں جوں ہی تیس کے پیٹے میں داخل ہوتی ہیں جسم فروشی ترک کر دیتی ہیں کیونکہ ان کی طلب باقی نہیں رہتی۔ صرف ترسی ہوئی رنڈیاں ادھیڑ عمری میں بھی جسم فروشی کرتی رہتی ہیں۔ نفیس طوائفیں عزت نفس کو بچانے کے لیے عزت دار ریٹائرمنٹ کو ترجیح دیتی ہیں اور بیٹھ کر اپنی بیٹیوں اور بھتیجیوں کے کیریئر کا انتظام کرتی ہیں۔ وہ لڑکی جو 15 سال کی عمر میں بچی کو جنم دیتی ہے، اسے تیس سال کی عمر میں اپنا متبادل مل جاتا ہے۔ لڑکی کی پیدائش کا مطلب ہے کہ آپ نے اپنے بڑھاپے کا انتظام کر لیا ہے اور یوں بیٹی کی جوانی اور حسن کی بدولت گھر چلتا رہتا ہے۔

ماہا کے گھر میں ابھی یہ تبدیلی عمل میں نہیں آئی۔ مگر نینا اور نیشا کے نزدیک جو اب 12 اور 14 سال کی ہو چکی ہیں، بازار کی زندگی سے چھٹکارے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ پاکستان میں آج بھی عورت کے لیے واحد آپشن شادی ہے۔ مگر نینا اور نیشا اس حوالے سے بھی بدقسمت ہیں کہ کوئی بھی کسی رنڈی کی بیٹی سے شادی کے بارے میں سنجیدگی سے غور نہیں کرے گا۔ ماہا مجھے اکثر بتاتی رہتی ہے کہ طوائف کی بیٹی کو طوائف ہی بننا پڑتا ہے۔ ڈی این اے کی طرح طوائف اپنا پیشہ اور کلنک کا ٹیکہ بیٹیوں کو وراثت میں دے کر جاتی ہے۔

ہیرا منڈی کی لڑکیوں کی پرورش عام پاکستانی لڑکیوں سے کہیں مختلف طرز پر ہوتی ہے۔ شاہی محلے میں عورت کا حسن اور جنسی زندگی پر کھل کر بات ہوتی ہے۔ یہ لڑکیاں ابھی بہت چھوٹی ہی ہوتی ہیں جب اپنے گھر میں اپنی ماؤں کے پاس کئی مردوں کو دیکھنا شروع کرتی ہیں اور وہ یہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ جب وہ بھی کچھ بڑی ہو جائیں گی یہی مرد ان کے کمروں میں بھی آیا کریں گے۔ سب لڑکیاں آسانی کے ساتھ اس زندگی کو جذب نہیں کرتیں، مگر اکثر کر لیتی ہیں۔ کوئی اور متبادل راستہ ان کے پاس نہیں ہوتا، اور شاہی محلے کی بند دنیا میں یہ برا یا غلط بھی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ طوائفیں جو اپنا کام بہتر اور مہنگے داموں کرتی ہیں اور ایک شان

کے ساتھ اس پیشے میں رہتی ہیں، ان کی تعریف ہوتی ہے اور دیگر طوائفیں ان سے حسد کرتی ہیں۔

ماہا بنفشی شلوار قمیض میں ملبوس گدے پر بیٹھی ہے۔ بیٹھی بھی وہ توانا نظر آتی ہے۔ آج عدنان آنے والا ہے، اور وہ نئے عزم کے ساتھ خود کو سنوارنے میں منہمک ہے۔ پورے کمرے میں اس نے پرفیوم سپرے کیا ہے۔ اپنی آنکھوں کے گرد گہری سیاہ لکیریں کھینچی ہیں۔ بالوں میں کنگھی کی ہے اور ہونٹوں پر گہرے رنگ کی لپ اسٹک بھی لگائی ہے۔ بناؤ سنگھار کے دوران وہ بچوں پر چیختی چلاتی بھی رہی۔ اپنے بیٹے کے سر پر رومال باندھتے ہوئے وہ کہتی رہی کہ عدنان کی بیوی...... باقاعدہ بیوی...... سازشی ہے اور عدنان کے دل میں اس کے لیے نفرت بھر رہی ہے۔

اس نے بچوں کو کمرے سے باہر چلے جانے کا کہا، میرا ہاتھ تھاما اور سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

''وہ کتیا ممتاز عدنان کو کہتی رہتی ہے کہ تم ماہا کو کیوں پسند کرتے ہو جبکہ اس کے اتنے زیادہ بچے ہیں؟ اس کی اتنی بڑی...... بڑی''

ماہا نے اپنے نچلے دھڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو پھیلایا اور پیدائش کے عمل کی نقالی کی۔ وہ سنجیدہ تھی۔ ہیرا منڈی میں عورتوں کے ہاں بچہ ہونا بزنس کے لیے نقصان دہ سمجھا جاتا ہے۔ بچے طوائفوں کو دوسرے درجے کی طوائف بنا دیتے ہیں ان کے بھاؤ گرا دیتے ہیں۔ کامیاب ترین طوائفیں اپنے جسم کو خوبصورت رکھنے کے لیے کبھی بچے کو جنم دینے کا خطرہ نہیں مول لیتیں، اور آخری عمر میں وہ اپنی بھتیجوں اور بھتیجیوں کی کمائی پر گزارا کرتی ہیں۔

ماہا نے مجھے سرگوشی میں کہا کہ ممتاز میرے شوہر کو وہاں گھر میں زبان اور پچھواڑے کے سیکس میں مبتلا رکھ کر اپنا دیوانہ بنائے رکھتی ہے۔ ماہا نے یہ بھی وضاحت کی کہ وہ نہ تو پچھواڑے کا سیکس پسند کرتی ہے اور نہ ہی کسی کو کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اسے کیسے اتنا یقین ہے کہ ممتاز یہ سب کرتی ہے۔ اس نے چلاتے ہوئے جواب دیا:

''وہ پٹھان ہے...... اور سارے پٹھان یہ کرتے ہیں۔''

ہیرا منڈی میں پٹھان جنہیں پشتون یا پختون بھی کہا جاتا ہے اکثر مذاق کا نشانہ بنتے ہیں اور ان کی شہرت ہے کہ وہ پچھواڑے کے سیکس کے شائق ہیں۔ پٹھان ان سرحدی قبائل سے یہاں آئے ہیں جو شمالی پاکستان اور افغانستان کی سرحد کے ساتھ پھیلے ہوئے ہیں۔ شمالی پاکستان سوات میں شدید غیر مخلوط معاشرہ ہے۔ لڑکی وہاں اپنے شوہر کے گھر میں دلہن کے لباس میں جاتی ہے اور جنازے کے لباس میں باہر نکلتی ہے۔ دیہات اور قصبوں میں کوئی نوجوان عورت نظر نہیں آتی کیونکہ اس علاقے میں تمام جوان عورتیں گھروں میں رہتی ہیں۔ باہر کی دنیا مردوں کی دنیا ہے۔ نوجوان مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔ عورتوں کی اس عدم موجودگی کے باعث جنسی طور پر ہیجان زدہ مرد، نوجوان لڑکوں اور بعض اوقات کم سن لڑکوں کی

طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ نرم جلد والے بے ریش لڑکوں کی بہت اہمیت ہو جاتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل تک یہ شے مرد کے لیے عزت کا معیار تھا کہ وہ متعدد ''بے داغ'' (مفعول مرد ساتھی) جنسی ضرورت کی تشفی کے لیے اپنے ہمراہ رکھے۔ یہ وہاں کی ثقافت میں بالکل نارمل تھا۔ حتیٰ کہ آج بھی یہاں کے مردوں کا اولین جنسی تجربہ بے داغ یا دوست کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس علاقے میں لڑکوں کے ساتھ جنسی مشغولیت آج بھی کم قیمت اور عورتوں سے زیادہ نشاط آمیز متصور ہوتی ہے۔

اگلے دن ماہا کی آنکھ زخمی اور سوجی ہوئی ہے۔ عدنان اسے ملنے آیا تھا مگر آنکھوں کا میک اپ اور بنفشی شلوار قمیض نے اس پر کوئی اثر نہ کیا۔ ماہا ایک برتن کے اوپر جھکی ہوئی ٹھنڈے پانی کے چھینٹے منہ پر مارتے ہوئے چلا رہی ہے:

''میں مرنا چاہتی ہوں، میں خود پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگانا چاہتی ہوں۔ مجھے مر کر ہی خوشی مل سکتی ہے''

اس نے پورے کمرے میں اتھل پتھل مچا دیا سلائی ڈھونڈی مگر پلاسٹک کی بوتل میں مٹی کے تیل کے فقط چند قطرے موجود ملے۔ یقیناً اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور فقط تسلی کے چار حرف سننا چاہتی تھی۔ تمام دن وہ کھڑکی کے پاس پردے کو تھامے بیٹھے رہی اور ٹشو پیپر سے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے عدنان کی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔

جب وہ نہ آیا تو ہم لوگوں نے اسے تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جس دوران ہم رکشے کو ڈھونڈتے رہے کافی دیر تک ماہا آنکھ کے زخم کو چھپانے کی سعی کرتی رہی۔ ہمارے برقعے پھڑ پھڑا رہے تھے اور سینڈلوں کی وجہ سے ہماری رفتار سست ہو رہی تھی۔ عدنان کی لاہور میں بہت سی پراپرٹی ہے۔ اگرچہ یہ پراپرٹی مہنگے علاقوں میں نہیں ہے مگر یہ اچھی خاصی ہے۔ اس کی کئی دکانیں اور مکان کرائے پر ہیں۔

جاتے ہوئے ماہا نے اس مکان کی طرف اشارہ کر کے مجھے بتایا جہاں وہ ہیرا منڈی دوبارہ منتقل ہونے سے قبل رہتی تھی۔ یہ اگرچہ ایک معمولی سا مکان تھا مگر ہیرا منڈی کے مکان کے مقابلے اسے یقیناً محل کہا جا سکتا ہے۔ ہم نے عدنان کو گلی میں آہستہ روی سے چلتے ہوئے تاڑ لیا۔ ماہا نے رکشے والے کو رکشہ روکنے کا کہا۔ اپنے بالوں کو ٹھیک کیا اور دوپٹے کو سر اور کاندھوں پر اوڑھ لیا۔ اس نے عدنان کی منتیں کیں اور بعد میں اس سے بحث کرنے لگی کہ اس نے جو سونے کی بھاری زنجیر گلے میں لٹکا رکھی تھی وہ اس کی بیوی نے اسے دی ہے۔ عدنان مسکرایا اور پھر قہقہے لگانے لگا کہ گویا وہ اسے لطیفہ سنا رہی ہو۔ ماہا نے سسکیاں بھرتے ہوئے مجھے کہا:

''اسے کہو کہ میں اس سے بہت پیار کرتی ہوں، اسے بتاؤ کہ اس کی بیوی بوڑھی ہے اور میں اس سے کہیں خوبصورت ہوں۔ اسے بتاؤ کہ مجھ سے سیکس کرنا ممتاز کے ساتھ سونے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔''

محلے کے بچے

تین ہفتوں سے میں نے ماہا اور اس کے بچوں کو نہیں دیکھا۔ وہ نئے گھر منتقل ہو گئے ہیں۔ یہ علاقہ جدید ہے مگر بیڈ روم میں کوئی کھڑکی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس کے باتھ روم کی فٹنگ بھی اندر ہے۔ ہوا کے آنے جانے کا راستہ بھی نہیں ہے اور غسل خانے سے پانی خود بخود ابلنے لگتا ہے جس سے کمرے میں اکثر سیلاب آتے رہتے ہیں۔ غسل خانے میں جانا ایسے ہی ہے جیسے بندہ کشتی رانی کرنے جا رہا ہو۔ نئی رہائش کا ایک فائدہ ضرور ہے۔ ماہا پلاسٹک کے برتنوں پر اپنی انگلیاں بجاتے ہوئے، آہ بھر کر کہتی ہے "یہ امریکن کچن ہے" اس کی وجہ سے ہمیں ایک ایسی جگہ مل گئی ہے جہاں ہم اپنے برتن اور کھانا رکھ سکتے ہیں ورنہ تو فرش پر ہی کھانا اور برتن ڈھیر لگا کر رکھنے پڑتے تھے۔

بڑی لڑکی نیشا میں نمایاں تبدیلی آ چکی ہے۔ وہ بہت پتلی ہو چکی ہے اور تڑی مڑی اور بخار زدہ حالت میں بستر پر پڑی ہے۔ لڑھکتے ہوئے وہ دوسرے کمرے میں مجھے مسکرا کر دیکھنے کے لیے آئی۔

ماہا اس قدر غصے اور مایوسی کے عالم میں تھی کہ اس نے نوٹس ہی نہ لیا۔ اس نے شکایت کی:

"کئی دنوں سے عدنان نہیں آ رہا اور نہ ہی اس نے کوئی رقم دی ہے۔ وہ جب بھی آتا ہے مجھے 300 روپے (5 ڈالر) دیتا ہے۔ بعض وقت میرے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہوتے کہ میں بچوں کی خوراک کا انتظام کر سکوں۔ میں اس طرح زندہ نہیں رہ سکتی۔"

وہ کمرے میں چہل قدمی کرتے ہوئے چلائی:

"اللہ کرے وہ کتیا ممتاز مر جائے...... مگر کچھ بھی تو نہیں ہوتا۔ اس لیے میں ایک گروپ کے ساتھ بحرین جا رہی ہوں۔ میں بہت سے پیسے کماؤں گی، وہاں جا کر گاؤں گی۔ مرد مجھے دیکھیں گے اور زیور دیں گے۔ تین مہینے میں دو تین لاکھ روپے کما لوں گی۔ جب واپس آؤں گی تو اپنے بچوں کو بہت سی خوراک دے سکوں گی اور خوش گوار زندگی گزاروں گی"

کچھ دیر خاموش رہ کر وہ سوچتی رہی اور پھر بولی:

"لیکن تب عدنان مجھے پیار نہیں کرے گا کیونکہ مجھے دوسرے مردوں نے دیکھا ہو گا اور وہ اس بات پر حسد کرے گا۔"

ماہا یقیناً مشکل میں ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ آیا وہ اس معمولی تحفظ کو مدنظر رکھے جو پیار نہ کرنے والے اور عدنان کے ساتھ رہنے میں ہے یا اس کے تحفظ پر لعنت بھیج کر دوبارہ ہیرا منڈی بازار کی دنیا میں داخل ہو جائے۔ دونوں متبادل ہی جان لیوا ہیں۔

عدنان ماہا کے گھر آیا تو فیملی کو کچھ اچھا کھانا ملا۔ کھانے میں روٹی، مرغی اور سلاد شامل ہے۔ عدنان اور

ماہا صوفیہ اور معتذر کے ساتھ گدے پر بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔ دوسرے مرد سے ماہا کے بچے دوسرے کمرے میں بیٹھے انتظار کر رہے ہیں اور دروازے سے اندر چوری چھپے جھانک بھی رہے ہیں۔ پاکستانی معاشرے میں کھانے کے حوالے سے مراتب بھی بعض خاندانوں میں طے ہوتے ہیں۔ جتنا خاندان زیادہ غریب ہوتا ہے ان مراتب کو بھی اتنا ہی زیادہ ملحوظ رکھا جاتا ہے کیونکہ غذا کی ایک محدود مقدار دستیاب ہوتی ہے۔ بڑے بوڑھے مراتب کی اس فہرست میں سب سے پہلے آتے ہیں اور جو چھوٹے ہوتے ہیں ان کا نمبر سب سے آخر میں آتا ہے۔ ان کے لیے کھانے کو وہی بچا کھچا ہوتا ہے جو باقی لوگ پلیٹوں میں چھوڑ جاتے ہیں۔ عورتیں اور بچے اس مراتب کی فہرست میں سب سے آخر میں آتے ہیں اور اس عورت کے بچے جو کسی اور مرد سے ہوئے ہوں وہ تو تقریباً نظر انداز ہو جاتے ہیں۔

عدنان اٹھ کر چلا گیا اور نیشا میرے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے کھانے پر سر جھکا لیا اور چھوٹے چھوٹے لقمے لینے لگی۔ اس نے اپنی روٹی کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے ڈھیر میں بدلا اور پلیٹ کے کناروں کو لگے سالن کو اکٹھا کیا۔ اسے ہرگز بھوک نہیں تھی۔ پھر وہ اٹھی اور باتھ روم میں چلی گئی۔

میں نے ماہا کی طرف رخ کیا۔

"اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟"

ماہا نے سر ہلاتے ہوئے کہا:

"ٹی بی۔ میرا خیال ہے پچھلے تین چار ماہ سے۔"

"کیا ڈاکٹر کو دکھایا؟"

نیشا کمرے میں دوبارہ داخل ہوئی اور ماہا نے مجھے چپ رہنے کا اشارہ کر دیا اور پھر سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

"اگر ایک بار ڈاکٹر کے پاس جائیں تو دو سو روپے خرچ ہوتے ہیں۔ پھر ایک بار نہیں دکھانا پڑتا بار بار جانا پڑتا ہے۔ میں کیا کروں۔ انہیں دوائی دوں کہ خوراک؟ عدنان بھی مدد نہیں کرتا؟"

میں نے کہا:

"مگر معتذر بھی تو چند ہفتے قبل ہسپتال گیا تھا۔"

ہم تمام لوگ اس کے ساتھ ہسپتال گئے تھے جب اس کی انگلی پر زخموں کی وجہ سے موجود پٹی کھلوانے گئے تھے۔

"معتذر عدنان کا بیٹا ہے اور نیشا کسی اور کی بیٹی!"

نیشا کی نیلی زرد قمیض اس کے کاندھوں سے نیچے کھسک رہی تھی۔ اس کی پسلیاں مڑ گئی ہیں اور اپنا ایک بازو بھی سیدھا نہیں کر سکتی۔ اس نے اپنی بازو پر سے کپڑا ہٹا کر ہمیں سوجی ہوئی کہنی دکھائی، جس پر موجود زخم

خراب ہو چکا تھا۔ مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ عدنان کیسے اس کے علاج کے لیے پیسے دینے سے انکار کرسکتا ہے یا یہ کہ اس کی ماں کتنے عرصے تک اس کو یوں نظر انداز کرسکتی ہے۔ مگر ماہا کے ذہن پر صرف اس کا شوہر سوار ہے۔ اس کے ساتھ اس کا تعلق اس کی زندگی کا مرکز ہے اور سب سے اہم بھی......اور اکثر اوقات اس کی گفتگو کا محور بھی۔ عدنان سے اس کے بچوں کو اہمیت ملتی ہے کیونکہ یہ رشتہ انہی کی وجہ سے قائم ہے۔ دوسرے مرد سے اس کے بچے اس تعلق کی مضبوطی کے حوالے سے کوئی کردار ادا نہیں کرسکتے بلکہ الٹا وہ اس تعلق پر ناروا بوجھ ہیں کیونکہ ان کی خوراک بھی عدنان کے پیسوں سے آتی ہے۔

ماہا کہتی ہے کہ عدنان ان سوتیلے بچوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے کہ ان کی قسمت میں ہیرامنڈی کی کنجریاں بننا لکھا ہے۔ میرا خیال ہے وہ کچھ زیادہ ہی خوش خیال ہے، نیشا کی قسمت میں جو واحد جگہ لکھی نظر آتی ہے وہ ہیرامنڈی کا کوٹھا نہیں بلکہ قبرستان کا کوئی گوشہ ہے۔

ماہا کے اور بھی دو بچے ہیں جو اب اس کے ساتھ نہیں رہتے۔ مجھے ان دو بچوں کا پتہ تب چلا جب ہم پرانی تصویریں دیکھ رہے تھے۔ میں یہ نہیں بتا سکتی کہ ماہا نے ان کے بارے میں پہلے مجھے کچھ کیوں نہیں بتایا۔ شاید وہ ان کی پرواہ نہیں کرتی۔ اس کے سیّد شوہر سے اس کے چار بچے تھے۔ نیشا اور نینا کے علاوہ دو بیٹے......جب اس نے ماہا کو چھوڑ دیا تو سیّد صاحب نے لڑکوں کو تو اپنے پاس رکھ لیا اور لڑکیوں کو ماں کے ساتھ ہی چھوڑ دیا۔ بیٹوں کی اہمیت ہوتی ہے جبکہ بیٹیاں غالباً مہنگی ثابت ہوتی ہیں کہ آخر ایک دن ان کی شادی بھی کرنا پڑتی ہے۔ انہیں جہیز دینا پڑتا ہے اور وہ بھی زیادہ تا کہ ان کی اصل کے گھٹیا ہونے کے نقصان کی تلافی ہوسکے اور اس کے باوصف بھی کوئی شریف آدمی ان لڑکیوں کو قبول نہیں کرتا۔

ماہا کے خاندان کی حرکیات بہت پیچیدہ ہیں۔ سب سے چھوٹے دو بچے......عدنان کی اولاد ہیں......محبت اور توجہ کا زیادہ حصہ انہیں ملتا ہے۔ انہیں اچھی خوراک ملتی ہے، نہلایا دھلایا جاتا ہے اور سوتیلی بہنوں کی نسبت ان کا خیال بھی کہیں زیادہ رکھا جاتا ہے۔ بیٹا معتذر زیادہ بگڑا ہوا اور تنگ کرنے والا ہے۔ بڑی دو بیٹیوں کے ساتھ بہت برا سلوک ہوتا ہے اور ان کے کپڑے نئے تو کجا صاف بھی نہیں ہوتے۔

ایک اور بھی بچی ہے عریبہ، جس کی عمر گیارہ سال ہے۔ جب پہلی بار میں اس خاندان سے ملی تو اس کے بارے میں میرا خیال یہی تھا کہ وہ گھر کی نوکرانی ہے یا گھر کے بچوں میں سے کسی کی کوئی غریب سہیلی کیونکہ وہ دوسری دو لڑکیوں سے کہیں مختلف دکھائی دیتی ہے۔ نیشا اور نینا کی جلد صاف ہے اور نین نقش بھی اچھے ہیں۔ نینا کی آنکھیں تو ہندوستان کی کلاسیکل حسیناؤں کی مانند بڑی بڑی اور بادامی ہیں۔ اس کے بالمقابل عریبہ کی رنگت کالی ہے جسے بدصورت کہا جاسکتا ہے۔ ایسی لڑکی جس کا سوسائٹی میں کوئی مقام نہیں ہوتا۔ اس کے کپڑے بھی پھٹے پرانے اور اس سے کہیں بڑے ہیں۔ اس کی ماں باقی تینوں بیٹیوں کے بالوں میں تو کنگھی کرتی ہے مگر شاید ہی عریبہ کے بالوں کو کنگھی کرنے کی نوبت آتی۔

آج لنچ کے موقع پر عریبہ یوں کھڑی تھی جیسے وہ کسی غلط جگہ آ گئی ہو۔ غالباً وہ غلط جگہ پر ہی تھی۔ کھانے کے برتنوں میں اس کے لیے کوئی پلیٹ نہیں تھی۔ کسی نے بھی اسے وہاں سے چلے جانے کا نہ کہا۔ لیکن وہ یقیناً خاندان سے خارج تھی۔ وہ گدے پر ایک کونے میں بیٹھ گئی۔ اس کے چھوٹے بھائی معتذر نے اس کی طرف نان کا ایک ٹکڑا پھینکا جسے وہ چباتی رہی۔ عملی طور پر اس کے لیے نہ تو سالن باقی بچا تھا نہ ہی سلاد۔

عریبہ سیکھ رہی ہے کہ کیسے سخت زندگی گزارنی ہے اور گلیوں میں گھومنا ہے۔ وہ اپنا زیادہ وقت گھر سے باہر ہی گزارتی ہے۔ ہیرامنڈی میں 11 سال کی کسی لڑکی کا یوں گھر سے باہر رہنا معمول سے ہٹ کر تصور ہوتا ہے مگر ماہا کو ان خطرات کی کوئی فکر نہیں جو اسے لاحق ہوسکتے ہیں۔ عریبہ اکثر مجھے غصہ دلاتی رہتی ہے مگر میں تہہ دل سے اس کے لیے افسوس بھی محسوس کرتی ہوں۔ اسے جب بھی موقع ملے وہ میری چیزیں چرانے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر وہ ایک اناڑی پاکٹ مار ہے۔ میں اسے اکثر اپنے بیگ کو کھنگالتے ہوئے پکڑ لیتی ہوں۔ بعض دفعہ وہ بیڈ پر ہمارے درمیان کوئی تولیہ یا رضائی پھینک دیتی ہے۔ اس دوران وہ میرے پرس کو ٹٹولنے کی کوشش کرتی ہے ہڑبڑا کر میری طرف دیکھتی اور مسکرا دیتی ہے۔ ایک بار وہ کامیاب بھی ہوگئی۔ اس نے میرے بیگ میں سے 700 روپے (12 ڈالر) نکال لیے۔ میں نے سوچا کہ اس کی ماں کو بتا دوں مگر پھر یہ سوچ کر کہ پہلے ہی وہ گھر میں اچھوت ہے اور اس کی تصدیق ہوجائے گی اور اسے ظالمانہ انداز میں پیٹا بھی جائے گا......میں نے اس کی ماں کو کچھ نہ کہا۔

مجھے دکھ تھا کہ اس نے یہ کیا کیونکہ اگر وہ مجھ سے مانگ لیتی تو اتنے پیسے میں بخوشی اسے دے دیتی۔ لیکن عریبہ مجھ سے کبھی نہ مانگتی۔ کیونکہ اسے یہ یقین ہو چلا ہے کہ مانگنے سے اسے نہیں کچھ ملے گا۔ اسے لڑے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

کئی دن کی بحث اور گفت وشنید کے بعد آخر کار نیشا کو ڈاکٹر کے پاس لے جایا جارہا ہے۔ ہسپتال کا یہ سفر خاندان کے لیے تفریحی دورے کی طرح ہے۔ تمام لوگ رکشے میں گھس گئے ہیں۔ کلینک گھر سے زیادہ دور نہیں ہے۔ یہ کلینک ہیرامنڈی کی عورتوں اور اندرون شہر کے غربا کے علاج کی غرض سے بنایا گیا ہے۔

مشورے کا عمل بہت کنفیوژ کرنے والا ہے۔ ڈاکٹر قاضی جس ڈیسک پر بیٹھا مریضوں کو مشورے دے رہا ہے اس کے ایک طرف عورتیں ہیں جن کے لیے ایک پردہ لٹکا ہوا ہے جبکہ دوسری طرف مرد بیٹھے ہیں۔ مریض لمبی قطاروں میں کھڑے یا بیٹھے ہیں اور قطار آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ معائنہ فیس 30 روپے ہے۔ بہت سے مریض کسی معجزے کی خواہش لیے وہاں بیٹھے ہیں۔ اکثریت خوراک کی کمی کا شکار ہیں۔ ڈاکٹر کا دفتر معذور، بڑھے پیٹوں اور بڑے سروں والے بچوں سے بھرا ہوا ہے۔ 20 سال سے اوپر عمر کی عورتیں دو گروپ بنا کر بیٹھی ہیں۔ ایک حد سے زیادہ پتلی اور دوسری حد سے زیادہ موٹی۔

ایک کمزور لڑکی پیشنٹ روم میں لائی گئی جو کھانسی کے ساتھ خون تھوک رہی تھی۔ وہ 15 یا 16 سال کی ہو

گی۔اس کی جلد ایسے تھی جیسے پتلی ہڈیوں کے ڈھانچے پر منڈھ دی گئی ہو۔اس لڑکی کی ماں اس کے بچے کو اٹھائے اس کے بستر کے قریب کھڑی ہے۔ڈاکٹر قاضی نے مریضہ کو سرسری نظر سے دیکھا اور بتایا کہ اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ڈاکٹر کا آفس فوراً خالی ہوگیا اور تمام مریض اس لڑکی کی موت کا نظارہ کرنے وہاں پہنچ گئے۔

جب لڑکی کی موت کا عمل مکمل ہوگیا تو مریض واپس ڈاکٹر قاضی کی میز کے دونوں طرف قطاریں بنا کر بیٹھ گئے۔فضا میں یہ الفاظ گھوم رہے تھے ''یہ ٹی بی ہے۔'' کوئی بھی حیران نہ ہوا۔ٹی بی ترقی پذیر دنیا کا سب سے بڑا قاتل مرض ہے اور شاہی محلے جیسے علاقوں میں تو یہ وبا کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے۔یہ انتہائی متعدی بیماری ہے اور پاکستانی آبادی کا ایک بڑا حصہ اس سے متاثر ہے لیکن اس کا اثر کمزور جسموں پر بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔مجموعی طور پر یہ غربت کی بیماری ہے۔خراب غذا اور غیر صحت بخش گھر اس کی بنیادی وجہ ہیں۔

نیشا خوفزدہ ہوگئی ہے......اس کا خیال ہے کہ اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہونے والا ہے جو اس لڑکی کے ساتھ ہوا ہے۔غالباً خون کے دھبوں والے فرش نے اس کے بچپن کی یادوں کو تازہ کر دیا ہے۔وہ ڈاکٹر قاضی کے سامنے لائن میں بیٹھی ہوئی ہے۔میرا ہاتھ بھی اس نے تھام رکھا ہے اور مجھے اپنے باپ کے بارے میں بتا رہی ہے:

''وہ ہر وقت میر ماں کو مارتا رہتا تھا۔وہ اتنی خوفزدہ ہوگئی۔میرے باپ نے اس کے زیور اٹھا کر ہیرامنڈی کی ایک اور عورت کو دے دیئے تھے۔اس نے اس کو گھونسے مارے اور اس کے معدے میں پاؤں سے ٹھوکر ماری اور ۔ ماں ہر طرف خون تھا اور بچہ پیٹ ہی میں مر گیا تھا۔''

جب ماہا کو پیٹ میں ٹھوکر ماری گئی تو اس کے پیٹ میں پانچ مہینے کا بچہ تھا جو ضائع ہوگیا۔اس کا شوہر اس سے اکتا چکا تھا مگر وہ اس کی دلالی کرکے پیسے کمانے کے چکر میں تھا اور پھر وہ اس بات پر بھڑک جاتا جب کوئی گاہک اس کی بیوی کو امید سے کر جاتا تھا۔کچھ عرصے میں اس شخص نے بچے کو ضائع کرنے کا یہ طریقہ ڈھونڈ لیا اور جب ماہا نے اسے چھوڑ کر ہیرامنڈی میں دوبارہ آ کر پناہ لی تو اسے کچھ سکھ کا سانس نصیب ہوا۔

جب ہم نیشا کو ایکسرے کے لیے لے کر گئے تو وہ بری طرح سے کانپ رہی تھی۔لیکن نئے ماحول کے جوش میں اس نے اپنے خوف پر قابو پا لیا۔ماہا اور بچے تفریح سے لطف اٹھانا چاہتے ہیں۔ماہا نے کہا: ''یہ مہنگا ہے۔''

ڈاکٹر قاضی نے سرسری جائزے کے بعد فقط اتنا کہا کہ اسے جوڑوں کی ٹی بی ہے جو ترقی یافتہ شکل میں ہے۔اس نے مریض کی حالت کے بارے میں مکمل بریفنگ دی اور نہ ہی اس متعدی مرض کے حوالے سے معلومات دیں کہ یہ دوسروں کو بھی متاثر کرسکتا ہے۔اس نے دوائیوں کی ایک فہرست ماہا کو تھمائی اور کسی نامعلوم تاریخ کو واپس دکھانے کے لیے کہا۔اس نے مجھے انگریزی میں بتایا:

''یہ ٹھیک ہو جائے گی لیکن اسے یہ دوائیاں کھانا ہوں گی،اچھا کھانا کھانا ہوگا اور آرام کرنا ہوگا اور سب سے اہم بات یہ کہ والدین اس کا خاص خیال رکھیں۔''

اس کا آخری فقرہ غالباً علاج کے حوالے سے سب سے زیادہ غیر حقیقی فقرہ تھا جو وہ کہہ سکتا تھا۔

طوائف

ہیرامنڈی جیسی جگہیں انوکھی نہیں ہیں۔جسم فروشی اور رقص ہزاروں سالوں سے برصغیر سے جڑا ہے۔صدیوں سے ماہا جیسی عورتیں اپنا فن،جوانی اور حسن بیچ کر زندگی گزارتی آئی ہیں۔ماہا کا تعلق کنجر خاندان سے ہے جو اس علاقے کی طوائف پیشہ نسل ہے۔اس کی ماں،دادی اور برادری بھی دھندا کرتی تھیں۔ان کی نسل کی عورتیں مردوں کو خوش کرنے کے لیے پیدا ہوتی ہیں،بڑھتی ہیں اور ان کی یہی تربیت کی جاتی ہے۔

پاکستان کا کلچر دو ثقافتوں کی آمیزش سے تشکیل پایا ہے،دو عظیم تہذیبوں کا امتزاج جو شمالی ہندوستان میں آ کر ملیں۔ہندوؤں کی قدیم تہذیب اور مسلم حملہ آوروں کی تہذیب کے ملنے سے یہ کلچر وجود پذیر ہوا۔مسلم حملہ آوروں نے تیرہویں صدی سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک ہندوستان کے وسیع وعریض خطے پر حکومت کی۔آج ہمیں ہیرامنڈی میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ اسلامی اور ہندو قوموں کی رواجوں کی پیدا کردہ طوائفیں ہیں۔

تین ہزار سال قبل برصغیر بھر کے مندروں میں مذہبی جسم فروشی کا آغاز ہوا تھا۔کنواری لڑکیوں کی دیوتاؤں سے شادی کر دی جاتی تھی اور انہیں مندروں کو سونپ دیا جاتا تھا جہاں وہ مذہبی روایتی رقص کیا کرتی تھیں۔مندر انہیں زمینیں عنایت کرتے تاکہ رقاصاؤں کی زندگی کی گاڑی چلتی رہی۔تاہم ان میں کچھ عورتیں ایسی بھی تھیں جو اضافی آمدنی کے لیے جسم فروشی کیا کرتی تھیں۔وقت گزرتا جاتا اور جب ان کی بچیاں بھی جوان ہوتیں،دیوتا کے حضور پیش کر دی جاتیں اور یوں یہ چکر اپنی نوعیت کے لحاظ سے دائمی ہوگیا۔یہ رسم آج بھی بالکل مردہ نہیں ہوگئی ہے،آج بھی یہ وراثت ہندوستان کی دیوداسی روایت میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ہندوؤں کا ذات پات کا نظام لوگوں کو ان کے پیشوں اور وراثتی پاکیزگی کے مطابق تقسیم کرتا ہے۔ہزاروں ذاتوں میں تقسیم،تاجر،دستکار،جنگجو اور مذہبی پنڈتوں کی ترتیب غیر لچکدار نظام مراتب کی صورت میں آج بھی موجود ہے۔سماجی رتبہ پیدا ہوتے ساتھ ہی پیدا ہو جاتا ہے۔کمہار کا بیٹا کمہار،خاکروب کے بچے بھنگی اور طوائفوں کی اولادوں کی تقدیر میں طوائفیں بننا ہی ہوتا ہے۔

بھارت کی تفریحی صنعت کی اکثریت بشمول گلوکار،رقاص اور لوک فنکاروں کا تعلق نچلی ذاتوں سے ہوتا تھا اور ان کی اکثریت کا دھندا جسم فروشی تھا۔لوگوں کے درمیان پرفارم کرنے والی عورتیں عزت دار بھارتی خواتین کے مقابلے میں دوسرے درجے کی شہری تصور ہوتی تھیں۔لیکن ایک بات تھی کہ اگرچہ پیدائش

کے حادثے کے سبب ان عورتوں کا تعلق بے توقیر خاندانوں سے تھا مگر وہ ہر کسی کے ساتھ جنسی تعلق نہیں بناتی تھیں بلکہ وہ طبقہ امرا کی سرپرستی میں چلی جاتی تھیں اور ان کی جنسی خدمات صرف ایک پہلو تھیں۔

شمالی بھارت میں آج مندروں کو لڑکیاں سونپ دینے کا رواج نہیں رہا۔ کیونکہ کئی سال تک مسلمان بادشاہوں کی حکومت نے ہندو مندروں کے انتظامی معاملات کو غیر مستحکم کر دیا تھا اور بعض معاملات میں تو ان مندروں کا انتظام غارت ہو کر رہ گیا تھا۔ دوسری طرف جسم فروشی کا پیشہ روبہ عروج رہا۔ یہاں تک کہ مسلم علاقوں میں بھی یہ دھندا جڑ پکڑ گیا۔

اسلام ذات پات کی چھوت چھات کے خلاف ہے جبکہ حقیقت میں یہ انسانوں کی مساوات کا پیغام دیتا ہے لیکن جب اسلام جنوبی ایشیا میں آیا تو اس نے ہندوستان کے سماجی ڈھانچے اور ماحول کو بھی قبول کر لیا اور یوں اس میں بھی ذات پات کا بنیادی اصول جڑ پکڑ گیا۔ مسلم فاتحین کے دور میں بہت سی ہندو دھندا کرنے والی عورتوں نے اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کر لینے کے باوجود بھی وہ پیچیدہ سماجی ڈھانچے کی ذات پات کی بیڑیوں سے آزاد نہ ہو سکیں۔ آج ان مسلمان عورتوں کے وارث کنجر کہلاتے ہیں اور جن کی ابتدا اور وراثت گمنام ہے لاہور کی ہیرا منڈی میں جسم فروشی کے دھندے میں ملوث ہیں۔

کتھک

ماہا آغاز میں سست رفتاری سے رقص شروع کرتی ہے۔ اس کے پاؤں آہستگی سے فرش پر پڑتے ہیں اور اس کے پاؤں کے گھونگرو ایک متوازن لے میں موسیقی پیدا کرتے ہیں۔ وہ مسکراتی ہے، اپنی بھنویں اچکاتی ہے اور اپنے بالوں کو یوں جھٹکتی ہے کہ وہ اس کے چہرے کے سامنے پردے کی صورت میں تن جاتے ہیں۔ موسیقی کی لے تبدیل ہوتی ہے، طبلے کی آواز تیز ہوتی ہے اور ماہا ٹیپ ریکارڈر پر بجتے گانے کی آواز اونچی کرنے کے لیے اپنی بیٹیوں کو حکم دیتی ہے۔ اب وہ توانا انداز میں رقص کر رہی ہے، پاؤں تیزی سے تھرک رہے ہیں، ہاتھ اوپر کو اٹھ چکے ہیں۔ اگرچہ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی ہے مگر اس کے بند کمرے میں ابھی بھی گرمی ہے۔ ڈانس کے دوران اس کی سبز قمیض اس کی پیٹھ اور کمر سے لپٹ چکی ہے۔ اس کے چہرے اور گردن پر پسینے کے قطرے جگمگ کر رہے ہیں۔ اس کی زلفیں پسینے کی وجہ سے چہرے اور گردن سے چپک رہی ہیں، اس کی سانسیں بھی پھول چکی ہیں۔ شروع کا سست رقص اب تند ہو گیا ہے۔ ماہا کو رقص سے محبت ہے۔ جب وہ بچی تھی تب سے رقص اس کی زندگی اور جنون رہا ہے اور روزی روٹی کا ذریعہ بھی۔

روایتی اسلام گانے اور رقص سے منع کرتا ہے کیونکہ اس سے جذبات میں اُبال آتا ہے اور زنا کی طرف راستہ بنتا ہے۔ مگر مسلمان مغل بادشاہ جنہوں نے تیرہویں صدی عیسوی سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک

ہندوستان بھر پر حکومت کی تھی، تفریح کی اس صنعت کو اس طرح نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک رقص اور گانا مہذب ثقافت کی علامتیں تھیں اور ان فنون کی سرپرستی کرنا مغل اپنے سماجی رتبے کی علامت سمجھتے تھے۔ بادشاہ ہزاروں فنکاروں کو ملازم رکھتے تھے جو کتھک رقص کرتے تھے۔

کتھک...... رقص کی وہ شکل ہے جو ہندو مندروں میں مذہبی رقص کے طور پر ہوتا تھا۔ مسلمان بادشاہوں کے دربار میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہوئی اور یہ رقص درباری رقص قرار پایا۔ جو رقص ماہا ہیرا منڈی کے اپنے کوٹھے پر کرتی ہے وہ اگرچہ کتھک کی بگڑی شکل ہے مگر مجموعی طور پر اس کو کتھک رقص ہی کہا جائے گا۔

کتھک بہت شاندار رقص ہے جو دیکھنے میں بہت آسان محسوس ہوتا ہے مگر حقیقت میں یہ قابلِ سزا حد تک مشکل ہے۔ ماہر کتھک رقاصہ کے ہاتھ، پاؤں اور آنکھوں کے درمیان مکمل ہم آہنگی ناگزیر ہوتی ہے۔ اس کے ہاتھوں کی تربیت ایسے کی جاتی ہے کہ وہ آسانی سے گھمائے جا سکیں، پہلے وہ دائیں طرف گھومتے ہیں، پھر بائیں طرف، کبھی ہتھیلیاں اوپر کی طرف کبھی نیچے کی طرف...... جب رقاصہ کے قدم آگے سے پیچھے اور دائیں سے بائیں حرکت کرتے ہیں، تو اس کے سر اور آنکھوں کی حرکات میں ایک بے خطا توازن قائم رہتا ہے۔ دائرے میں گھومنے کی صورت میں حرکت میں کوئی بے جوڑ تعطل نہیں ہونا چاہیے، قدم درست تعداد میں تھرکیں اور بازوؤں کی حرکت میں کوئی خامی نہ ہو۔ رقاصہ کی انگلیاں مکمل اور نزاکت کے ساتھ قابو میں ہونی چاہئیں۔ یہ ایک بہت ماہرانہ فن ہے جس میں پختگی شدید محنت اور بے تحاشا ریاضت سے آتی ہے۔ آج ہیرا منڈی میں ایک بھی رقاصہ ایسی نہیں جو کتھک ڈانس میں مکمل مہارت کی حامل ہو۔ کیونکہ اس مہارت کے حصول میں کئی سال خرچ ہوتے ہیں۔ کسی ماہر استاد کی خدمات اس لیے نہیں لی جاتیں کہ یہ مہنگی ہیں، اور پھر آج وہ تماش بین بھی نہیں جو اس پیچیدہ رقص کی اَن کہی باتیں سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ماہا نے کتھک ڈانس کی تھوڑی سی تربیت لے رکھی ہے جبکہ اس کی بیٹیوں کو تو کتھک ڈانس کی تھوڑی سی بھی شدھ بدھ نہیں ہے۔ پرانی کنجریاں اس بات پر کڑھتی ہیں۔ وہ نوجوان طوائفوں کو کہتی ہیں کہ اگر کتھک رقص باقاعدہ سیکھنا ہے تو دلی جاؤ۔

کتھک رقص کے کچھ پہلو انڈین فلموں میں زندہ رہ گئے ہیں جہاں دوسرے درجے کے ڈانسز کے ساتھ ملا کر بالی ووڈ کے ناظرین کے لیے کتھک ڈانس کی کوئی صورت زندہ رہ گئی ہے۔ ہیرا منڈی کی صورت حال بھی یہی ہے۔ ماہا اچھی رقاصہ ہے لیکن اس کا رقص پاکستانیوں کے معیار جتنا رہ گیا ہے۔ اس کی ہاتھوں کی حرکات میں جنسی اشتعال انگیزی ہوتی ہے، وہ دوران رقص اپنی انگلیوں کا بوسہ لیتی ہے اور ترغیب آمیز لہجے میں ہنستی ہے۔ وہ کلاسیکل رقاصاؤں کی طرح کتھک کی ماہر تو نہیں ہے مگر اب بھی وہ اس بات پر فخر کرتی ہے کہ وہ اس نایاب ہوتی روایت کی وارث اور امین ہے۔

انارکلی

مغلوں کا تعلق وسطی ایشیا سے تھا، جن کی اسلامی روایات میں عورتوں کو گھر کا اثاثہ سمجھا جاتا تھا۔ حکمران گھر میں زنان خانہ علیحدہ بناتے تھے۔ بادشاہوں کو اپنی بیویوں اور داشتاؤں پہ مکمل دسترس حاصل ہوتی تھی۔ مغنی اور رقاصائیں صرف شاہی خاندان کے لیے گاتی اور رقص کرتی تھیں۔ خوبصورت رقاصائیں بادشاہوں کی لونڈیاں قرار پاتی تھیں اور باقی زندگی شاہی حرم میں گزر جاتی تھی۔ کہتے ہیں اکبر بادشاہ کے حرم میں پانچ ہزار عورتیں تھیں اور عالمگیر کے بارے میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اس کے حرم میں عورتوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ تھی۔

لاہور سول سیکرٹریٹ ایک حیرت انگیز عمارت ہے جس کے کئی روپ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ابتداء میں یہ ایک مقبرہ تھا جس کی تعمیر 17 ویں صدی عیسوی میں ہوئی تھی، پھر یہ رہائش گاہ رہی۔ کچھ وقت کے لیے یہ بطور چرچ بھی استعمال ہوتی رہی۔ آجکل اس عمارت میں کتابوں کا ایک ذخیرہ، کچھ پرانے نقشے اور کونے میں ایک سنگ مرمر کی مقدس تختی لگی ہے جس پر کچھ تفصیلات درج ہیں۔ اس پر چھوٹی سی ایک تحریر ہے جس کے مطابق یہ انارکلی کی قبر ہے...... انارکلی جو اکبر کے حرم کی پسندیدہ رقاصہ نادرہ بیگم کا عرف ہے۔ یہاں کی لوک داستانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انارکلی کو بادشاہ کے بیٹے سے محبت ہوگئی جس کا نام شہزادہ سلیم تھا۔

ایک بار بادشاہ نے آئینے میں شہزادہ سلیم کو محبت بھری نگاہوں سے انارکلی کو تاڑتے دیکھ لیا۔ حسد اور غصے میں وہ لال پیلا ہوگیا اور بادشاہ اکبر نے انارکلی کو زندہ دفن کرنے کا حکم دے دیا۔ جب سلیم کا باپ اکبر فوت ہوگیا اور سلیم بادشاہ بن گیا تو اس نے سنگ مرمر کی ایک خوبصورت یادگار انارکلی کی یاد میں بنائی۔ اس خوبصورت یادگار کی ایک طرف کو یہ لفظ لکھے ہوئے ہیں:

"جس نے اکبر بادشاہ کے بیٹے سلیم کو دیوانہ کیے رکھا"

ساتھ ہی فارسی کا یہ شعر لکھا ہے، جس کا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے:

"کاش میں اپنی محبوبہ کا چہرہ
ایک بار پھر تھام سکتا اور
قیامت کے دن تک اسے تھامے رہتا۔"

انارکلی کی کہانی لاہور کا کلاسیکل قصہ ہے لیکن اس کے حوالے سے کچھ تنازعے بھی ہیں۔ ایک معروف ماہر لاہوریات کا دعویٰ ہے کہ یہ قصہ گھڑا ہوا ہے، جو ایک انگریز تاجر نے گھڑا ہے۔ یہ تاجر سترہویں صدی میں لاہور آیا تھا۔ مورخ کا دعویٰ ہے کہ سیکرٹریٹ میں موجود یہ مقبرہ جہانگیر کی ایک بیوی کا ہے نہ کہ اس کی محبوبہ کا جسے قتل کیا گیا تھا۔ لیکن ان دنوں یہ بات عام تھی۔ کسی بھی عورت کی قسمت انارکلی جیسی ہوسکتی تھی۔ جب

برطانوی سفیر سر تھامس رو 1616ء میں مغل بادشاہ جہانگیر سے ملا، تو اس نے اپنی ڈائری میں لکھا کہ حرم کی ایک عورت ایک مخنث کے ساتھ پکڑی گئی۔ یہ مخنث بادشاہ کے حرم میں آجا سکتا تھا۔ مخنث کو تو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا اور اس بے وفا عورت کو کاندھوں تک زمین میں دفن کرکے گرم سورج کے نیچے چھوڑ دیا گیا۔ وہ تادم مرگ چیخ چیخ کر فریاد کرتی رہی کہ اس کا سر درد سے پھٹا جارہا ہے۔ ہوسکتا ہے انارکلی کی کہانی من گھڑت ہو اور سیکرٹریٹ کی آلودہ اور مدہم فضا میں موجود یادگار انارکلی کی نہ ہو مگر اس کا قصہ تو انارکلی بازار کے نام سے بھی زندہ ہے جو لاہور کی سب سے بڑی مارکیٹ ہے۔

کم رتبہ طبقہ اشرافیہ نے مغل بادشاہوں کی مثال کی پیروی میں فنون لطیفہ کی سرپرستی کی اور داشتائیں گھروں میں رکھیں جن سے نہ صرف وہ حظ اُٹھاتے تھے بلکہ ان کی وجہ سے ان کا سماجی رتبہ بھی بلند ہوتا تھا۔ صرف امیر ترین رؤسا ہی مہنگی طوائفوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کراپاتے تھے۔ طوائف صرف ہندوستانی مردوں کے سماجی رتبے میں اضافے کا باعث ہی نہ بنی بلکہ اس نے وہ محبت اور احساس رفاقت بھی انہیں دیا جس کے لیے وہ بڑوں کی پسند سے کی جانے والی شادی کے باعث محروم رہتے تھے۔ جنوبی ایشیا کی طوائف جاپان کی گیشا کی طرح کی ایک مخلوق تھی۔ 1820ء میں Abee' J. A. Dubious جو کہ ایک فرانسیسی مبلغ تھا نے لکھا کہ "وہ ملک جس میں طوائفیں زیادہ ہیں، ان میں انڈیا وہ واحد ملک ہے جس کی عورتوں کو سیکھنے، پڑھنے، گانے اور رقص کرنے کی آزادی ہے۔ ایک عزت دار خاتون اس وجہ سے ان عنایتوں کے حصول کا سوچ بھی لے تو شرم سے اس کا چہرہ سرخ ہوجائے گا۔"

ساٹھ سال بعد کے رگوناتھ جی نے بمبئی کی طوائفوں پر ایک کتاب لکھی جس میں کہا گیا تھا کہ "اعلیٰ مسلم رقاصائیں ذہین اور شادی شدہ عورتوں سے زیادہ سلجھی ہوئی ہوتی ہیں اور اپنی دلکشی کے باعث اس بات کی زیادہ حقدار بھی کہ جس ملک میں گھریلو عورتیں سماج کے لیے موزوں نہیں ہوتیں، وہ وہاں زیادہ مسحور کن اور دلچسپ ساتھی ہوتی ہیں۔"

چکلا یا ریڈ لائٹ ایریا روایتی یا کلونیل انڈیا میں دو قسم کی ضرورتوں کو پورا کرتا تھا۔ ایک تو جنسی ضرورت کی تشفی کے لیے خوبصورت عورتوں کی رسد اور ذہین ساتھی، دوسرا مہذب اور امیر گاہکوں کے لیے مجرا، جس میں روایتی رقص اور گانے شامل ہوتے تھے۔

طوائفوں کے اڈے وہ قابلِ احترام مقامات تھے جہاں امرا، نواب اور اشرافیہ اپنے بچوں کو کلاسیکل موسیقی، اردو شاعری اور ادب آداب سکھانے کے لیے بھیجتے تھے۔ کچھ بہترین طوائفوں کے کوٹھے ایسے بھی تھے جہاں موسیقار، گلوکار اور ادیب تخلیقی خیال کی تلاش میں جاتے تھے۔ باہر سے آنے والوں کے لیے شہری زندگی کا یہ تصور ایک ایسی دنیا تھا جو خوشیوں اور شادمانیوں سے مملو تھی۔ ان مہذب کوٹھوں کی طوائفیں برصغیر کی طوائفوں کے مقابلے میں شرفا طوائفیں تصور ہوتی تھیں۔ عموماً یہ طوائفیں طاقتور مردوں کی محبوبائیں ہوتیں۔

لیکن اس معیار کی طوائفیں ہمیشہ تھوڑی تعداد میں ہوتی تھیں جو چکلے سے باہر کی دنیا میں کوئی قابلِ عزت مقام بنا پاتیں یا دولت مند ہو جاتیں۔ طوائفوں کے نظام مراتب میں ان اعلیٰ طوائفوں کے بعد ان کا نمبر آتا ہے جو اپنے حسن اور تربیت سے لوگوں کا دل موہ لیتیں۔ سب سے آخر میں ان طوائفوں کا نمبر آتا ہے جو زندگی گزارنے کے لیے اپنا جسم بیچنے پر مجبور ہوتیں۔ آج کی ہیرا منڈی ماضی کے ان چکلوں یا ریڈ لائٹ ایریا کی باقیات ہے۔ اس کی بھی اپنی عظیم طوائفیں ہیں لیکن اب عملاً یہ ان بے شمار غریب عورتوں کا مسکن ہے جن کے لیے بقاء کا صرف یہی ذریعہ باقی ہے۔

ایک دیہاتی خاندان

ماہا کے پڑوسیوں کے لیے آج کا دن یادگار ہے۔ ان کے اپارٹمنٹ کی پہلی منزل پُر جوش سیاحوں سے بھری ہوئی ہے۔ ٹوٹی ہوئی چارپائیوں پر کپڑوں کے ڈھیر لگے ہیں۔ صندوقوں کا ایک مینار غیر محفوظ انداز سے مینار کی صورت رکھا ہے جس میں کپڑے ٹھونسے گئے ہیں۔ ایک بڑا خاندان بشمول ____ ایک ماں، ایک باپ، سات بچے اور پوتے پوتیاں ____ تمام لوگ دو کمروں میں رہتے ہیں۔ بڑی دو بیٹیوں کے اپنے بھی بچے ہیں۔ ان میں ایک جو ابھی پاؤں پاؤں چلنا سیکھ رہا ہے، بہت لاغر ہے اور اس کی زرد جلد ایسے چڑمڑی ہوئی ہے جیسے وہ کپڑے کی ہو۔ جب میں نے ماہا کو بتایا کہ میں ان سے ملنے جا رہی ہوں تو اس نے اپنی بھنویں کراہت سے اچکاتے ہوئے کہا:

"کیا......؟ وہ دیہاتی اور پینڈو لوگ ہیں"

یہاں ہر کوئی ان کے بارے میں یہی فقرہ کہتا ہے۔ یہ خاندان ایک سال پہلے کسی غریب دیہاتی علاقے سے یہاں آیا تھا اور شہر کے طور اطوار سے ناواقف تھا۔ ان کی عورتیں نہ ڈانس کر سکتی ہیں نہ گا سکتی ہیں بلکہ وہ تو صحیح طریقے سے بول بھی نہیں سکتیں، وہ معمولی سے جانگلی لوگ ہیں۔

دیہاتی فیملی کا باپ شدید بدحال کیفیت میں بیٹھا ہے۔ دو بہنیں بتا رہی ہیں کہ وہ ایک ہوائی جہاز کے ذریعے دوبئی جانے والی ہیں۔ ہیرا منڈی کا ایک دلال ان کے لیے انتظامات کر رہا ہے۔ یہ پہلی بار ہے کہ وہ ملک سے باہر جا رہی ہیں اگرچہ دوسری بہن دخل در معقولات کرتے ہوئے بتاتی ہے کہ وہ دو بار کراچی جا چکی ہے۔ دوبئی کا یہ دورہ ان کے کیریئر کا اہم موڑ بن سکتا ہے اور وہ خاصی پُر جوش ہیں۔ وہ اگرچہ بطور ڈانسر دوبئی جا رہی ہیں مگر ان کی آمدنی کا ذریعہ وہ اضافی خدمات ہوں گی جو وہ مہیا کریں گی۔

بڑا سا ایک پھٹا پرانا سوٹ کیس باہر نکالا گیا۔ ایک موٹا سا آدمی رکشے سے اترا وہ ایک بالکل نیا پلاسٹک کا سوٹ کیس لایا تھا جس کے بارے میں دونوں بہنیں دعویٰ کر رہی ہیں کہ وہ اس کا ہے۔ بھڑکیلی شلوار قمیصیں جو انہوں نے صوفے کے پیچھے اور گدے کے نیچے بے ترتیبی سے پھینکی ہوئی تھیں باہر نکالی گئیں اور انہیں سوٹ

کیس میں رکھ دیا گیا۔ کچھ لمحوں بعد ان کے ایک بھائی نے یہ تمام کپڑے ایک بار پھر سوٹ کیس سے باہر نکال دیے۔ ان کے کپڑے عنابی، جامنی، گلابی، سرخ اور سبز رنگوں میں تھے جنہیں رنگدار دھاگوں سے سیا گیا تھا اور بعض کپڑوں کے سروں پر کڑھائی سلائی کا کام ہوا تھا۔ عورتیں اپنے کپڑوں پر مغرور تھیں۔ انہوں نے مجھے اپنے گھونگھرو بھی دکھائے جو وہ وہاں جا کر پیروں میں باندھیں گی اور وہ زیور بھی مجھے دکھائے گئے جو وہ وہاں جا کر پہننے والی تھیں ____ میں نے انہیں کہا کہ ان کی چیزیں بہت خوبصورت ہیں، اور میں نے انہیں یہ بھی کہا کہ وہ بہت خوبصورت ہیں......ان کے چہرے پر جو شعائیں چھوڑتی مسکراہٹ اور غیر مصنوعی جوش تھا اس کو دیکھا جائے تو میری بات غلط بھی نہیں تھی۔

دن تین بجے کے قریب سامان سے بھرا سوٹ کیس نیچے لایا گیا جہاں کرائے کی ٹیکسی منتظر تھی۔ دوبئی جانے والی خاتون اپنے بھائی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ بچوں نے اپنی ماں کو رخصت کرنے کے لیے ہاتھ ہلائے جو کار کی کھڑکی سے باہر جھکی، رو رہی تھی اور اپنے دوپٹے سے اپنا ناک بھی صاف کرتی جا رہی تھی۔ رخصتی کا منظر دیکھنے کے لیے صحن میں کافی لوگ جمع ہو چکے تھے۔ گاڑی چلنے سے قبل خاتون نے کہا:

"تین مہینے بعد ملیں گے۔"

کوٹھے کا ایک اور خاندان اس رخصتی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ یہ لوگ میرے مکان مالک اقبال کے گھر کے بالکل سامنے رہتے ہیں۔ یہ لوگ بھی اس محلے میں نئے آئے ہیں۔ دیہاتی فیملی کی طرح انہیں بھی یہاں کے مقامی رہائشیوں نے ابھی دل سے قبول نہیں کیا ہے۔ اس خاندان کا باپ بوڑھا اور لاغر سا آدمی ہے جو باقاعدہ نشئی ہے۔ اس کا ایک بیٹا اور چند بیٹیاں ہیں اور ان میں سے کم سے کم ایک لڑکی دھندا کرنا شروع ہو چکی ہے۔ اس گھر میں کمرے بہت وسیع ہیں اور چھدرے پن سے سجائے گئے ہیں۔ سو سال قبل یہ یقیناً ایک شاندار رہائش گاہ رہی ہوگی۔

اس خاندان سے میرا تعارف مختلف لوگوں نے بہت کنفیوژن کے عالم میں کرایا۔ ان میں سے کچھ لوگ تو اس خاندان کے رشتے دار تھے اور کچھ لڑکیاں تھیں جو مختلف دیہاتوں سے یہاں دھندا کرانے کے ارادے سے لائی گئی تھیں۔ ان لڑکیوں کا انتظام اور دلالی باپ کرتا ہے۔ ہر شخص سے میرا تعارف بطور رشتہ دار کرایا گیا۔ ایک بدصورت نوجوان لڑکی جو ہمیشہ ایک ہی طرح کا سرخ لباس پہنتی ہے کا سینہ بالکل سپاٹ تھا اور ہلکی داڑھی بھی تھی۔ وہ ایک لڑکا ہے۔

باپ عموماً مصروف ہوتا ہے۔ وہ یا تو گلی میں جا کر گاہکوں کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے یا پھر کوٹھے پر ہی چارپائی پر بیٹھ کر بزنس کا انتظار کرتا ہے۔ آتے جاتے لوگوں کے ساتھ وہ گپ بازی اور لطیفہ بازی میں بھی مشغول رہتا ہے۔

جب مئی کی ایک گرم دوپہر میں، میں ان کے گھر گئی تو وہ مجھ سے اپنی مرحومہ بیوی کے بارے میں بات

کرنا چاہتا تھا، اس نے مجھے اپنی بیوی کی تصویر بھی دکھائی۔ وہ بجا طور پر ہراساں تھا۔ ہم نے ساتھ چائے پی اور پھر وہ مجھے کھڑکی میں لے گیا اور صحن میں ایک تعمیر ہوتے مقبرے کی طرف اشارہ کیا جس پر شیعہ مسلمانوں کا کالا جھنڈا اور پنجہ لگا تھا۔ کسی نے مجھے بتایا: ''وہ بہت مذہبی آدمی ہے اور یہ عبادت گاہ وہ اپنے پیسوں سے بنا رہا ہے۔''

اس نئی تعمیر ہوتی شیعہ عبادت گاہ کے ساتھ ایک کمرے کی ایک عمارت ہے۔ اس کا ایک خستہ حال فولادی دروازہ ہے جبکہ کمرے میں کوئی کھڑکی نہیں۔ اندر چند چارپائیاں پڑی ہیں جن کو متوازن رکھنے کے لیے نیچے اینٹیں رکھی گئی ہیں۔ دروازے کے سامنے بھی کچھ اینٹوں کے ذریعے ایک رکاوٹ پیدا کی گئی ہے تاکہ مون سون کے موسم میں بارش اور چوہے کمرے میں داخل نہ ہو پائیں۔ یہ کمرہ دلالوں کے لیے ہے جہاں سے بیٹھ کر وہ مقامی عورتوں پر نظر رکھتے ہیں۔ نشہ بیچنے والے بھی یہاں جمع ہوتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں اپنے گاہکوں کا جو حشیش، ہیروئن اور نشے کے انجکشن خریدنے آتے ہیں۔ ان لوگوں میں مشتاق سب سے اہم آدمی ہے۔ وہ مضبوط، سیاہ رنگت کا حامل ہینڈسم آدمی ہے، اپنا زیادہ وقت آرام کرتے گزارتا ہے، چارپائی پر پڑا رہتا ہے یا پھر گلی کے چکر لگاتا رہتا ہے۔ دھندا کرنے والی عورتوں کے روایتی گھرانوں کو مشتاق جیسے آدمیوں کی دلاگیری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے اپنے گاہک بنے ہوتے ہیں جو انہوں نے سالوں یہ زندگی گزار کر خود بنائے ہیں۔ ہیرامنڈی میں باہر سے آنے والی نئی عورتوں کے تعلقات زیادہ نہیں ہوتے اس لیے وہ خود گاہک نہیں گھیر سکتیں...... ان میں سے زیادہ تر تو اپنے گھروں سے بھی باہر نہیں نکلتیں...... اس لیے وہ گاہکوں کے لیے ان دلّوں پر انحصار کرتی ہیں۔ ان لوگوں میں سے کچھ صرف دلاگیری ہی نہیں کرتے بلکہ اپنی تجارت بھی کرتے ہیں۔ وہ عورتوں کو باہر بھیجنے کا دھندا کرتے ہیں چاہے عورتیں یہ دھندا کرنا چاہتی ہوں یا نہیں۔ یہ لوگ پریشان روحوں کا گروہ ہیں...... مضبوط جثّے، کالی مونچھیں اور تیز آنکھوں والے۔

رقاصہ لڑکیاں

آج رقص، فن، جسم فروشی اور طاقت کے درمیان تعلق کمزور ہو چکا ہے مگر اس تعلق کی جڑیں طویل جنوبی ایشیائی روایات میں پیوست ہیں۔ مغل سلطنت اٹھارویں صدی کے شروع میں کمزور ہو چکی تھی اور یوں فنونِ لطیفہ کی سرکاری سرپرستی بھی کمزور ہو گئی۔ انیسویں صدی کے دوران رقص کا شعبہ جسم فروشی کے ساتھ منسلک ہو گیا۔ کلاسیکی رقص تب بھی صرف طبقہ اشرافیہ کی پہنچ تک تھا اور کم درجے کے تفریح کار فوک ڈانس غیر مہذب ناظرین کے سامنے پیش کرتے رہے۔ لیکن وہ خلیج جس نے ان عورتوں اور ان کی مہیا کردہ خدمات میں امتیاز پیدا کر رکھا تھا ڈرامائی انداز میں اس وقت تنگ ہو گئی جب انگریزوں نے مقامی طبقہ اشرافیہ کو شمالی انڈیا سے ہٹا دیا۔ طوائفوں اور تفریح کاروں نے اپنے بہت سے روایتی سرپرستوں کو کھو دیا۔ جب انگریزوں نے 1849ء

میں پنجاب کو اپنے ساتھ ملحق کیا تو کمزور مغل حکمران پہلے ہی مغلوب ہو چکے تھے کیونکہ 50 سال پہلے عظیم سکھ لیڈر رنجیت سنگھ نے لاہور پر قبضہ کر لیا تھا (جس کے بارے میں معروف ہے کہ اس کے پاس 150 رقاصائیں لونڈیوں کی صورت تھیں) اور کچھ عرصے کے لیے یہ شہر سکھ ریاست کا مرکز بن گیا۔ جب سکھوں کو انگریزوں نے نکال باہر کیا تو طوائفوں اور ان کی خدمات کی وہ طلب گر گئی جو پرانے حکمرانوں کے باعث قائم تھی۔ برطانوی ڈپٹی کمشنر نے 1868ء کی ضلعی مردم شماری رپورٹ میں لکھا کہ قلعہ بند لاہور شہر میں آبادی کی شرح میں کمی ہوئی ہے کیونکہ ''برطانیہ سے الحاق کے بعد وہ طبقہ جس سے آبادی کا ایک بڑا حصہ تشکیل پاتا تھا آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے...... مختتانہ پانے والے، درباری اور سابقہ دربار سے ملحق لوگ ختم ہو رہے ہیں۔''

برطانوی راج کے ابتدائی دنوں میں، انگریزوں نے مقامی رواجوں اور فاتحین کے خصوصی حقوق کے امتزاج کے باعث ہندوستانی عورتوں کو اپنی داشتائیں بنایا، اگرچہ اعلیٰ طوائفوں کی سرپرستی انہوں نے نہ کی اور نہ ہی فنون کی سرپرستی کی۔ پرانے طریقے البتہ ان شاہی ریاستوں میں باقی رہے جو کسی حد تک برطانوی راج سے آزاد تھیں۔ لکھنؤ جیسی جگہوں پر مقامی مسلمان حکمرانوں نے روایتی کلچر کے تسلسل اور ارتقا کی فعال انداز میں حوصلہ افزائی کی تھی مگر ان اضلاع میں صورت حال مختلف ہو گئی جہاں انگریز حکمرانوں کا براہِ راست قبضہ تھا۔

نئے حکمران بمشکل کلچر، آداب اور شائستہ و ترقی یافتہ فارسی زدہ اردو زبان کی تفہیم رکھتے تھے۔ ان کی اکثریت تو ان عورتوں کے رقص سے بھی لطف نہیں لے سکی تھی جنہیں وہ ناچ گرلز کہتے تھے...... ناچ گرلز، ناچنا کی بگڑی ہوئی شکل...... روایتی کتھک رقص وکٹورین معیار پر بھی پرکھا جاتا تو وہ قطعاً شہوت انگیز نہ تھا۔ پنجاب گزیٹیر نے 1883ء میں لکھا:

''رقص عموماً کرائے پر لائی جانے والی ناچ گرلز کرتی ہیں اور اس ذکر کی تو گنجائش ہی نہیں کہ یہ یورپی آنکھوں کے لیے ایک غیر دلچسپ اور بے جان نظارہ ہے''

یہ رقص گھنٹوں جاری رہنے والا تھا جس کی اپنی علامتیں اور فنی تقاضے تھے اور یہ ان کے لیے وقت کا ضیاع تھا جو اس فن کو بخوبی نہ جانتے ہوں۔

ناچ کے ساتھ یہ بے توجہی انگریزوں نے عالمی سطح پر نہ کی، خاص طور پر انیسویں صدی کے اختتام کے قریب۔ 1857ء کی ہندوستانی بغاوت کے بعد بڑی کوشش کی گئی کہ انگریزوں کے احساس برتری کی حدیں گورے حکمرانوں اور مقامیوں کے درمیان سماجی فاصلے کی حوصلہ افزائی کر کے طے کی جا سکیں۔ اس کے بعد انگریزوں کو مقامی عورتیں بطور داشتائیں رکھنے کی اجازت ملنا ختم ہو گئی بلکہ یہ چیز ان کی بدنامی تصور ہونے لگی۔ بھارتی داشتاؤں کے متبادل کے طور پر عزت دار بیویاں بنانے کے لیے برطانیہ سے عورتیں درآمد کی گئیں۔ اس اختلاف کو ہوا وکٹورین سوشل پیوریٹی کی اس تحریک نے دی جو انگلینڈ سے شروع ہو کر ان کی

نوآبادیوں تک میں نفوذ کر گئی تھی۔ انگریز اور ہندوستانی طوائفیں سماجی دھبہ بن کر رہ گئیں۔ صدی کے اختتام کے ساتھ ہی ایک طاقتور "اینٹی ناچ" تحریک کو انگریز استعمار اور ہندوستان کے کچھ گروہ کی حمایت مل گئی۔ اپنے فن سے وفاداری اور اس کے تقدس کے باوجود، اعلیٰ تربیت یافتہ اور نفیس رقاصاؤں کو بھی فحش کہہ کر ان کی تذلیل کی گئی کیونکہ سب لوگ ان کی ابتدا سے آگاہ تھے۔

غلامی سے قبل ہندوستان میں طوائفیں اور معمولی دھندا کرنے والی برداشت کر لی گئیں بلکہ بعض دفعہ تو ان کی حوصلہ افزائی ہوئی مگر انگریزوں کے دور میں تو تمام امتیازات مٹ گئے اور ان کو ذلیل کیا گیا اور انہیں مجرم بنا کر پولیس کی تحویل میں دے دیا گیا۔ یہ لوگ ابھی تک متحد کمیونٹی کی صورت جمع نہ ہو سکے تھے تاہم کیونکہ وہ مذہب کی بنیاد پر ہندو مسلم عیسائی طوائفوں میں اور پھر دولت اور تربیت کی بنیاد پر منقسم رہیں۔ شمالی اور وسطی ہندوستان کے شہروں کی یہی طوائفیں جو قبائلی درباروں میں ناچتی گاتی تھیں، چکلوں کی نگران بن گئیں۔

صوفیا کے مزاروں کے سیاح

داتا گنج بخش ہجویری کی برسی، عرس، ہیرامنڈی کا معروف تہوار ہے۔ داتا گنج بخش گیارہویں صدی کے دوران حیات رہے اور وہ پاکستان کے سب سے اہم صوفی ہیں۔ تصوف اسلام کی راہبانہ شاخ ہے جو سب سے پہلے جنوبی ایشیا میں جہاں گرد صوفیا کے ذریعے پھیلی۔ پاکستانی پنجاب میں داتا دربار روحانی مرکز ہے۔ یہ مزار بھاٹی گیٹ کی دوسری طرف واقع ہے، جہاں سے پندرہ منٹ میں پیدل چل کر ہیرامنڈی پہنچا جا سکتا ہے۔ یہاں ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا ہے خاص طور پر جمعرات کے دن...... جب یہ زائرین سے بھر جاتا ہے......اور عرس کی تقریبات کے دوران تو شہر کا یہ علاقہ جس میں میں رہتی ہوں زائرین سے کھچا کھچ بھرا ہوتا ہے۔

زائرین دن بھر شہر سے جوق در جوق اس طرف آتے ہیں ___ کچھ لوگ تو خاص طور پر گاڑیاں کرایے پر لے کر یہاں آتے ہیں۔ کچھ ٹرین اور پبلک ٹرانسپورٹ کے ذریعے یہاں پہنچتے ہیں۔ بادشاہی مسجد کے پاس بڑا میدان کسی کیمپ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ میدان کے ایک تہائی علاقوں میں خیمے لگے ہیں اور ہزاروں دیگوں میں کھانا بنایا جا رہا ہے۔ خیمے، موسیقائی تفریحات اور خوراک کا زیادہ تر حصہ دیہاتی علاقوں کے جاگیردار گھروں سے آتے ہیں۔ یہ وہ سرپرستانہ شفقت ہے جو وہ اپنے ہاریوں اور دیگر غریب لوگوں کو دیتے ہیں۔ قلعے کی سڑک پر یہاں کے ایک مقامی ڈرگ ڈیلر نے پانی کی سبیل لگائی ہوئی ہے۔ شامیانے کے نیچے بڑا سا حوض کا ٹب رکھا ہے اور پلاسٹک کے گلاسوں میں پسینہ اُگلتے پیاسے زائرین کو شربت پلایا جا رہا ہے۔

عورتوں کے گروہ کے گروہ مردوں سے بھرے میدان میں خیرات کے چند روپوں کے لیے گا رہے

ہیں۔ ان گاتی عورتوں کی حقیقی آمدنی کا ذریعہ جسم فروشی ہے، گانا صرف ایک قسم کی ایڈورٹائزنگ ہے۔ ان عورتوں کا تعلق ہیرامنڈی سے نہیں ہے۔ یہ عورتیں دیہاتی علاقوں سے آئی ہیں اور یہ اپنی خدمات اپنے گاہکوں کو سستی رہائشوں میں مہیا کرتی ہیں۔ اس مقابلہ بازی کے باوجود بھی جو انہیں باہر سے آنے والیوں کی وجہ سے درپیش ہے، مقامی دھندا کرنے والیاں خود کو سنوار رہی ہیں جنہیں دھندا تیز ہونے کا یقین ہے۔ زائرین کی زیادہ تعداد غریب دیہاتیوں پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے ان دھندے والیوں کی طلب میں اچھا خاصا اضافہ ہو گیا ہے جو کم قیمت ہیں۔

کچھ زائرین نے مجھے آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ انہوں نے میرا راستہ روک کر مجھے کچرے پر چلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ انہوں نے کچھ غیر دوستانہ تبصرہ آرائیاں بھی کیں "پاکستان سے نکل جاؤ"، "کنجری"۔ چند ایک نے پتھر بھی پھینکے۔ کچھ بوڑھے آدمی اس بات پر آگ بگولہ ہو گئے کہ تھوڑی دیر کے لیے میرے سر سے کپڑا اتر گیا تھا اور میرے تھوڑے سے بال عریاں ہو گئے۔ ٹوٹی ہوئی ایک اینٹ کا ٹکڑا بھی مجھ پر گرا جس کی وجہ مجھے سمجھ نہ آئی۔ دیہاتی پاکستانیوں کا رویہ عورتوں کی طرف اس سے بھی زیادہ قدامت پرستانہ ہوتا ہے جو ان شہر میں رہنے والوں کا ہے۔ غیر ملکی عورت گلیوں میں ___ چاہے وہ پردے میں ہی کیوں نہ ہو ___ ان کئی پاکستانیوں کے لیے اشتعال انگیز ہے جو ہیرامنڈی سے آئے ہیں۔

میں سڑک کنارے ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئی اور ان سیاحوں کو دیکھنے لگی جو بادشاہی مسجد اور شاہی قلعے کی سیر کو جا رہے ہیں۔ زیادہ تعداد مردوں کی ہے، کچھ عورتیں بھی ہیں جو اپنے شوہروں یا والدین کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے اپنے بہترین ملبوس زیب تن کیے ہوئے ہیں۔ اپنے عمدہ زیوروں پر اتراتی اور آؤ ننگ سے بوکھلائی ہوئی ہیں۔ بعض نے مجھے حیران نظروں سے دیکھا تو کچھ مسکرا دیں۔

ایک ادھیڑ عمر آدمی میرے سامنے آ کر رکا اور دانت نکال کر ہنسا۔ وہ غیر معمولی طور پر غیر دلکش تھا۔ اس کی قمیض گندی تھی جبکہ ایک آنکھ بھی گل۔ مجھے کہتا ہے۔

"آئی لو یو!"

میں جواب دیتی ہوں "نو، یو ڈونٹ۔ ناٹ رئیلی"

وہ پھر مجھ سے انگریزی میں بات کرتے ہوئے بولا۔

"یس ___ آئی ڈو ___ آئی ویری لو یو ___ آئی ویری ویری لو یو۔"

میں نے اپنا سامان اٹھایا اور بھاگنے کے لیے تیار ہو گئی۔

اس نے اپنی جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی اور کہا!

"لُک ___ آئی لو یو ___ آئی ہیو مَچ منی ___ کم وِدمی ___ آئی ویری لو یو ___ ہاؤ مچ ڈو یو وانٹ؟"

میرے پاس جواب دینے کا وقت نہ تھا کیونکہ مجھے گھر کی طرف دوڑنا تھا لیکن اس کے بعد بھی اس نے پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ گھنٹوں میرے اردگرد منڈلاتا رہا۔ سڑک پر کبھی میرے آگے کبھی پیچھے، اس کی ایک کام کی آنکھ عمارت پر تھی۔ غالباً وہ سوچ رہا تھا کہ میں نخرے کر رہی ہوں۔

گلیاں، خاص طور پر روشنائی گیٹ کے قریب کی گلیاں مسحور کن لگ رہی ہیں۔ ایک آدمی تباہ حال کتے اور بندروں کے ساتھ تماشا دکھا رہا ہے جنہیں وہ مسلسل چھڑی مارے جا رہا ہے۔

ایک اور تماشا جو وہاں تھا وہ گھر میں بنایا گیا ایک سنیما تھا جو دو دھاتی شیٹس سے بنا تھا۔ ان دھاتی شیٹوں کو ایک قبضے سے جوڑا گیا تھا۔ یہ طلسمانی مشین تھی جس کی شکل ایسے تھی جیسے پہیوں والے کسی جھولے میں راکٹ رکھا ہو۔ گاہک چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے سکرین پر جھانکتے جب کہ ایک نوجوان آدمی خام پروجیکٹر کے سامنے سے فلم گزارنے کے لیے راکٹ کی بالکل نوک پر بیٹھا تھا۔ ایک دوسرا شخص ایک ایسا گانا چلا رہا تھا جس کا تصویروں کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں بن رہا تھا۔ یہ سارا معاملہ نابالغانہ تھا مگر دلچسپی سے خالی نہ تھا۔ موبائل سنیما کے مالک نے مجھے بھی دعوت دی کہ یہ منظر دیکھوں۔ جو منظر دکھائے جا رہے تھے ان میں سے چاقو سے لڑتے دو آدمی اور ایک آدمی کا سر تن سے جدا ہوتا ہوا۔ سپیشل تحفے کے طور پر یہ وعدہ کیا جا رہا تھا کہ اگلی لڑائی کے بعد جنسی مناظر دکھائے جائیں گے۔

رات دس بجے کے قریب تہوار کی تقریب میں کوئی عورت نظر نہیں آ رہی ہے۔ میدان کے احاطے میں سینکڑوں ہزاروں لوگ پڑے سو رہے ہیں۔ کچھ کونے خالی چھوڑ دیے گئے تھے تاکہ باتھ روم کے طور پر انہیں استعمال کیا جا سکے۔ خیموں کے باہر لنگر چل رہا ہے اور لوگ ٹکڑیوں میں بٹے باتیں کر اور کھانا کھا رہے ہیں۔ کچھ خیمے سونے کے لیے بنائے گئے ہیں مگر بڑے خیمے تفریح کے لیے تھے۔ سب سے بڑے ٹینٹ میں قوالی ہو رہی ہے۔ یہ وہ گیت ہیں جو صوفی روایات میں عبادت کی ایک شکل ہیں...... خدا سے گفتگو، آہستہ آہستہ، تہہ بہ تہہ اونچی ہوتی قوالی کی لَے جو سننے والے پر ایسا وجد طاری کر رہے ہیں کہ وہ خود کو خدا سے قریب محسوس کرتا ہے۔ تمام محلہ یہ منظر دیکھتا ہے۔ قوال کی آواز حضوری گیٹ سے ہوتے ہوئے ہیرا منڈی کے دل میں اتر رہی ہے۔

نئے نواب

ہیرا منڈی کئی عشروں سے زوال کا شکار ہے اور اعلیٰ پائے کی طوائفیں گذشتہ پچاس سال سے انہیں چھوڑ کر جا رہی ہیں۔ کلونیل دور کے لاہور کی یادیں کریدتے ہوئے پران نولے طوائفوں، رقاصاؤں اور ہیرا منڈی کے بارے میں لکھتا ہے: ''جو زندگی میں رات میں، گونجتی آوازوں اور جھلملاتے نظاروں کے ساتھ، جب لاہور کے آرٹ سے پیار کرنے والے شیدائی جوق در جوق یہاں جاتے تھے۔''

ان دنوں یہاں کے سرپرستوں میں پنجابی جاگیردار اور لاہور شہر کے مفکر و ادیب تھے۔ یہ یادگار لمحات ابھی تک ہیرا منڈی میں کام کرنے والی کچھ عورتوں کی یادداشتوں میں محفوظ ہیں۔ ماہا اپنے ایک پرانے گاہک کے بارے میں بات کرتی ہے جو ایک جاگیردار تھا۔ وہ اسے نواب کہہ کر بلاتی ہے اور اسے اس سنہری دور سے جوڑتی ہے جو اس کے نزدیک اس جیسی عورتوں کے لیے باعث توقیر تھا جہاں وہ عزت دار طوائف متصور ہوتی تھی۔

ہیرا منڈی کی چمک دمک توں توں کم ہوتی گئی جوں جوں اندرون شہر کے امرا نے حویلیاں چھوڑ کر کھلے اور کشادہ گھر نواح میں بنا لیے ___ ہیرا منڈی کے طور اطوار بھی ساتھ ہی بدل گئے۔ آزادی کے بعد 1947ء میں پاکستان کے صنعتکاروں نے جدید صنعتوں کو ترقی دی۔ مڈل کلاس طبقے سے ابھرتی نوکر شاہی کے ساتھ مل کر ان صنعتکاروں اور تاجروں نے لاہور کی طوائفوں کو نئی قسم کی سرپرستی دی۔ کچھ عورتوں نے ہیرا منڈی کے اپنے کوٹھے کو خیر باد کہا اور شہر کے دیگر علاقوں میں اپنے گاہکوں کو تفریح پہنچانے نکل کھڑی ہوئیں۔ یہ عمل تب زیادہ تیز ہو گیا جب ایوب خان کی فوجی حکومت نے سخت اسلامائزیشن کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر 1960ء میں تمام ریڈ لائٹ ایریاز (چکلے) بند کرنے کا حکم دیا۔ اپنے کام اور زندگی گزارنے کی جگہوں سے محرومی نے ہیرا منڈی کی بہت سی عورتوں کو ایسی دنیا میں دھکیل دیا جہاں کوئی دیواریں نہ تھیں۔ لوگ چیخ پکار کرنے لگے کہ برائی تو ایک کونے سے نکل کر شہر بھر میں پھیل گئی ہے۔ یہ چیخ و پکار کچھ عورتوں کی ہیرا منڈی واپسی کا ذریعہ بن گئی۔ لیکن انہیں رقص اور گانے سے سرکاری طور پر منع کر دیا گیا۔ اگرچہ بصد احتیاط رقص اور گانا ہوتا رہا۔

پاکستان کا روایتی طبقہ اشرافیہ پچھلے بیس تیس سالوں سے محلے کی طرف جانا چھوڑ چکا ہے وہ لوگ جو آج کابینہ میں وزیر، سفارت کار، بیوروکریٹ اور سینئر آرمی افسر ہیں، مجھے بتاتے ہیں کہ جب وہ جوان تھے تو ہیرا منڈی جایا کرتے تھے مگر بعد میں انہوں نے جانا چھوڑ دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس لیے وہاں جانا نہیں چھوڑ دیا کہ وہ بڑے یا عاقل ہو گئے تھے بلکہ انہوں نے اس لیے جانا ترک کر دیا تھا کہ ہیرا منڈی کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا تھا اور دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ یہ جگہ اب اتنی فیشن ایبل نہیں رہی تھی جہاں موثر اور امیر لوگ باقاعدہ جاتے۔ آج صرف وہی طاقت ور ___ اور حقیقی طاقتور ___ ہیرا منڈی کا چکر لگانے آتے ہیں جو مجرم گروہوں کے گاڈ فادر ہیں اور جو محلے کے کوٹھوں میں رات کے خاموش پچھلے پہروں میں اپنی میٹنگز منعقد کرتے ہیں۔

20 سال پہلے بازار فنکشن رومز سے بھرا ہوا تھا۔ ان میں سے اکثریت پر تالے پڑ چکے ہیں کیونکہ گاہکوں کو رقص میں زیادہ دلچسپی نہیں رہی بلکہ وہ جنسی خدمات کے لیے زیادہ بے چین ہوتے ہیں ___ ایسی کئی قدیم جگہیں جو مرکزی شاہراہ پر ترنم چوک اور ٹکسالی گیٹ کے درمیان تھیں وہ اب جوتوں کی دکانوں میں

بدل چکی ہیں۔صرف چند ایسی جگہیں باقی ہیں جہاں پیشہ ور موسیقار لائیو میوزیکل شوز ڈانسرز کے ہمراہ کرتے ہیں۔ ہارمونیم، طبلے اور ڈھولک پر رقص کی بجائے اب رقاصہ ٹیپ ریکارڈ، سی ڈی اور ڈیک پر پرفارم کرتی ہیں۔ یہ ڈیک فنکشن گاہکوں میں بھی زیادہ مقبول ہیں کیونکہ یہ سستے پڑتے ہیں۔

آج کے امرا سماجی رتبے کے اظہار کے لیے خوبصورت طوائفوں کی سرپرستی نہیں کرتے جو نفیس فارسی زدہ اردو بولتی ہوں اور کمال کی غزلیں گاتی ہوں۔ اس کی بجائے وہ رولیکس گھڑیاں اور لینڈ کروزر ڈرائیو کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ غریب لوگ بھی گیت سننا اور رقص دیکھنا پسند نہیں کرتے کیونکہ انہیں اپنی ٹیلی ویژن سکرینوں پر ایسا بہت کچھ مل جاتا ہے۔ پُرتکلف مہنگی طوائف گیری محلے یا شاندار نواح کے بڑے گھروں میں اب شاذ ہی ہوتی ہے۔ ہیرا منڈی میں گیٹو زنما قحبہ خانے باقی ہیں۔ امیر لوگ اب یہاں آنا پسند نہیں کرتے بلکہ شاہی محلے کی لڑکیاں ان عالی مرتبت گاہکوں کے لیے ہوٹلوں یا چنیدہ اور خفیہ قحبہ خانوں میں ملنے جاتی ہیں۔ جو لوگ آج ہیرا منڈی کی سرپرستی کر رہے ہیں وہ نچلے یا درمیانے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں...... وہ لوگ جو پوش ہوٹلوں میں انگریزی بولتی لڑکیوں اور برانڈ ڈ ہینڈ بیگز لٹکائے نفیس اور شائستہ طوائفوں کا انتظام کر پانے کی سکت نہیں رکھتے۔ دنیا جاگیردار، نوابوں اور مہذب ناچنے والیوں سے آگے بڑھ چکی ہے۔ ماضی کی اعلیٰ طوائفوں کے مجرے مر گئے ہیں۔ تفریح کی مارکیٹ میں ہوا کا رخ بدل چکا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہیرا منڈی کی عورتوں کی تقدیر ی مٹی میں رُل گئی ہے۔

اُن دنوں سب مختلف تھا

جدید ہیرا منڈی میں دو قسم کے جنسی ورکر ہیں...... روایتی کنجر خاندان اور اس پیشے میں آنے والی نئی عورتیں۔ اکثر کنجریاں کہتی ہیں کہ وہ تقسیم کے دوران ہندوستان سے یہاں آئیں۔ جب 1947ء میں انگریز ہندوستان کو چھوڑ کر گئے تو برصغیر ہندو انڈیا اور مسلم پاکستان میں تقسیم ہو گیا۔ جو تقسیم میں غلط سمت رہ گئے...... ہندو اور سکھ پاکستان میں اور مسلمان انڈیا میں ___ اپنے گھر بار چھوڑ آئے۔ اس عمل کے دوران لاہور کئی مذاہب کے حامل شہر سے جدید مسلم شہر کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ تقسیم کے دوران پنجاب میں لرزہ خیز خونی کھیل کھیلا گیا۔ ہیرا منڈی کی بوڑھیاں کنجریاں کہتی ہیں کہ وہ نسلی جنگی جنون سے بچنے کے لیے شمالی ہندوستان کے شہروں سے سوائے زیورات اور ان کپڑوں کے جو وہ پہنے ہوئے تھیں، کچھ بھی نہ لا سکیں۔ ان کی اکثریت دعویٰ گو ہے ___ وہ دعوے جن کی صداقت کی تصدیق ناممکن ہے ___ کہ وہ نوابوں اور مہاراجوں کی پسندیدہ طوائفیں تھیں۔ تقسیم کے کئی سال بعد بھی وہ ہیرا منڈی میں ان ہندوستانی شہروں یا علاقوں کے نام سے شناخت رکھتی تھیں جہاں سے وہ ہجرت کر کے آئی تھیں۔

آج ان خاندانوں کی باقیات کا کچھ حصہ باقی بچا ہے۔ کیونکہ ہیرا منڈی کی دنیا میں کئی نئے کارندے

بار پا چکے ہیں ___ اور ان دو قسم کی طوائفوں کے مابین تقسیم ___ قائم شدہ خاندانوں اور نئی آنے والی طوائفوں کے مابین تقسیم ___ غیر واضح ہوتی جا رہی ہے۔ ہیرا منڈی میں چند ہی لوگ ایسے ہیں جو یقین سے بتا سکتے ہوں کہ کون حقیقی کنجری ہے کیونکہ تقسیم ہندوستان نے ان کی اصل کو دھندلا دیا ہے۔ صرف وہ عورتیں جو روایتی کنجر فیملی سے تعلق رکھتی ہیں۔ ابھی تک قدیم روایات سے چمٹی ہوئی ہیں اور شدت سے۔

جون کی ایک گرم صبح میں کچھ بوڑھی کنجر خواتین کے ساتھ ناشتہ کرنے کے لیے بیٹھی۔ ان بوڑھیوں کی اکثریت 70 یا 80 کے پیٹے میں ہے جو اپنا دن چائے پیتے یا پان کھاتے گزارتی ہیں ___ وہ ماضی کی باتیں کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ پہلے کتنا بہتر تھا مگر نچلے درجے کی گھٹیا عورتوں نے سب کچھ خراب کر دیا ہے۔ انہوں نے کھوتی خانے کھول لیے ہیں۔ کھوتی خانہ انہوں نے ان گھٹیا قحبہ خانوں کا نام رکھا ہوا ہے جنہیں دلے چلاتے ہیں۔

''جب ہم جوان تھیں ہم انڈیا میں رہتی تھیں۔ انڈیا وہ جگہ ہے جہاں سے ہمارا تعلق ہے'' سب سے بوڑھی عورت نے کہا: ''انڈیا میں ہم امرا کے لیے گایا کرتی تھیں۔ ہم نے پٹیالہ کے مہاراجہ کے لیے کام کیا۔ ہم اس کی لونڈیاں تھیں۔''

''ان دنوں سب کچھ مختلف تھا۔ ہم بلند مرتبہ تھیں۔ ہماری بطور گلوکارہ اور رقاصہ تربیت ہوتی تھی اور ہم روزانہ گھنٹوں ریاضت کیا کرتی تھیں۔ ہماری تربیت اس وقت شروع ہوتی تھی جب ہم صرف سات سال کی ہوتیں اور جب ہم چودہ پندرہ سال کی ہوتی تھیں تب کہیں جا کر پرفارم کرنا شروع کرتیں۔ اچھے موسیقاروں اور کلاسیکل گائیکوں کا بڑا مرتبہ ہوتا تھا۔ صرف نچلے درجے کی فنکارائیں جا کر مردوں کے بستر گرم کرتی تھیں۔ لوگ انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ لیکن ہم قابلِ احترام تھیں اور دیگر خواتین بھی ہمیں سننے آتی تھیں۔ صرف مرد ہی ہمارے ہاں نہ آتے تھے۔''

ہو سکتا ہے کہ چیزیں اتنی خوبصورت اس وقت نہ ہوں مگر یہاں کی بوڑھیاں اپنی جوانی کے ایام کو ایسے ہی یاد کرتی ہیں۔ ان کا اصرار ہے کہ وہ فنکارائیں تھیں۔ ان کے فن کا جسم فروشی سے کوئی تعلق نہ تھا، سوائے کبھی کبھار کے۔ ان کی گائیکی کا پیشہ 15 سال تک چلتا اور 30 سال کی عمر میں وہ ریٹائر ہو جاتیں۔

''جب 1947ء میں ہم لاہور آئیں، یہاں کوئی نہ تھا۔ بہت سے گھر جلے ہوئے تھے اور جو ہندو یہاں رہتے تھے وہ انڈیا چلے گئے تھے۔ ہم یہاں اس لیے آئیں کہ یہ ہیروں کی منڈی '' Diamond Market '' تھی۔ ہمیں معلوم تھا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں گائیکوں اور ڈانسرز کو رہنا چاہیے۔''

''لاہور آنا بہت مشکل مرحلہ تھا کیونکہ ہم اپنا سب کچھ وہاں ہندوستان میں چھوڑ آئی تھیں۔ ہم اپنا سونا اور زیور ساتھ لائی تھیں اور جو کچھ ہمارے پاس تھا اسے بیچ کر گزارا کرتی رہیں۔ جب یہ سب ختم ہو گیا تو میری بڑی بہن کی بیٹی نے رقص شروع کر دیا۔ اس نے کچھ فلموں میں بھی رقص کیا اور تھیٹر پر گانے بھی گائے۔ لیکن

یہ بہت مشکل مرحلہ تھا کیونکہ اسی ایک کاندھے پر ہم سب کا بوجھ تھا۔ بعدازاں دوسری لڑکیوں نے بھی کام شروع کر دیا۔''

''25 سال پہلے تک بہت سے لوگ ہیرامنڈی آیا کرتے تھے، گانے سننے، عورتیں بھی اور مرد بھی۔ وہ بڑی تقریبات میں شریک ہوتے اور گائیک کے اردگرد بیٹھ جاتے تھے اور فنکاران کے درمیان میں کھڑے ہو کر گیت گاتی تھی۔ وہ دن بہت اچھے تھے۔ مگر وہ سب بدل گیا۔ اب کوئی شخص رقص اور گائیکی کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ ہماری سالوں تربیت ہوتی تھی مگر آج کوئی بھی یہ بکھیڑا مول نہیں لیتا۔''

بوڑھی عورتیں بیٹھی پان چبا رہی ہیں۔ ان کے منہ مسلسل پان کھانے کی وجہ سے ہمیشہ سرخ رہتے ہیں۔ ان کے پاس خاص طور پر بنائے گئے پاندان ہیں جس میں سونف سپاری، کتھا، چونا اور تمباکو ہوتا ہے۔ چاندی کی ایک پلیٹ میں تازہ پتے پانی سے بھیگے ہوئے کپڑے میں لپیٹے ہوئے رکھے ہیں۔ یہ بہت سادہ ہے اور وہ اس کی عادی ہیں۔ وہ پان سے متعلق تمام تفاصیل پر گہری توجہ دیتی ہیں تاکہ جیسا پان وہ چاہتی ہیں ویسا ہی بنے۔

ایک قدرے جوان عورت...... جو چالیسویں عشرے کے اختتام میں یا پچاسویں کے شروع میں تھی، اپنی یادیں قصے میں شامل کرتی ہے۔ اس نے بتایا کہ کس طرح اس محلے کے سارے معیار ہوا ہو گئے ہیں؟ کیسے یہ علاقہ تباہ ہوا اور کیسے ان کی شہرت ان کاموں کی وجہ سے گہنا گئی ہے جو آج کل ہیرامنڈی میں ہو رہے ہیں؟

جوں ہی میں اٹھ کر روانہ ہونے لگی اس نے غصے سے کہا: ''کیوں یہ مرد لوگ یہاں آتے ہیں، ہماری جھولیوں میں بچے چھوڑ کر کبھی نہ پلٹنے کے لیے چلے جاتے ہیں......کیوں کرتے ہیں یہ ایسا؟''

میں نے اسے بتایا کہ یہ صرف ہیرامنڈی میں ہی نہیں ہوتا بلکہ ہر جگہ ہوتا ہے۔ مگر اس نے مجھ سے اتفاق نہ کیا۔ وہ سوچتی ہے کہ اس محلے میں خصوصاً یہ ہوتا ہے۔

''انہیں اپنے بچوں کا بھی خیال نہیں آتا۔''

میں نے اسے بتایا کہ مرد یہاں نشاط کے چند لمحے گزارنے آتے ہیں اور اس کے علاوہ اس جگہ اور اس عورت کے بارے میں جس کے ساتھ انہوں نے پیار کیا ہوتا ہے بھول جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ غالباً وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے بچوں کا خیال رکھا جا رہا ہوگا۔ ''یہ ٹھیک کہتی ہے'' بوڑھی عورت نے مجھ سے اتفاق کیا۔ وہ مسکراتی رہیں، سر ہلاتی اور پان کھاتی اپنے خاندان کی نوجوان عورتوں کو دیکھتی رہیں جو اپنے بچوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ انہوں نے ایک طویل عمر گزاری ہے اور تجربے نے انہیں یہ بات باور کرادی ہے۔

میں نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ کبھی ہیرامنڈی کو چھوڑیں گی؟

''ہم کیوں چھوڑیں'' انہوں نے سختی سے کہا۔

نوجوان عورت نے کہا کہ وہ جب سے پیدا ہوئی ہے اسی گھر میں ہے۔ تمام عمر یہیں گزاری ہے وہ کسی

اور جگہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ ''ہمیں کسی بات کی شرمندگی نہیں یہ ہمارا گھر ہے اور ہم عزت دار لوگ ہیں۔ دوسرے لوگ کیا سوچتے ہیں یہ ان کا مسئلہ ہے۔''

ان بوڑھی کنجر عورتوں کی طرح کی عورتیں اپنے گھروں کی سربراہ ہیں۔ ان کے خاندانوں میں حقیقی شوہر نہیں ہوتے، اور مرد قلیل المدتی مہمان ہوتے ہیں۔ تمام عام پاکستانی خاندانوں کے برعکس کنجروں کے گھروں میں عورت کا کنٹرول ہوتا ہے۔ عورتیں ہی پیسے کماتی ہیں اور وہی گھر کی کفالت کرتی ہیں۔ انہیں نائیکائیں کہا جاتا ہے۔ یہی فیصلے کرتی ہیں کہ کب لڑکی دھندے کے قابل ہوئی، اس کے گاہکوں کا فیصلہ کرتی ہیں، وہی کوٹھے کا انتظام دیکھتی ہیں اور وہی یہ فیصلہ کرتی ہیں کہ اس رقم کو جو کمائی گئی ہے کیسے خرچ کرنا ہے۔

کنجریاں دھندے میں آنے والی نئی عورتوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ یہ گھٹیا عورتیں ہیں جن کے کوئی فنی معیار نہیں۔ ان عورتوں میں سے کچھ غریب دیہاتی علاقوں کی طرف ہجرت کر گئی ہیں، کچھ کو ان کے خاندانوں نے قحبہ خانوں کو فروخت کر دیا ہے۔ باقیوں کی ایسے مردوں سے شادی کر دی گئی ہے جو ان کی دلالی کرتے ہیں۔ کچھ بھاگ جاتی ہیں، گھروں میں ان کا استحصال ہوتا ہے مگر وہ پڑی رہتی ہیں کہ کچھ کمانے اور کہیں جانے کے قابل نہیں رہتیں۔ اکثر کسی چکلے کی زینت بن جاتی ہیں جہاں کے مرد دلال ان کی محنت کی کمائی سے اپنی جیبیں بھرتے ہیں۔ کچھ ایسی ہوتی ہیں جو جنسی غلامی کے منحوس چکر میں الجھ کر رہ جاتی ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ ہیرامنڈی میں ایسی کئی لڑکیوں کو زنجیروں میں باندھ کر رکھا جاتا ہے جنہوں نے دلوں سے بھاگنے کی کوشش کی۔ میں نے ان لڑکیوں کو کبھی نہیں دیکھا۔ غالباً کوئی ایسا کرتا بھی نہیں سوائے گاہک کے۔ غالباً ایسی لڑکیاں ہیں بھی نہیں ___ لیکن اس کا خیال ہی لڑکیوں کو قحبہ خانے سے نہ بھاگنے کے لیے کافی ہے۔ کنجر خاندان کی عورتوں کے برعکس ہیرامنڈی کی دنیا میں داخل ہونے والی نئی عورتوں کا نہ تو فیملی نیٹ ورک ہوتا ہے جو ان کی مدد کر سکے اور نہ ہی وہ امیر ورثہ جو انہیں نفسیاتی سہارا ہی مہیا کر سکے۔

برصغیر کے روایتی کلچر نے کنجر عورتوں کا ہمیشہ استحصال کیا ہے لیکن طوائف گیری کے قدیم نظام نے تحفظ کا عنصر مہیا کیا جو نئی اور زیادہ منحوس لاہور کی سیکس مارکیٹ کی ساخت میں عنقا ہے۔ کنجر سوسائٹی میں بوڑھی عورت کا ایک مقام ہے کیونکہ وہ اس چھوٹے سے گھر کا انتظام سنبھالتی ہے جو بڑے پیمانے پر سیکس مارکیٹ کی تشکیل کرتا ہے۔ لیکن اب انتظامیہ کی لگام ایک نئی نسل کے ہاتھ آ گئی ہے جو دلالوں کا پیشہ وارانہ طبقہ اور ایجنٹ۔ ان لوگوں میں سے کچھ کا تعلق ہیرامنڈی سے ہے تو کچھ باہر کے ہیں اور وہ دن بدن طاقتور اور دولت مند ہوتے جا رہے ہیں۔ بڑی عمر کی کنجر عورتوں کا مستقبل مخدوش نظر آتا ہے۔

میں چاہتی ہوں کہ وہ لڑکیاں رہیں

ترنم چوک مستقلاً اور خطرناک حد تک مصروف ہے۔ جون کی ایک گرم دوپہر میں، میں نے ایک کھسرے

کو دیکھا جو سینما سے نکل کر رکشوں کے درمیان سے جگہ بناتا آگے بڑھ رہا تھا۔ ریشمی دوپٹہ کاندھوں کے گرد لپیٹا ہوا ہے۔ سر پر اس نے مہندی لگا رکھی ہے اور درمیان سے بالوں کا ایک گچھا اٹھا ہوا ہے۔ اس کی شیو ہلکی سی اُگ رہی ہے اور گرمی کی وجہ سے اس کی آنکھوں کا میک اپ جیسے پگھل رہا ہو۔

مجھے دیکھ کر وہ تھوڑا سا ہچکچاتی ہے۔ چند لمحوں بعد وہ مجھ تک پہنچی، میرے دوپٹے کو ٹھیک کیا اور میرے چہرے پر اپنی انگلیاں پھیریں۔ پھر وہ ہنسی اور اپنی انگلیوں کو چومتے ہوئے کہا۔

''خوبصورت۔''

پھر وہ میرے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے بولی کہ اس کا نام تسنیم ہے۔ ہم واپس بادشاہی مسجد کی طرف چل پڑیں اور آگے ایک تنگ سی گلی میں مڑ گئیں۔ گلی اتنی تنگ ہے کہ سورج کی روشنی مکانوں کے درمیان سے گزر کر بمشکل گلی تک پہنچ رہی ہے۔ مکانوں کی بلندی ہم سے 40 یا 50 فٹ ہے۔ عمارتوں کی دیواریں سیاہ اور بھوری ہیں۔ کونے میں کچرے کے ڈھیر پر بے تحاشا مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔

اس گلی سے گزر کر تسنیم مجھے ایک گھر میں لے گئی۔ گھر کے اندر بارہ تیرہ کھسرے تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ تمام نے شوخ رنگ کے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ ان سب کا انداز دوستانہ ہے اور مجھے دیکھ کر خوش ہو رہی ہیں کیونکہ میری وجہ سے انہیں بحث کا ایک نیا موضوع مل چکا ہے۔ انہوں نے مجھے کمرے کے درمیان میں بٹھا لیا تاکہ سب میرے ناخن اور بالوں کو دیکھ سکیں۔

تسنیم میرے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی قمیض درست کی اور اپنے بریزیئر کو اوپر کھینچ کر ٹھیک کیا تاکہ مجھے اندازہ ہو سکے کہ اس کا سینہ ہے۔ اس کی اس حرکت سے وہاں مقابلے کی فضا بن گئی ہے۔ ہر کھسرا یہ ثابت کرنے کی کوشش میں ہے کہ اس کا سراپا عورت سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ سطحی لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ ایک خوش طبع مذاق تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ کھسروں کے درمیان اس حوالے سے مقابلے کی نوعیت بہت گہری ہے۔ اس حوالے سے وہ بہت وہمی ہیں کہ ان میں کون زیادہ خوبصورت اور عورت نما ہے۔

بڑی عمر کے ایک کھسرے نے مجھ سے اصرار کیا کہ میں بھی اپنا سینہ دکھاؤں، جو بہت حقیقی لگ رہا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ جب وہ پیدا ہوئی تھی تو اس کا مردانہ عضو تھا مگر اسے کاٹ دیا گیا۔ اپنی بات کی صداقت کے ثبوت کے لیے وہ اپنی شلوار اتارنے لگی لیکن میں نے اسے کہا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ واضح طور پر مستند کھسرا ہے۔

تسنیم نے اپنے ہاتھ بالکل میرے سامنے فرش پر رکھے۔ اس کے ہاتھ خاصے مردانہ اور مجھ سے کہیں بڑے ہیں۔ اس کی انگلیاں لمبی اور ناخنوں پر میرون نیل پالش لگی ہے۔ اگرچہ ابھی وہ بمشکل بیس سال کی ہو گی مگر اس کی انگلیوں کے جوڑوں پر جھریاں ہیں۔

''جھریاں، جھریاں'' ایک کھسرا چلایا۔ تسنیم جلدی سے کمرے سے بھاگی اور خود کو دروازے کے پیچھے

چھپا لیا۔ اپنا چہرہ دوپٹے میں چھپا لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ اس نے وضاحت کی کہ انگلیوں کے جوڑوں پر زخموں کے نشان ہیں مگر اس وضاحت پر اس کا اور زیادہ مذاق اڑایا گیا۔

تسنیم نے مجھے اشارہ کیا کہ اس کے پیچھے آؤں۔ ہم گھومتی گھامتی سیڑھیوں کے زینے طے کرتے ہوئے عمارت کی سب سے اوپر والی منزل پر پہنچیں۔ یہ تسنیم کا کمرہ ہے جہاں وہ ایک اور کھسرے کے ساتھ مل کر رہتی ہے۔ ان کی پیشہ وارانہ زندگی کا بیان کرتی ان کی بڑی بڑی تصویریں کمرے کی دیوار پر چسپاں ہیں۔ ہیرامنڈی کی تمام طوائفیں اور کھسرے اپنی تصویروں کو خوبصورت سنہری فریموں میں فکس کرا کے کمروں میں لٹکاتی ہیں، یہ ان کی توقیر میں اضافے کا باعث تصور ہوتی ہیں۔ ان تصویروں میں وہ خوب میک اپ کیے اور اپنے بہترین ملبوسات زیب تن کیے ہوئے ہیں۔

اصولی طور پر پاکستانی مرد خوبرو اور مردانہ وجاہت کے حامل ہیں۔ کھسروں پر بھی یہ اصول اتنا ہی لاگو ہے۔ تصویروں میں مردانہ وجاہت کے حامل آدمی میک اپ، جیولری اور شوخ کپڑوں میں نظر آ رہے ہیں۔ تسنیم اور اس کی دوست میرے سامنے اپنی قیمتی تصویر اٹھا کر کھڑی ہیں۔ وہ اتنی دزدیدہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی ہیں کہ میں سوائے اس کے کچھ نہ کہہ سکی۔

''بہت پیاری۔''

تسنیم نے اعلان کیا کہ مجھے میک اپ کی ضرورت ہے۔ میں ڈر گئی۔ اس نے مجھے کھڑکی کے ساتھ پڑے چھوٹے سے ایک سٹول پر بٹھایا تاکہ وہ روشنی میں میرا بغور جائزہ لے سکے۔ پھر اس نے اپنا بیوٹی بکس نکالا۔ جس میں قدیم زمانے کی استعمال شدہ کاسمٹکس کی چیزیں پڑی تھیں۔ اس نے میرے لیے مناسب ترین رنگوں کا انتخاب کیا۔ میرے ناخنوں پر وہی میرون نیل پالش لگائی جو اس کے ناخنوں پر تھی۔ ہونٹوں پر گہرے بنفشی رنگ کی لپ اسٹک لگائی اور میری پلکوں کے گرد گہرے سیاہ رنگ کی لائنیں کھینچ دیں۔ ان سب نے مجھے دیکھا اور متفقہ طور پر اس بات پر ان کا اجماع ہو گیا کہ میں کمال کی رقاصہ لگ رہی ہوں۔ میں اس خیال سے ہی لرز کر رہ گئی کہ مجھے ہیرامنڈی میں موجود مردوں کے اژدہام میں اس شکل کے ساتھ گزرنا پڑے کہ گویا کہ میں سنڈریلا کی کوئی بدصورت ترین بہن ہوں۔ ہم ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گھر سے باہر نکلیں۔ تسنیم اپنا دوپٹہ کھسرا ہاؤس ہی میں چھوڑ آئی اور یوں شوخ انداز اور عام باوقار پاکستانی عورتوں کی نقل کر رہی تھی جو لوگوں میں نکلتے ہوئے دوپٹہ سنبھال کر چلتی ہیں ___ اس نے اپنے سینے کے خیالی ابھاروں کو چھپانے کے لیے میری شال کے سرے کو ان پر تان لیا۔

تسنیم کو روشنائی گیٹ کی کسی دوکان سے کولڈ ڈرنک لانے کو کہا جائے تو اسے اچھا لگتا ہے۔ بعض اوقات جب میں فیصل ہوٹل سے کھانے کے لیے جاتی تو اس سے میرا آمنا سامنا ہو جاتا۔ وہ اس موقع سے بڑا لطف اٹھاتی۔ روٹی بنانے والوں اور ریسٹوران میں چائے کے لیے آنے والے گاہکوں کے ساتھ چھیڑ

خانی کرتی۔ وہ اسے جوکر سمجھتے ہیں اور دل کھول کر ہنستے ہیں اور اس پر فقرے بھی کستے ہیں۔ ان کے عمل کے ردِعمل میں تسنیم اپنے بال جھٹکتی ہے، ناز وادا دکھاتی ہے اور ادا سے اپنے بریزیئر کے نیچے سے پیسے نکالتی ہے۔ کوئی حقیقی خاتون، چاہے وہ کتنی تجربہ کار رنڈی ہی کیوں نہ ہو، کبھی بھی ایسے فحش طریقے سے حرکت کرنے کی جرات نہیں کرے گی۔

آج جب ہم کوک لے کر تسنیم کے گھر پہنچے تو وہاں کچھ نئے لوگوں کو بیٹھے دیکھا۔ وہ مرد ہیں اور مردوں کی طرح ہی لگ رہے ہیں۔ ایک آدمی پتلا سا ہے جس کے نین نقش باریک ہیں جبکہ دوسرا موٹا اور ناٹا سا آدمی ہے جس کے چہرے پر بڑی سی مونچھیں ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ تسنیم اور دوسرے کھسروں کی طرح کے نہیں ہیں۔ وہ ہیرامنڈی میں بھی نہیں رہتے ہیں لیکن وہ ہر ہفتے یہاں کا چکر لگاتے ہیں۔ پتلا سا آدمی زنانہ لباس پہن کر رقص کرتا ہے اور اپنی دوسری خدمات بیچتا ہے جبکہ دوسرا آدمی گاہک ہے۔ یہ دونوں آدمی شادی شدہ ہیں جو مجھ سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا لندن میں بھی اس طرح کے مرد ہوتے ہیں۔

میں انہیں بتاتی ہوں کہ میرے ملک کے جو مرد، مردوں کے ساتھ جنسی فعل کرتے ہیں یا کراتے ہیں وہ عورتوں کی طرح کے کپڑے نہیں پہنتے۔ ہاں اگر ان کی اپنی مرضی ہو تو وہ ایسا کر لیتے ہیں۔ کھسروں کے خیال میں یہ امر دلچسپ ہے مگر وہ اس پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ بڑی مونچھوں والے آدمی نے اس خیال کو ناپسند کیا۔ اس نے کہا ''میں یہ پسند کرتا ہوں کہ یہ لڑکیوں کی طرح ہوں'' تسنیم خاصی سنجیدہ لگ رہی ہے۔ وہ کہتی ہے ''گاہک چاہتے ہیں کہ ہم خوبصورت لگیں اگر ہم خوبصورت لباس نہ پہنیں، خوبصورت چہرہ نہ بنائیں تو کوئی پیسے نہیں دیتا۔''

کھسرے باری باری ڈانس کرتے ہیں۔ تسنیم نے مجھے پاؤں کی حرکات میں کیسے توازن رکھنا ہوتا ہے، کے بارے میں سکھایا اور جو پتلا سا لڑکا آیا تھا اس نے پُرجوش رقص کر کے دکھایا۔ اس کے بعد اس مجرا گروپ کے گرو نے ہمیں درست رقص کے گُر بتائے۔ گرو کی عمر 40 سال ہوگی، جسم خاصا تومند، نین نقش کشادہ اور لمبے سیاہ بالوں والا کھسرہ ہے۔ وہ بہت شاندار شخصیت ہے جسے میں نے محلے میں آمد کی پہلی رات گلی میں دیکھا تھا۔ اس کا نام سفید پھول ہے اور وہ کھسرہ ہاؤس کا مالک ہے۔ ایک کھسرے نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا ''یہ سب سے بہترین ہے'' جو وہ بتا رہی ہے بالکل درست ہے۔ یہ بالکل عورت کی طرح ڈانس کرتی ہے۔ گرو کے رقص کی حرکیات بالکل کامل تھیں اگرچہ اس کی جسمانی ساخت ناکامل تھی۔ ناظرین اس کا رقص دیکھ کر عش عش کر اٹھے اور میں بھی۔

میں ایسے ہی پیدا ہوئی

ہیرامنڈی کے کھسرے بالکل ویسے ہیں جیسے بھارت کے ہیجڑے۔ دونوں کے بارے میں یہی بات

کہی جاتی ہے کہ وہ آدھے مرد اور آدھی عورتیں ہیں۔ ہیرامنڈی میں جتنے کھسروں کو میں جانتی ہوں ان کی اکثریت حیاتیاتی طور پر پیدا ہوتے وقت مردانہ خصوصیات کی حامل تھی۔ وہ مردوں کی طرح نظر آتے ہیں اور ان کا عضو تناسل بھی ہے۔ ان میں سے کچھ فقط کچھ پیدائشی ہیجڑے ہیں۔ کچھ حیاتیاتی طور پر مردوں کو سرجری سے گزرنا پڑا ہے، جس کی قیمت اکثر ان کے گاہک بھرتے ہیں۔ اس سرجری میں ان کے مردانہ عضو ختم ہوئے۔ ان کی برتری کی وجہ عضو تناسل کی عدم موجودگی اور زنانہ شباہت میں ہے جو خصیوں کے بننے کی وجہ سے خود بخود ان میں ارتقا پانا شروع ہو جاتی ہے۔

مشتبہ جنسیت ہندوستانی کلچر میں تسلیم شدہ ہے۔ ہندو اساطیر میں کئی دیوتا ہیں جن میں مردانہ اور زنانہ دونوں خصوصیات شامل ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو مذکر مونث دونوں میں بدل سکتے ہیں۔ مثالی ہیجڑے کا مونث اور زرخیزی کی دیویوں کے ساتھ روحانی تعلق تسلیم شدہ ہے اور یہ بھی مستند خیال تصور ہوتا ہے کہ وہ دعا یا بددعا دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہاں یہ رواج ہے کہ جس گھر میں لڑکا پیدا ہو یا شادی ہو وہاں ہیجڑے رقص کرتے ہیں۔ اگر رقص کے انعام کے طور پر انہیں کشادہ دلی سے نوازا جائے تو وہ دعائیں دیتے ہیں اور اگر انہیں کم معاوضہ ملے تو وہ نئے پیدا ہونے والے بچے اور شادی شدہ جوڑے کو بددعائیں دیتے ہیں۔ جدید ہندوستان میں آج بھی ان روحانی طاقتوں کو یا تو تسلیم کیا جاتا ہے یا انہیں طنز کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہی کچھ پاکستان میں بھی ہوتا ہے۔ لاہور میں شادیوں، پیدائشوں، ختنے کی رسم کے موقع پر آج بھی کھسروں کا رقص ہوتا ہے اور شاذ ہی ایسا ہوتا ہے کہ کھسروں کو نہ نوازا جائے۔

اسلام دوہری جنسیت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے لیکن اسلامی دنیا تیسری نسل کے حوالے سے ایک تاریخ کی حامل ہے کہ کس طرح مخنثوں نے معاشرے اور مسلم بادشاہوں کے درباروں میں اہم کردار ادا کیا۔ چند مخنث ہی ایسے ہیں جو پیدائشی طور پر مخنث پیدا ہوئے لیکن بڑی اکثریت ایسی ہے جنہیں بچپن یا جوانی میں صنفی خصوصیات سے محروم کیا گیا۔ کیونکہ وہ اہم اور وفادار محافظ، استاد اور منتظم ثابت ہوتے تھے یا پھر غلام جو جنسی تفریح کے لیے بالغ مردوں کے استعمال میں آ سکتے تھے۔ برصغیر کے شہروں میں مردوں کی جسم فروشی طویل عرصے تک روبہ عروج رہی اور آج ہیرامنڈی کی رنڈیوں کا تقریباً دس فیصد انہی کھسروں پر مشتمل ہے۔

پاکستان میں مردوں کی بڑی تعداد مردوں سے جنسی فعل کرتی ہے۔ یہ لڑکوں کے ساتھ بھی بدفعلی کرتے ہیں۔ عام لوگ دوہری جنسیت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ صیغہ راز میں رہے تو قابل قبول ہے۔ مردوں سے بدفعلی کرنے والے مرد خود کو ہم جنس پرست تصور نہیں کرتے اور اس کا خاندان بھی انہیں ہم جنس پرست تصور نہیں کرتا۔ پاکستانیوں کی اکثریت شادی کرتی ہے اور بچے پیدا کرتی ہے اور لوگوں میں اپنی ناک اونچی رکھنے یا بھرم قائم رکھنے کے لیے ان کے ماورائے شادی جنسی رجحانات کا ذکر نہیں ہوتا۔ مردوں یا لڑکوں کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنا باعث شرمندگی تصور نہیں ہوتا اگر جنسی مہم جوئی میں کسی کا کردار فاعل کا ہے بلکہ یہ

مردانیت کا اظہار تصور ہوتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ مرد جنسی طور پر توانا ہے۔ یہ ہم جنس پرستی میں مفعول ساتھی ہے جس پر طنز کیا جاتا ہے اور نفرت کی جاتی ہے۔ اسے مفعول اور مغلوب کہا جاتا ہے۔ عورت اور کھسرے کی طرح جو جنسی تقسیم کے دوسری طرف یعنی زنانہ طرف ہوتا ہے۔ ہیرا منڈی میں یک جنسی تعلقات میں نمایاں امتیاز موجود ہے، مردوں کی لڑکوں اور مردوں کی کھسروں سے جنسی ضرورت کی تسکین میں نمایاں عدم مساوات ہے جو اس معاشرے کا آئینہ ہے جہاں مرد اور عورت کے تعلقات میں طاقت کی غیر متوازن تقسیم ہے۔

کھسرے بڑھا چڑھا کر عورتوں کی ادائیں اختیار کرتے ہیں، باریک آواز میں بات کرنا، ادا سے ہاتھ ہلانا، کولہے مٹکانا اور ناز نخرہ دکھانا...... وہ اپنے ناخن بڑھاتے ہیں اور نیل پالش لگاتے ہیں گہرا میک اپ کرتے ہیں، اپنے بالوں کا خیال رکھتے ہیں یعنی انہیں خوب لمبا اور چمکدار بنانے کی تگ و دو کرتے ہیں۔ جب کبھی بھی کوئی کھسرا مجھے اپنی دلکشی سے متاثر کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے بال کھول کر شانے پر لہرا دیتا ہے اور اپنے سر کو پیچھے کی طرف جھکا دیتا ہے تا کہ اس کے بالوں کی لمبائی مجھے نظر آئے۔ ایک کھسرا دوسرے کو اگر کوئی سنجیدہ اور ظالمانہ سزا دینا چاہتا ہے تو وہ اس کے بال کاٹ دیتا ہے۔

کھسرے کے طور اطوار عورتوں کے رویے کی بھونڈی نقالی ہے۔ کھسرا زنانہ آداب کے وہ حصے اختیار کر لیتا ہے جو اس کے لیے مفید ہوں اور باقی چھوڑ دیتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ وہ ان پابندیوں کا مشاہدہ نہیں کرتے جو عورتوں کے آداب پر عائد ہیں۔ پبلک کے سامنے رقص کرنے کا عام پاکستانی عورت تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یہاں تک کہ ہیرا منڈی کے سب سے سنجیدہ کھسرے بھی پاکستانی مسلم نسوانیت کی اہم علامت پردے کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ وہ کبھی پردہ نہیں کرتے اور نقاب بھی اس وقت استعمال کرتے ہیں تا کہ مردوں کو اپنی جانب کھینچ سکیں۔

ہیرا منڈی کے کھسرے اپنے گرو کے گرد اپنا تنظیمی جال بنتے ہیں۔ ہر گرو کے اپنے چیلے ہوتے ہیں جو گرو کے ساتھ رہتے ہیں، اس سے تربیت لیتے ہیں اور اس کمیونٹی کے اصولوں کی پیروی کرتے ہیں۔ نظریاتی طور پر اسے ایک بڑا خاندان کہا جا سکتا ہے۔ ہر چیلے کو اپنے گرو کے احکامات کے مطابق تمام کام کرنے پڑتے ہیں۔ وہ آزادانہ طور پر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ محلے میں گروؤں کا ایک نظام مراتب ہے اور سب سے اوپر موجود گورو کو سب سے زیادہ احترام ہوتا ہے۔ پورے پاکستان میں کھسرا گھروں کا ایک جال پھیلا ہوا ہے جو نوجوان کھسروں کو یہ سہولت دیتا ہے کہ وہ ایک کھسرا گھر سے دوسرے میں جا سکیں۔ اگر کسی کھسرے کو ایک کھسرا کمیونٹی خارج کر دے تو کوئی دوسرا کھسرا گھر اسے اپنے ہاں جگہ نہیں دیتا۔ یہ غالباً اس لیے ہوتا ہے کہ کھسروں کے درمیان موجود اخوت قائم رہے۔ تمام گرو رحم دل بھی نہیں ہوتے۔ ہیرا منڈی میں ایسے بھی گرد ہیں جو چکلے چلاتے ہیں اور اپنے ماتحت چیلوں کی محنت، رقم اور روح کو ان سے چھین لیتے ہیں خاص طور پر نئے کھسروں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے۔

محلے میں کسی کی بنیادوں کے متعلق جان پانا بہت مشکل ہے، اور کھسروں کی ابتدائی زندگی سے متعلق جان کاری حاصل کر پانا تو خاص طور پر بہت مشکل ہے کیونکہ جب بھی ان سے اس بارے میں پوچھا جائے تو وہ ہمیشہ ایک ہی جواب دیتے ہیں ''میں ایسے ہی پیدا ہوئی۔'' کچھ وضاحت کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہ اس لیے ہیرا منڈی آئے کیونکہ وہ اپنے گاؤں میں اس طرح نہیں رہ سکتے، اور یہ کہ وہاں ان کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ خود کو غلط جگہ پر اور اس معاشرے کے لیے ناموزوں سمجھتے تھے اور ان کے والدین کو بھی ان کی وجہ سے شرمندگی ہوتی تھی۔ کچھ کو ان کے گھر والوں نے ہی اپنے گھر سے دھکے دے کر نکال دیا تھا۔ کچھ خود ہی گھر چھوڑ کر شہر آ گئے اور پھر فرار کی تلاش میں ہیرا منڈی رہ گئے۔ دوسرے کچھ کھسروں کا کہنا ہے کہ ان سے بچپن میں بدفعلی کی جاتی تھی اور جسم فروشی کا دھندا کرایا جاتا تھا اس لیے وہ بھاگ آئے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں مونث جسم فروشوں سے زیادہ مذکر جسم فروش ہیں۔ گیراجوں میں کام کرنے والے لڑکے، بسوں کے کنڈکٹر، ٹرک ڈرائیوروں کے اسسٹنٹ اور چائے کے ڈھابوں میں ویٹر کا کام کرنے والے لڑکے...... یہ ہر جگہ ہیں، غربت زدہ لڑکے جن کی عمریں 9 سے 14 سال کے درمیان ہوتی ہیں، فقط دو وقت کی روٹی کے لیے سیکس بیچتے ہیں۔ تسنیم بتاتی ہے کہ جب وہ بچی تھی تو اس کا ریپ کیا گیا...... اور اتنی بار کیا گیا کہ اسے خود بھی یاد نہیں اور انہی زیادتیوں کی وجہ سے آج وہ یہاں ہے۔ وہ مرد نہیں بن سکتی اور کبھی عورت بھی نہ بنے گی۔ وہ صرف کھسرا رہ سکتی ہے اور اس کی بقا کا واحد سہارا جسم فروشی ہے۔ اب مرد اسے نہیں چاہتے، اس کا جسم سخت ہے، اس کی داڑھی بھی اُگنا شروع ہو چکی ہے لیکن وہ اب صنفی تقسیم کی دیوار نہیں پھاند سکتی چاہے کتنی خوبصورت سرخ شلوار قمیص پہن لے اور چاہے کیسی بھی میچنگ لپ اسٹک لگا لے۔

❀❀❀

باعزت جسم فروش

مون سون۔ اگست 2000ء

آج 14 اگست ہے، پاکستان کا یوم آزادی......لڑکوں اور جوانوں کے گروہ شہر کی گلیوں میں امڈ پڑے ہیں، پٹاخے پھوڑ رہے ہیں اور ''پاکستان زندہ باد'' کے نعرے لگا رہے ہیں......نوجوان ہوا میں اپنے کرکٹ بیٹ لہرا رہے ہیں۔ کسی غیر ملکی سیاح کے لیے یہ غیر مناسب ہے کہ اس دن وہ اس حوالے سے پُر جوش دکھائی نہ دے۔ مجھ سے متعدد بار لوگوں نے یہ سوال کیا ''کونسا ملک بہتر ہے انڈیا یا پاکستان۔'' میں نے مصلحت بھرا جواب دیا کہ دونوں ملک اچھے ہیں۔ بیکری پر جو بحث رواں تھی میں نے اس میں حصہ لینا مناسب نہ سمجھا جس میں وہ خطرناک، استعماری اور بڑے ہمسائے بھارت کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔

گلی لوگوں سے بھر چکی ہے۔ لوگ بادشاہی مسجد سے دوسری طرف موجود اقبال پارک کی طرف جا رہے ہیں۔ اپنے گھر کی بالکنی سے میں سیاسی جلسے کی کارروائی جو لاؤڈ سپیکر کے ذریعے نشر ہو رہی ہے، بیٹھی سن رہی ہوں۔ اس دن کی اہمیت اور لوگوں کی کثیر تعداد مقامی انتظامیہ کے لیے تشویش ناک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔

حضوری باغ لوگوں سے بھر چکا ہیں۔ ہر طرف پاکستان کے جھنڈے نظر آ رہے ہیں...... پوسٹرز پر، بیجز پر اور ٹوپیوں پر......کچھ لڑکوں نے مغربی طرز کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ ان کی ٹی شرٹس پر **I Love Pakistan** لکھا ہے۔ سیر کے لیے آنے والے قلعے کی طرف اپنا راستہ بناتے آگے بڑھ رہے ہیں۔ لیکن اصل تماشا یہاں سے 50 میٹر دور عالمگیری گیٹ کے سامنے ہو رہا ہے جہاں مجمع بڑی تعداد میں جمع ہو چکا ہے اور ایک پولیس والا لاٹھی گھما گھما کر انہیں دور بھگا رہا ہے۔ مجمع کے درمیان دو جاپانی لڑکیاں کھڑی کوک پی رہی ہیں۔ لڑکیوں نے تنگ شرٹس اور دھاری دار جینز پہن رکھی ہے۔ شاہی محلے جیسے علاقے میں بھی مردوں کو عموماً اتنے تنگ ملبوس میں لپٹی عورتیں شاذ نظر آتی ہیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہ کوئی سر عام سیکس شو ہو رہا ہے۔ لڑکیوں نے قدم آگے بڑھائے اور مسجد کی طرف اپنا رخ کر لیا ہے۔ مرد ناظرین کا مجمع بھی ان کے ساتھ ساتھ یوں آگے بڑھے جا رہا ہے کہ گویا لڑکیاں کوئی مقناطیس جیسی شے ہیں۔

روشنائی گیٹ کے ساتھ تجارت زوروں پر ہے۔ برف سے لدے تانگے پانی کی لائنیں سڑک پر

چھوڑتے تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ برف کے یہ بلاک توڑ کر ان لوگوں کو بیچے جاتے ہیں جن کے پاس فریج نہیں ہیں۔ پھیری والوں نے اپنی ریڑھیوں پر پھلوں اور سبزیوں کو سجا رکھا ہے۔ سب سے دلکش نظارہ آم کی ریڑھیوں کا ہے جو پہاڑوں کی صورت سجائے گئے ہیں۔ جنوبی ایشیا کے آم بے مثال ہیں، بہت میٹھے اور خوشبودار...... جولائی اور اگست میں یہ آم لاہور کے کونے کونے میں نظر آتے ہیں۔ جوس کی دکانوں پر ان کے مینار نظر آتے ہیں۔ پھیری والے ریڑھیوں پر پہاڑ کی صورت سجائے ہوتے ہیں۔ پھلوں کی دکانوں پر اور سائیکلوں پر بندھی ٹوکریوں میں ہر جگہ آم نظر آتے ہیں۔ مون سون کے موسم میں آموں کی دعوتیں اکثر ہوتی ہیں۔ ان کے چھلکے اور اندر کی گٹھلی ہر سڑک اور گلی میں پڑی نظر آتی ہے۔

چھٹی کے دن میرا مکان مالک ایک نئی پینٹنگ پر کام کر رہا ہے۔ ایک عورت روزانہ آتی ہے اور نئے جدید پیلے رکشے کی سیٹ پر بیٹھتی ہے جو گھر سے باہر کھڑا ہے اور اس دوران اقبال اپنا ایزل ترتیب دیتا ہے اور 30، 40 منٹ تک، جب تک روشنی ٹھیک رہتی ہے، وہ اس تصویر میں مشغول رہتا ہے۔ اگرچہ وہ رکشے کے تیز رنگ سے پریشان بھی ہوتا ہے ___ اس بات پر پریشان کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تصویر میں صرف رکشے کے شوخ رنگ ہی بھر جائیں اور عورت غائب ہو جائے۔ اقبال کے چہرے کی بدحواسی اور ارتکاز کے لیے چہرے پر آنے والی تبدیلیوں کو میں غور سے دیکھتی رہتی ہوں۔

وہ اس جگہ سے چھٹکارا پانا چاہتا ہے اور کسی اور زاویے سے یہ تصویر مکمل کرنا چاہتا ہے مگر میرا خیال ہے ایسا نہیں ہو گا۔ اگر ایسا ہو جائے تو اقبال کو شاید کچھ سکون مل سکے گا۔ مگر پھر وہ بولتی تصویریں تخلیق نہ ہو سکیں گی کیونکہ جب اقبال حسین پینٹ کرتا ہے وہ مشکل میں گرفتار دل، دکھ اور غصے میں کرتا ہے جو وہ کہہ نہیں سکتا۔

اماں جی

میں خوش ہوں کہ گندی گلیوں، شدید گرمی اور پانی کی فراہمی کی ناقص سپلائی والے علاقوں سے واپس ہیرا منڈی آ گئی ہوں۔ میرے کمرے میں آموں کی ایک پیٹی ہے جن میں سے بہترین آم میں ماہا کے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کھاؤں گی۔ جب بھی میں یہاں آتی ہوں پہلے چار پانچ دن بہت خوش ہوتی ہوں۔ میں ان چیزوں کو دوبارہ دیکھتی ہوں جو کافی عرصے مجھ سے دور رہی ہوتی ہیں۔ ڈٹ کر گرم اور لذیذ کھانے کھاتی ہوں اور گلیوں میں گھومتی رہتی ہوں، اور پھر جا کر بادشاہی مسجد کے دامن کی پُرسکون خاموشی میں بیٹھ جاتی ہوں۔ کمرے میں سیٹل ہونے کے بعد میں اپنے دوستوں کو ملنے نکل پڑتی ہوں۔ یہاں واپس آنا ایسے لگتا ہے جیسے آپ اپنے گھر واپس آ گئے ہوں جس کی یاد آپ کو ستا رہی تھی ___ وہ گھر جس میں آپ کے کئی راز پوشیدہ ہوں۔ میں اس جگہ سے جتنی محبت کرتی ہوں مجھے اس سے نفرت بھی ہے ___ یہ جگہ دل خوش کن بھی ہے اور مکروہ بھی۔ جب میں شاہی محلے سے دور ہوتی ہوں تو واپس پلٹنے کے لیے بے تاب رہتی ہوں لیکن جب

یہاں آ جاتی ہوں تو یہاں سے بھاگنے کی بے تابی ہوتی ہے۔

ماہا نے میرے انگلینڈ جانے کے عرصے یعنی دو ماہ میں پھر اپنا گھر بدل لیا ہے۔ اس نے امریکن کچن والا گھر چھوڑ دیا ہے اور واپس کوٹھے پر آ گئی ہے۔ اس بار اس نے ایک پرانی عمارت کی دوسری منزل پر چار کمرے لیے ہیں۔ یہ عمارت میرے گھر کے بالکل سامنے ہے۔ کچھ زیادہ تبدیلیاں نہیں آئی ہیں۔ نیشا ابھی تک بیمار ہے۔ وہ ہمیشہ سے بھی زیادہ لاغر لگ رہی ہے اور اس کی ہڈیاں روز بروز زیادہ خراب ہوتی جا رہی ہیں۔ وہ دوائیاں کھانے سے منع کر دیتی ہے اور جب اسے زبردستی گولیاں کھلائی جاتی ہیں تو انہیں تھوک دیتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ یہ گولیاں بڑی ہیں اور ان کا ذائقہ بھی عجیب ہے اس لیے زیادہ تر کسی کو بھی اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ نیشا دوائیاں لے رہی ہے یا کھڑکی میں پڑی گولیوں کو گرد چاٹ رہی ہے۔

عدنان ابھی تک لاپرواہ اور غیر حاضر شوہر ہے۔ اس نے ماہا کو کہہ دیا ہے کہ وہ خلیج کے ملکوں میں پیسے کمانے کے لیے جا سکتی ہے، اس لیے ان دنوں وہ سخت محنت کر رہی ہے۔ اس کا وزن بڑھنا رک گیا ہے اور وہ سارا دن اپنی کاپی میں نئے نئے گیت لکھنے میں مصروف ہے۔ اپنے فن کو زیادہ پختہ کرنے کے لیے وہ دن میں چار گھنٹے کی ریاضت کرتی ہے۔ اس روٹین کے تسلسل کے لیے ہارمونیم اور طبلہ نواز روزانہ اس کے گھر آتے ہیں۔

بچوں کو چھوڑ کے جانا تکلیف دہ ہے۔ ماہا تین ماہ تک ان سے دور رہے گی۔ صرف یہ نہیں بلکہ وہ اس وقت انہیں تین ماہ کے لیے چھوڑ کر جا رہی ہے جب اس کی تین بیٹیاں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکی ہیں اور دھندے کے لیے تیار حالت میں ہیں۔ اس کے خاندان نے اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا ہے تاوقتیکہ وہ مزید رقم نہیں کماتی۔ ان سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اس کی عدم موجودگی میں خود ہی اس کی بیٹیوں کو دھندے پر لگا دیں۔

ماہا کے پاس ذرائع ہیں اور اس کے ذہن میں ایک منصوبہ بھی۔ اس نے ایک عورت ڈھونڈھی ہے جو اس کی عدم موجودگی میں اس کے بچوں کا خیال رکھے گی۔ اس عورت کو کھانا پینا اور رہنے کے لیے پناہ گاہ کی صورت میں اچھا گھر مل گیا ہے۔ وہ عورت 60 سال کی لگتی ہے لیکن اسے درحقیقت اس سے کہیں زیادہ جوان ہونا چاہیے تھا۔ اس کی عمر کچھ بھی ہو وہ بہت ذہین اور تیز طرار ہے۔ اس کی آنکھیں ہری ہیں جو اندھیرے میں چمکتی ہیں، چہرہ ہڈیوں سے بھرا اور چاندی نما سفید بالوں کی چوٹی کی ہوئی ہے۔ وہ لوگ اسے اماں جی کہتے ہیں جس کا مطلب ہے "قابلِ احترام ماں۔" اور یہ نام اس کے لیے اچھا بھی لگتا ہے۔

عدنان غالباً اماں جی کی موجودگی سے ناواقف ہے۔ اسے اپنے نشے کے علاوہ غالباً کسی چیز کی پروا بھی نہیں ہے۔ اب بھی جب وہ ماہا کے گھر آتا ہے تو جنسی تسکین اس کا مطمحِ نظر نہیں ہوتی بلکہ وہاں بیٹھ کر وہ حشیش اور ہیروئن پھونکتا ہے۔ جب وہ آتا ہے تو اپنے معمول کے کپڑے اتار کر کمر کے گرد دھوتی لپیٹ لیتا ہے۔ اور

کونے میں جہاں روشنی کم ہے وہاں آلتی پالتی مار کر بیٹھتا ہے اور حشیش کے سوٹے لگا کر سکون میں آ جاتا ہے۔ میں اس کی جسم کی کپکپاہٹ سے اس کی ٹینشن کا اندازہ کر سکتی ہوں۔ بسا اوقات مجھے اس پر ترس بھی آتا ہے۔ میرے خیال میں وہ ظالم اور برا نہیں بلکہ ایک سست الوجود اور کاہل شخص ہے جو اپنے نشے کے ساتھ جدوجہد میں مصروف ہے۔

''میں چاہتی ہوں ممتاز مر جائے'' ماہا چلاتی ہے۔ آج رات بھی...... ایک بار پھر، عدنان نے نشہ کیا، اسے کچھ روپے دیے اور پھر چلا گیا۔ ماہا نے آج بھی خود کو دلکش بنانے کے لیے کافی جدوجہد کی تھی۔ اس نے چست کالی شلوار قمیض پہنی، گلابی رنگ کی تیز لپ اسٹک لگائی اور آئی لائنر سے پلکیں سنواریں مگر پھر بھی وہ اس کا دل نہ موہ سکی۔ ''کاش اسے کینسر ہو جائے'' وہ آنسو بہاتے ہوئے بولی ''کالا جادو...... وہ اس پر کالا جادو کرتی ہے۔''

اماں جی نے آہ بھری۔ اگرچہ وہ گھر کی خادمہ ہے مگر جب وہ محسوس کرتی ہے کہ ماہا کچھ ٹھیک نہیں کر رہی تو وہ ضرور اسے نصیحت کرتی ہے۔ عدنان کے موضوع پر بھی اس نے ماہا کو کچھ مفید نصیحتیں کیں اور مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کیونکہ ماہا نے عدنان اور اس کی بیوی کو اپنے حواس پر سوار کر لیا ہے۔ جب بھی میں ماہا سے ملتی ہوں وہ ایک ہی سوال کرتی ہے:

''کیا وہ مجھ سے پیار کرتا ہے؟ یا وہ ممتاز کو چاہتا ہے؟ کیا وہ میرے ساتھ سو کر زیادہ لطف لیتا ہے یا ممتاز کے ساتھ سو کر؟''

اور میرے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا ہے۔

آج اس نے نیا کھکھیڑا کھڑا کیا ہوا ہے۔ ماہا نے فیصلہ کن انداز میں کہا کہ عدنان اپنی بیوی کو اس لیے پسند کرتا ہے کیونکہ اس کے پستان بڑے ہیں۔ میں نے ماہا کے پستانوں کی طرف دیکھا جو تنگ قمیض میں سے ابلتے پڑ رہے تھے اور سوچا کہ اس سے بڑے پستانوں والی عورت کا ملنا مشکل ہے۔ اپنے نکتے کی وضاحت کے لیے ماہا نے اپنی قمیض کو اوپر اٹھا لیا۔

''دیکھو انہیں، کیا یہ خوبصورت ہیں؟ تمہارا خیال ہے کہ عدنان انہیں پسند کرے گا؟'' وہ وحشی انداز میں روئے بھی جا رہی تھی۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ اس کے پستان بالکل کامل ہیں اور ایسے ہیں کہ عورتیں ان پر رشک کریں۔ میں نے اسے یہ بھی کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ عدنان تمہاری محبت کو پستانوں کی جسامت سے ماپے اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم اس کے ساتھ نہ رہو۔ ماہا نے میری طرف ایسے دیکھا جیسے میں کوئی ماؤف عورت ہوں جس کے سر میں دماغ نام کی کوئی چیز نہ ہو۔

ایک بار تو اماں جی بھی ماہا سے اتفاق کر بیٹھیں۔ اس نے سر ہلایا اور دیرینہ حکمت اور مکار مسکراہٹ کے ساتھ کہا:

''مرد بڑے پستانوں، کشادہ مسکراہٹوں، کشادہ چوتڑوں اور تنگ...... کو پسند کرتے ہیں۔''

شادی

اسلام کی نظر میں مرد اور عورت مساوی مگر مختلف ہیں...... ان کا کردار مختلف اور دنیائیں علیحدہ ہیں لیکن دونوں جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ مگر حقیقی زندگی عورتوں پر کچھ زیادہ مہربان نہیں ہے۔ آدمی چار بیویاں رکھ سکتے ہیں، اگرچہ ایک بہتر ہے مگر وہ مرد جو ایک سے زیادہ بیویوں کے متحمل ہو سکتے ہیں...... شوہر اتنی جلدی میں طلاق دینے کا حق بھی رکھتے ہیں کہ زیادہ عمر کی اور مایوس عورتیں بہت غیر محفوظ ہو جاتی ہیں۔ عورتوں کو یہ حقوق حاصل نہیں، انہیں صرف ایک شوہر ایک وقت میں رکھنے کی اجازت ہے اور اگرچہ وہ خلع حاصل کر سکتی ہیں مگر یہ عمل ان کی سماجی خودکشی کے مترادف ہے۔ طلاق یافتہ عورت پاکستانی معاشرے میں قابلِ رحم تصور ہوتی ہے۔ مجھے یہاں بہت سی عورتوں نے دلاسا دیا کیونکہ میں طلاق یافتہ ہوں۔ ہیرا منڈی کے میرے دوست مجھے کہتے ہیں کہ مجھے جلدی سے کوئی شوہر ڈھونڈ لینا چاہیے کیونکہ ابھی میں جوان اور مردوں کے لیے دلکش ہوں۔ میرا نہیں خیال کہ وہ اس حوالے سے میرے بارے میں پُر امید ہیں۔

پاکستان میں ماورائے شادی جنسی تعلقات ہر ایک کے لیے غیر قانونی ہیں لیکن عملی طور پر یہ قانون مردوں پر نافذ نہیں ہے۔ یہاں بھی دوہرے معیار کارفرما ہیں۔ عورتوں کو پاکباز بیٹیاں، وفادار بیویاں اور تجرد پر کاربند بیوہ ہونا چاہیے۔ دوسری طرف مردوں کو آزادی ہے کہ وہ شادی کے علاوہ افیئر چلائیں، معشوقیں رکھیں جیسا کہ ہیرا منڈی میں آکر وہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف وہی لڑکیاں جوان مردوں کے ساتھ یہ تعلقات رکھتی ہیں قابلِ نفرت اور مکروہ ہیں۔ شاہی محلے جیسے علاقوں میں معاشرے نے ایسی عورتوں کا ایک گروہ تشکیل دیا ہے جو پاکباز بیٹیوں اور وفادار بیوی کی دنیا سے الگ ہے۔ مگر یہ عورتیں بھی ایک دوسری طرح کے مردانہ کنٹرول میں ہوتی ہیں۔ ایک ہی وقت میں وہ جنسی کشش کی حامل خوبصورت عورتیں بھی ہیں اور ناپاک بھی۔

مردوں کی پہلی بیوی عموماً ان کے والدین پسند کرتے ہیں۔ ان کے مابین کوئی رومانوی تعلق نہیں ہوتا بلکہ دو افراد کی بجائے دو خاندان مل کر ان کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ شادیاں طلاقوں پر ختم نہیں ہوتیں۔ جو آدمی صاحب ثروت ہوتا ہے اور دوسری بیوی کا خرچہ برداشت کر سکتا ہے وہ اپنے جذبے اور رومانس کی تشفی کے لیے دوسری یا پھر تیسری شادی کر لیتا ہے۔

رومانوی محبت جنوبی ایشیا کے اکثر علاقوں میں شجرِ ممنوعہ ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ یہاں کی فلم، موسیقی اور ادب میں اسی خیال کو ثقافتی تصور کے طور پر بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ہیرا منڈی میں آنے والے اکثر مردوں کا مطمحِ نظر سیکس ہوتا ہے مگر کچھ لوگ یہاں سچی محبت اور رفیق کی تلاش میں بھی آتے ہیں۔ یہ وہ مرد

ہیں جنہیں محبت اور احساسِ رفاقت گھروں میں دستیاب نہیں ہوتا، اور ان میں سے کچھ تعلقات جو وہ شاہی محلے کی عورتوں کے ساتھ استوار کرتے ہیں وہ زیادہ شدید، خوش وخرم اور مبنی برمحبت ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہاں کی عورتوں کی اکثریت کی قلیل المیعاد شادیاں ہوتی ہیں۔ کچھ کی باقاعدہ شادی ہو پاتی ہے جس میں شادی کی تقریب ہوتی ہے اور دلہن خوبصورت کڑھائی والا عروسی لباس اور زیور پہنتی ہے مگر ان عورتوں کی تعداد تو کہیں کم ہے جو نکاح نامہ...... شادی کے سرکاری معاہدے کا کاغذ...... اپنے پاس رکھتی ہوں۔ اکثر عورتیں شادی سے متعلق یوں بات کرتی ہیں جیسے سیکس بیچنے کی بولی کی بات کی جا رہی ہو۔ ایسی شادیاں عموماً ایک رات کی ہوتی ہیں۔

ہیرا منڈی کی کوئی بھی عورت اپنے پہلے یا دوسرے شناسا کو یہ نہیں کہتی کہ وہ دھندا کرنے والی ہے۔ وہ انہیں بتاتی ہیں کہ ہم ناچنے والی ہیں اور وہ جو لمبے عرصے کے لیے کسی سے تعلقات بناتی ہیں وہ کہتی ہیں کہ ہم شادی شدہ ہیں۔ انہیں یہ اس لیے کہنا پڑتا ہے کیونکہ دوسری صورت میں وہ غیر قانونی سیکس یعنی زنا کی مرتکب ٹھہریں گی۔

نوجوان لڑکیوں کی کسی ایک کو سرپرست بنانے کے رویے کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ کیونکہ کم سنی کا دوران کے عروج کا زمانہ ہوتا ہے۔ وہ زمانہ ہے جس میں سوجھ بوجھ رکھنے والی طوائفیں زیادہ سے زیادہ پیسے اپنے ان گاہکوں سے کماتی ہیں جو ان کی جوانی کی زیادہ قیمت ادا کرنے پر تیار ہوں۔ کسی ایک کے ساتھ خود کو نتھی صرف اسی صورت میں سمجھدارانہ حرکت ہو سکتی ہے اگر سامنے والا شخص بے تحاشا دولت مند ہو اور نوسن لڑکی کو اتنے وسائل مہیا کر سکے جتنے وہ کئی گاہکوں سے جسمانی تعلق استوار کر کے حاصل کر سکتی ہوں۔ جوں ہی یہاں کی عورت بیس کے پیٹے میں داخل ہوتی ہے اس کی طلب کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہوتا ہے جب عورت ایک مرد کے ساتھ نتھی ہونے کے بارے میں غور کرتی ہے، اور تب وہ دوسرے گاہکوں سے ملنا بھی ترک کر دیتی ہے اور بازار میں رقص کرنا بھی چھوڑ دیتی ہے۔

شدید عاشق مزاج مرد بھی ہیرا منڈی کی اپنی ''بیوی'' کے ساتھ طویل عرصہ نہیں رہ پاتے۔ شادی کے چند سالوں بعد ہی ان کی ''بیوی'' کے گھر آمد کے سلسلے میں وقفے آنا شروع ہو جاتے ہیں اور پھر یہ وقفے طویل ہوتے ہوتے تعلقات کے خاتمے تک جا پہنچتے ہیں۔ اس کے بعد عورت نئے سرپرست کی تلاش شروع کرتی ہے مگر اب دیر ہو چکی ہوتی ہے کیونکہ وہ کچھ بوڑھی اور کچھ موٹی ہو چکی ہوتی ہے۔ اس کے چارۂ کار محدود اور سستے گاہک مقدر ہو جاتے ہیں۔ ماہا کا پہلا طویل المیعاد تعلق ایک بلند مرتبہ امیر سیّد سے قائم ہوا۔ اب وہ عدنان کے ساتھ ہے جو کم دولت مند اور نشئی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ جب عدنان بھی اسے چھوڑ جائے گا، اور یقیناً وہ چھوڑ جائے گا، نئے مناسب شوہر کے ملنے کا امکان تقریباً صفر ہوگا۔

ہیرا منڈی کی کامیاب ترین طوائفیں طاقتور پاکستانی مردوں سے تعلقات بناتی ہیں۔ فریدہ کا پوش

نواحی علاقے گلبرگ میں ایک پُرتکلف گھر ہے جہاں وہ اپنی بہن اور بچوں کے ساتھ رہتی ہے۔ اس شاندار گھر کا اپنا کمپاؤنڈ اور خوبصورت لان ہے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ایک گارڈ نے بھاگ کر دروازہ کھولا۔ ایک خادم ظاہر ہوا۔ چند مالی پودوں کی گوڈی کر رہے تھے اور پانی کے ایک عمدہ پائپ کے ذریعے پانی دے رہے تھے۔ ہمیں ایک شاندار پورچ میں لایا گیا جس پر ٹائلیں لگی تھیں اور دیواروں پر خوبصورت بیل چڑھی تھی۔ بعدازاں ایک خوبصورت اور کندہ کاری کیے گئے لکڑی کے ایک دروازے کے ذریعے ہم ایک کشادہ ہال میں پہنچے جہاں کے ایئر کنڈیشنر کی ٹھنڈی ہوا اس گرم دن میں راحت کا پیغام تھی۔

میں اقبال کے ساتھ بیٹھی جس کمرے میں انتظار کر رہی ہوں اس کی دیواروں پر شاندار پینٹنگز لٹکی ہیں۔ قیمتی پردے اور شاندار صوفے جن پر تکیے خوبصورتی سے رکھے تھے۔ تھوڑی دیر میں نازک اندام اور چنچل فریدہ اندر داخل ہوئی۔ وہ ہیرا منڈی کے ایک خاندان کی تین بیٹیوں میں سے ایک ہے جس کی کلاسیکل گائیکی اور رقص کی تربیت ہوئی تھی۔ جب وہ 15 سال کی ہوئی تو وہ ایک مکمل رقاصہ اور گائیک بن چکی تھی۔ اس کے خاندان کی خوش قسمتی یہ ہوئی کہ وہ خوبصورت بھی تھی اور اپنے گاہک کو خوش کرنے کی تمام صلاحیتیں بھی اس میں موجود تھیں۔ اس کی بہنیں ویسی خوبصورت اور دلکش نہ تھیں لیکن پھر بھی انہوں نے اچھا خاصا کمایا اور پھر ایک ہی وقت میں پورا خاندان محلے سے نکل کر عزت دار نواح میں آباد ہو گیا۔

فریدہ ایک معروف پاکستانی سیاستدان کی رکھیل بن گئی۔ اس شخص کی زندگی میں کئی عورتیں تھیں ____ اس کی بیوی اور ہیرا منڈی کی کئی اور حسین لڑکیاں جو اس کی زندگی میں آئیں اور چلی گئیں ____ جو چند ہفتے سے زیادہ نہ رہیں، لیکن فریدہ سے وہ کئی سالوں سے سکون پا رہا ہے۔ یہ تھکا دینے والی عوامی زندگی اور باقاعدہ فیملی سے ملنے والے تناؤ سے فرار کی اس کی پسندیدہ راہ ہے۔ تقریباً ایک عشرے بعد اس شخص کو نئی محبت مل گئی اور اس نے یہاں آنا چھوڑ دیا۔ آج ہیرا منڈی کی دیگر کئی عورتوں کی طرح فریدہ بھی تنہا ہے۔ لیکن ان دیگر کئی عورتوں کے برعکس اس کے پاس کئی خصوصی مراعات ہیں..... ایک گھر، سیونگ اکاؤنٹ، بنک کا ایک لاکر، سیف ڈیپازٹ جس میں زیور، طلائی بریسلٹ، جو دبئی سے خریدے گئے، ہیرے اور موتی اور محبت کی کئی نشانیاں جو اس کے سابقہ سرپرست نے گاہے بگاہے اسے دیں، جنہیں اب وہ بیچ کر اپنے طرزِ زندگی کو نبھا رہی ہے۔

ارسلا بھی ان چند خوش قسمت لڑکیوں میں سے ایک ہے جو چکلے سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئیں۔ اس کے پُرتکلف طور اطوار میں ہیرا منڈی کی تربیت شاذ ہی بولتی ہے۔ اس کے کمرہ استقبالیہ میں مجھے شراب پیش کی گئی جسے میں نے چھوا بھی نہیں کیونکہ یہاں شراب نوشی عزت افزا نہیں ہے اور ارسلا ان چیزوں کو کبھی نہیں چھوتی۔

ہیرا منڈی کی جتنی عورتوں کو میں جانتی ہوں وہ ان سب سے مختلف ہے۔ وہ اپنی محلے والی ادائیں ہر جگہ

ساتھ لے کر نہیں گھومتی۔

ارسلا کا شوہر اس سے عمر میں بیس سال بڑا ہے۔انہوں نے متعہ شادی کی ہوئی ہے۔یہ شادی عشرہ قبل کنجر خاندانوں میں عام تھی۔متعہ عارضی کنٹریکٹ میرج کو کہتے ہیں جس کی میعاد پہلے سے طے کی جاسکتی ہے۔یہ شادی گھنٹوں، دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں تک محیط ہو سکتی ہے۔شادی کے دوران شوہر بیوی کی معاشی کفالت کرتا ہے اور معاہدے کا دوسرا فریق یعنی بیوی جنسی، گھریلو اور جذباتی مشقت اٹھاتی ہے۔جب شادی کی مدت ختم ہوتی ہے حقوق وفرائض بھی ختم ہو جاتے ہیں اگرچہ مردان بچوں کی کفالت کا ذمہ دار رہتا ہے جو اس دوران پیدا ہوتے ہیں۔ارسلا نے متعدد بار سالوں طویل متعہ شادیاں کیں۔جب ایک شادی اختتام کو پہنچی تو اس کے شوہر نے فیصلہ کیا کہ دوبارہ شادی کیوں نہ کر لی جائے......یہ ایک قسم کا چالو معاہدہ ہے۔

اس کا اسے صلہ بھی اچھا ملا۔ڈیفنس جیسے پوش علاقے میں اس کا پیارا سا ایک گھر ہے۔فریدہ کے گھر کی طرح ارسلا کے گھر میں بھی خوبصورت پودوں کے حامل لان ہیں۔نوکروں کی ایک فوج، دبیز قالین اور پُر تکلف صوفے۔اس کا شوہر پولو کلب سے اپنی مرسڈیز میں گھر آیا جو بالکل نئی لگ رہی ہے۔نپے تلے قدموں اور پُر اعتماد انداز کے ساتھ ہمیں سلام کیا۔اس کی انگریزی شاندار تھی کیونکہ وہ برطانیہ سے تعلیم یافتہ ہے۔وہ شاہانہ انداز ں ایک بڑی سی چمڑے کی آرام کرسی میں بیٹھا اور بین الاقوامی دلچسپی کے کئی موضوعات پر گفتگو کرتا رہا۔وہ اس بات پر قطعی ہراساں نہ ہوا کہ وہ یہاں پر ہیرا منڈی کی ایک سابقہ طوائف کے ساتھ پکڑا گیا ہے۔امیر آدمی کے لیے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا یہاں پر قابلِ قبول ہے اور صاحب مرتبت اشخاص کے لیے ماورائے شادی افیئرز تو تقریباً ناگزیر ہیں۔

عزت دار بیویاں

میرے پڑوس میں موجود گھروں میں بہت شور ہوتا ہے۔سب سے زیادہ شور ان ڈیکوں کا ہوتا ہے جو دکانوں پر پورے والیم کے ساتھ پھٹ رہے ہوتے ہیں۔بعض اوقات تو کچھ خاندان اونچی آواز میں ڈیک چلانے کا مقابلہ شروع کر دیتے ہیں۔پنجابی گیت یہاں سب سے زیادہ مقبول ہیں جن کی دلکش دھنیں اور شاعری مسحور کن ہوتی ہے۔لیکن یہ گیت رکشوں کے شور میں دب جاتے ہیں۔اس کے علاوہ نوجوان لڑکوں کی موٹر سائیکل اور بچوں کے لڑنے کے شور کی آوازیں بھی اس میں شامل ہوتی رہتی ہیں۔جب میں اوپر چھت پر بیٹھی غور کر رہی ہوتی ہوں تو 20 میٹر نیچے گلی میں موجود گھر سے اونچی آوازیں بھی ساتھ ہی سنتی رہتی ہوں۔یہ بیک گراؤنڈ شور دوسرے غل غپاڑوں کے ساتھ مل کر میرے روٹین کا حصہ بن گیا ہے۔

میں نے کبھی بھی یہاں نوجوان لڑکی پر کسی کو چلاتے نہیں سنا ہے۔میں نے کبھی اس نوجوان لڑکی کے

وجود کو خود نہیں دیکھا بلکہ دوسروں نے مجھے بتایا کہ وہ اس گھر میں رہتی ہے اور اس کی آوازیں بھی مجھ تک پہنچتی ہیں۔وہ اکثر دیگر گھر والوں کو ہدایات دے رہی ہوتی ہے یا ان کی سرزنش کر رہی ہوتی ہے۔

یہ رانی کا گھر ہے جو خوش مزاج عورت ہے۔ایک شام میں نے وہاں فرش پر آلو کے چپس کھاتے گزاری ہے۔رانی کا بڑا بیٹا 22 سال کا ہے اور یہ اس کی بیوی ہے جو اس خاندان کا بھوت نما سرایا ہے۔وہ اوپر سیڑھیوں پر کھڑی ہے۔وہ باقاعدہ بیوی ہے۔وہ دھندے میں ہے نہ کبھی رہی ہے۔طوائفوں کے بیٹے کبھی طوائفوں سے شادی نہیں کرتے۔ان کی پہلی بیوی ہمیشہ نیک عورتیں ہوتی ہیں۔اکثریت محلے کے باہر کے عزت دار مگر غریب دیہاتی علاقوں سے بیاہ کر لائی جاتی ہیں۔

پاکستانی معاشرے میں صنف نازک پر کنٹرول مرد کے رتبے اور عزت کی علامت ہے۔عوامی زندگی میں عزت جیتنے کے لیے مردوں کو مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور غالب رہنا پڑتا ہے اور انہیں لازماً گھر کی عورتوں کو اپنے قابو میں رکھنا پڑتا ہے۔محلے کے بیٹے اس قسم کا شدید کنٹرول اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں پر نہیں رکھ سکتے اور نہ ہی رکھنا چاہتے ہیں لیکن باہر سے لائی گئی اپنی بیویوں پر وہ اس حق کا استعمال کرتے ہیں۔ایک انوکھا موڑ تب آتا ہے جب ان عورتوں کی لڑکیاں کم سنی میں ہی جسم فروشی کے دھندے میں ملوث ہوتی ہیں۔

قحبہ خانہ کمیونٹی میں عورتوں کا رتبہ بلند ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنا جسم بیچ کر خاندان کی کفالت کا بوجھ اٹھاتی ہیں۔ان کی واضح طور پر مالی اہمیت ہے۔مضحکہ خیز طور پر عزت دار بیویاں جیسا کہ رانی کی بہو ہے وہ غلاموں سے فقط ایک درجہ اوپر ہوتی ہیں۔وہ گھر کا سارا کام کرتی ہیں، وہ دھلائی، صفائی، کھانا بنانا، کپڑے سینا، بچے پیدا کرنا اور ان کی دیکھ بھال کرنا سب کام کرتی ہیں۔مگر ان عورتوں کو کوئی معاوضہ نہیں ملتا اور اکثر ان سے قابلِ نفرت سلوک بھی کیا جاتا ہے۔رانی کی بہو کے نزدیک جائز بیوی ہونے کے فوائد موہوم ہیں۔بدقسمتی یہ ہے کہ میں اس سے براہِ راست بات نہیں کر سکتی۔وہ مکمل طور پر پردے میں رکھی جاتی ہے اور میں اسے کبھی بھی نہیں دیکھ سکوں گی۔

ٹبی گلی

ٹبی گلی لاہور کی جسم فروش مارکیٹ کی سستی آخری گلی ہے۔اس گلی میں آدمی کے گم ہو جانے کا امکان زیادہ ہے اور مجھے بار بار یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہاں خطرہ ہے اور کبھی بھی اکیلی وہاں نہ جانا۔اس علاقے کے بارے میں فرض کر لیا گیا ہے کہ یہ خوفناک ہے جہاں گندی عورتیں اور کئی چور رہتے ہیں۔تمام لوگ یہی بات کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ لوگ جو یہاں رہتے ہیں ان کا بھی یہی کہنا ہے۔یہاں کی عورتیں بھی کہتی ہیں کہ یہ خراب علاقہ ہے۔

آدمیوں کا ایک گروہ بازار میں بیٹھا ہے جن کا اصرار ہے کہ ٹبی گلی کی عورتیں بدترین عورتیں ہیں "وہ ننگا

سکتی ہیں نہ ناچ سکتی ہیں، وہ صرف جسم فروش ہیں اور بس'' ان میں سے ایک شخص نے زور دے کر کہا:

''اور وہ جسم فروشی بھی بہت سستے داموں کرتے ہیں___ ایک سو روپے کے لیے یا پھر صرف 50 روپوں (3 ڈالر) کے لیے'' ایک اور شخص نے نفرت سے کہا۔

''بوڑھی عورتیں تو اس سے بھی سستی ہیں'' ایک نوجوان دوسرے کو بتاتا ہے'' ایک بوڑھی عورت تو صرف 20 روپے میں پڑتی ہے۔ انہوں نے اپنے سر ٹکرائے اور زور سے ہنسے۔ یہ تو ایک کوک کی بوتل جتنی قیمت ہے۔''

ٹبی گلی میں داخلے کے کئی راستے ہیں۔ لیکن آج میں بازار سے چلتی ٹکسالی گیٹ آئی، جوتوں کی دکان سے گزری اور پھر بائیں طرف تنگ سڑک پر مڑ گئی اور پھر بائیں مڑ کر گلی میں داخل ہو گئی۔ یہ طویل پیدل سفر تھکان آمیز محسوس ہوتا ہے۔ گلی اوپر کی طرف جاتی ہے اور گنجان عمارتوں میں سے گزرتی ہے۔ گلی مزید گلیوں میں تقسیم ہو کر مزید تنگ ہوتی جاتی ہے۔ عورتیں دروازوں کی چوکھٹ میں بیٹھی ہیں، بنی ہوئی چارپائیوں پر یا پھر چھوٹی چھوٹی چادریں بچھا کر۔ گھروں کے تاریک کمرے گلی میں چلتے ہوئے صاف دیکھے جا سکتے ہیں۔ کچھ جوان لڑکیاں جنہوں نے شوخ رنگ کی شلوار قمیضیں پہن رکھی ہیں گلی میں گھوم رہی ہیں اور اپنی سہیلیوں سے باتیں کر رہی ہیں۔ ان کی باڈی لینگویج مکمل طور پر ترغیب دلانے والی ہے۔ عزت دار عورتیں اس طرح نہیں چلتیں بلکہ وہ اپنے جسم کو خوب لپیٹ کر گلی میں نکلتی ہیں۔

سڑک آگے جا کر پھر مڑ جاتی ہے اور پھر ایک موڑ کاٹ کر نیچے کی طرف جاتی ٹبی گلی بھاٹی گیٹ کی سڑک سے مل جاتی ہے۔ گلی میں اکثر جگہ گندی نالیوں پر موجود اینٹیں ٹوٹ پھوٹ چکی ہیں جہاں گلیوں میں گھومتا آوارہ پانی کوڑا کرکٹ سمیٹ کر ان میں جا ملتا ہے۔ ایک مقام پر، جوتوں کی مارکیٹ کے پاس ہی ایک خطرناک مقام ہے جہاں 10 فٹ کے قریب گلی گٹر بنی ہوئی ہے۔ اس مقام پر مناسب فاصلوں پر پتھر رکھے ہوئے ہیں جن پر سے پیدل چلنے والے اچھل کر گندگی سے اپنا دامن بچا کر گزر رہے ہیں۔ کچھ دیگر رکاوٹوں کے باعث گزرگاہ اور مشکل بنا دی گئی ہے۔ ان رکاوٹوں میں گھروں کے سامنے بندھی بکریاں جن کی غلاظت بھی وہیں پڑی ہے، پریشان حال نشئی، فروٹ اور سبزیاں بیچتے ریڑھی والے اور مجنونانہ رفتار سے موٹر سائیکل بھگاتے نوجوان شامل ہیں۔

میں پچاس ساٹھ عورتوں کو دیکھ سکتی ہوں۔ ان کے کمروں میں اندھیرا ہونے کے باوجود ان عورتوں کی لپ اسٹکوں کے تیز رنگ واضح نظر آ رہے ہیں۔ بمشکل ہی آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آیا یہ لپ اسٹک شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر لگائی گئی ہو گی۔ ہیرا منڈی کے دوسرے علاقے کے مقابلے میں یہ عورتیں عورتیں ہی نہیں لگتیں۔ یہ عورتیں واضح لگ رہی ہیں کہ برائے فروخت ہیں۔ اکثر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی ہیں کچھ کے چہروں پر پتھروں کی سی کرختگی ہے۔ کچھ اپنے دوستوں کو آواز دے رہی ہیں کہ آؤ گوری کو دیکھو، جو

ان کی دنیا میں آ گئی ہے۔ وہ اپنے اندھیرے کمروں سے جھانک اور ہنس رہی ہیں۔ کچھ مسکرائیں اور میرے سلام کا جواب دیا۔ وہ دوستانہ مزاج کی حامل ہیں...... یہ وہ عورتیں ہیں جو بدترین نفرت کا شکار ہیں۔

پردے کی عیاشی

پاکستان میں اکثر عورتیں دوپٹہ اوڑھتی ہیں جو تین فٹ چوڑا اور سات فٹ لمبا ہوتا ہے جس سے وہ سر کے بالوں اور سینے کے ابھاروں کو چھپاتی ہیں جو زنانہ حسن کی علامتیں ہیں اور جن سے مردوں کی جنسی خواہش سر ابھارتی ہے۔ پردہ کرنا، قابلِ تکریم ہونے کی علامت ہے___ لیکن ٹبی گلی میں کوئی بھی عورت دوپٹہ نہیں لیتی۔ یہ سب سے نچلے درجے کی عورتیں ہیں کیونکہ وہ ٹبی گلی میں کام کرتی ہیں۔ دوپٹہ نہ اوڑھ کر وہ لوگوں کو یہ باور کراتی ہیں کہ وہ پبلک پراپرٹی ہیں۔

پاکستان میں بہت سی عورتیں چادر لیتی ہیں جو دوپٹے سے بھی کہیں بڑی ہوتی ہے۔ کچھ عورتیں برقعہ پہنتی ہیں جس میں وہ سر سے پاؤں تک چھپ جاتی ہیں۔ دوپٹے، چادریں اور برقعے پردے کی مختلف شکلیں اور جنسوں کے درمیان فرق کی بنیادی علامتیں ہیں۔ جنسوں کے بارے میں اسلام کا رویہ مثبت ہے بشرطیکہ یہ شادی کی حدود کے اندر رہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ دو جنسوں کے درمیان کشش کو اتنا ناگزیر اور ناقابلِ کنٹرول فرض کر لیا گیا ہے کہ اگر ان میں باقاعدگی نہ لائی گئی تو ابتری پھیل جائے گی۔ جنسوں کی علیحدگی سماجی نظام اور زنا سے بچاؤ کے لیے لازمی ہے۔ مردوں اور عورتوں کو دو علیحدہ دنیاؤں میں رہنا پڑتا ہے۔ مناسب ترین طریقہ جو اختیار کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ انہیں گھروں کی چار دیواری میں قید رہنا پڑتا ہے بالکل علیحدہ۔ کھاتے پیتے گھرانے پردے کی اس عیاشی کے متحمل ہو سکتے ہیں جو ان کے سماجی رتبے کی علامت بھی ہے لیکن غریب آدمی یہ بوجھ اٹھانے کی سکت نہیں رکھتے کہ وہ اپنی عورتوں کو گھروں میں رکھ لیں، اس لیے جب ان کی عورتیں گھروں سے باہر نکلتی ہیں تو برقعے، چادریں یا نقاب اوڑھ لیتی ہیں، یہ ان کا پردہ بھی اور مردوں سے ان کا امتیاز بھی۔ مغربی تعلیم یافتہ طبقہ اشرافیہ پر یہ اصول لاگو نہیں ہیں اور لاہور بھر میں مغربی طرز کی عورتیں صرف دوپٹہ پہنتی ہیں اور وہ بھی بالوں کے میک اپ کے طور پر نا کہ سر کو ڈھانپنے کے لیے۔ کچھ عورتیں ننگے سر بھی پھرتی نظر آتی ہیں، ان کا پردہ مہین کپڑے کی ایک قاش پر مشتمل ہوتا ہے جو ان کے کاندھوں پر پڑا رہتا ہے۔ روایات میں الجھی ہیرا منڈی کی بوڑھی عورتیں ان عورتوں کو جو اس طرز سے دوپٹے پہنتی ہیں، بے شرم تصور کرتی ہیں۔

میں اپنا زیادہ تر وقت گلیوں میں پیدل چلتے گزارتی ہوں۔ میں محلے کی زندگی کا مشاہدہ کرنا چاہتی ہوں اور کبھی کبھی میں قلعہ بند شہر سے باہر بھی نکل جاتی ہوں۔ مقامی عورتیں مجھ سے اکثر پوچھتی ہیں کہ میں ایسا کیوں کرتی ہوں۔ وہ کہتی ہیں:

''تم بے شرم عورتوں کی طرح گلیوں میں کیوں گھومتی رہتی ہو۔''

ہم ایک دوسرے کو نہیں سمجھ سکتیں، اور یہ بھی حیرت انگیز بات ہے کہ وہ میری دوست بننا چاہتی ہیں۔ میں اکثر اس بارے میں غور کرتی رہتی ہوں۔ میں یہ بھی سوچا کرتی تھی کہ ایسا غالباً اس لیے ہے کہ میں غیر ملکی ہوں اور لازماً امیر ہوں گی، لیکن حقیقت اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔ جسم فروشی کرنے والی دنیا بھر کی تمام عورتیں دوستانہ مزاج کی حامل ہوتی ہیں۔ اجنبیوں کے ساتھ نرم سلوک ہی تو ان کی تجارت ہے۔ ہیرا منڈی کی وہ عورتیں جو سارا دن گھروں میں مقید رہتی ہیں، اکثر سیاحوں کو کھلے دل سے خوش آمدید کہتی ہیں کیونکہ اس طرح ان کی زندگی میں موجود یکسانیت کی بوریت میں تھوڑا سا وقفہ آ جاتا ہے، اور غالباً سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان سے کسی غیر ملکی کی دوستی ان کے سماجی رتبے اور بین الاقوامی طرزِ زندگی کی علامت ہوتی ہے۔ مجھے محلے کی عورتوں سے رابطے میں کبھی بھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ اونچے طبقے کی عورتیں اپنی کھڑکیوں سے جھانک کر مجھے سلام کرتی ہیں اور اندر بلا لیتی ہیں، اور ٹبی گلی کی عورتیں تو دوڑ کر باہر آتی ہیں اور میرا ہاتھ تھام لیتی ہیں۔ ان میں سے اکثر عورتیں تو ایسی ہیں جنہوں نے برطانیہ اور انگلینڈ کا نام بھی کبھی نہیں سنا ہوتا۔ لیکن ان عورتوں نے لندن امریکہ اور نیویارک کے نام ضرور سن رکھے ہیں اور جب بھی یہ اپنی سہیلیوں میں سے کسی کے ساتھ میرا تعارف کراتی ہیں تو میرا تعلق ان جگہوں سے بتاتی ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ میں سماجی طور پر اہم ہوں لیکن میں خطرناک حد تک غیر محتاط ہوں کیونکہ میں یہاں کے غیر مخلوط معاشرے کے متشدد اصولوں کو ہر وقت نہیں نبھا پاتی ہوں۔ کبھی میں کوٹھے پر موجود مردوں سے بات کرتی ہوں تو اکثر اقبال کے ساتھ اس کی چھت پر بالکنی میں بیٹھی رہتی ہوں۔ میرے لیے معذرتیں کی جاتی ہیں لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں ان کے لیے کنفیوژن پیدا کر رہی ہوں۔ یہ تصور کہ مرد اور عورت دوست بھی ہو سکتے ہیں......صرف دوست...... یہاں کے ماحول اور خاص طور پر محلے کے ساج کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ میرا ایک پاکستانی دوست ہے، مرد دوست جسے میں سالوں سے جانتی ہوں۔ وہ جب بھی لاہور آتا ہے ہماری اکثر ملاقات ہوتی ہے اور ہم ڈنر کرنے پرل کانٹی نینٹل ہوٹل جاتے ہیں۔ جب بھی میں اس دوست کو ملنے جاتی ہوں ماہا تب بہت پُر جوش ہو جاتی ہے۔ مجھ سے اصرار کرتی ہے کہ میں اور زیادہ میک اپ کروں۔ چند راتیں قبل جب میں اس کے ساتھ کھانا کھا کر لوٹی تو ماہا کو شدت سے اپنا انتظار کرتے پایا۔ وہ تفصیلات جاننے کے لیے بے تاب تھی۔ اس نے مجھ سے جلدی سے پوچھا۔

''کتنے پیسے دیے اس نے۔''

میں نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ اس نے اپنا سر دوسری طرف پھیر لیا۔ اس نے پھر پوچھا ''20 ہزار روپے'' اور میرا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی ''تیس ہزار روپے'' اس نے میری طرف دیکھا ''ویسے جتنی خوبصورت تم ہو، اتنے تو ملنے چاہئیں۔''

شرم

ہیرا منڈی میں مقابلے بازی کا ایک پیچیدہ نظام مراتب قائم ہے۔ سینکڑوں، غالباً ہزاروں عورتیں یہاں جسم فروشی کا دھندا کرتی ہیں لیکن وہ جغرافیائی طور پر اس کے باوجود، ایک ہی جگہ رہتی ہیں۔ وہ مختلف سماجی دنیاؤں میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی دنیا میں سوائے مذہبی تہواروں کے دخل نہیں دیتے۔ ایک باقاعدہ گریڈنگ سسٹم ہے جس کے مطابق عورتوں کی تقسیم ہوتی ہے۔ اشرافیہ طوائفیں اے کلاس مین شامل ہیں۔ یہ خوبصورت اور جوان ہوتی ہیں۔ ان کے گاہک امیر اور اعلیٰ نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مڈل رینکنگ کی عورتیں بی کلاس میں شامل ہیں۔ یہ خوبصورت نہیں ہوتیں۔ عمریں بھی کچھ زیادہ ہوتی ہیں اور مہذب اور شائستہ بھی نہیں ہوتیں۔ سستی ترین عورتیں، جیسا کہ ٹبی گلی میں موجود ہیں سی کلاس میں شامل ہیں۔ اس نظامِ مراتب میں اعلیٰ کلاس میں داخلے کی کوشش اہم سرگرمی ہے، اور ماہا جیسی عورتیں جس طرح کا رویہ اختیار کرتی ہیں اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ان کا رتبہ کیا ہے۔ اس نظامِ مراتب میں اوپر سے نیچے کا سفر اعلیٰ طبقے کی طوائف کے لیے ایک ڈراؤنے خواب سے کم نہیں ہوتا۔ انہیں بخوبی معلوم ہے کہ جوں ہی ان کی عمر بڑھتی جائے گی مرتبوں کی سیڑھیوں پر وہ زینہ بہ زینہ نیچے اترتی جائیں گی۔ اس عمل کو روکنے اور جسم فروشی کے دھندے میں نئی اور جوان لڑکیوں سے مقابلے کے لیے یہ عورتیں نا ختم، پیچیدہ اور اکتا دینے والا تھیٹر کرتی ہیں۔

ہیرا منڈی میں دولت مند، لاتعلق اور پردہ دار خواتین عزت دار تصور ہوتی ہیں۔ ان کے سرپرست بھی اونچے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور کیونکہ وہ اپنے گھر میں محفوظ ہوتی ہیں اور چند ہی گاہکوں سے ان کا تعلق ہوتا ہے اس لیے ان کی فیسیں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ عورتیں کس وقت اور کتنا پردہ کریں اس کے بھی خفیف مرتب ضابطے ہیں۔ جب کوئی ماہا کا گاہک اسے ملنے آتا ہے تو وہ جس ڈھنگ سے اپنا دوپٹہ استعمال کرتی ہے اس سے گاہک کے سماجی رتبے کا آسانی سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ اگر آنے والا اہم اور عزت دار ہے تو ماہا نیچے قالین پر درمیان میں یوں بیٹھ جاتی ہے کہ دوپٹہ اس کے سر، ٹانگوں اور پورے جسم کے اوپر پھیلا ہوتا ہے۔ وہ اپنی آنکھیں جھکائے رکھتی ہے اور بولتی بھی دھیمے لہجے میں ہے۔ اگر آنے والا کم اہم ہے تو اس کا دوپٹہ ڈھیلا ہو جاتا ہے اور کچھ بال بھی اس میں سے باہر جھانکتے رہے۔ اگر گاہک اس سے بھی کم مرتبہ ہو تو دوپٹہ بمشکل ہی سر پر ہوتا ہے، وہ لطیفے سناتی ہے، اونچے اونچے قہقہے لگاتی ہے اور بیڈ پر لیٹی رہتی ہے۔ اگر آنے والا کوئی نوکر یا کاریگر ہو تو وہ پردے اور دوپٹے کا تکلف ہی نہیں کرتی بلکہ دوپٹہ فرش پر سمٹا پڑا رہتا ہے۔

جس چیز کو عام زبان میں ''شرم'' کہا جاتا ہے، ماہا اسے بڑے احتیاط سے استعمال کرتی ہے۔ شرم وہ رویہ ہے جو عورت کی نشست و برخاست سے متعلق ہے۔ یہ ہر قسم کی جنسی سرگرمی سے جڑا ہے۔ مردوں سے تعلق اور جسم کی حرکات پر قابو کھو دینے کا نام ''شرم'' یا ندامت ہے۔ غیر مناسب لباس پہننا، مردوں سے بے

تکلف ہونا، تمبا کونوشی کرنا، شراب پینا، باتونی ہونا اور بے دھیان چال یہ تمام چیزیں عورتوں کے لیے بے شرمی کے کام ہیں۔

آدمی اور عورت کو لازماً جسمانی طور پر فاصلہ رکھنا چاہیے اور انہیں ایک دوسرے کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہیے۔ روایتی مسلمان گھرانوں میں آنکھ کے پردے کی بھی تربیت دی جاتی ہے۔ مخالف جنس کی طرف دیکھنا بھی ایک قسم کا زنا تصور ہوتا ہے۔ اس سماجی ضابطے کی رو سے ہیرامنڈی کی عورتیں بے شرم ہیں۔ ٹبی گلی کی عورتیں مردوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ویسے ہی دیکھتی ہیں جیسا کہ مرد اکثر دیکھتے ہیں۔ محلے کے پُرتکلف کوٹھوں کی روایات تھوڑی سی مختلف ہیں۔ یہاں جرات کے ساتھ ساتھ نفاست کا پہلو بھی موجود ہوتا ہے۔ عورتیں ڈانس کرتے ہوئے اکثر ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیتی ہیں اور ہاتھوں کی انگلیوں سے تاکتی ہیں۔ وہ اپنی آنکھیں تماش بینوں پر گاڑے رکھتی ہیں اور پھر کوریوگرافر کی ہدایات کے مطابق، لمحہ بھر کے لیے اپنی نگاہیں چرا کر فرش پر گاڑ لیتی ہیں، پھر آہستگی اور فدا ہو جانے والے انداز میں دوبارہ اپنے گاہکوں کی طرف نظریں پھیرتی ہیں۔ یہ گُر ہر وقت موثر رہتا ہے اور تماش بین ہر بار ہی اس ادا پر فدا ہو جاتے ہیں۔

پردے کا استعمال اور نگاہوں کا اٹھانا، جھکانا اور پھر اٹھانا ایک فن ہے۔ یہاں کی عورتیں آنکھوں کے ساتھ جو ادائیں دکھاتی ہیں وہ ایک لمحے کے لیے ہوتی ہے، اور اس وقت تو وہ انتہائی قاتلہ بن جاتی ہیں جب نقاب اوڑھ لیتی ہیں حالانکہ نقاب کا مقصد ان کی جنسیت کی حفاظت ہوتا ہے۔ وہ اپنے کپڑے لپیٹ کر اور پھر انہیں کھول کر گاہکوں کو تڑپاتی ہیں اور پھر ایک ترغیب انگیز انداز اختیار کرتے ہوئے خود کو ملبوس میں لپیٹ لیتی ہیں۔ حیرت انگیز طور پر پردہ عورت کی جنسیت چھپانے کی بجائے اسے اجاگر کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ برقعے میں لپٹی عورت جب ہیرامنڈی کی گلیوں میں پائل چھنکاتی گزرتی ہے تو ہر مرد کی آنکھیں ضرور اس کی طرف گھومتی ہیں۔ اس کے پاؤں پر موجود ناخن پالش اور جسم سے اٹھتے تیز پرفیوم کے جھونکے وہاں موجود مردوں کو مسحور کر دیتے ہیں۔

شیلا کی دکان

ٹبی گلی کی ایک نکر پر شیلا کی دکان ہے۔ یہ دکان سے زیادہ ایک ٹھیلا لگتی ہے۔ اس کی چوڑائی اور لمبائی 3 یا 4 فٹ سے زیادہ نہیں اور چند ہی گرد آلود آئٹم یہاں موجود ہیں...... سگریٹ جو وہ ایک وقت میں صرف ایک بیچتی ہے۔ صابن، مٹھائیاں، شیمپو کی تھیلیاں، سویاں، مصنوعی زیورات کا محدود ذخیرہ جوستے اور گھٹیا ہیں، ہیئر بینڈ، کنگھیاں اور کلپس، یہ وہ چند چیزیں ہیں جو اس کی دکان پر موجود ہیں۔

عموماً شیلا خود اپنی دکان پر نہیں بیٹھتی بلکہ ساتھ ہی موجود ایک قدمچے پر بیٹھی رہتی ہے۔ یہ قدمچہ گلی کے دوسرے کونے کی طرف ہے۔ وہ ٹریفک کی راہ کی ایک رکاوٹ ہے کیونکہ یہاں پر گلی 6 فٹ سے بھی کم رہ

جاتی ہے۔ پیدل چلنے والوں کو یہاں ایک منحنی سے موڑ اور شیلا سے ضرور واسطہ پڑتا ہے۔ پیدل چلنے والوں کو یہاں سے گزرنے میں شدید دِقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سائیکلوں پر بندھی ٹوکریوں کو شیلا سے ٹکرا کر ہی گزرنا ہوتا ہے۔ شیلا شیڈ کے نیچے ہمیشہ ہی موجود ہوتی ہے کبھی پسپا نہیں ہوتی۔ یقیناً اس گلی کے نظام مراتب میں اسے کوئی اہم مرتبہ حاصل ہے۔

دکان کے مختصر ذخیرے کے باوجود غالباً شیلا کی کمائی اچھی ہو جاتی ہے۔ وہ سونے کے کنگن اور کان کے بہت سے چھیدوں میں بالیاں لٹکا کے بیٹھتی ہے۔ دیگر اکثر عورتوں کی طرح، چاہے وہ ان قحبہ خانوں کی ہوں یا باہر کی، شیلا بھی اپنی دولت پہن کے رکھتی ہے اور شاید اس دولت کو سنبھالنے کا یہی محفوظ طریقہ ہے۔ اس کی عمر 45 سال ہے، نین نقش کٹیلے ہیں اور آنکھوں میں وہی شوخی اور تیزی ہے جو یہاں کی نائیکاؤں یا میڈموں میں ہوتی ہے۔ یقیناً اس کی تجارت کے ذرائع دکان کے اس سامان سے کہیں زیادہ ہیں۔

جب کبھی بھی میں ٹبی گلی میں داخل ہوتی ہوں تو شیلا ضرور مجھے بلا کر چائے کی پیشکش کرتی ہے۔ شیڈ کے نیچے میں اس کے ساتھ بیٹھ کر گلی کے راستے کو اور تنگ کر دیتی ہوں۔ میرے لیے چھوٹا سا ایک اسٹول لایا جاتا ہے۔ ناظرین کی ایک بڑی تعداد بھی مجھے دیکھنے کے لیے وہاں جمع ہو جاتی ہے مگر بالآخر ایک غیر ملکی عورت کے یہاں چائے پینے کے منظر سے اکتا کر وہ اپنی راہ لے لیتے ہیں۔ کچھ آدمی شیلا سے میری دستیابی کے متعلق بھی دریافت کرتے ہیں مگر شیلا غصے سے چیخ کر انہیں دفان کر دیتی ہے۔ شیلا ٹبی گلی میں ہی پیدا ہوئی، اس کی ماں بھی دھندا کرتی تھی، اس کی اپنی بیٹی، جو ابھی فقط 5 سال کی ہے بھی اپنی ماں اور دادی کے نقشِ قدم پر چل کر ایک دن دھندا کرے گی۔ اس کی بیٹی سینہ کا خیال ہے میں فنی ہوں مگر مجھے سمجھ نہیں آئی کہ وہ ایسا کیوں سمجھتی ہے۔

ایک عورت احاطے میں کھڑی ہے۔ وہ بحث کرتے دیگر لوگوں میں شامل نہیں ہو رہی بلکہ ہراساں ہراساں انہیں آنکھ ملائے بغیر دیکھ رہی ہے۔ چہرے پر کرب کے آثار ہیں اور دیوار سے ٹیک لگائے بغیر کچھ جھکی ہوئی ہے۔ وہ اگرچہ ہوشیار کھڑی ہے مگر اسے کچھ بجھائی نہیں دے رہا کہ اپنے ہاتھوں کے ساتھ کیا کرے، انہیں سینے پر باندھ لے یا کھلا چھوڑ دے۔ اس کی جلد خلافِ معمول گہری ہے بلکہ اگر اسے کالی کہہ لیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ چہرے پر ابھی تک بچوں کی سی نرمی ہے۔ گال گول ہیں، نین نقش بھی خوبصورت ہیں اور جوانی ابھر کر اس پر آ رہی ہے۔ اس کی عمر 13 سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ میں اس کے ساتھ بات نہیں کر سکی ہوں اور جب میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ایک کرب آمیز مسکراہٹ آ گئی مگر یہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔

یہ لڑکی خوبصورت ہے اور اعلیٰ پائے کی طوائف بن سکتی ہے مگر اس کی جلد کی رنگت اسے ستا بنا رہی ہے۔ یہاں کالی جلد بری اور بدصورت تصور ہوتی ہے۔ جب ہیرامنڈی کی عورتیں اسے کسی گاہک کے

سامنے پیش کرتی ہیں تو وہ اپنا سر ہلاتے اور کہتے ہیں "یہ بہت کالی ہے" یا وہ کہہ دیتے ہیں "اگرچہ یہ دلکش ہے مگر کالی ہے" کالی رنگت یہاں خرابی اور نقصان تصور ہوتی ہے۔

شفاف جلد کا ہونا یہاں اچھا خیال کیا جاتا ہے۔ مگر گوری چمڑی پر اگر چھائیاں ہوں تو یہ بھی برا ہے۔ میرے بال سرخ ہیں، جلد سفید اور بازوؤں پر نشان...... گرمیوں میں کچھ نشان میرے چہرے پر بھی آ گئے۔ ہیرا منڈی کے لوگوں کا خیال ہے کہ مجھے یہاں کی ایک چھوت کی مرض لگ گئی ہے۔ تین یا چار موقعوں پر ایسا ہوا کہ کچھ ماؤں نے اپنے بچوں کو کہا کہ وہ مجھ سے دور رہیں۔ ایسا تب ہوا جب میرے بازو کے کف کھلے تھے اور بازو کی جلد پر ان کی نظر پڑی۔ اکثریت مجھے کہتی تو نہیں مگر یہ نشان دیکھ کر متفکر ہوتی ہیں۔ کچھ منہ پھٹ ہیں جو مجھ سے پوچھ لیتی ہیں:

"یہ تمہارے بازوؤں پر کیا نشان ہیں؟"

شیلا کی توجہ اپنے ایک گاہک کی طرف ہو گئی۔ ایک کھسرا اس کی دکان میں جھانک رہا ہے۔ کھسرے کا قد قریب چھ فٹ تھا اور اس نے بھورے پھولوں والی ایک قمیض پہن رکھی تھی جو اس کے شانوں کے پاس تکلیف دہ حد تک چست تھی۔ کھسرا مزید آگے جھکا تاکہ شیلا سے بات کر سکے۔ اس کے چہرے پر چیچک کے داغ تھے جبکہ آواز مخملی باریک تھی۔ کھسرا نہ جوان تھا نہ پرکشش اور دکان پر اس کے چند دوست بھی اس کے ساتھ کھڑے تھے۔ اس نے صرف ایک سگریٹ شیلا سے خریدا اور آگے بڑھ گیا۔ شیلا نے اس کی طرف سر جھٹک کر دیکھا اور کہا "گانڈو پٹھان" جب اس نے یہ کہا دوسری عورتیں بھی زیر لب ہنس دیں۔

ایک نوجوان عورت نازیہ بھی اسی گلی میں دھندا کرتی ہے۔ میں نے جب بھی اسے دیکھا وہ گہرے میک اپ میں تھی۔ اس میک اپ کی وجہ سے اس کے چہرے پر ہمیشہ گلابی سرخ ماسک چڑھا محسوس ہوتا ہے۔ شروع شروع میں میرا خیال تھا کہ ایسا وہ کسی طبی مجبوری کے تحت کرتی ہے۔ قریب سے معائنہ کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ پرانا میک اپ اتارے بغیر ہی نئی فاؤنڈیشن کی تہہ اپنے چہرے پر چڑھا لیتی ہے اور یہ تہیں مہینوں اس کے چہرے پر چڑھتی رہتی ہیں۔

اس کے منہ کی بھی قریب قریب یہی حالت ہے۔ اس کے دانت علیحدہ علیحدہ شناخت نہیں کیے جا سکتے کیونکہ اس میں کیوٹیز اور خوراک ایسے پھنسی ہے کہ وہ ایک مجموعہ لگتے ہیں۔ اس نظر انداز شدہ لڑکی کو دیکھ کر مجھے دکھ ہوا۔ لیکن پھر میں یہ دیکھ کر بوکھلا گئی کہ وہ میری طرف مہربان نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ اس نے تقریباً چیخ کر کہا:

"تمہارے بالوں کو کیا ہوا ہے، یہ خوفناک ہیں"

اس نے مجھے قد مچے پر اپنے ساتھ بٹھایا اور میری لٹوں کو اپنے ہاتھ میں پکڑنے کی کوشش کی۔ اسی قد مچے پر مجھ سے آگے یہ چکلا چلانے والا موٹا سا درمیانی عمر کا ایک آدمی بھی بیٹھا تھا۔ اس نے میرے بالوں

میں کچھ پنیں لگائیں اور نوکیلی کنگھی سے باقی بال بھی سیدھے کرنے لگی تاکہ وہاں بھی یہ پنیں لگائی جا سکیں۔ یہ تشدد سے کم نہ تھا۔ "یہ سب غلط ہے" اس نے بات ختم کی اور ایک آہ بھری۔ میرا ہاتھ تھامے وہ گلی میں آئی اور شیلا کی دکان کی طرف چل پڑی۔ وہاں اس نے چیزیں پھرولیں اور ایک شاپر سے ایک ہیئر بینڈ نکالا۔ پھر اس نے کچھ روپے گنے اور شیلا کو دیے۔

"ایسے" اس نے کہا اور ہیئر بینڈ کو میرے سر میں پیوست کیا "اب ٹھیک ہے۔ اب تم ایک خوبصورت عورت لگ رہی ہو۔"

گندی لڑکیاں

نازیہ ہمیشہ اسی چوکھٹ پر بیٹھی رہتی ہے۔ ایک ہفتہ بعد میں گئی تو یہ دوپہر کا وقت تھا۔ نازیہ شیڈ کے سائے میں بیٹھی ہے تاکہ سورج کی تمازت سے بچ سکے۔ میں اس کے ساتھ جا بیٹھی۔ اس کی نائیکہ اور مادام بھی اس کے ہمراہ تھی۔ نائیکہ کی عمر 50 یا 55 سال ہوگی اور اس کی ٹانگیں بہت موٹی ہیں۔ آنکھوں میں وہی تیزی، عیاری اور چستی ہے جو یہاں کی اکثر نائیکاؤں کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔ وہ خوش مزاج لگتی ہے مگر نقصان کا سودا کبھی نہیں کرتی۔ مجھے بھی وہ اس لیے برداشت کر لیتی ہے کیونکہ میری وجہ سے اس کے چکلے پر نازیہ کے لیے زیادہ گاہک آ جاتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ وہ چاہتی ہے کہ میں اسے ویزہ دلاؤں تاکہ وہ لندن میں اپنا کوئی چھوٹا موٹا بزنس شروع کر سکے۔ میں اسے کہتی ہوں کہ یہ مشکل اور بہت مہنگا ہے لیکن وہ قائل نہیں ہوتی۔

اس چکلے پر نازیہ وہ واحد عورت ہے جو دھندا کر رہی ہے۔ اس کی مادام اس کے لیے گاہکوں سے بھاؤ تاؤ کرتی ہے۔ مرد گلی میں آ جا رہے ہیں مگر جب اس عورت پر ان کی نگاہ پڑتی ہے تو وہ یوں اپنے قدم تیز کرتے ہیں گویا انہیں جلدی ہو۔ وہ لوگ جن کو نازیہ میں دلچسپی ہے وہ مادام سے مول تول کرتے ہیں۔ اگر دونوں کسی قیمت پر باہم رضامند ہو جائیں تو آدمی نازیہ کو لے کر تاریک کمرے میں غائب ہو جاتا ہے۔ میں گزشتہ ایک گھنٹے سے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہوں۔ اس دوران نازیہ نے چار مردوں کو بھگتایا۔ یہ چاروں نوجوان تھے جن کی عمریں 20 سے 30 کے درمیان تھیں۔ ان کی جنسی مشقت کا وقت محدود ہے...... غالباً 5 یا 10 منٹ۔ اس کے بعد گاہک چلا جاتا ہے...... ایک بار پھر وہ عجلت میں ہیں۔ جوں ہی نوجوان مرد گلی کے نکڑ سے غائب ہوتے ہیں کمرے سے پانی بہنے کی ایک آواز آتی ہے۔ 2 منٹ بعد نازیہ اپنی نشست پر واپس آ جاتی ہے۔ میں واپس آتی نازیہ کو دیکھتی ہوں اور کوشش کرتی ہوں کہ میرے چہرے سے حیرانگی کا تاثر ظاہر نہ ہو۔ کمرے میں کچھ بھی ہوتا رہے نازیہ کے میک اپ کی تہیں ڈسٹرب نہیں ہوتیں۔

تماش بین بھی ملی جلی قسم کے ہیں۔ اکثریت نوجوان مردوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ زیادہ تر مزدور، وہ کسی

بھی طرح بدترین غریب دکھائی نہیں دیتے۔ وہ صحت منداور چاق و چوبند نظر آنے والے ہیں اور چند کو چھوڑ کر دلکش بھی ہیں۔ جب نازیہ کسی گاہک کے ساتھ کمرے میں ہوتی ہے تو باقی کچھ گاہک باہر کھڑے انتظار کرتے رہتے ہیں۔ ایک بظاہر زاہد قسم کا آدمی، جس کی عمر 60 سال ہوگی، لمبی سی داڑھی اور سر پر ٹوپی جمائے ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ میں نے اسے مولوی فرض کر لیا اور تبلیغی نوعیت کا وعظ سننے کے لیے خود کو تیار کرنے لگی مگر وہ صرف نازیہ کی قیمت میں کمی کا مطالبہ کرتا رہا۔ اس نے کہا وہ ایک غریب لیکن معزز آدمی ہے اور نازیہ کے جسم کی باقاعدہ قیمت نہیں دے سکتا۔ نازیہ کی نائیکہ نے اسے چلتا کیا اور ہم اسے گلی میں چہل قدمی کے انداز میں آگے بڑھتی دیکھتی رہیں جو کسی اور عورت کے پاس رعایت کی درخواست کے لیے کوشش کرنے جا رہا تھا، وہاں بھی اس کی محنت کا کوئی ثمر نہ ملا۔ چند منٹوں بعد ہی وہ دوبارہ آتا نظر آیا۔ چکلہ چلانے والی مادام نے کہا: ''یہ کنگلا ہے اور پھر وقت بھی زیادہ لے گا۔''

ایک اور کبھی کبھار آنے والا گاہک رکا اور ہمیں غور سے دیکھا۔ وہ کسی غلط جگہ چلا آیا تھا غالباً...... مڈل کلاس آدمی تھا لیکن بہت غریب طبقے میں پہنچ گیا تھا۔ اس کی عمر پچاس کے پیٹے میں ہوگی۔ اس نے صاف ستھرا سفید کاٹن کا سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ اس کے گلے میں پڑا کپڑا جس پر کئی رنگوں کے پھل چھپے تھے، لہرا رہا تھا اور اس شخص پر جچ بھی نہیں رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے کارمن مرانڈا یاد آ گئی اور مجھے یقین ہے کہ اس شخص نے لپ اسٹک بھی ہونٹوں پر لگا رکھی تھی۔ میں نے سوچا کہ غالباً وہ بڑی عمر کا کوئی کھسرا ہے لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ وہ ایک اور گاہک ہے۔ وہ شیریں انداز سے مسکرایا اور مجھ سے انگریزی میں بات کرتے ہوئے کہا:

''آپ جانتی ہیں یہ کونسی جگہ ہے......اور کیا آپ مجھے بتائیں گی کہ یہ عورتیں کیا کرتی ہیں یہاں؟''

''بالکل'' میں نے جواب دیا اور ساتھ ہی پوچھا:

''کیا آپ یہاں رہتے ہیں؟''

اس نے بار بار اپنے ہاتھ مسلے اور پھر انہیں یوں باندھ لیا جیسے کوئی درخواست گزار ہو۔ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر انہیں بھینچا اور پھر زبان پھیرتے ہوئے کہا:

''نہیں...... میں یہاں نہیں رہتا۔ لیکن مجھے یہاں آنا اور خوبصورت لڑکیوں کو دیکھنا اچھا لگتا ہے'' اس نے اردگرد نظر دوڑائی، چوکھٹوں میں بیٹھی عورتوں کو دیکھا اور پھر شہوانی انداز میں کہا:

''یہاں کتنی زیادہ خوبصورت لڑکیاں ہیں'' گلی میں آگے بڑھتے ہوئے اس نے میری شلوار کی طرف دیکھا، اور مجھے خوشی ہے کہ اس پر سلوٹیں تھیں اور گھٹنوں کے قریب پائنچوں پر کچھ مٹی بھی لگی تھی۔

اب میں اس گندگی کا سوچتی ہوں تو یوں لگتا ہے اس کی وجہ سے میری جاذبیت میں شاید اضافہ ہو گیا تھا...... یہی اس مہم کی روح ہے...... گندی گلیوں میں جا کر گندی لڑکیوں سے ملنے کی مہم......

جمیلہ

جمیلہ کا گھر جوتوں اور چائے کی دو دکانوں کے درمیان گھرا ہے۔ یہاں بجلی بھی نہیں ہے۔ نہ ہی پانی کی رسد کا انتظام ہے...... اس کے گھر کا فرش بھی کچا اور ناہموار ہے۔ گھر کی چھت بھی نہیں ہے۔ بلکہ ایک ترپال اور پلاسٹک کی کچھ شیٹس چھت کا کام دے رہی ہیں۔ جمیلہ کے کمرے کا باقی حصہ کھلے آسمان تلے ہے۔ جب کبھی بارش ہوتی ہے تو کمرے میں پانی جمع ہو جاتا ہے اور چلنے سے وہاں کیچڑ بن جاتی ہے۔ طوفان کے بعد سورج کی تمازت بڑھ چکی ہے اور درجہ حرارت 100 ڈگری سے بھی آگے نکل گیا ہے۔ کمرے کے اندر گرمی کا زور کچھ زیادہ ہی ہے اور اگر کوئی کیچڑ زدہ فرش اور پلاسٹک کی چھت کے مابین پھنس جائے تو تل کر پکوڑا ہو جائے۔ گرمیوں کے دنوں میں جمیلہ کے گھر زیادہ دیر رکنے سے جسم سے پسینے کی نہریں بہہ پڑتی ہیں اور پانی کی جسم میں شدید قلت ہو سکتی ہے۔

جمیلہ 60 کے پیٹے میں داخل ہو چکی ہے اور میں اسے چند سال پہلے محلے کے پہلے دورے کے دوران ملی تھی۔ وہ تب بھی دھندا کرتی تھی اور چند روپوں کے بدلے مزدوروں کو خوش کرتی تھی۔ اب اگرچہ جسم فروشی کا اس کا طویل دور اختتام کو پہنچ چکا ہے وہ گلیوں اور حضوری باغ میں بھیک مانگتی ہے اور ٹبی گلی کی کچھ عورتوں کے لیے گاہک بھی پکڑتی ہے۔ اس نے طوائفوں کے نظامِ مراتب میں 50 سال تک رہ کر کام کیا ہے اور اس نظام کی رَگ رَگ سے واقف ہے۔ اس کے موجودہ شوہر کا نام محمود ہے جو کہ اس کا پانچواں شوہر ہے۔

''نہیں وہ چھٹا ہے'' جمیلہ سست ذہنی عمل کے ذریعے جمع تفریق کر کے بتاتی ہے۔ اس کا پہلا شوہر اسے ایک ڈیلر سے اس وقت خرید کر لایا جب وہ ابھی بچی تھی اور جسے تقسیم کے ہنگامے میں اس کے گھر سے اغوا کر لیا گیا تھا۔ وہ پیدائشی کنجری نہیں ہے۔ اس کا پہلا شوہر تانگہ چلاتا تھا اور جمیلہ کو اس نے اپنے نشاط کے لیے رکھا ہوا تھا۔ پھر اس نے نوجوان لڑکیاں رکھ لیں اور جمیلہ دوسرے شوہر کے پاس پہنچ گئی۔

اس کے دوسرے شوہر کی چائے کی دکان تھی۔ جس کے پیچھے موجود کمرے میں اس نے جمیلہ کو رکھ لیا جہاں اس کے گاہک چائے اور کبابوں کے بعد اس کے ساتھ اختلاط کرتے۔

محمود اس کا چھٹا شوہر بستر پر بیٹھا ہے۔ اس کی ٹانگ فرش سے اوپر جھول رہی ہے۔ اس نے اپنی شلوار کا پائنچہ اوپر اٹھا کر اپنے ٹخنے کا سوجا ہوا زخم مجھے دکھایا۔ زخم خوفناک حد تک خراب ہو چکا ہے۔ وہ پیدائشی لنگڑا ہے جس کی وجہ سے اسے چلنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ ایک سال قبل اس کا ایک ایکسیڈنٹ بھی ہوا جب وہ لاہور کی بے قابو ٹریفک کی رفتار کے مقابلے میں سست رفتاری سے سڑک پار کر رہا تھا۔ اس دن سے آج تک اس کا زخم نہیں بھر سکا ہے۔

محمود اپنی بیوی سے عمر میں کچھ کم ہے، اور بجا طور پر اپنی بیوی کے لیے اس کے دل میں نرم گوشہ بھی

ہے۔ ورنہ وہ اس کے ساتھ کبھی نہ رہتا کیونکہ اب وہ معاشی کفالت کے قابل نہیں رہی ہے۔ ایک زمانے میں وہ اس کے لیے دلالی کرتا تھا۔ وہ گھر کے باہر کھڑا گاہکوں کو ڈھونڈتا جبکہ جمیلہ اندر تاریک کمرے میں بیٹھ کر انتظار کرتی تھی۔ بجلی کی کمی اور اندھیرا گوشہ شاید ان کے لیے نفع بخش رہتا ہوگا۔ اب زخمی ٹانگ اور پیدائشی لنگڑاہٹ کی وجہ سے اس کے لیے کمرے کے باہر کھڑا رہنا ناممکن ہے، اس لیے غالباً یہ اس کے لیے خوش قسمتی کی بات ہے کہ جمیلہ کا دھندا تقریباً ختم ہو چکا ہے۔

شدید گرمی کے باوجود جمیلہ خوش ہے کہ وہ گھر میں تو ہے۔ سات آٹھ بلیاں بھی اسی کمرے میں ان کے ہمراہ رہتی ہیں۔ ان بلیوں میں سے کچھ تو بالکل جوان ہو چکی ہیں اور کچھ ابھی بلونگڑے ہیں۔ بلیاں یا تو چارپائی کے نیچے سوتی ہیں یا پھر گندے لکڑی کے صندوق، تختے یا چیتھڑوں کے پیچھے محو استراحت رہتی ہیں جو کمرے کی دیوار کے ساتھ ڈھیر لگے ہیں۔

جمیلہ کا کوئی بچہ نہیں ہے۔ جنوبی ایشیا میں عورتوں کے بچے نہ ہونا بدقسمتی ہوتا ہے کیونکہ یہ بچے بڑھاپے میں ان کا سہارا بنتے ہیں، اور عورتوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ ہیرا منڈی کی عورت کی اگر بیٹی نہ ہو تو یہ اس کے معاشی مستقبل کے تاریک ہونے کی علامت ہے، اور قسمت کی خوبی دیکھیے کہ ان عورتوں کی بڑی تعداد کو اس ظالم تقدیر کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ خاص طور پر وہ لڑکیاں جو ابھی بچی ہی ہوتی ہیں جب وہ دھندے میں قدم رکھتی ہیں اور بہت زیادہ مردوں کو اکثر اور طویل عرصے تک جنسی مدد فراہم کرتی ہیں۔ وہ زخموں اور زبردستی بچے ضائع کرانے کی وجہ سے بانجھ ہو جاتی ہیں۔ جمیلہ کے اپنے بچے نہیں ہیں لیکن اس کے پاس بلیاں ہیں اور وہ ان کے ساتھ بہت ہمدردانہ سلوک کرتی ہے۔ پلاسٹک کا ایک برتن اس کے کمرے کے کونے میں دھرا ہے جس میں گوشت کے کچھ پارچے اور برف کے ٹکڑے پڑے ہیں۔ وہ آنتوں اور کلیجے وغیرہ کے میلے ٹکڑے اٹھا لاتی ہے اور پھر دھو کر پلاسٹک کے برتن میں ڈال دیتی ہے۔ وہ بلونگڑے جو بیمار ہیں انہیں وہ اپنے ہاتھ سے کھلاتی ہے۔

''یہ میرا بیٹا ہے'' اس نے ایک بلونگڑے کو میری گود سے پانچ انچ دور رکھتے ہوئے کہا۔ اس بلونگڑے کی ماں کے پیٹ میں انگلیاں پھیرتے ہوئے جمیلہ بولی ''اور یہ میری بیٹی ہے۔''

جمیلہ ان بلی کے بچوں کو بیٹھی وہ غذا کھلا رہی ہے جو اس کی اپنی خوراک سے کہیں بہتر ہے۔

دبئ میں تیراکی

دیہاتی خاندان کی دو بیٹیوں میں سے صرف ایک گھر پر ہے۔ دوسری بیٹی خلیج کے ملکوں کا دورہ کر کے واپس آ چکی ہے۔ یہ دورہ بہت کامیاب رہا ہے۔ گھر لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ چارپائی پر ایک نیلی چادر بچھی ہوئی ہے۔ چارپائی کے ایک بازو پر کپڑا بندھا ہوا ہے جس میں ایک بچہ لیٹا ہوا ہے، کپڑے سے بنا یہ جھولا

زمین سے بمشکل ایک انچ اوپر ہوگا۔ جب اس بچے کے گھر والے باہر جاتے ہیں تو کپڑے کے اس جھولے کو ایک ہلکا سا جھٹکا دے کر چلے جاتے ہیں اور بچہ کافی دیر تک جھولے لیتا سوتا رہتا ہے۔ اس کی دادی ماں چارپائی پر بیٹھی کبھی کبھار پاؤں سے ایک دھکا دے دیتی ہے، یوں جھولے کا تسلسل قائم رہتا ہے۔

بڑی بیٹی نے چسکے لیتے ہوئے بتایا:

''دبئ بہت اچھا تھا، وہاں ایک سوئمنگ پول تھا جہاں میں تیراکی کا لباس پہن کر نہاتی تھی''

اس نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ پیراکی کا لباس اس کی ٹانگوں پر کہاں تک پہنچتا تھا اور سینہ کیسے فحش انداز میں کھلا رہتا تھا۔ ادھ کھلے ہونٹوں اور رکے سانسوں کے ساتھ اپنی پلکیں اوپر اٹھاتے ہوئے وہی جانی پہچانی مسکراہٹ دکھائی۔ جس سوئمنگ کاسٹیوم کا ذکر وہ کر رہی تھی مغرب میں وہ عام ہے لیکن پاکستان میں ایسا لباس جس میں بدن کا زیادہ تر حصہ نمایاں ہو انتہائی ننگی تصویر دیکھنے کے مساوی ہے۔

دبئ پلٹ لڑکی ایک ایجنٹ سے ملنے جا رہی ہے جو گلف ممالک میں رقاصاؤں کے طائفے لے کر جاتا ہے۔ وہ وعدہ کر کے جا رہی ہے کہ واپسی پر وہ کولڈ ڈرنکس بھی لیتی آئے گی۔ اس نے اپنی شلوار قمیض کے اوپر برقعہ تانا اور منہ پر پردہ گرا لیا۔ اب اس کے چہرے پر مہین سا ایک جالی دار پردہ ہے۔ اس پردے کے ذریعے سے باہر دن کی روشنی میں اگرچہ دیکھا جا سکتا ہے مگر دنیا اس سے اندھیری اور دھندآلود نظر آتی ہے۔ اگر کپڑا زیادہ گھنا ہو تو پھر دیکھنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اگر وہ اسی پردے کے ساتھ گھومتی ہوئی سیڑھیوں کے زینے پار کرنے کی کوشش کرے گی تو اسے کچھ بھی نظر نہیں آئے گا کیونکہ وہاں روشنی بہت کم ہوتی ہے۔ ایک بوڑھی فیملی فرینڈ جو ایک کرسی پر آلتی پالتی مار کر بیٹھی ہے، اسے برقعہ پہنتے ہوئے دیکھ کر کہتی ہے:

''تم صرف دوپٹہ پہن کر کیوں نہیں چلی جاتی؟''

اس نے جلدی سے جواب دیا۔

''کیونکہ میں ایک عزت دار طوائف ہوں۔''

قانون

کچھ پولیس والے اپنی بندوقیں کاندھوں سے لٹکائے کوٹھے کے اردگرد چہل قدمی کر رہے ہیں۔ ایک دن قبل یہاں شراب کشید کرنے اور بیچنے والی دکان پر چھاپہ پڑا تھا اور وہ یہ یقین دہانی کرنے آئے ہیں کہ وہ دکان ابھی تک بند ہی ہے۔ پاکستان میں شراب پینا قانوناً منع ہے۔ یہ اسلام میں بھی منع ہے لیکن اگر آپ کے تعلقات ہیں تو یہ آپ کو آسانی سے مل جائے گی۔ دیہاتی علاقوں میں کئی غیر قانونی شراب کے اڈے ہوتے ہیں۔ شہروں میں بھی گھروں کے خفیہ کمروں میں شراب کشید کی جاتی ہے۔ یہ لوگ جو شراب یہاں بناتے ہیں وہ اتنے زہریلے مادوں کی حامل ہوتی ہیں کہ وہ آپ کو اندھا اور بعض اوقات مردہ بھی کر سکتی ہے۔

عیسائیوں کو یہاں لائسنس مل جاتے ہیں کہ وہ پرمٹ دیے گئے شراب خانوں سے شراب خرید سکیں۔ لاہور میں ایسے دو شراب خانے ہیں۔ یہ تمام عمل مشکوک اور مشکل ہے۔ سب سے پہلے تو اس حکومتی عمارت کو ڈھونڈیں جہاں سے پرمٹ جاری ہوتے ہیں۔ پھر آپ اس سرکاری افسر اور اس کے درجن بھر کارندوں کے روبرو پیش ہوں جو کئی گھنٹوں تک کاغذات کی جانچ پڑتال کا کام کرتے ہیں۔ سرکاری افسر بھی ناقابلِ فراموش شخص ہے دلکش مگر غیر مہذب...... اور وہ اتنا زیادہ تھوکتا ہے کہ اس کے کنکریٹ کے فرش پر بلغم کے بڑے بڑے دھبے بنے ہیں۔

پرمٹ شدہ شراب خانے جہاں آپ لائسنس استعمال کر سکتے ہیں عمارتوں کے تہہ خانوں یا بڑے ہوٹلوں کے پچھواڑے میں واقع ہیں۔ آپ کو رینگ کر بھورے شٹروں والے دروازوں سے گزر کر نیچے جانا پڑتا ہے۔ لوگ وہاں موجود جنگلوں سے آپ کو مشکوک نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں۔ یہ کام کرتے ہوئے آپ کو ایسا لگے گا جیسے آپ کوئی گندہ کام کرنے جا رہے ہیں۔ بعض اوقات میں حیران ہوتی ہوں کہ آخر میں اتنا تکلف کیوں کرتی ہوں جبکہ یہ مشروبات اتنے نامناسب ہیں کہ دو گلاس پینے کے بعد ہی سر میں شدید درد شروع ہو جاتا ہے۔

کوٹھے کے گرد موجود پولیس والے شراب کی فیکٹری کا اندر سے معائنہ کر رہے ہیں۔ یہاں پر کوئی شخص موجود نہیں اور شراب کی تمام بوتلیں تحویل میں لی جا چکی ہیں جن سے غالباً پولیس اسٹیشن میں پولیس والے دعوت اڑا رہے ہوں گے۔ یہ بتانا ناممکن ہے کہ کونسا پولیس والا کرپٹ ہے، اور ہیرامنڈی میں تعینات تو تمام پولیس والے کسی نہ کسی طرح دھندے میں ملوث ہوتے ہیں۔ وہ رشوتیں بھی لیتے ہیں اور جنسی ضرورت بھی پوری کرتے ہیں۔ جب بھی پولیس والوں کو پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ محلے میں "اپریشن صفائی" شروع کر دیتے ہیں۔ وہ کئی عورتوں کو پکڑ کر تھانے میں بند کرتے ہیں اور پھر رہائی کے لیے رشوتیں طلب کرتے ہیں۔

ہیرامنڈی میں پولیس کی نوکری بہت دلکش ہے۔ افواہیں ہیں کہ پولیس افسر ٹبی تھانے میں اپنی تعیناتی کے لیے بھاری رشوتیں دیتے ہیں۔ بہت سے پولیس والے جنہیں میں نے یہاں دیکھا ان کا تو یہاں سے کوئی تعلق بھی نہیں ہوتا۔ ان کی نوکریاں کسی اور تھانے میں ہیں، جو ان کی پسند کے علاقے ہیں، اس لیے وہ محلے میں آ دھمکتے ہیں اور نشاط آمیز لمحے گزارنے کے ساتھ ساتھ غیر سرکاری فرض یعنی تاوان اور جرمانوں کی وصولی کا کام کرتے ہیں۔

طارق اور بھنگی

ایک خاکروب روزانہ میرے کمرے کی صفائی کے لیے آتا ہے۔ اس کا نام طارق ہے اور وہ ہیرامنڈی

کے بہترین آدمیوں میں سے ہے جن سے میں ملی ہوں۔ طویل القامت، گرمجوش، مسکراتا چہرہ اور خوبصورت نوجوان جس کے دانت چمکدار ہیں۔ وہ مجھے خوش کرنے کے بہت سے جتن کرتا ہے۔ باقاعدگی سے روزانہ اخبار کے ٹکڑوں سے تین بار میرے شیشے کو صاف کرتا ہے۔ طارق مجھے "سسٹر" کہہ کر مخاطب کرتا ہے اور ایسا وہ صرف اس لیے نہیں کرتا کہ وہ حد درجہ حلیم ہے بلکہ چونکہ وہ عیسائی ہے اور میرا تعلق مغرب سے ہے اس لیے اس کا خیال ہے کہ میں بھی عیسائی ہوں گی۔

پریسبٹیرین چرچ ہیرامنڈی چوک میں واقع ہے اور اگر کسی شخص سے پوچھ نہ لیا جائے تو اس کو ڈھونڈنا مشکل ہے۔ اس پر موجود کراس چھوٹا سا ہے اور آنکھ کی سطح سے تھوڑا سا ہی اوپر ہے۔ اس پر گہرا بدنما سرخ رنگ کیا گیا ہے۔ دیواروں کا رنگ بھی یہی ہے۔ ہیرامنڈی کے پہلے دورے کے دوران طارق مجھے اس عمارت میں لے گیا تھا اور یہ اس کے لیے قابلِ فخر لمحہ تھا۔ جب ہم چرچ کے باہر کھڑے تھے میں نے بھی حوصلہ افزا ریمارکس دیے تھے جو لازمی نہیں کہ چرچ کی خوبصورتی کے حوالے سے مبنی بر صداقت بھی ہوں۔

چرچ کی عمارت کا اندرونی منظر متاثر کن ہے۔ ایک تختی لگی ہے جس پر لکھا ہوا ہے کہ اس چرچ کی بنیاد 1908ء میں عزت مآب بی ایل ٹھاکر داس اور عزت مآب ایچ ڈی گرس والڈ نے رکھی تھی۔ پچھلے تقریباً ایک سو سال میں اس میں زیادہ تبدیلیاں نہیں آئیں۔ اس کی نیلی اور پیلی دیواروں کا رنگ مدھم ہوتے ہوتے بھورا ہو گیا ہے۔ قربان گاہ سے آگے ایک چھوٹا سا کراس ہے۔ تین کرسمس کے درخت اور میری کرسمس کا بینر بھی دیوار پر چسپاں ہے۔ کئی رنگوں کی پٹیاں جو ایک دوسرے کو کاٹتی گزرتی ہیں، پرانے چھت کے پنکھوں کے ساتھ ساتھ جھول رہی ہیں۔

آج بھی ہمیشہ کی طرح زائرین کا مجمع طارق کے رشتہ داروں پر مشتمل ہے۔ جو خاکروبوں کا ایک بڑا خاندان ہے۔ چرچ کی خدمات کے دوران وہ الجھا دینے والا میوزیکل چیئر کھیل کھیلتے رہتے ہیں، اٹھتے ہیں ہنستے ہیں اور جگہیں بدل لیتے ہیں۔ میری بغل والی کرسی پر ہر پانچ منٹ بعد کوئی نیا شخص آ بیٹھتا ہے اور ہر بار جب میں پیچھے مڑ کر دیکھتی ہوں تو مسکراتے چہروں کے ایک سمندر پر میری نگاہ پڑتی ہے۔

طارق کا چچا آرگن بجاتا ہے۔ طارق کا بھائی ڈھولک پر کئی قسم کی دھنیں بجاتا ہے، یہ بازار کا سب سے بہترین موسیقار ہے۔ چار دیگر لڑکے اور نوجوان آدمی کورس کے گیت میں شامل ہیں۔ ہر کوئی اپنے بہترین ملبوسات پہن کر آیا ہے۔ طارق کے تین بچے بہت خوبصورت اور شرارتی ہیں۔ اگرچہ اس کا چچا عجیب زنانہ سی سفید لیس والی قمیض پہنے ہے مگر اس کی سبھی بہت عزت کرتے ہیں۔

زائرین کا مجمع جھومتا اور تالیاں بجاتا ہے۔ ننھی سی ایک لڑکی جو میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھی ہے، تالیاں بجا رہی ہے اور اچھل بھی رہی ہے۔ اس میں توانائی ہے۔ ہر بار جب میں اسے دیکھتی ہوں تو وہ ناچتی آنکھوں اور چنچل مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھتی ہے۔ وہ گا رہی ہے اور چیخ رہی ہے۔ ہر حمد

کے اختتام پر وہ آہ بھرتی ہے لمبا سانس لیتی ہے اور اگلے گیت کے لیے خود کو تیار کر لیتی ہے۔ وہ بہت پیاری، تر و تازہ ہے اور ہیرامنڈی کی دوسری لڑکیوں کی طرح نہیں لگتی جو اس عمر میں چھوٹی سی عورتیں محسوس ہوتی ہیں۔

زیادہ تر پاکستانی عیسائی اپنے اجداد کا تعلق ان چوڑھوں سے جوڑتے ہیں جو برصغیر میں اچھوت، گندے اور گندگی پھیلانے والے تصور ہوتے تھے کیونکہ ان کے ذمے وہ کام سونپے جاتے تھے جنہیں عام ہندو ناخالص سمجھتے تھے۔ ان کا تعلق خون، موت اور گندگی سے جڑا ہے کہ یہ صفائی کا کام کرنے والے، قصائی اور گورکن جیسے پیشوں سے وابستہ ہیں۔ اس وجہ سے یہ سماجی اور مذہبی نظام مراتب میں سب سے آخری مرتبے پر فائز ہیں۔ اتنے نچلے درجے پر کہ ان کے ساتھ غیر انسانی رویے اختیار کیے جاتے ہیں۔

بیسویں صدی کے آغاز میں عیسائی مبلغ پنجاب آئے اور انہوں نے بہت سے اچھوتوں کو عیسائی کیا۔ مگر مذہب بدلنے کے باوجود بھی چوڑھوں کی چھوت چھات اور گندے پیشوں سے ان کا تعلق نہ ٹوٹا۔ 1947ء میں تقسیم ہندوستان کے بعد لاہور کے چوڑھوں نے اس نئی اسلامی ریاست میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ اسلام میں ذات پات اور چھوت چھات کا نظام نہیں ہے لیکن یہاں پاکستان میں غیر اعلانیہ طور پر ذات پات کا نظام موجود ہے۔ طارق کہتا ہے کہ لاہور شہر میں کم و بیش 2 ہزار خاکروب (بھنگی) ہیں، یہ سارے بھنگی عیسائی ہیں اور کوئی بھی ان کی عزت نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے:

''چائے کی دکانوں پر ہمارے ساتھ وہ سلوک نہیں ہوتا جو دوسروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ ہمیں ٹوٹی پلیٹوں میں کھانا دیتے ہیں، تڑخے ہوئے کپوں میں چائے دیتے ہیں۔ ہم بھنگیوں سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے''

اور یہ سب سچ بھی ہے۔ ہیرامنڈی میں انہیں پلیٹیں دھونے کی اجازت نہیں ہے مبادا وہ ناپاک نہ ہو جائیں۔ یہاں کی سستی ترین دھندا کرنے والیاں بھی سمجھتی ہیں کہ وہ ان سے بہتر ہیں۔ ماہا نے شاذ ہی طارق کو دیکھا ہے کیونکہ وہ مختلف سماجی دائروں کے باسی ہیں، لیکن جب وہ طارق سے ملتی ہے اس کے ساتھ مہربانی کا سلوک تو کرتی ہے مگر ذرا فاصلے سے۔

خاکروب خاندان بہت زیادہ غریب ہیں۔ حکومت انہیں مختلف علاقوں کی صفائی کا ٹھیکہ دیتی ہے۔ وہ اسے ان کا ''فرض'' کہتی ہے اور اس ناممکن کام کے معاوضے کے طور پر انہیں معمولی رقم دی جاتی ہے۔ کوڑا کرکٹ اور کچرے کو ہاتھ لگانا یہاں کی اکثریت معیوب اور اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہے اس لیے وہ انہیں شاپروں میں ڈال کر اپنے گھر کی کھڑکیوں سے باہر پھینک دیتی ہیں یا پھر قریب کسی کچرے کے ڈبے میں پھینک آتے ہیں۔

ان خاکروبوں کو نہایت معمولی معاوضوں پر پرائیویٹ گھروں کی صفائی بھی کرنا پڑتی ہے۔ یہ ان کی

اضافی ذمہ داری ہے۔ ان لوگوں کے لیے اپنے پیشے کو تبدیل کرنا تقریباً ناممکن ہے بسبب اس فیملی بیک گراؤنڈ کے جوان کے ماتھے کا کلنک رہتا ہے۔ وہ اپنے گھٹیا نسل سے تعلق اور گندی نوکریوں پر ہمیشہ شرمندہ رہتے ہیں اور معاشرے میں سے کچھ ہی لوگ ان غریب عیسائیوں کی مدد کے لیے آگے بڑھتے ہیں کیونکہ یہ لوگ کافر ہیں۔

اس وقت صبح کے چار بجے ہیں اور ابھی اندھیرا ہے۔ اس لیے مجھے کھلے گٹروں میں گرنے سے بچنے کے لیے احتیاط سے چلنا پڑ رہا ہے۔ خاکروبوں کو ان گلیوں میں چلنے میں کوئی دشواری نہیں ہے کیونکہ جن گلیوں کو وہ صاف کرتے ہیں ان کے نشیب و فراز کا انہیں اچھی طرح علم ہے۔

خاکروب عورتیں بھی اپنے مردوں کے ساتھ مل کر کام میں لگی ہیں۔ ان کے نخنے گلی کی گندی گلیوں میں غرق ہیں۔ پرانے شہر کی بہت سی عورتیں کام کرتی ہیں مگر وہ یہ سب گھروں میں رہ کر کرتی ہیں۔ وہ کپڑے سیتی ہیں، کھانا بناتی ہیں اور چیزیں جمع کرتی ہیں لیکن وہ یہ سب سرِعام نہیں کر سکتیں۔ ان کاموں کا معاوضہ بھی انہیں مردوں کے مقابلے میں کہیں کم ملتا ہے۔ میں نے ہیرامنڈی میں کھلے بندوں صرف ایک قسم کی عورتوں کو کام کرتے دیکھا ہے اور وہ ہیں فقیر عورتیں اور دھندا کرنے والی طوائفیں، اور اس وقت خاکروب عورتیں۔ ان میں سے کچھ عورتیں گھروں میں جا کر صفائیاں کرتی ہیں جبکہ کچھ گلیوں کی صفائی میں مصروف ہیں۔ چیتھڑوں میں ملبوس بدحال عورتیں جو ادھیڑ عمری میں پہنچنے سے قبل ہی بوڑھی ہو جاتی ہیں۔

ترنم چوک میں دو خاکروب ان نشئیوں کو وہاں سے بھگا رہے ہیں جو سڑک کنارے ہی بے سدھ پڑے ہیں۔ انہوں نے طارق کو سلام کیا اور اپنی ریڑھی سے متعلق بتایا جس کے پہیے ٹوٹ چکے تھے جس کے باعث گاڑی مشکل سے چل رہی تھی۔ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ ان ہتھ گاڑیوں کا کیا کریں۔ میونسپل کمیٹی کی انتظامیہ سے انہوں نے بات کی تو ان کا ایک ہی جواب تھا کہ گاڑیوں کو مرمت ان کا کام نہیں، خاکروب خود ان کی مرمت کرائیں۔ چند خاکروب چرچ کے قریب صفائی کر رہے ہیں۔ ہیرامنڈی چوک کشادہ اور مصروف چوک ہے۔ جس آدمی کے ذمے اس چوک کی صفائی کا کام سونپا گیا ہے وہ اسے اکیلے نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے وہ مدد کے لیے اپنے بچوں اور بیوی کو ہمراہ لاتا ہے۔ ہم سے بات کرنے کے لیے انہوں نے صفائی کا کام تھوڑی دیر کے لیے روک لیا۔ باپ کا سانس پھولا ہوا ہے اور وہ لمبے لمبے سانس لے رہا ہے ''ہم چار لوگ کام کرتے ہیں اور تنخواہ ایک کو ملتی ہے'' اس نے پھولی سانس کے ساتھ کہا۔

ہم اسی گلی میں ہیرامنڈی کی طرف آگے اس مقام کی طرف جا رہے ہیں جہاں طارق کے ذمے صفائی کرنے کا ''فرض'' ہے۔ راستے میں ہم ایک انتہائی تنگ گلی سے گزرے جس میں کوڑا کرکٹ کے ڈھیر لگے ہیں۔ طارق نے بتایا:

''یہ موسیقاروں کی گلی ہے۔ یہ سب سے گندے لوگ ہیں اور یہ ہیرامنڈی کی سب سے گندی گلی ہے۔

''

طارق کو دو گلیاں صاف کرنا ہوتی ہیں۔ ہفتے کے اکثر دنوں میں وہ تین بجے کے قریب جاگ جاتا ہے تا کہ ساڑھے تین بجے وہ اپنا کام شروع کر دے۔ اس کی سرکاری نوکری 3 سے 4 گھنٹوں پر مشتمل ہے۔ اس لیے وہ باقاعدہ دن کے آغاز سے قبل اپنا کام ختم کر چکا ہوتا ہے۔

صبح کے نکلنے سے قبل طارق کا بھائی اور بھتیجا کوٹھے کی صفائی کر چکے ہیں۔ وہ کوڑا کرکٹ صاف کر کے ایک جگہ جمع کرتے ہیں پھر حکومت کی طرف سے دی گئی ہتھ گاڑی پر اسے لادتے ہیں۔ ہتھ گاڑی کے چھوٹے سے پہیے پر پیلے رنگ کا بڑا سا دھاتی ڈبہ رکھا ہوتا ہے۔ جب کوڑا لادکر اسے ہاتھ سے کھینچا جاتا ہے تو اس میں سے بوجھ کی وجہ سے بہت زیادہ آوازیں نکل رہی ہوتی ہیں۔ یہ کوڑا ان کچرا گھروں کی طرف لایا جاتا ہے جہاں کوڑے میں سے بوتلیں اور شاپر چننے والے لڑکے ان کا بے تابی سے انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ لڑکے جو لاغر، کمزور اور آشفتہ خاطر نظر آتے ہیں، وہ اس گند میں سے اپنی روزی روٹی ڈھونڈتے رہتے ہیں۔

طارق مجھ سے جاننا چاہتا ہے کہ میں ان لوگوں میں کیوں دل چسپی لے رہی ہوں۔ وہ یہ بھی پوچھتا ہے کہ میں کیا لکھ رہی ہوں۔ میں اسے بتاتی ہوں کہ میرے ملک برطانیہ کے حالات مختلف ہیں اور وہاں کے لوگ پاکستان جیسے ملکوں اور خاص طور پر ہیرا منڈی جیسی جگہوں سے واقف نہیں ہیں۔ یہ بہت اہم کام ہے۔ میں اپنے وطن کے لوگوں کو اس کے ذریعے بتاؤں گی کہ ہیرا منڈی کی زندگی کس طرح کی ہے۔

وہ مجھ سے پوچھتا ہے:

''کیا آپ یہاں کی اچھی باتیں انہیں بتائیں گی یا بری باتیں بھی؟''

''ہاں سب کچھ'' میں اسے جواب دیتی ہوں۔ میرے پاس لکھنے کو بہت کچھ ہے۔ لیکن طارق اور اس کے خاندان کی عزت نفس کے بارے میں لکھنا بہت آسان ہے۔ ان کی عزت نفس کی جڑیں مذہب کی زمین میں پیوست نہیں ہیں۔۔۔ اگر چہ مذہب ان غریب لوگوں کی زندگی میں باعث طمانیت ہے۔ ان کی عزت نفس اس حقیقت میں پوشیدہ ہے کہ یہ ہیرا منڈی کے وہ واحد لوگ ہیں جو روحانی اذیت کا باعث جسم فروشی کے دھندے میں ملوث نہیں ہیں۔

سفید پھول

جس دلکش ترین آدمی کو میں نے یہاں دیکھا ہے وہ اس وقت سفید پھول کے ساتھ کھسرا ہاؤس میں ایک صوفے پر بیٹھا ہے۔ اس کے دانت ترشے ہوئے، منہ بڑا اور آنکھیں بہت خوبصورت ہیں وہ مردانہ وجاہت کا ایک شاہکار کہا جا سکتا ہے جب تک کہ وہ بولے نہ، مگر جوں ہی وہ بولتا ہے تو اس کی زنانہ آواز اس کی مردانہ وجاہت کو مٹی میں ملا دیتی ہے۔ وہ اس وقت سفید پھول کے ساتھ بیٹھا ''ڈیک فنکشن'' کے حوالے

سے بات کر رہا ہے۔ جب دونوں کو کسی اہم بات پر زور دینا ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے کی ٹانگوں پر ہاتھ مارتے ہیں۔ خوبصورت کھسرا کہتا ہے کہ روایتی موسیقار بہترین ہیں مگر سفید پھول نامی کھسرا اس سے اتفاق نہیں کرتا کیوں کہ اس کے خیال میں ڈیک فنکشن بہترین ہیں۔

اس کا خیال ہے کہ ''گاہک مہنگے فنکشن کے لیے پیسے خرچ نہیں کرتا'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ خوبصورت کھسرے کے چڈوں میں گھسانے کی کوشش کی۔

دلیلیں پُرشور ہوئیں اور وہ ایک دوسرے سے جھگڑ پڑے۔ لڑتے ہوئے وہ فرش پر گرے اور ان کے کپڑے گرد اور گندگی سے لتھڑ گئے۔ ایک نوجوان آدمی غسل خانے سے لڑکھڑاتے ہوئے برآمد ہوا۔ وہ انہیں اس حال میں دیکھ کر بدحواس ہو گیا اور گر پڑا۔ وہ نوجوان آدمی بیمار حالت میں ہے اور اس نے وہیں گری حالت میں سر کو تھاما ہوا ہے۔

سفید پھول نے میرا اس سے تعارف کرایا۔ اس کی طرف ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اس نے بتایا کہ ''یہ میرا شوہر ہے'' نوجوان اتنا بیمار ہے کہ وہ بول بھی نہیں سکتا۔ وہ نشہ کیے ہوئے ہے اور شراب کے کئی گلاس بھی چڑھائے ہوئے ہے۔

اس نوجوان کی عمر بمشکل پندرہ سولہ سال ہے۔ سفید پھول کی عمر کم سے کم 40 سال ہے اور اس کی شخصیت اتنی رعب دار ہے کہ میں بمشکل ہی خود کو یہ یقین دلائی پائی ہوں کہ وہ اس کم سن چھوکرے کی بیوی کی حیثیت سے رہ رہا ہے۔ میں نے سفید پھول سے پوچھا کہ وہ کبھی اس نوجوان سے شوہر کی طرح بھی پیش آیا۔

وہ مسکرایا: ''میں ہمیشہ سے ایک بیوی ہوں'' اس نے اپنا ہیئر کلپ کھولا اور سر کو پیچھے کی طرف جھٹکا اور کہا: ''تم میرے بالوں کو دیکھو۔''

میں نے تسنیم سے نئے کپڑے دلانے کا وعدہ کر رکھا ہے کیونکہ وہ میرے ایک سوٹ کی بار ہا تعریف کر چکا ہے۔ جس سوٹ کی اس نے تعریف کی وہ میں نے دِلی سے خریدا تھا اور گلابی رنگ کی کاٹن کی ایک قمیض ہے جس پر کشیدہ کاری کی گئی ہے۔ اس کے پاس موجود کپڑوں کے سارے جوڑے پرانے پولی ایسٹر کی شلوار قمیضوں پر مشتمل ہیں۔ زیادہ تر کپڑوں میں شگاف ہو چکے ہیں اور کچھ تو تقریباً چیتھڑوں میں بدل چکے ہیں۔

میں پورے لاہور کے بازاروں کی ایک بار چھان بین کر چکی ہوں مگر مجھے اپنے سوٹ جیسا کوئی جوڑا ان بازاروں میں نہیں ملا، اور پھر میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہوتا ہے کہ میں صرف کپڑے ڈھونڈتی رہوں۔ میں نے اسے کچھ پیسے دیے اور اسے کہا کہ وہ خود ہی اپنے لیے کوئی کپڑے خریدے کیونکہ میں جو تحفہ اس کے لیے خریدنا چاہتی ہوں وہ مجھے نہیں ملا۔ اس نے نوٹ مجھ سے پکڑے اور جلدی سے انہیں اپنے بریزیئر میں اڑس لیا۔ اس کی آنکھیں خوشی اور بدحواسی میں پھیل گئیں۔ جب وہ چند منٹ بعد واپس آیا تو وہ

کچھ پُرسکون تھا۔ وہ خراماں خراماں چلتے ہوئے کمرے میں آیا اور کوشش کر رہا تھا کہ کوئی اس کی طرف توجہ نہ دے۔ لیکن اس کا اثر بالکل برعکس ہوا۔ سفید پھول نے اونچی آواز میں چیخ کہ اسے میوزک چلانے کا کہا۔

کمرے میں نئے کھسروں کا ایک گروپ بھی آیا ہوا ہے۔ سفید پھول فرش سے اٹھا اور بستر پر پُرسکون ہو کر بیٹھ گیا۔ اسے یہاں ایک اہم مقام حاصل ہے کیونکہ ایک تو وہ اس گھر کا مالک ہے اور دوسرا بہت اچھا رقاص بھی۔ وہ ایک روایتی قحبہ خانے میں پیدا ہوا اور اس گھر میں موجود تمام کھسروں کا گرو ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کھسروں کے کام کو ہی نہیں ان کی زندگی کے نظام کو بھی چلاتا ہے۔ ہیرامنڈی میں کھسروں کے گروؤں کا جو نظامِ مراتب ہے اس میں سفید پھول کے اوپر بھی کئی گرو ہیں۔ لیکن اس گھر میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ وہ اس افلاس زدہ گھر میں بھی زیادہ دیر نہیں رہتا بلکہ اکثر کوٹھے پر رہتا ہے۔

اس گھر میں جہاں سفید پھول کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے وہیں تسنیم سب سے بدتر حالت میں رہنے پر مجبور ہے۔ گھر میں جب فون کی گھنٹی بجتی ہے تو یہ تسنیم کی ڈیوٹی ہے کہ وہ فون سنے۔ جب گھر میں کولڈ ڈرنکس کی ضرورت پڑتی ہے تو یہ تسنیم کے ذمے ہے کہ وہ بھاگ کر مشروب لائے۔ جب گرو اونچی آواز میں چلاتا ہے تو اکثر تسنیم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

کمرے میں کھڑکی کے قریب پڑی چارپائی پر بیٹھے دو کھسرے ایک دوسرے کو نیل پالش لگا رہے ہیں۔ ایک کھسرے کی عمر تقریباً 30 سال ہوگی جبکہ دوسرا بیس سال کا ہے۔ نوجوان کھسرے نے دوسرے کھسرے کا تعارف کراتے ہوئے مجھے بتایا: ''یہ میری ماں ہے۔''

بڑی عمر کے کھسرے نے اضافہ کیا: ''اور یہ میری بیٹی ہے۔''

ہیرامنڈی میں یہ عام ہے کہ جب لوگ کسی دوسرے سے تعارف کراتے ہیں تو کوئی نہ کوئی رشتہ اس سے جوڑ دیتے ہیں چاہے ان کے درمیان کوئی خونی یا ازدواجی رشتہ نہ بھی ہو۔ یہاں اچھے دوست آپس میں صرف دوست نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان کا تعلق اس سے کہیں زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ میں یہاں صرف ماہا کی دوست نہیں ہوں بلکہ اس کی بہن اور اس کے بچوں کی خالہ ہوں۔ کھسروں کے لیے یہ اور بھی زیادہ اہم بات ہے کہ ان کے درمیان اس نوعیت کی رشتہ داری موجود ہو۔ یہ لوگ اپنے خاندانوں کو چھوڑ کر اور مرکزی معاشرے سے کٹ کر یہاں رہتے ہیں اس لیے وہ زندگی کو معنی دینے کے لیے اپنے نئے رشتے تخلیق کرتے ہیں۔

میرے ساتھ بیٹھے کھسرے کی طرف کسی نے ٹویزر پھینکا اور اس نے اپنی داڑھی کے بال چننا شروع کر دیے۔ وہ غیر حاضر دماغ کے ساتھ ہی داڑھی کے بال چن رہا ہے کیونکہ اس دوران وہ مسلسل ہم سے باتیں بھی کر رہا ہے۔ اعلیٰ کھسرے شیو کی بجائے اپنی داڑھی کے بالوں کو چنتے ہیں۔ اس سے ان کی جلد نرم رہتی ہے اور دوبارہ بال اُگنے کی رفتار بھی سست رہتی ہے۔ اس کے علاوہ اس سے ان کے چہرے پر شیو کا مستقل سیاہ

دھبہ بھی نہیں پڑتا۔ داڑھی کے بال چننے کا یہ عمل مسلسل ہوتا ہے اور ایک نامختتم چکر میں ٹویزر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتا جاتا ہے۔

میں کھسرا ہاؤس سے باہر نکل رہی ہوں۔ تسنیم بھی میرے ساتھ سیڑھیوں کے زینے تک آیا۔ اس نے میرا بوسہ لیا اور اپنے بریزیئر کے نیچے موجود نوٹوں کو تھپکا اور اگرچہ سفید پھول تین منزلیں اوپر اپنے کمرے میں تھا اس نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

''سفید پھول کو مت بتائیے گا کہ یہ پیسے آپ نے مجھے دیے ہیں ورنہ وہ مجھ سے چھین لے گا۔ وہ میری ساری آمدنی مجھ سے چھین لیتا ہے اور یہ بھی چھین لے گا۔''

بارشیں

مون سون میں لاہور پر حبس کا راج ہوتا ہے۔ ہوا میں نمی حد سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ ہر ہفتے گہرے سیاہ بادل تن کر آ جاتے ہیں۔ موسم اچانک طوفانی بارشوں کو لے آتا ہے۔ پھر آسمان صاف ہو جاتا ہے اور موسم چند گھنٹوں کے لیے خوش گوار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک بار پھر شدید گرمی حبس پیدا کر کے دن کی رفتار سست کر دیتی ہے۔ آج دوپہر میں تیز بارش نے شہر میں زندگی معطل کر کے رکھ دی ہے۔ بارش کے بعد تیز ہوا کے وہ جھکڑ چلے کے کہ چھت کے اوپر پڑی پلاسٹک کی کرسیاں اڑ اڑ کر بالکنی کی دیواروں سے ٹکراتی رہیں۔ ہوا کے ان جھکڑوں کو گھروں میں داخل ہونے سے بھی روکنے کا کوئی انتظام نہیں۔ لکڑی کے فرسودہ دروازے ہلتے رہے، بند دکانوں کے دروازے کھڑ کھڑ کا شور پیدا کرتے رہے اور گلی میں پڑا کوڑا اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ پلاسٹک کے تھیلے اِدھر اُدھر اڑ رہے ہیں اور کچھ اڑتے اڑتے بجلی اور ٹیلی فون کی تاروں میں جا پھنسے ہیں۔

اچھی خاصی آواز دیتے بارش کے بڑے بڑے قطرے صحن پر پڑنا شروع ہو گئے ہیں۔ شروع شروع میں بارش کی رفتار سست تر تھی اور اِکا دُکا قطرے گرے لیکن پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ یہ چونکہ گرم رت کی بارش ہے اس لیے لمحوں میں گلی لوگوں سے بھر گئی جو بارش میں بھیگنا چاہتے ہیں۔ چھوٹے بچے اپنی نیکروں اور اوپر کے ننگے بدنوں کے ساتھ صحنوں میں نکل آئے ہیں۔ نوجوان آدمی صحن میں گروپ کی شکل میں جمع ہیں۔ ان کا چہرہ آسمان کی جانب، آنکھیں بند اور قمیصیں گیلی ہو کر بدن سے چپک گئی ہیں۔ عورتیں اور لڑکیاں اپنے کمروں میں بیٹھی انہیں دیکھ رہی ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ ان کے کمروں میں پانی نہ چلا جائے۔

غزل

دبئی جانے کی تیاری کے سلسلے میں ماہا کی تیاریاں اور ریہرسل جاری ہے۔ ہیرامنڈی کے روایتی

موسیقار جنہیں مراثی کہا جاتا ہے، اس کے گھر آ گئے ہیں۔ ایک آدمی طبلہ بجا رہا ہے، دوسرا ڈھولک اور تیسرا ہارمونیم پر ہے۔ ماہا نے اپنے بالوں میں کنگھی کی، کپڑوں کو سیدھا کیا، قرمزی رنگ کی لپ اسٹک لگائی، کیونکہ اس کی پرفارمنس کو نہ صرف فنی حوالوں سے مکمل ہونا چاہیے بلکہ پرفارمنس کے دوران اسے خوبصورت بھی لگنا چاہیے۔

ماہا اور اس کے موسیقار دو گھنٹے تک ریاض کرتے رہے۔ اس دوران انہوں نے چھوٹے سے اس کمرے میں چند خوبصورت غزلیں تیار کیں۔ طوائف کلچر کے زمانہ عروج میں اعلیٰ پائے کی طوائفوں کے کوٹھے متاثر کن غزلوں سے گونجتے رہتے تھے۔ غزل کا میوزک ہندی اور عرب کلچر کے امتزاج کا شاخسانہ ہے جو ایک پیچیدہ اور کامل موسیقی کو تشکیل دینے کا ذریعہ بنتا ہے جس کی لے اور اعلیٰ شاعری تکمیل کرتی ہیں۔ غزل ہلکی نیم کلاسیکل طرز کی موسیقی ہے جس کی باریکیوں کو اعلیٰ اور نفیس پڑھے لکھے لوگ سمجھتے ہیں۔ غزل دو مصرعوں پر مشتمل شعروں کی شکل میں ہوتی ہے جسے بہترین آوازیں گاتی ہیں۔ طوائفوں کی دنیا میں در آنے والے زوال نے غزل کی اہمیت میں کمی کر دی ہے مگر اس صنف کو ہلکا سا سہارا تب ملا جب بالی وڈ کی فلمی صنعت نے اپنی فلموں میں اسے رواج دیا۔ جو نغمے ماہا اپنے خستہ حال کمرے میں بیٹھ کر گاتی ہے وہ کلاسیکی غزل اور گیتوں (لوک گیتوں) کے درمیان کی کوئی چیز ہیں۔ لیکن ماہا کلاسیکی غزل کے اہم اجزا کا خیال ضرور رکھتی ہے۔ اس کی آواز اوپر اٹھتی ہے، شائستہ اور طاقتور انداز میں متوازن رہتی ہے اور جذبات کی چاشنی بھی اس میں شامل ہوتی ہے۔ وہ ایک رومان انگیز گیت گا رہی ہے جس میں نہ ختم ہونے والی محبت کا ذکر ہے۔ غزل میں وہ کہہ رہی ہے کہ وہ ایک اجنبی سے ملی اور اپنا دل اسے دے بیٹھی اور پھر فراق اس کا مقدر ہو گیا۔ ان غزلوں میں دل کو چھو لینے والے قصوں کا بیان ہوتا ہے جس میں شاید رومانویت کے پردے میں زمینی خواہشات بولتی ہیں۔ ماہا ان غزلوں کو فنکارانہ سچائی کے ساتھ گاتی ہے کیونکہ ان کی شاعری اس کے اور محلے کی دیگر عورتوں کے لیے خود معنی کی حامل ہے۔

ہیرامنڈی کی عورتوں کی اکثریت محبت کے لیے ترستی زندگی گزارتی ہیں، اور جو مرد ان کے پاس آتے ہیں وہ فقط ایک رات کے لیے آتے ہیں اور پھر کبھی واپس نہ آنے کے لیے چلے جاتے ہیں۔ وہ انہیں تھوڑی دیر کے لیے محبت بھی کرتے ہیں مگر پھر ان کو کنجریاں کہہ کر ان سے نفرت کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ ہیرامنڈی میں غزل فغاں کی ایک شکل، کتھارسس کی ایک قسم اور ذاتی المیوں کی داستاں کا بیان ہوتا ہے۔

ماہا اور اس کے موسیقار خوش ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ وہ اچھے فنکار ہیں۔ بچے بھی ہمارے ساتھ ہی کمرے میں جمع ہیں۔ معتذر اپنی ماں کی ٹانگوں کے گرد گھومے جا رہا ہے۔ صوفیہ بے ترتیبی سے کمرے کے کونے میں رکھے بستروں کے ڈھیر کے اوپر بیٹھی کود رہی ہے۔ ایک گاہک کبھی پاکستان کا ایک نقشہ یہاں چھوڑ گیا تھا۔ دو بچوں کے درمیان اس پر زبردست لڑائی بھی جاری ہے۔ ماہا گانے کی ریاضت کے دوران

بچوں کو ڈانٹے بھی جا رہی ہے ''بس کرو''، ''دفعہ ہو جاؤ مردودو''، ''باہر نکل جاؤ''۔ ہر وقفے کے بعد وہ اسی پرسکون لہجے اور میٹھی سی مسکراہٹ کے ساتھ پھر غزل گانا شروع کر دیتی ہے۔ نگران نے کئی بار غزلوں کے بعض شعروں کو دوبارہ گانے کا کہا تاکہ موسیقی اور ماہا کی ادائیگی کو بہتر بنایا جا سکے۔ اماں جی لوگوں کے ہجوم کے درمیان گھوم پھر کر انہیں چائے اور نمکو دینے کے علاوہ صوفیہ کے پھیلائے گند کو صاف بھی کیے جا رہی ہے۔ اگر ماہا اس ہجوم اور ناموافق ماحول میں پرفارم کر سکتی ہے تو یقیناً بحرین میں اس کا طوطی سر چڑھ کر بولے گا۔

عریبہ، خادمہ، غلام

آج رات ماہا کے گھر کا ماحول عجیب بنا ہوا ہے۔ آج یہاں ایک پارٹی ہے لیکن کوئی بھی خوش دکھائی نہیں دے رہا۔ ماہا نے میرا تعارف ایک نئے جوڑے سے کراتے ہوئے کہا:

''یہ شاہین ہے...... اور یہ اس کا شوہر۔ شاہین میری بہن ہے...... اور عریبہ کی ماں بھی۔''

میں نے حیران ہو کر سوالیہ نظروں سے ماہا کی طرف دیکھا۔

''اس کی بیٹی کی کچھ دنوں پہلے وفات ہو گئی ہے اور اب عریبہ ان کے گھر ان کی بیٹی بن کر رہے گی۔ یہ کل صبح ہی شیخوپورہ جا رہے ہیں'' ماہا نے کہا۔

میں نے عریبہ کی طرف دیکھا اور وہ جلدی سے کمرے سے کھسک گئی۔ نیشا اور نینا نے مجھے خبردار کرنے والی نگاہوں سے دیکھا اور اماں جی نے اپنا سر نفی میں ہلایا اور آنکھیں جھکا لیں۔ میں عریبہ کے پیچھے گئی۔ وہ نہ بیڈروم میں تھی، نہ ہی کچن میں، باہر کا دروازہ بھی بند تھا۔ وہ کچن کی کھڑکی کے پیچھے چھپی تھی جہاں میں نے اسے جا لیا۔ وہ بے حس حالت میں تھی، صدمے سے اتنی دوچار کہ لڑنے پر تیار اور اتنی خوفزدہ کہ جیسے یہاں سے بھاگ جانا چاہتی ہو۔ اس کی آنکھوں میں بلا کا درد تھا اور وہ ناقابل فراموش احساس خوف سے منجمد تھیں۔

میں نے اس کی ماں کو بیڈروم میں بلایا اور اکیلے میں بات کرنے کی کوشش کی۔ اس نے دفاع میں کہا:

''عدنان چاہتا ہے کہ وہ چلی جائے۔ وہ اس کی نگہداشت کے لیے رقم دینے پر تیار نہیں ہے۔ یہ لوگ اسے وہ سب کچھ دیں گے جو میں نہیں دے سکتی۔ وہ لوگ اسے سکول بھیجیں گے، اچھا کھانا دیں گے اور اسے ہیرامنڈی کی اس زندگی سے بھی نجات مل جائے گی۔ اس کی زندگی سنور جائے گی۔ وہاں وہ قرآن بھی پڑھے گی۔''

''وہ قرآن نہیں پڑھے گی۔ وہاں وہ ایک غلام کی زندگی گزارے گی فقط ایک لونڈی'' میں نے ملتجی لہجے میں کہا۔

''وہ تمہاری بیٹی ہے، تم اسے یوں کیسے چھوڑ سکتی ہو۔''

پاکستان میں غلامی کی ایک لمبی اور لرزا دینے والی تاریخ موجود ہے، اور مجھے یقین ہے کہ عریبہ اس کا اگلا شکار بننے والی ہے۔

ماہا نے عدم اطمینان کے احساس کے ساتھ پینترا بدلا:

''عریبہ بری ہے۔ ہر کوئی کہتا ہے کہ وہ بری ہے، اور پھر میں بھی تین مہینے کے لیے باہر جا رہی ہوں۔ اماں جی اس پر تمام وقت نظر نہیں رکھ سکتی۔''

عریبہ کی جھانکتی آنکھیں دروازے کے پیچھے سے لمحہ بھر کے لیے ظاہر ہوئیں اور پھر غائب ہو گئیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ گلی کے لڑکوں کے ساتھ جنسی تعلق رکھتی ہے اور ان سے پیسے لیتی ہے۔ میں نے یہ نہ صرف لوگوں سے سنا ہے بلکہ خود بھی ایک بار دیکھا ہے کہ ہیرا منڈی چوک کے قریب ایک گندی سی تنگ گلی میں تیرہ چودہ سال کے لڑکے نے اسے دبوچ رکھا تھا۔ لڑکے اس سے کچھ وصول کر رہے ہیں اور بدلے میں وہ بھی ان چند روپوں کے علاوہ جو اسے ان لڑکوں سے ملتے ہیں، ان سے کچھ وصول کر رہی ہے۔ وہ یہاں مطلوب ہے ___ چاہے کسی بھی حوالے سے۔

''بے چاری عریبہ'' میں نے کہا۔

ماہا جلدی سے بولی:

''نہیں، بے چاری تو ماہا ہے، بے چاری...... جس کے پاس رقم ہے، نہ شوہر، میں کیا کروں؟ مجھے بتاؤ۔''

میرا اصرار پھر بھی جاری رہا:

''نہیں بے چاری تو عریبہ ہے۔ اگر تم اسے یہاں سے بھیجو گی تو وہ ہمیشہ ناخوش رہے گی اور اس کا رویہ اور بھی خراب ہو جائے گا۔ اس کو تمہاری ضرورت ہے۔ بہنوں کی ضرورت ہے۔ اسے ایک ماں چاہیے جو اس سے محبت کرے۔''

ماہا نے میری طرف دیکھا اور آنسو اس کی آنکھوں سے چھلک پڑے۔ اس کی بیٹی دروازے کے پیچھے منڈلا رہی تھی اور جوں ہی میں باہر نکلنے لگی وہ باورچی خانے میں چھپ گئی۔

عریبہ شیخوپورہ نہیں گئی۔ دو دن بعد میں نے اسے بالکنی میں دیکھا جو میری طرف ہوائی بوسے اچھال رہی تھی۔

جادو

جوں ہی میں ماہا کے گھر پہنچی وہاں ایک روحانی عمل جاری تھا۔ ایک سنجیدہ صورت شخص کمرے کے

درمیان میں گدے پر بیٹھا ہے۔ وہ درمیانی عمر کا ایک آدمی ہے جس نے سفید رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی ہے۔ اس کے ہاتھوں میں ایک تسبیح ہے جس پر مسلسل اس کا ہاتھ پھسل رہا ہے۔ اس کی تمام انگلیوں میں چاندی کی موٹی موٹی انگوٹھیاں ہیں۔ ماہا اس کے قدموں میں دو زانو بیٹھی ہے۔ اس کے چہرے کا سارا میک اپ اترا ہوا ہے اور رونے کی وجہ سے آنکھیں سوجی ہوئی ہیں۔ پیر نے پورے مجمع کو مبہوت کر رکھا ہے سوائے اماں جی کے جو پیر کی نظروں سے اوجھل دوسرے کمرے میں کھڑی برے منہ بنا رہی ہے۔

پیر صاحب نے گلا صاف کیا اور چھت کی طرف دیکھا۔ اس سے قبل کمرے پر طویل گہری خاموشی طاری رہی:

''میں نے سورج کو طلوع ہوتے دیکھا اور غروب ہوتے دیکھا اور میں جانتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے۔''

تسبیح کے دانے اب آہستگی سے پیر کے ہاتھوں سے پھسل رہے ہیں'' چاند اور آسمان خدا کی تخلیق ہیں'' ماہا آہستگی سے روتی ہے۔ اپنا سر آگے پیچھے ہلا کر ہاں میں جواب دیتی ہے۔ پیر آدھے گھنٹے تک اسی طرح باتیں کرتا رہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

میں دوسرے کمرے میں چلی گئی اور اماں جی سے پوچھا: ''یہ کیا ہو رہا ہے۔''

''وہ شام کے کھانے کا انتظار کر رہا ہے۔''

اگلے پندرہ منٹ میں کھانا اس کے سامنے رکھ دیا گیا۔ یہ باقاعدہ دعوت ہے...... مرغی، دال، سبزیاں اور روٹیوں کا ایک مینار...... پیر نے اپنی پلیٹ کو صاف کیا اور پھر علیحدگی میں ماہا سے کوئی بات کی۔ چند لمحوں میں کل پھر واپس آنے کا کہہ کر وہ چل پڑا۔

ماہا نے خود کو گدے پر گرایا اور ہچکیاں لینے لگی۔

''مجھے پتہ تھا۔ مجھے پتہ تھا یہ کالا جادو ہے، وہ کتیا ممتاز کالا جادو کرا رہی ہے اور میری ماں کا نیا شوہر بھی۔ یہ دونوں کالا جادو کرا رہے ہیں...... دو جادو۔''

اس نے لمبا گہرا سانس لیا اور جھرجھری لی! ''ممتاز نے پشاور کے ایک آدمی سے کالا جادو کرایا ہے تاکہ عدنان صرف اس کا ہو کر رہے۔ میرا سوتیلا باپ چاہتا ہے کہ میں مر جاؤں تاکہ وہ میری بیٹیوں سے دھندا کرائے اور بہت سے پیسے کمائے۔ اس نے میری شلوار کے اندر کوئی جادوئی پاؤڈر چھڑکا ہے جس وقت میں اندر نہا رہی تھی''...... ناقابل وضاحت کی وضاحت کر دی گئی۔ اب ماہا کو صرف یہ کرنا ہے کہ وہ اس کالے جادو کو کاٹ دے اور زندگی دوبارہ اسی خوشحال ڈگر پر واپس آ جائے۔ زندگی کی خوشیاں واپس پانے کی قیمت اگرچہ کچھ زیادہ ہے۔ اگلے دن صوفی صاحب جادو توڑنے کے کام کا آغاز کرنے والے ہیں اور ان کی فیس 5000 روپے ہوگی۔

جادو، سحر اور نظر لگنا ہیرا منڈی کے لوگوں کی زندگی کی ساخت میں اہم مقام رکھتا ہے اور ماہا کی زندگی

حسد آمیز عداوتوں، صوفیوں، جادوگروں سے بھری ہوئی ہے۔ ماہا کے گھر میں آنے والے پیر کی طرح کے پیروں کا محلے میں روز کا آنا جانا ہے۔ وہ صوفیوں کے وارث ہونے کے دعویٰ گو ہیں جن سے انہوں نے خصوصی طاقتیں ورثے میں پائی ہیں۔ ان پیروں میں کچھ بے حد مذہبی، کچھ کمال کے ماہر نفسیات اور کچھ مکمل فراڈیے ہیں۔ پاکستان بھر میں لوگ اپنی مصیبتوں میں ان پیروں کا سہارا لیتے ہیں اور ہیرامنڈی میں تو ان کی طلب اور بھی زیادہ ہے۔

پیروں کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کے پاس نوری علم ہوتا ہے، ایک ایسی نیکی اور صداقت کی طاقت جو خدا انہیں عنایت کرتا ہے۔ کالا علم اپنی نوعیت میں بالکل اس کے برعکس ہے۔ یہ شیطان اور بدروحوں کی عطا کردہ منفی قوتوں کا حامل تصور ہوتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ جادو بعض اوقات علمی ہوتا ہے۔ لیکن ہیرامنڈی میں جادو برا اور ہندو اور عیسائیوں کی روایت تصور ہوتا ہے۔ اس جادو کا جسم اور دماغ پر تباہ کن اثر پڑتا ہے کیونکہ اس کے بارے میں یہاں کے رہنے والوں کا عقیدہ ہے کہ یہ واقعی کارگر ہوتا ہے۔ جو پیر یہاں اکثر آتے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ وہ ان جادوٹونوں کو بھگانے اور ان کا توڑ کرنے کے ماہر ہیں۔ جادوگروں کے سحر کے بارے میں یہاں اعتقاد ہے کہ وہ سب سے زیادہ موثر ثابت ہوتے ہیں اور ماہا کے خیال میں اس پر بھی جادو کیا گیا ہے جس کے توڑ کے لیے وہ پیر کی بھاری فیس ادا کر رہی ہے۔

خوش قسمت ہونا اور اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے مقابلے میں خوش وخرم زندگی گزارنا جادوگری کی نظر کرم کے طفیل تصور ہوتا ہے۔ جادوٹونے کی صنعت کو حسد اور جلن نے اور مضبوط کر دیا ہے۔ جب کوئی عورت نیا مرد کرتی ہے، نئے کپڑے پہنتی ہے یا نیا زیور خریدتی ہے تو وہ سمجھتی ہے کہ دوسری عورتیں اس سے جلیں گی۔ وہ عورتیں جو جلتی ہیں وہ ان پر بری نگاہ ڈالتی ہیں اور زیادہ جلن میں مبتلا عورتیں پھر ان پر جادو کراتی ہیں تا کہ انہیں نقصان پہنچا سکیں۔ جادو عموماً ہیرامنڈی سے باہر کی عورتیں کراتی ہیں لیکن یہاں جادو کا اثر اس لیے زیادہ ہوتا ہے کہ یہاں کی عورتیں، خارج کردہ کمیونٹی میں برائی کی زندگی گزارتی ہیں۔

ماہا کو اپنی ماں کے حسد کا خوف ہے اور اس کے پاس فکرمندی کی ٹھوس وجوہات ہیں۔ ماہا کنجر ضابطوں اور اصولوں کی انکاری ہے کیونکہ پہلے اس نے سیّد شوہر کے لیے ہیرامنڈی چھوڑی اور یوں اس کا خاندان اس کفالت سے محروم ہوا جو وہ دھندا کرنے کی صورت میں انہیں دے سکتی تھی۔ جب ماہا اچھے سے ایک گھر میں شفٹ ہوگئی تو اس کا خاندان ہیرامنڈی میں ہی رہا۔ ماہا سوچتی ہے اور غالباً اس کا خیال ٹھیک ہی ہے کہ اس کی ماں ہمیشہ اس فیصلے پر جلتی رہی ہے اور اب وہ ماہا کی بیٹیوں کی جوانی دیکھ کر کڑھتی ہے جو اب دھندا کر کے اپنی دادی کے بڑھاپے کا سہارا بن سکتی ہیں۔

ماہا کو ان منتروں اور ٹونکوں کا بھی خیال رہتا ہے جو عدنان کی بیوی بقول اس کے، اس پر کرا رہی ہے۔ پیر کے مطابق اور آس پاس کی اکثر مقامی عورتیں بھی کہتی ہیں کہ عدنان کی بیوی پشاور کے ایک ہندو جادوگر

سے جادو کرا رہی ہے جس نے عدنان کو اس کا غلام بنا رکھا ہے۔ اس ہندو جادوگر نے ممتاز کو ایک سپیشل گُر دے رکھا ہے اور ماہا کو یقین ہے کہ وہ گُر کام کر رہا ہے۔ اس کے مطابق ممتاز عدنان کے کھانے اور مشروب میں اپنی ماہواری کا خون ملاتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی بیوی کا بے دام غلام بن کر رہتا ہے۔

ماہا کی دنیا میں بدشگنیاں قدم قدم پر ہیں۔ مردوں کی روحیں، جنہیں بھوت کہا جاتا ہے وہ انسانی زندگی میں خوف اور بدقسمتی لاتے رہتے ہیں۔ یہ بھوت گھروں اور اندھیری جگہوں پر قیام کرتے ہیں۔ ماہا جانتی ہے کہ یہ سرد، دھندلی روحیں کہاں رہتی ہیں اس لیے ہم جب قبرستان یا ایسی جگہوں سے جہاں بڑے گناہ یا جرم ہوئے، گزرتے ہیں تو اپنے قدم تیز کر لیتے ہیں۔ ماہا جب مجھے جادو کے اثر میں محسوس کرتی ہے تو وہ مجھے بتاتی ہے کہ اس سحر سے نکلنے کا کیا طریقہ ہے۔ وہ ہر وقت میری مدد پر کمربستہ تیار ملتی ہے۔

روشنائی گیٹ میں کچھ لوگ خصوصی پاپڑ بیچتے ہیں۔ یہ پاپڑ گرم ہوتے ہیں اور اخبار کے ٹکڑوں میں رکھ کر بیچے جاتے ہیں۔ یہ پاپڑ ان نوجوان لڑکیوں کے لیے ہیں جو سستے چکلوں پر بہت زیادہ گاہکوں سے ہمبستری کرتی ہیں۔ یہ گاہک مردانہ طاقت کے لیے ان پاپڑوں کو استعمال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ افغانستان کی طالبان حکومت نے افیم اور ہیروئین کی جو بڑی مقدار پاکستان میں درآمد کی ہے وہ ان پاپڑوں کے ذریعے بھی فروخت ہو رہی ہے۔ ایک بار جب میں ایک قریبی قحبہ خانے میں موجود تھی تو میں نے بھی یہ پاپڑ کھائے اور ان کے اوپر چائے پی لی۔ میں اس بات سے مکمل طور پر بے خبر تھی کہ ان میں دیسی منشیات سے کہیں زیادہ نشہ تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ہی میں مختلف دنیاؤں میں گھوم رہی تھی...... کبھی اپنے بچوں سے بیٹھی گپیں ہانک رہی تھی، کبھی برازیل کے دورے پر، کبھی سپر مارکیٹ سے ٹماٹر خرید رہی تھی، تو کبھی فرانس کی روشن جگمگ سڑکوں پر اپنی کار چلا رہی تھی...... کئی دنوں تک ماہا کی حفاظت میں رہی، اور جس لمحے میں ہیرامنڈی کی حقیقی دنیا میں واپس پلٹی تو ماہا نے مجھے پانی کا ایک گلاس دیا۔ وہ رو رہی تھی اور خدا سے دعا مانگ رہی تھی کہ اس کی بہن کی حفاظت کرے۔ ایک بار میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ وہ میرے سر پر سے گوشت کا ایک پیکٹ گول گول گھما کر میرا صدقہ دے رہی ہے۔ دوسری بار آنکھ کھلی تو وہ انڈا گھما رہی تھی۔ بعد میں جب میں جاگی تو میں نے دیکھا کہ میرے چہرے سے فقط 3 انچ اوپر کالی مرغی لٹک رہی تھی، اس کی چونچ کھلی ہوئی تھی، آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں اور پَر پھڑ پھڑا رہے تھے۔ ہر بار وہ یہ چیزیں بالکنی کی طرف لے جاتی اور انہیں پوری طاقت کے ساتھ صحن سے باہر پھینک دیتی۔

جب میں مکمل طور پر اپنے حواس میں آ گئی تو میں نے پوچھا کہ وہ کیا کر رہی تھی۔ وہ مجھے لے کر بالکنی کی طرف آئی اور سامنے موجود ایک بڑے دلال مشتاق کے گھر کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

''اس نے تمہیں دیکھا تھا جب تم یہاں بیٹھی تھی اور نیشا تمہارے سر کی جوئیں دیکھ رہی تھی۔ تم نے دوپٹہ نہیں پہن رکھا تھا۔ اس نے تمہارے سنہرے بالوں کو دیکھا اور تم پر شیدا ہوگیا۔ اسی نے تم پر جادو کرایا ہے۔''

اسے یہ بھی یقین تھا کہ مجھے منشیات زیادہ تعداد میں کھلائی گئی ہیں مگر پھر بھی وہ اس بات پر دل سے قائل تھی کہ کسی بری روح نے مجھے یہ زہریلے پاپڑ کھانے پر مجبور کیا تھا۔ جو گوشت اور مرغی مجھ پر وار کر دلال کے گھر کی طرف پھینکے گئے تھے وہ جادو توڑنے کے لیے تھا۔ میرے لیے یہ بات ناقابل فہم تھی کہ اگر مشتاق میرا متمنی تھا تو اسے مجھے بیمار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ماما نے اس کی وضاحت کی: ''وہ بدتمیز ہے۔ جادو یقیناً غلط ہو گیا ہے۔''

❀❀❀

زیادہ محبت ـــــ زیادہ دولت

موسم سرما نومبر 2000ء ـــ جنوری 2001ء

تین مہینے کے بعد میں پھر آ گئی ہوں اور واپسی کی مجھے بہت خوشی ہے۔ نومبر میں لاہور کا موسم اتنا ہی خوشگوار ہوتا جتنا یہاں کے موسمی حالات میں ہو سکتا ہے۔ دن روشن اور گرم جبکہ راتیں ٹھنڈی۔ جسمانی کام کر کے سانس نہیں پھولتی اور اس کا اندازہ لاہوریوں کی گلیوں میں موجودگی سے ہوتا ہے جو یہاں چل پھر رہے ہوتے ہیں۔ میں بھی بہت زیادہ چلتی ہوں۔ سواریوں سے بھرے رکشوں اور تانگوں نے آج پرانے لاہور کی سڑکوں پر خوب اژدہام مچایا ہوا ہے۔ کپڑے کی مارکیٹ کے سامنے سڑکیں لوگوں اور گاڑیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ایک دکان کے سامنے گاڑی پھنسی ہوئی ہے جبکہ دوسری طرف سے آنے والا رکشہ اس کے سامنے موجود ہے اور نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان دونوں گاڑیوں کے پیچھے ٹرکوں کی ایک لمبی قطار لگی اور پیدل چلنے والوں کے لیے بھی راستہ نہیں ہے۔

لاہور کی سڑکوں پر پیدل چلنے والے گاڑیوں کی سڑک پر موجودگی سے شاذ ہی خوفزدہ ہوتے ہیں۔ وہ اس بے خوفی سے سڑکیں کراس کرتے ہیں کہ گویا انہیں اپنے ناقابلِ فنا ہونے کا یقین ہے۔ تیزی سے چلتی گاڑیوں کے باوجود لوگ سڑکوں کے درمیان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بڑی گاڑیوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں، مرکزی سڑکوں پر رکشوں کی تیز رفتار کے باوجود ان کے آگے پیچھے سے دوڑ کر گزر جاتے ہیں اور جہاں کہیں بھی ٹریفک کے اژدہام میں انہیں تھوڑی سی جگہ ملتی ہے خود کو درمیان میں پھنسا لیتے ہیں۔ دوپہر کے وقت ایک خاتون کو دیکھا جو سڑک کراس کرنا چاہتی ہے اور دیر ہونے کی شکایت کر رہی ہے۔ تھوڑی دیر شکایت کرنے کے بعد وہ بغلی گلی سے راستہ بنا کر گزر گئی۔ گلی میں گزرتے ہوئے وہ ایک گاڑی اور سموسوں کی ایک ریڑھی کے درمیان پھنس گئی جس پر رکھے بڑے سے برتن میں گھی کھول رہا ہے۔

ایک گدھا گاڑی سبزی کی ریڑھی کے پیچھے پھنسی ہے۔ گدھے نے مناسب موقع دیکھ کر اپنا منہ سبزی میں گھسیڑ دیا۔ گدھا گاڑیوں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان پر ہمیشہ ہی ضرورت سے زیادہ سامان لدا ہوتا ہے۔ گدھوں کی حالت عموماً اتنی پتلی ہوتی ہے کہ ان کی ساری ہڈیاں با آسانی دیکھی جا سکتی ہیں اور ان پر بہت

زیادہ بوجھ اور موٹا سا ساربان موجود ہوتا ہے۔ جوں ہی ٹریفک چلی گدھے نے اپنے نتھنے پھلائے اور آگے چل پڑا۔ پیٹیوں کا ایک مینار گدھا گاڑی پر لدا ہے۔ غریب جانور انتہائی مشکل میں ہے۔ اس کی لگامیں ان زخموں کی وجہ سے ڈھیلی ہو چکی ہیں جو لگام اور جلد کی باہمی رگڑ سے پیدا ہو گئے ہیں۔

پرانے قلعہ بند لاہور کی گلیاں اتنی الجھی ہوئی ہیں کہ میں اکثر یہاں بھٹک جاتی ہوں اور ہیرامنڈی میں اپنے مکان تک پہنچنے کے لیے اکثر مجھے کسی سے راستہ پوچھنا پڑتا ہے۔ بے شمار گلیاں اور ناقابلِ شناخت چھوٹی گلیاں بڑی اور ایک جیسی عمارتوں کے درمیان یوں الجھی ہوئی ہیں کہ اکثر میں راہ بھٹک جاتی ہوں۔ جب ایک ہی قصائی کی دکان کے سامنے سے میں ایک گھنٹے میں تین بار گزری تو میں نے جان لیا کہ آج بھی میں رستہ بھٹک گئی ہوں۔ قصائی نے بکریوں کے سر اپنی ریڑھی پر بڑی مہارت اور صفائی سے لٹکا رکھے ہیں۔ دل گردے، سری پائے پرانے لاہور کی خصوصی غذائیں ہیں اور یہاں پر اتنی مشہور ہیں کہ لوگ دور دور سے یہاں آتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ بہت لذیذ غذا ہے اور اکثر تقریبات میں مینو کا حصہ ہوتی ہے لیکن میں کبھی بھی خود کو یہ کھانا کھانے پر تیار نہیں کر سکی ہوں۔

سبزی خور پاکستان میں بہت کم ہیں۔ غریب لوگ مجبوری کے سبزی خور ہیں اور اگر کوئی شخص یہاں افورڈ کر سکتا ہے تو وہ گوشت ہی کھائے گا۔ گوشت یہاں بہت زیادہ کھایا جاتا ہے اور اکثر شوربے والا ہوتا ہے جس میں گھی کی کافی مقدار موجود ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ دال میں بھی یہاں گوشت ڈالا جاتا ہے۔ اکثر ان کھانوں سے بچنے کے لیے میں کہہ دیتی ہوں کہ میں سبزی خور ہوں۔ یہ سن کر لوگ مجھے ایسے دیکھتے ہیں جیسے مجھ میں کوئی خاص کمی ہے...... غذائی کمی کے علاوہ کوئی اور............

ماہا نے میری واپسی کی خوشی میں خصوصی ضیافت کا اہتمام کیا ہے جس میں گوشت سے بنے کھانے تیار کیے ہیں۔ یہ بالکل موسمی ہے، گوشت نرم ہے اور ماہا نے اس میں گھی کے کئی چمچے ڈالے ہیں۔ ماہا اپنے معمول کے لباس میں ہے، میک اپ سے بھرپور اور ہر قسم کے زیور سے سجی۔ کھانا انتہائی لذیذ ہے۔ ایسا لذیذ کہ حواس اس سے ہار ماننے پر مجبور ہیں۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے میں ہیرامنڈی سے کبھی دور ہی نہیں گئی تھی۔ میری عدم موجودگی میں یہاں کچھ تبدیلیاں آئی ہیں۔ موسم بدل چکا ہے۔ بچے کچھ بڑے ہو گئے ہیں، شیعہ امام بارگاہ جو زیرِ تعمیر تھی اس میں کچھ ترقی ہوئی ہے۔ قحبہ خانوں میں کچھ نئی لڑکیاں آ گئی ہیں اور اقبال ہیرامنڈی کی ایک اور طوائف کی پینٹنگ بنا رہا ہے۔ اس کے علاوہ شادیوں، پیدائشوں، اموات، قتل اور زنا کی کئی خبریں بھی ہیں۔ نئے سرپرست اور پرانے سرپرستوں کے چھوڑ جانے کے قصے۔ لیکن اس سب کے باوجود محلہ ناقابلِ تغیر ہی رہتا ہے۔ زندگی کو یہاں وہی مسئلے ہیں اور اسی طرح کی عورتوں کے ایک ہی طرح کے مسئلے اور ان کا ایک ہی جیسا حل۔ ماہا نے اس دوران جب میں انگلینڈ میں تھی ایک نیا جوڑا بنا لیا ہے لیکن اس کی روح آج بھی وہی ہے، خوشی اور غصے کے درمیان، ظلم اور محبت کے درمیان الجھی ہوئی۔

آجکل میں دو مختلف دنیاؤں میں رہ رہی ہوں اور لطف کی بات یہ ہے کہ میں خود کو دونوں ہی دنیاؤں کا حصہ محسوس نہیں کرتی۔ جب گھر ہوتی ہوں تو برمنگھم کے نواح میں رہتی ہوں، بچے سکول چلے جاتے ہیں، میں وہاں شاپنگ کرتی ہوں، یونیورسٹی کے اپنے دفتر میں بیٹھتی ہوں اور طالبعلموں کو پڑھاتی ہوں...... مگر اس کے باوجود ___ میری روح کا ایک حصہ محلے میں ہی موجود ہوتا ہے۔ میں خود کو چھت پر بیٹھی، گلیوں میں چلتی اور رات میں ہیرامنڈی کے بازاروں میں گھومتی، محسوس کرتی ہوں۔ میں دیکھتی ہوں کہ میں ماہا کے ساتھ لیٹی ہوں اور چکلے کے زندگی کا مشاہدہ کر رہی ہوں جبکہ اس کا خاندان ماہا کے پسندیدہ کمرے میں گدے پر لیٹا ہے۔

اس کے باوجود جب میں یہاں ہوتی ہوں تو میرا درجہ باہر سے آنے والے ایک غیر ملکی کا ہوتا ہے۔ ایک مغربی عورت کے طور پر، جب تک میں باقاعدہ پردے میں ہوں تو مجھے تحفظ حاصل ہوتا ہے کیونکہ میں خود اعتماد ہوں۔ میں نے فرض کر لیا ہے کہ میں کسی مضبوط آدمی کی پناہ میں ہوں جو مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرنے والوں کو تہس نہس کر دے گا۔ پاکستان میں اشرافیہ طبقے کی عورتیں بھی اسی احساس تحفظ سے لبریز ہیں، اور پھر میری مدد تو محلے کی عورتیں بھی کرتی ہیں۔ وہ اپنے گاہکوں اور محلے والے مردوں کو مسلسل یہ یاد دہانی کراتی رہتی ہیں کہ میں ایک عزت دار خاتون ہوں اور کوئی میرے نزدیک نہ آئے۔

لیکن میرے دور کے طویل ہونے کے باعث جو میرا غیر ملکی ہونے کا احساس ہے وہ آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا ہے، اور وہ دلال جو مجھ سے ہمیشہ ایک فاصلے پر رہتے تھے اب کچھ قریب آنے لگے ہیں۔ کیونکہ میں یہاں اکثر دیکھی جاتی ہوں، کافی دیر تک کنجریوں کے ساتھ بیٹھتی ہوں اور میرا خوبصورت دوپٹہ اور شلوار قمیض بھی لاہور کے سخت لانڈری سسٹم کی وجہ سے پھٹ رہا ہے۔

ایک دھوبی میرے گھر سے دھلائی کے لیے کپڑے لے جاتا ہے۔ وہ تمام کپڑوں کو ایک بڑی سی چادر میں جمع کرتا ہے اور پھر اسے دھوبی گھاٹ لے جاتا ہے۔ وہ ان کپڑوں کو صابن کے پانی میں کافی دیر بھگوتے ہیں پھر انہیں پٹختے ہیں، نچوڑتے ہیں اور یہ عمل تب تک جاری رہتا ہے جب تک ان کپڑوں سے ساری میل نہ نکل جائیں۔ مگر اس سارے عمل کا ایک منطقی نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ کپڑے مہین ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا رنگ بھی پھیکا پڑنے لگتا ہے اور ان کپڑوں پر دوسرے کپڑوں سے اترا ہوا رنگ بھی اپنا کچھ اثر چھوڑ جاتا ہے۔ میری شلوار قمیض ہر بار جب دھل کر آتی ہے تو وہ کچھ اور مدہم ہو چکی ہوتی ہے اور اس کی سلائی کے دھاگے بھی اتنے غیر محفوظ ہوتے جا رہے ہیں کہ کسی جھکاؤ تناؤ میں ان کے ادھڑنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ اگر ایسا کہیں باہر ہوا تو یہ ایسے ہو گا جیسے میں پھانسی گھاٹ پر کھڑی ہوں اور شاید کچھ غیر محفوظ اور حملے کی زد میں بھی آ سکتی ہوں۔ اگر ایک بار میرے غیر ملکی ہونے کی خلیج پاٹ لی گئی تو پھر میں ایک آسان شکار ہو سکتی ہوں اور کسی بھی گلی میں کسی بھی قسم کے خطرے سے...... قتل اور ریپ...... میرا پالا پڑ سکتا ہے، جیسا کہ ہیرامنڈی کی عورتوں کے ساتھ اکثر ہوتا رہتا ہے۔ موٹے اور خوبصورت نظر آنے والے دلال مشتاق نے اب مجھے کہنا

شروع کر دیا ہے کہ کسی دن آ کر اس کے ساتھ شراب پیوں۔ ماہا کا ایک کزن جو ایجنٹ کا کام کرتا ہے اس نے بھی یہ افواہیں پھیلانا شروع کر دی ہیں کہ میں شراب پیتی ہوں اور میرے مردوں کے ساتھ تعلقات ہیں۔ ماہا نے ان افواہوں کا سختی سے نوٹس لیا ہے اور اپنے کزن کو بھی خوب آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ وہ اسے کہتی ہے کہ اس کی بہن یعنی میں ایک عزت دار خاتون ہوں۔

اب میں جب محلے کے دورے کے لیے نکلتی ہوں تو کچھ خوفزدہ ہوتی ہوں۔ جب میں شروع میں یہاں آئی تھی تو پُرجوش بھی تھی اور بہادر بھی مگر محلے کی زندگی نے میرے اندر کی وہ ساری بہادری مجھ سے نکال دی ہے۔ مجھے ہر جگہ مشکلات کے آثار نظر آتے ہیں۔ میں محلے کی زندگی کا گہرائی سے مشاہدہ بھی کر رہی ہوتی ہوں اور ساتھ ہی اس کوشش میں بھی ہوتی ہوں کہ مردوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے نہ دیکھوں۔

ایک ہفتے بعد ہی میں اپنا زیادہ وقت کمرے میں گزارنے لگی ہوں جہاں میں سارا دن بیٹھ کر اپنے گھر والوں کو ایس ایم ایس کرتی ہوں، اور ہیرا منڈی کے گنجان علاقوں میں جانے سے کتراتی ہوں جہاں مجھے اپنے سنجیدہ تحقیقی کام کی وجہ سے ہونا چاہیے۔ دوپٹہ جسے میں شروع میں غلامی کی علامت سمجھتی تھی اب میرا بہترین دوست ہے۔ مجھے اب یہ پسند ہے اور اب میں اس کے بغیر باہر گلی میں نہیں نکلتی۔ باہر جانے سے پہلے میں اسے کس کے سر پر باندھ لیتی ہوں۔ محلے کے پوش حصے میں مکمل پردے کے ساتھ عورتوں کے نکلنے کا رواج نہیں ہے۔ جب کبھی میں دوپٹہ اتارتی ہوں تو عدم اطمینان کا شکار ہو جاتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے جیسے کسی چیز کی کمی ہے اور اب میں سوچتی ہوں کہ جب میں یہاں دو چار مہینے گزار کر اس کی عادی ہو چکی ہوں تو وہ عورتیں جنہوں نے ساری عمر پردے میں گزاری ہے، انہیں اگر آزادی دے بھی دی جائے تو وہ آسانی سے پردے کی اس روایت کے خاتمے پر تیار نہ ہوں گی۔

لیکن ایک بات تو طے ہے کہ اب بھی بنیادی اور اہم ترین حوالے سے میں ایک غیر ملکی ہوں اور کسی بھی وقت اپنا سامان سمیٹ کر کسی بھی عام سیاح کی طرح واپس اپنے وطن لوٹ سکتی ہوں۔ مجھے وہ آزادی بہت لطف دیتی ہے جس کا یہاں کی عورت تصور بھی نہیں کر سکتی۔ پچھلے مون سون کے موسم میں جب میں یہاں سے جانے کا سوچ رہی تھی تو ماہا بہت پریشان ہوئی تھی۔ اس نے دکھ بھرے انداز میں کہا تھا:

''لوئیس! تم ایک خوبصورت پرندے کی طرح ہو، تم یہاں اڑتی ہو، نغمے گاتی ہو جس کی وجہ سے میں خوشی کے احساس سے لبریز رہتی ہوں۔ لیکن پھر تم اڑ کر یہاں سے چلی جاتی ہو۔ اپنے نغمے کسی اور جگہ جا کر بکھیرتی ہو..... لیکن میں ہمیشہ یہیں پڑی رہوں گی۔''

لال شہباز قلندر

حضوری گیٹ کے سامنے درجن بھر بسیں کھڑی ہیں جن کی چھتوں پر بستر اور قالینوں کے بڑے بڑے

بنڈل رکھے ہوئے ہیں۔ یہ بسیں صبح لال شہباز قلندر کے عرس کے سلسلے میں ہونے والی تقریبات میں شرکت کے لیے نکلیں گی۔ لال شہباز قلندر تیرہویں صدی کے ایک اہم صوفی بزرگ تھے۔ جن کا مزار لاہور کے جنوب میں 800 کلومیٹر دور سہون میں واقع ہے۔ سہون وادی سندھ کے علاقے صوبہ سندھ کے زیریں علاقے میں ایک مقام ہے۔ ہیرا منڈی کی عورتیں اس بزرگ کو اپنا محافظ تصور کرتی ہیں۔ لال شہباز ایک قلندر تھے جو صوفی روایات کے عین مطابق ہمیشہ سفر میں رہتے تھے۔ انہیں لال اس لیے کہا جاتا ہے کہ روایت کے مطابق وہ ہمیشہ لال چغہ پہنے رہتے تھے۔ دوسرے قلندروں کی طرح وہ بھی قدرے غیر روایتی تھے، وہ بھنگ پیتے تھے تا کہ اپنی روحانیت کو انتہا تک پہنچایا اور ماورا سے تعلق پیدا کیا جا سکے۔ وہ درویش بھی تھے جو خدا کی قربت کے حصول کے لیے رقص کرتے کرتے وجد میں آ جاتے تھے۔

لال شہباز قلندر جہاں گردی کرتے کرتے ہندوؤں کے مقدس مقام کے حامل ایک علاقے سہون میں رکے جہاں شِو النگ کی پوجا کی جاتی تھی۔ ہندو روایات صوفیانہ روایات کے ساتھ ہمیشہ جڑی رہی ہیں اور انہیں آج تک مکمل طور پر ختم نہیں کیا جا سکا ہے۔ رچرڈ برٹن جدید سفرنامہ نگاروں کے پیشوا ہیں۔ جب اس نے 1840ء میں سہون شریف کا دورہ کیا تو اس حوالے سے اپنے سفرنامے میں ذکر کیا کہ لال شہباز قلندر کے مزار کو ہر سال ایک لڑکی وقف کی جاتی تھی۔ یہ روایت ہندو مزاروں پر داسیوں کو دان کرنے کے مترادف تھی۔

عرس کی تقریبات سننے میں اداس لگ سکتی ہیں لیکن صوفی روایات میں موت کی وصال رب کے طور پر تشریح کی جاتی ہے اور یوں یہ ایک قسم کی شادی کی تقریب بن جاتی ہے۔ لال شہباز قلندر کے حوالے سے یہ روایت اور بھی مستحکم اور شدید نظر آتی ہے۔ ان کی موت ایسے ہی قرار پائی جیسے کسی ایسی بیوی سے ان کا وصال ہوا ہو جو کبھی زمین پر نہیں آئی۔ ہیرا منڈی کی طوائفیں سہون شریف اس لیے جاتی ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ قلندر خدا کے حضور ان کے حق میں سفارش کرے گا۔ وہ اس لیے بھی وہاں جاتی ہیں کہ کچھ دھندا کر سکیں۔

محلے کی غریب ترین عورتیں اور وہ لونڈیاں جو اپنے دلالوں کے شدید کنٹرول میں ہوتی ہیں وہ لال شہباز قلندر کے میلے میں نہیں جا پاتیں کیونکہ ان میں سے اکثریت کے پاس رقم نہیں ہوتی اور دوسری قسم کی عورتوں کو وہ آزادی حاصل نہیں ہوتی۔ باقی عورتوں کے لیے عرس کی تقریبات چھٹیوں کی مانند ہوتی ہیں جس کی تیاری وہ مہینوں پہلے شروع کرتے ہیں۔ میں اور ماہا بھی لال شہباز قلندر کے عرس پر جا رہی ہیں کیونکہ ہم نے سنجیدہ سی کچھ دعائیں مانگنی ہیں۔ مجھے ماہا نے کہا کہ میں شوہر کے لیے دعا مانگوں جبکہ وہ خود اپنے شوہر کی واپسی کے لیے دعا مانگنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

اچھی قسم کی بسیں حضوری گیٹ پر کھڑی ہیں جن کی کھڑکیوں کے شیشے کچھ سیاہ ہیں اور جن کی دونوں اطراف میں کئی قسم کے رنگ کیے گئے ہیں۔ تھرڈ کلاس، پرانی اور سستی نوعیت کی بسوں کی نشستیں ایسی ہیں کہ

جن پر کمر سیدھی نہیں ہو سکتی ہے، چلتے ہوئے پوری گاڑی کا ڈھانچہ ہلتا رہتا ہے اور ان کی کھڑکیوں پر شیشے بھی ایسے ہیں کہ جو نہ بند ہو سکتے ہیں اور نہ ہی کھل سکتے ہیں۔ جن زائرین کی جیب اجازت نہیں دیتی وہ انہی بسوں کو سفر کے لیے منتخب کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ تین دن پر مشتمل ایک طویل سفر ہے اس لیے ہم لوگوں نے بسوں کی بجائے ٹرین کو سفر کے لیے منتخب کیا ہے۔ ٹرین ان سے زیادہ تیز ہے اور پھر 24 گھنٹے کے اس طویل سفر کے دوران ہم لوگوں نے ہلے گلے کا پروگرام بھی بنا رکھا ہے۔ ماہا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ ٹرین میں ہم گانے گائیں گے، مزے کے کھانے کھائیں گے اور ہوش اڑانے والی بوٹی کی بھنگ بھی پئیں گی۔ ٹرین میں سفر کرنے کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں باتھ روم ہوتے ہیں اور بھنگ پینے کے بعد واش روم کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے۔

ماہا ہر سال یا ہر دو سال بعد سہون شریف جاتی ہے۔ وہ سہون جانے کی تیاریوں میں مگن ہے اور ماں جی بھی اس کی مدد کے لیے اب نہیں ہے۔ پچھلے مہینے اماں جی کا برسوں سے گم شدہ ایک شوہر ہیرا منڈی میں آیا اور اس تندی سے اس کے ساتھ زنا کیا کہ وہ چلنے پھرنے سے بھی بیٹھ گئی جب ماہا نے مجھے ماں جی کی کہانی سنائی تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ چند دن بعد ماں جی آدھی رات کے وقت بغیر کسی سے کچھ بات کیے چلی گئی اور ماہا کا ایک دوپٹہ بھی ساتھ لے گئی کیونکہ اس کے پاس ایک ہی پرانا سا پھٹا ہوا دوپٹہ تھا۔ مجھے یہ اس لیے بھی یاد ہے کہ ایک بار ماں جی نے مجھ سے میرا کوئی پرانا دوپٹہ مانگا تھا اور جو میں انہیں دینا بھول گئی تھی۔ مجھے اماں جی کے جانے کا دکھ ہے مگر ماہا کو اس کا زیادہ ہی دکھ ہے کیونکہ خلیج جانے کا اس کا پروگرام خطرے میں پڑ گیا ہے۔ اب اس کی عدم موجودگی میں اس کے بچوں کا خیال رکھنے والا کوئی نہیں ہے۔

ماہا کا بیٹا معتذر اپنے پٹاخوں کے ذریعے ہماری توجہ منتشر کر رہا ہے کیونکہ ماہا ہمیں عظیم قلندر کی کہانیاں سنا رہی ہے۔ ہیرا منڈی کے تمام لڑکوں کی پسندیدہ چیز وہ پٹاخے ہیں جو وہ اکثر پھوڑتے رہتے ہیں۔ یہ پٹاخے پیکٹوں کی شکل میں ملتے ہیں اور کئی شکلوں میں دستیاب ہیں، چھوٹے چھوٹے پٹاخوں سے، جو آپ کو ڈرانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لے کر اتنے بڑے پٹاخے کہ گویا وہ کوئی بم ہوں اور یہ آپ کو بہرا بھی کر سکتے ہیں اور زخمی بھی۔ معتذر کے پاس درمیانے درجے کے پٹاخے ہیں۔ اس کے ناک پر موجود چھالا اور نیشا کے لباس پر موجود بڑا سا سوراخ اس کی شرارتوں کا ثبوت ہے۔

پٹاخوں کا دھواں پورے گھر میں پھیل گیا ہے اور ماہا چلا رہی ہے۔ معتذر نے پٹاخوں کا تھیلا اپنی جیب میں چھپا لیا اور منمناتے ہوئے بتایا کہ میں نے ٹرین کے لیے بھی کافی سارے پٹاخے لے رکھے ہیں۔ وہ یہ باتیں ان لڑکوں کو بتا رہا تھا جو اسے پٹاخے پھوڑتے دیکھ رہے تھے۔ جوں ہی اس نے ایک شرلی کو آگ دکھائی وہ تیزی سے اڑی اور اس میں سے کئی رنگ کی روشنیاں کمرے سے نکل کر صحن تک پھیلتی چلی گئیں۔ دوسرے لڑکے یہ دیکھ کر تالیاں بجانے لگے جبکہ دوسری طرف ماہا پیکنگ میں جتی رہی کیونکہ بچوں پر وقت

ضائع کرنے سے بہتر یہی تھا کہ بس پکڑ لی جائے۔

شہباز ایکسپریس میں

ہمارے پاس اتنا زیادہ سامان ہے کہ ہمیشہ کے لیے ہیرا منڈی کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ ماہا نے عدنان کو بھی اپنے ساتھ سہون لے جانے پر راضی کر لیا ہے جو ہمارا سامان اسٹیشن پر لے جانے کے لیے رکشوں کا ایک قافلہ لے آیا ہے۔ ہمارے پاس ایک قالین، ایک گدا، تکیے، کئی چادریں، چار کپڑوں کے تھیلے، کپڑوں میں لپٹے بے شمار ایلومنیم کے برتن اور سبزیوں، مرغی کے گوشت کے سالن موجود ہیں۔ ماہا پچھلی ساری رات یہ کھانے تیار کرتی رہی۔ تاکہ کوئی بھی شخص سفر کے دوران بھوکا نہ رہے۔

ہم نے وہ خصوصی ٹرین پکڑنی ہے جو خاص طور پر لاہور سے کراچی کے لیے عرس کی تقریبات کے سلسلے میں چلائی گئی ہے۔ وہاں ایسی پانچ یا چھ ٹرینیں تھیں اور تمام کی تمام لوگوں اور سامان سے کھچا کھچ بھری تھیں۔ اپنی سیٹوں پر بیٹھنے اور سامان رکھنے میں ہمیں اچھی خاصی دھکم پیل اور مشکلات سے گزرنا پڑا ہے۔ عدنان نے اوپر کی سیٹ پر رکھے سامان پر بیٹھنے کا فیصلہ کیا اور کپڑوں کے تھیلوں اور چادروں کے گچھے کے درمیان بیٹھا کوئی تیز چبھنے والا مائع لے رہا ہے، غالباً یہ ہیروئن کی کوئی قسم ہے۔

ڈبے کے ایک خانے میں تقریباً بیس لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے لیکن یہاں پر ہم تقریباً پینتیس لوگ ٹھنسے ہوئے ہیں۔ زیادہ تر نوجوان لڑکے ہیں جنہوں نے مغربی طرز کا لباس پہنا ہوا ہے۔ ماہا نے بتایا کہ یہ اکثر لڑکے ہیرا منڈی کے مراثی ہیں۔ غالباً وہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے کیونکہ ان کی اکثریت ہر دو منٹ بعد گانے گانا شروع کر دیتی ہے۔ ان کی نعتیں اور نغموں کی آواز آہستہ آہستہ مدہم ہوتی گئی جوں جوں بھنگ اور حشیش کا نشہ ان کے اندرونی نظام میں سرایت کرتا گیا۔

دھوئیں کے گہرے بادلوں نے پورے ڈبے کو ڈھانپ لیا ہے۔ ہم سب جو یہاں موجود ہیں نشہ کر رہے ہیں چاہے ہم کرنا چاہیں یا نہ کرنا چاہیں۔ کونے میں بیٹھے بوڑھے آدمی نے بوٹی تیار کرنا شروع کر دی ہے۔ بوٹی کوئی پرانی قسم کی گھاس سے مشابہ ہے۔ اس نے ایک ہاون دستے میں اسے ڈالا، کچھ نوجوان لڑکے بھی اس کے ساتھ رگڑائی میں اس کی مدد کر رہے ہیں۔ ایک بڑے سے کپڑے میں انہوں نے یہ رگڑی ہوئی چیز ایک برتن میں چھانی۔ برتن میں اسے حل کرنے کے لیے کچھ اور پانی ڈالا گیا اور پھر ہرے رنگ کا یہ پانی گلاسوں میں بھر بھر کر سب کو پیش کیا جانے لگا۔ اس کی خوشبو سونف سے ملتی جلتی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد تمام لوگ سیٹوں پر، نیچے فرش پر اور ایک دوسرے پر مدہوش پڑے تھے۔ اگلے ڈبے والوں کے پاس غالباً بوٹی نہیں تھی کیونکہ وہاں اگلے چار گھنٹوں تک عورتوں کے گانے اور مسلسل طبلوں کی آوازیں آتی رہیں۔

معتذر کے پٹاخے بوٹی پی کر بے سُدھ ہو جانے والوں کے لیے جاگنے کا ذریعہ ثابت نہ ہوئے۔ مگر نینا،

نیشا اور عریبہ زور سے چیخ پڑتیں جب وہ پٹاخے ان کی طرف پھینکتا۔ مردوں کے لیے یہ دلچسپ مشغلہ تھا، وہ بچے کی نہ صرف حوصلہ افزائی کررہے تھے بلکہ اسے ماچس اور مزید پٹاخے بھی دے رہے تھے۔

جب بھی ہم کسی اسٹیشن پر پڑاؤ کرتے وہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ مل کر پلیٹ فارم پر پٹاخے پھینکتا۔ لڑکوں نے اچھا خاصا اودھم مچایا۔ پلیٹ فارم پر چلتے راہ گیروں کی ٹانگوں میں پھٹنے والے پٹاخے انہیں رقص پر مجبور کردیتے۔ دو موٹے تازے سکھ پچھلے سٹیشن پر ان کی اس حرکت پر غصے میں آ گئے تھے مگر ہماری خوش قسمتی یہ رہی کہ ٹرین اسی وقت چل پڑی۔ جب ہماری گاڑی کسی گاؤں سے گزرتی تو معتذر اور اس کے نئے دوست غریب دیہاتیوں کی طرف پٹاخے پھینکتے۔ غالباً وہ لوگ جن پر یہ پٹاخے جا کر چھوٹتے یہی اندازہ لگا رہے ہوں گے کہ یہ ٹرین لال شہباز قلندر کے عرس کی طرف محوِ سفر ہے۔

معتذر کو اس جھاگ چھوڑتے نوجوان کی وجہ سے اپنی مشغولیت ترک کرنا پڑی۔ نوجوان آڑا ترچھا ہو رہا تھا، یوں لگتا تھا اس کے پورے جسم پر تشنج کی کیفیت ہے اور وہ خالی جگہ اور لوگوں کے پاؤں پر الٹیاں کیے جا رہا تھا۔ کسی نے بتایا کہ اس نے تیز پان کھایا ہے جو اسے راس نہیں آیا۔ میں بھی انہیں بتانا چاہتی تھی کہ مجھے اس شخص کی الٹیوں کی بدبو راس نہیں آ رہی۔

ماہا مجھے ایلومنیم کے برتنوں میں ڈلا کھانا زبردستی کھلا رہی ہے۔ اس نے اتنا زیادہ کھانا تیار کیا ہوا ہے جو پورے ڈبے کے لیے کافی ہوگا۔ لیکن وہ چاہتی یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ میں کھاؤں۔ کھانا مزیدار ہے مگر اس سے زیادہ نہیں کھایا جا سکتا، اور جہاں کہیں ٹرین اپنا پڑاؤ کرتی ماہا باہر پھیری لگاتے لڑکوں سے بھی چیزیں خرید رہی تھی۔ ہمارے پاس اس وقت مٹھائیاں، نمکو، ابلے انڈے، چپس، امرود اور کئی قسم کے بسکٹ اور نوڈلز موجود ہیں۔ اگر یہ سب مجھے یوں ہی کھلایا جاتا رہا تو میں بھی جلد ہی اس الٹی کرتے نوجوان کا ساتھ دے رہی ہوں گی۔

ماہا مجھ سے پوچھ رہی ہے "لوئیس تمہیں مزہ آ رہا ہے ناں!"

میں...... میں کھڑکی سے باہر دیکھے جا رہی ہوں۔ اس سے پہلے میں شاذ ہی پنجاب کے دیہاتوں کی طرف آئی ہوں۔ جہاں تک نظر جاتی ہے کھیت ہی کھیت نظر آ رہے ہیں۔ آلو، کپاس اور نہ جانے کتنی قسم کے کھیت جو میلوں میلوں پھیلے ہوئے ہیں۔ کسان کھیتوں میں کام کرتے نظر آ رہے ہیں۔ عورتیں بھی مردوں کے ہمراہ ٹولیوں کی شکل میں رنگ برنگے کپڑے اور ڈھیلے ڈھالے دوپٹے میں کام کر رہی ہیں۔

ماہا نے پھر پوچھا: "کیا بور ہو رہی ہو؟"

میں اسے کہتی ہوں کہ باہر کا نظارہ بہت خوبصورت ہے مگر وہ مجھ پر یقین نہیں کرتی۔ وہ سارے ہی کھڑکی سے باہر جھانکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا خوبصورت نظارہ تم دیکھ رہی ہو۔ اس میں کیا خوبصورت ہے؟ وہ سارے مجھے یوں دیکھ رہے ہیں گویا میں کوئی پاگل عورت ہوں۔

"یہ تو صرف گاؤں ہے" ماہا کہتی ہے۔ پھر ایک لمحے کے لیے تمام لوگوں کی توجہ اس دیوار پر گئی جس پر اُپلے سوکھ رہے تھے۔ وہ ہنستے ہیں، اس طرف اشارہ کرتے ہیں اور اپنے ناک کو پکڑ لیتے ہیں "وہ دیکھو گوبر......... کتنے گندے ہیں یہ لوگ۔"

کچھ دیر جھلکیاں دیکھنے کے بعد انہوں نے عدم دلچسپی کے احساس سے کھڑکیاں چھوڑ دیں اور پھر باتوں اور لڑائی جھگڑے میں مشغول ہو گئے۔ یوں لگ رہا ہے جیسے انہوں نے اپنی بند اور محدود ہیرامنڈی کی دنیا کو ٹرین کے اس ڈبے میں بسا لیا ہو۔

ڈبے میں ایئر کنڈیشنر نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں حشیش کے دھوئیں کے لیے کھڑکیاں کھلی رکھنی پڑ رہی ہیں۔ ریت اور گرد کے باریک باریک ذرات ہمارے ڈبے میں گھوم رہے ہیں۔ بوٹی والے بابے کی بوڑھی بیوی نے خود کو گرد اور ریت کے ذروں اور مردوں کی نگاہوں سے بچانے کے لیے لحاف میں لپیٹ لیا ہے۔ صرف اس کے نتھنے وہ واحد چیز ہیں جو رضائی سے باہر نظر آ رہے ہیں۔ وہ بے حس و حرکت لیٹی ہے اور جوں ہی کھڑکی سے روشنی کی کرنیں اس کے اوپر پڑی کالی رضائی پر پڑتی ہے تو گرد اور مٹی سے بنی تہیں نمایاں نظر آتی ہیں۔

ماہا اب کچھ پریشان لگ رہی ہے۔ غالباً جس طرح وہ سفر کرنے کا سوچ رہی تھی سفر ویسا نہیں کٹ رہا ہے۔ ماہا اور صوفیہ سیٹ کے ساتھ بنے زینوں پر کبھی اوپر تو کبھی نیچے اتر چڑھ رہے ہیں، اوپر پڑے گدوں کے ڈھیر پر وہ خطرناک انداز میں اچھل کود رہے ہیں۔ غالباً عریبہ سے کوئی غلطی ہوئی۔ میری سمجھ میں نہ آ سکا کہ آخر اس نے ایسا کیا کر دیا ہے جس پر اس کی ماں آگ بگولہ ہوئی۔ ویسے عریبہ کی صرف موجودگی بھی اس کی ماں کو غصہ دلانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ اس نے اپنی جوتی اٹھائی اور عریبہ کو بے تحاشا مارنے لگی۔ اس نے اسے اتنا مارا کہ بوٹی والا بابا جو بے سُدھ پڑا تھا وہ بھی اٹھ پڑا، اور غصے سے چیخ کر ماہا کو کہا کہ مارنا بند کرے۔

عریبہ کوئی ایک گھنٹے تک روتی رہی۔ اس کی بہنیں خاموش اور عدنان اوپر بے ہوش و بے سُدھ پڑا تھا۔

اب رات ہو گئی ہے اور ڈبے کی روشنیاں جلا دی گئی ہیں۔ ہم ایک اور سٹیشن پر آ کر رکے ہیں اور ماہا چائے والے ایک لڑکے سے چائے خرید رہی ہے۔ لڑکا چائے کے پیالے کھڑکی سے پکڑائے جا رہا ہے۔ یہ پیالے کاغذ سے بنے تھے اور پی آئی اے کی مہران پر لگی تھی۔ صوفیہ نے پہلا کپ تھاما مگر وہ اتنا گرم تھا کہ اس نے گرا دیا، گرم چائے ٹھیک میرے پاؤں کے اوپر گری۔ مجھے شدید تکلیف کا احساس ہوا اور میں نے سوچا کہ لازماً میری اوپر کی جلد جل گئی ہوگی۔

اس حادثے پر ماہا بہت جز بز ہوئی اور جوں ہی ہم سٹیشن سے چلے اس نے اپنے بیگ میں سے کوئی دبیز قسم کا کپڑا میرے پاؤں پر لپیٹ دیا۔ مجھے نہیں معلوم یہ کیا تھا مگر مجھے ایسا لگا جیسے میرے پاؤں ٹھنڈے ہو گئے ہیں۔ پھر اس کے بعد میرے نتھنوں سے اس چیز کی بو ٹکرائی۔ میں نے کہا: "ماہا یہ ٹوتھ پیسٹ ہے۔"

Scanned with CamScanner

اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا: ''ہاں! یہ پاکستان کی خاص دوا ہے ___ کولگیٹ!''

24 گھنٹے تک لکڑی کے سخت تختے پر، حشیش کے دھوئیں سے بھرپور ڈبے میں گزارنا میری برداشت کا امتحان لے رہا ہے۔ ایک نوجوان بتاتا ہے کہ بس ہم پہنچنے ہی والے ہیں۔ وہ پچھلے دو گھنٹوں سے یہی کہہ رہے تھے اور اب میں نے ان پر یقین نہ کیا۔

ہم سندھ کے صحرائی علاقوں سے گزر رہے ہیں، پھیلی پھیلی عمارتیں، کہیں کہیں اُگے سبزیوں کے کھیت صحرا میں نقطوں کی مانند لگ رہے ہیں۔ کچھ بنجر قسم کی چوٹیاں دور افق پر دکھائی دے رہی ہیں۔ اور پھر کسی نے کہا، ادھر دیکھو وہ سامنے سہون شریف نظر آ رہا ہے۔ ہر کوئی کھڑکی کی طرف دوڑا تا کہ صحرا کے درمیان موجود اس قصبے کی ایک جھلک دیکھ سکے۔ ڈبے میں عارفانہ گیتوں کا شور پھیل گیا۔ نوجوان چیخ رہے ہیں اور دعائیں مانگ رہے ہیں۔ ماہا نے اپنے ہاتھ دعا کے لیے پھیلائے اور آنسو اس کی آنکھوں سے اس کے گالوں پر موجود گرد میں راستہ بنانے لگے۔

سہون شریف

ٹرین کا فرش کوڑا کرکٹ، خوراک، کاغذوں، شاپروں اور جلے ہوئے پٹاخوں سے بھرا ہوا ہے۔ عدنان ٹخنوں تک کوڑے میں پھنسا غنودگی کے عالم میں قلیوں اور جوان لڑکوں کو ہمارا سامان اتارنے کا کہے جا رہا ہے۔ سٹیشن قصبے کے کنارے پر ہے، اس سے آگے ریتیلے ٹیلے ہیں جہاں سینکڑوں زائرین نے اپنے خیمے گاڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے دو چار کھوتے ریڑھے کرائے پر لیے جن پر ہم نے سامان رکھا اور خود ایک تانگے پر بیٹھ گئے۔

مین روڈ کے کنارے بے شمار خیمے لگے تھے جن میں دکانداروں نے اپنا سامان رکھا ہوا تھا۔ کہیں کباب بک رہے ہیں، کہیں یہاں کی روایتی مٹھائیاں تو کہیں شہباز قلندر کی بڑی تصویریں اور ان کے شہر کی ماڈلوں کی تصویریں۔ اس جگہ پر لوگوں کی بڑی تعداد موجود ہے اور سڑکیں لوگوں اور گاڑیوں سے کھچا کھچ بھری ہیں۔ ٹریفک میں زیادہ تر گھوڑے تانگے اور گدھا گاڑیاں ہیں، چند ایک کاریں بھی موجود ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ وہ غیر ملکی تھے، وہ بھی مقامی ہی تھے۔ ماہا نے اپنے ہاتھ بھینچتے ہوئے کہا: ''اتنے آدمی'' پھر اپنی چادر ایک ادا کے ساتھ درست کرتے ہوئے کہا: ''سارے ہی ہماری جانب دیکھ رہے ہیں۔''

سہون شریف بالکل ویسی ہی جگہ ہے جو میں نے بچپن میں سکول میں بائبل کی تصویری کہانیوں میں دیکھی تھیں۔ پست عمارتیں، سیدھی چھتیں اور صحرا کی وسعت۔ تمام گھروں کے گرد صحن ہیں اور کمروں کی چاروں اطراف اندر کو کھلنے والی کھڑکیاں۔ ہر گھر ایک چھوٹا سا قلعہ ہے جس میں کوئی بھی شخص نہیں جھانک سکتا۔

چند ہی سڑکیں صحیح سلامت ہیں۔ سیوریج اور گٹروں کا نظام زیرِ زمین نہیں ہے۔ عمارتوں کے ساتھ ساتھ ہی گندی نالیاں بہہ رہی ہیں جن میں کچرا، شاپر، گندگی پانی کے ساتھ بہہ رہی ہے۔ قصائی کا بزنس خوب چمکا ہوا ہے اور ان کے ہاتھ تیزی سے چل رہے ہیں جو زائرین کو گوشت بیچ رہے ہیں۔ قصائی کی دکانوں سے کئی سو میٹر دور تک بہتی گندی نالی کا پانی اس خون کی وجہ سے سرخ ہے جو قصائیوں کی دکانوں سے بہہ رہا ہے۔

ہمارا تانگہ وسطی قصبے تک جا سکا اور اس سے آگے ہمیں لوگوں کے ہجوم میں پیدل ہی چلنا پڑا۔ بوٹی والا بابا، اس کی بیوی ___ لحاف کے بغیر ___ بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ میرا خیال ہے عدنان کو معلوم ہی نہیں کہاں جانا ہے؟ ہم طویل عرصے تک چلتے رہے اور راستے میں آنے والے گھروں کے اندر جھانکتے رہے۔ غالباً وہ کوئی ایسی جگہ ڈھونڈنے کی کوشش میں تھا جہاں ہم اپنا بوریا بستر لگا سکتے۔

عرس کی تقریبات کے دوران سہون شریف کے اکثر رہائشی اپنے گھروں کے کمرے کرایے پر دیتے ہیں۔ وہ اپنے صحن میں خیمے لگاتے ہیں۔ سستے خیموں میں لوگوں کی بڑی تعداد ٹھنسی ہوتی ہے۔ بعض خیموں میں تو سینکڑوں لوگ گھسے ہوتے ہیں۔ عارضی غسل خانے کونے میں بنائے جاتے ہیں جو ایک زمینی سوراخ کے گرد پردے ٹانگ کر بنائے گئے ہوتے ہیں اور سوراخ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ پہلے ہی ابل رہا ہوتا ہے۔

ایک وسیع و عریض گھر، جس میں جگہ بھی تھی ڈھلوانی گلی کے کونے میں واقع ہے وہ گلی مرکزی بازار کی طرف جاتی ہے۔ صحن بہت خوبصورت ہے جس میں بہت سے درخت اور پھولوں کے پودے ہیں۔ دیواروں پر حال ہی میں پینٹ کیا گیا ہے اور نیلی اور سرخ ٹائیلوں کی جیومیٹریکل ٹائیلوں کا فرش مکمل اسلامی طرزِ تعمیر کا ثبوت دے رہا ہے۔ رنگ برنگ کے صحن میں لگے خیمے کسی ایسی جگہ کا منظر پیش کر رہے ہیں جہاں چھٹیوں کو گزارنے کا عارضی انتظام کیا گیا ہو۔ ہم گرد آلود چہرے لے کر صحن میں داخل ہوئے۔ بوٹی والے کی بیوی ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئی۔ ایک موٹا آدمی ___ جو غالباً اس گھر کا مالک تھا ___ کو ہماری شکلیں پسند نہ آئیں اور اس نے ہمیں گھر سے باہر نکال دیا۔ غالباً اس کو گھر میں اعلیٰ معیار کے زائرین چاہیے تھے۔ ہماری رہائش اب کسی پُرتعیش مکان میں نہیں بلکہ کوئی گھر بھی اب ہمیں قبول تھا کیونکہ زائرین کے لمبے سفر اور بازار کی دھکم پیل سے ہم اکتا چکے تھے۔ جس گھر میں ہمیں پناہ ملی وہ ایک خوش مزاج سندھی خاندان کا گھر تھا جس نے اپنے گھر کے صحن میں خیمے لگائے تھے اور خیموں کو اس انداز سے گاڑا گیا تھا کہ ہم سیاح لوگ باآسانی اِدھر اُدھر آ جا سکیں۔ اس گھر میں قیام پذیر ہر شخص کا تعلق ہیرا منڈی سے ہے۔ ہم، کچھ عورتیں اور بہت سے مراثی موسیقار جنہیں کنجر سماجی رتبے میں خود سے کہیں کمتر سمجھتے ہیں۔ ماہا نے کہا کہ یہ مکان بہتر نہیں ہے مگر ہم کوئی انتظام کر لیں گے۔ ہم نے اپنے کمرے میں قالین بچھائی اور جھاڑ کر وہ گرد اڑائی جو اڑائی جا

سکتی تھی۔

گدے کو قالین پر پھیلا کر فنکارانہ مہارت کے ساتھ تکیے اوپر رکھ دیے گئے۔ ماہا نے ٹھنڈی آہ بھر کر سارے انتظام کو دیکھا اور قبولی کی منظوری دیتے ہوئے کہا آج کا دن ہم چھٹی کریں گے اور آرام کریں گے۔

ہمارے کمرے سے ایک دروازہ باہر صحن کی طرف کھلتا ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ ہم گھر کا واش روم دیگر عورتوں اور بچوں کے ساتھ شیئر کر سکتے ہیں۔ واش روم اگرچہ صاف ستھرا مگر فرسودہ تھا۔ واش روم میں ایک پوڈیم سا بنا ہوا تھا جس کے اوپر بیٹھ کر قضائے حاجت کا لازمی فریضہ ادا کرنا پڑتا۔ نیچے ایک سوراخ تھا جس سے آپ تقریباً چار فٹ اوپر بیٹھتے۔ اس کے علاوہ واش روم کی کوئی چھت بھی نہیں تھی اور قریب موجود مکانوں سے لوگ باآسانی ہمیں اندر بیٹھا دیکھ سکتے تھے۔ واش روم کا کوئی دروازہ بھی نہیں تھا بلکہ سامنے ایک پردہ لٹک رہا تھا جو ہوا میں اِدھر اُدھر اڑ رہا تھا۔

عورتوں سے کہیں زیادہ مردوں کی تعداد سہون شریف چھٹیاں منانے آئی ہوئی ہے۔ ہماری رہائش گاہ پر موجود اکثر عورتیں اپنے کمروں میں ہی رہتی ہیں یا زیادہ تر وقت کاموں میں مصروف رہتی ہیں جیسے کپڑوں کی دھلائی یا کھانے بنانے میں.......... چھوٹا سا کچن جو 4x5 فٹ ہوگا سیاحوں کے درمیان تنازع کا باعث بنا ہوا تھا۔ کنکریٹ کے فرش پر ہمارا گیس کا چولہا رکھا ہے۔ کھانا بنانے پر کافی سے زیادہ وقت صرف ہوتا ہے کیونکہ گیس کی سپلائی یہاں بہت سست ہے اور پھر کھانا بنانے والوں کی ایک قطار ہر وقت 'پہلے میں پہلے میں' کی گردان لگائے موجود ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ کچھ لوگ اس گندی جگہ کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ فرش پر جگہ جگہ سبزیوں کے چھلکے پڑے ہیں۔

عریبہ اچھی خاصی پریشان ہے۔ وہ پورے گھر میں واحد شخص ہے جس کے لیے میلے کے خصوصی اور نئے کپڑے نہیں بنائے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ماہا نے میرے لیے بھی ایک لباس خریدا تھا۔ نیشا اور نینا ابھی ابھی واش روم سے لوٹی ہیں اور خوبصورت لگ رہی ہیں۔ وہ خوب رگڑ رگڑ کر نہائی ہیں اور اپنے شوخ رنگ کے نئے شلوار قمیض کے ملبوس میں بچ رہی ہیں۔ صوفیہ اور معتذر بھی ابھی نہا کر نکلے ہیں اور ننگے ہی کمرے میں شرارتیں کرتے پھر رہے ہیں۔ صوفیہ کو اس کی ماں نے کہا کہ اس طرح ٹانگیں پھیلا کر نہ اچھلے کودے، یہ گندی لڑکیاں کرتی ہیں۔

اب شام کا دھندلکا پھیل رہا ہے۔ میں اور ماہا لال شہباز قلندر کے مزار کی طرف جانے کا منصوبہ بنا رہی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہم واپسی میں اپنی راہ نہیں بھٹکیں گی۔ یہ تمام گلیاں ایک ہی طرح کی لگتی ہیں۔ ریت، کچرے سے بھری اور بغیر کھڑکیوں کی عمارتوں کے ساتھ جو اینٹوں سے اساری گئی ہیں۔

بازار زائرین سے بھرا پڑا ہے۔ زیادہ تعداد پُرجوش نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ ماہا ایک ستون کے ساتھ کھڑی کوئی دعا مانگ رہی ہے، جس کے ساتھ بہت سی موم بتیاں جل رہی ہیں۔ اچانک ہی پیچھے سے دھکا

لگا۔ مجمع مزار کی طرف بڑھنے کے لیے دھکم پیل کر رہا ہے۔ یہاں کئی لوگ پھنسے ہوئے ہیں اور میں خوفزدہ ہوں کہ کہیں بھگدڑ نہ مچ جائے کیونکہ اکثر مذہبی مقامات پر بھگدڑ مچ جانے کے واقعات یہاں عام ہیں۔ مرد پاگلوں کی طرح ٹولیوں میں آگے بڑھ رہے ہیں، ہاتھوں میں جھنڈے اٹھائے، اچھلتے کودتے اور نعرے لگاتے وہ ایک بے ہنگم جلسے کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ وہ بازار سے گزر کر اس بغلی گلی میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں جو براہِ راست مزار کے صحن میں جاتا ہے۔

مزار پر پھینکنے کے لیے میں اور ماہا بغلی گلی میں ایک پھولوں کی دکان پر رکیں۔ پھول خوبصورت گلابی اور خوشبودار ہیں جنہیں دھاگوں میں پرو کر ہار کی شکل دی گئی ہے۔ جوں ہی مردوں کا ایک ہجوم وہاں سے گزرا ہمیں گلی میں دیوار کے ساتھ چپکنا پڑا۔ ایک لمحے بعد ہم دیوار سے چپکی ہوئی نہ تھیں بلکہ ہمیں دیوار پر پریس کیا جا رہا تھا۔ کچھ مردوں کے چہرے پر غصہ تھا، کچھ کے چہرے خوفزدہ تھے اور کچھ یوں لگ رہے تھے جیسے وہ کسی گہرے صدمے کے اثر میں ہوں۔ وہ اِدھر اُدھر دھکے دیتے آگے بڑھ رہے ہیں۔ انہیں وہ گھورتے ہیں جو انہیں دھکا دیں۔ میرا خیال ہے کہ میں اگر چھلانگ مار کر دیوار کے اوپر چڑھ جاؤں تو بچ سکتی ہوں مگر دباؤ اتنا زیادہ ہے کہ میں اپنے بازو بھی سیدھے نہیں کر سکتی۔ دباؤ اتنا زیادہ ہے کہ میں بمشکل سانس لے پا رہی ہوں اور مجھے لگ رہا ہے جیسے میری پسلیاں پچک جائیں گی۔ ماہا کی آنکھوں میں درد دیکھا جا سکتا ہے۔ ہم دیوار سے لگ کر پھنسی حالت میں آگے بڑھتی رہیں۔ مجمع سے نکلیں تو ہمیں ایک بار پھر کھل کر سانس لینے کو آزادی ملی۔

صحن میں انچ بھر جگہ بھی ایسی نہ تھی جس پر زائرین کی بڑی تعداد نہ ہو۔ ہم نے احترام کے اظہار کے لیے اپنے جوتے اتار لیے۔ ہم نے جوتے ایک بوڑھی عورت کے پاس چھوڑے اور اگر وہ ہمیں واپس مل سکتے ہیں تو ہمیں یقیناً بہت حیرت ہوگی۔ زائرین کی اکثریت کسی سکتے کی کیفیت میں ہے۔ دائیں طرف عورتوں کے لیے جگہ مخصوص ہے۔ کچھ عورتوں نے اپنے بچے بھی اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں نے وہاں ہیرامنڈی کے چند چہروں کو بھی پہچانا۔ اکثریت دعا مانگ رہی ہے۔ بہت سی عورتیں ان تصویروں کی طرح نقل اتار رہی ہیں جو لال شہباز قلندر کی تصویریں کہہ کر بازار میں بک رہی ہیں۔ وہ آلتی پالتی مارے، بال کھول کر دھمال کے انداز میں سر کو جھٹکے دے رہی ہیں۔

صحن میں موجود لوگوں کی اکثریت مردوں پر مشتمل ہے۔ غریب ہاری اور مزدور طبقہ زیادہ تعداد میں ہے۔ جوں جوں وہ مزار کے قریب کھسکتے جا رہے ہیں ان کا جذبہ بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ وہ رقص کرتے، اپنے بازوؤں کو لہراتے اور اتنی اونچی آواز میں نعرے لگاتے آگے بڑھ رہے ہیں کہ ماہا تک اپنی آواز پہنچانے کے لیے مجھے تقریباً چیخنا پڑ رہا ہے۔ کچھ لوگ درویشوں کے انداز میں گول گول گھوم رہے ہیں۔ ماہا نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا!

''یہ لال شہباز قلندر کی طرح ہیں..........اور حشیش پی رکھی ہے!''

آدمی گتھی ہوئی ٹولیوں کی شکل میں ہیں اور جوں ہی مزار کے نزدیک پہنچتے ہیں اونچی آواز میں نعرہ لگاتے ہیں۔ کوئی چیز بھی انہیں نہیں روک سکتی، نہ میں، نہ ماہا اور نہ وہ بوڑھا آدمی جو لکڑی کے سہارے چل رہا تھا اور گر پڑا اور نوجوان اسے لتاڑتے گزرتے رہے۔ کسی شخص نے بوڑھے کو پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ وہ بہت بوڑھا تھا، سخت خوفزدہ۔ اس نے خود کو بچانے کے لیے اپنے آپ کو سکیڑ لیا۔ میں نے اسے لوگوں کی بھیڑ میں ایک ثانیے کے لیے دیکھا اور دعا کی کہ کاش وہ اس بھیڑ سے زندہ سلامت نکل سکے۔

مزار گول ہے اور اس کا گنبد عین ہمارے سروں کے اوپر ہے۔ سندھ کے دولت مند وڈیرے اس بالکنی میں کھڑے زیارت کر رہے تھے جو گنبد سے کچھ نیچے بنائی گئی ہے۔ سدھ بدھ کھوئے ہجوم کے مابین مزار کا چبوترہ ریشمی کپڑوں سے ڈھکا ہے۔ اوپر بہت زیادہ پھول پڑے ہیں اور ایک دستار بھی رکھی ہے جس کا رنگ سنہری ہے۔ تابوت کے چاروں طرف لکڑی کی فریمیں ہیں جس پر کئی فیتے لپٹے ہیں۔ لکڑی کی اس فریم کے اندر چار آدمی کھڑے ہیں جو بڑی بڑی لاٹھیوں سے پھولوں اور مٹھائیوں کو ہٹانے کے ساتھ ساتھ لوگوں پر بھی لاٹھی باری کر رہے ہیں۔ لکڑی کے فریم کے ساتھ ہی آہنی زنجیروں کا ایک ڈھانچہ کھڑا کیا گیا ہے تاکہ زائرین مزار کے اوپر نہ چڑھ دوڑیں۔ یہاں کچھ اور محافظ موجود ہیں جو زائرین کو دور رکھنے کے لیے لاٹھیوں کو استعمال میں لا رہے ہیں۔

اس عبادت کا عمل خوفزدہ کر دینے والا اور بے ہنگم ہے۔ کچھ لوگوں کے چہروں سے یوں لگ رہا ہے جیسے وہ کسی وجد آفریں اثر میں ہیں مگر اکثر چہروں کا تاثر ایسا ہے کہ جیسے وہ شدید تکلیف محسوس کر رہے ہوں۔ وہ لوگ جو جنگلے کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں وہ چاندی کے ستونوں کو چھوتے ہیں، مزار کو چومتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں۔ بوڑھے لوگ زیادہ قریب نہیں پہنچ پاتے کیونکہ نوجوانوں کے دھکے انہیں ایک طرف کر دیتے ہیں۔ تندرست، وزنی اور غصیلے مردوں کے درمیان جھگڑے بھی ہو رہے ہیں۔

عقبی طرف عورتوں کے لیے جگہ مخصوص ہے۔ یہاں حالات زیادہ خراب نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی وہ ان عورتوں کو کپڑوں سے پکڑ کر نیچے کرتی ہیں جو مزار کے بالکل سامنے کھڑی ہیں اور ان کی جگہ لینے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ وہ لال شہباز قلندر کے زیادہ سے زیادہ قریب ہو سکیں۔ ہم دس بارہ لوگوں کے ایک ہجوم میں پھنسے ہیں جنہیں دھکیل کر ماہا مجھے مزار کے قریب لے جانے کی کوشش کر رہی ہے۔ جن عورتوں نے جنگلے کو تھام رکھا ہے ان کی اکثریت تباہ حال ہے۔ ایک نوجوان عورت ہے جس کا چہرہ بگڑا ہوا ہے اور جس کا چہرہ کسی بھی تاثر کو دکھانے سے معذور ہے، اندرونی جالی کو تھامے ہوئے ہے۔ وہ آگ یا تیزاب سے اس طرح جلائی گئی ہے کہ اب چہرے کی بجائے ایک چمکدار ماسک اس کا رخ ہے۔ اس کی آنکھیں ہمہ وقت کھلی ہیں اور میں یہ اندازہ لگانے سے قاصر ہوں کہ آیا وہ رو رہی ہے کہ ہنس رہی ہے، خوش ہے کہ اداس ہے یا یہ کہ وہ ہر وقت

روتی رہتی ہے۔

مزار کے اندر موجود ایک شخص نے مجھے شوخ رنگوں کی ایک شال دی ہے جس کے اندر سنہری تار چمک رہے ہیں۔ اس شال کو بزرگ کے مزار پر اوڑھنے کی سعادت حاصل ہے اور اس میں بزرگ کی خصوصی طاقتوں کا کچھ حصہ جذب ہے۔ ایک عورت نے مجھے کہا کہ میں خوش قسمت ہوں اور مستقبل قریب میں میرے ساتھ کچھ اچھا ہونے والا ہے۔ میرے اندر کا تشکیک پسند انسان مسکرایا...... میں ایک دہریہ ہوں اور ایک محقق اور مجھے ان ماورائی طاقتوں کی غیر منطقی ایمانیات پر یقین نہیں ہے...... لیکن پُراسرار طور پر میں آگے آنے والی اچھی چیزوں کو سوچ رہی ہوں۔ میں واپس ہجوم کی طرف پلٹی اور اپنے تحفظ کے لیے اس خوش بخت شال کو اپنے گرد لپیٹ لیا۔

شاید مجھے اس شال کی ضرورت میرے تصور سے بھی جلد آ پڑی۔ صحن میں ہزاروں لوگ دعا مانگ رہے ہیں۔ مجمع کو قابو میں رکھنے کا انتظام نہیں ہے اور اب مجھے پریشانی لاحق ہونا شروع ہو گئی ہے۔ ہم یہاں سے باہر نہیں نکل سکتیں۔ لوگوں کی بھیڑ میں دم گھٹ جائے گا۔ اب میں مکمل طور پر کنفیوز ہوں اور ماہا سے بھی بچھڑ چکی ہوں۔ لیکن جوں ہی لوگوں کی ایک لہر نے مجھے پیچھے دھکیلا تو میری نظر اس پر پڑی جو چاندی کے فریم سے چمٹی کھڑی تھی۔ وہ میری طرف غصے سے ہاتھ ہلا رہی تھی اور مزید دعا مانگنے کی خاطر اپنی طرف بلا رہی تھی۔ جب میں اس کے قریب پہنچی تو اس نے مجھے کہا کہ دعا مانگو اور لال شہباز قلندر کو کہو کہ ہماری سنے'' دعا کرو کہ عدنان مجھے پیار کرے'' اس نے ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ چلانا بھی شروع کر دیا'' دعا کرو وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے، دعا کرو ممتاز کو کینسر ہو اور وہ مر جائے۔''

نوجوانوں کا ایک گروپ ہوا میں مٹھائی اچھال رہا ہے۔ یہ مٹھائیاں ان لوگوں نے چندے میں دی تھیں جو مذہبی فوائد کے خواستگار تھے اور جنہیں مزار کے قریب پہنچنے کی سعادت ملی تھی۔ یہ مٹھائی مکھانوں پر مشتمل ہے۔ کچھ مٹھائی میرے کپڑوں سے چمٹ گئی۔ کچھ بوڑھی عورتوں نے دوپٹے میں بھی یہ مکھانے باندھ لیے۔ زیادہ تر مٹھائی نیچے گر رہی تھی اور زائرین اچھل اچھل کر اس مقدس خزانے پر پاؤں نہ رکھ پانے کے لیے کوشش کر رہے تھے۔ عبادت گزار کچھ مٹھائی خود کھاتے اور باقی آگے کسی اور شخص کو دے دیتے۔ مونگ پھلیاں، کھجوریں اور پاپ کارن بھی اسی طرح اچھالے جا رہے ہیں۔ میں حیرت کے مارے اچھل پڑی جب ایک خاتون کو شائستہ انگریزی زبان میں یہ کہتے سنا کہ مجھے بھی یہ کھانی چاہیے۔ یہ خوش قسمتی ہو گی۔ میں نے تھوڑی سی مٹھائی کھائی اور خود کو تسلی دی کہ آنے والے کچھ سال میرے لیے لکی ہوں گے، میں نے مقدس چادر اوڑھی اور صوفی کے مزار کی جھوٹی خوش قسمت مٹھائی کھائی۔

ماہا نے میرا منہ کھول کر اندر سے معائنہ کیا کہ آیا میں نے وہ مٹھائی کھائی ہے کہ نہیں۔ اب وہ مطمئن ہے۔ اس نے کہا: ''جب اگلے سال ہم یہاں آئیں گی تو تمہارا شوہر بھی ساتھ ہو گا۔''

برگر (ہاٹ ڈاگز)

بازار میں ریستورانوں اور چائے خانوں پر لوگوں کا ہجوم جمع ہے۔ ایک انتہائی شائستہ مکان میں امرا کا ایک گروپ آرام کر رہا ہے۔ وہ سفید شلوار قمیضوں میں تمام کے تمام ایک جیسے لگ رہے ہیں، سب کی ہی بڑی بڑی مونچھیں اور کلائیوں میں سنہری گھڑیاں ہیں۔ وہ زائرین کو دیکھ رہے ہیں اور ماما انہیں دیکھے جا رہی ہے۔

تہوار رات کی روشنیوں میں جگمگا رہا ہے۔ موم بتیوں کی نرم رو روشنیوں میں گندگی اور گرد نظر نہیں آ رہی ہے۔ دوکانوں پر خصوصی کھانوں کے اونچے اونچے مینار سے بنے ہیں۔ بھنا گوشت، تلی ہوئی پیسٹریاں، سوہن حلوے کے بڑے بڑے مینار جن پر چاندی کی پتیاں چسپاں ہیں۔ جب ہم آگے بڑھیں تو ہمارے پیچھے ایک بڑا سا بوڑھا سیاہ کتا چلنے لگا۔ شاید وہ کہیں سے بھاگ کر آیا تھا کیونکہ اس کی لمبی زنجیر اس کے گلے میں لٹکی پیچھے گھسٹتی آ رہی تھی۔ اسے میں پسند آئی اور وہ مجھے اکیلے نہیں چھوڑنا چاہتا۔ مجھے بھی وہ پسند آیا مگر ماما کا خیال ہے کہ یہ ہم پر حملہ کرے گا، اور وہ خون کی گردش روک دینے والی چیخ مارتی جب کبھی وہ کتا ہمارے پاؤں کو سونگھنے کی کوشش کرتا۔

اب ہم عریبہ کے لیے کسی لباس کی تلاش میں ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ بھی دوسری لڑکیوں کی طرح اچھا اور خوبصورت لباس پہنے لیکن ہمیں بازار سے ایسی کوئی چیز نہ ملی۔ بچوں کے کپڑے یہاں سارے سستے اور گھٹیا ہیں۔ عورتوں کے کپڑے، ایک تو انہی روایتی انداز والے ہیں دوسرے وہ بڑے بھی ہیں۔ وہ موٹی اور ناٹی عورتوں کے لیے ہیں۔ ہم کافی دیر تک چلتے رہے اور غیر مہذب ماحول پر کڑھتی رہیں۔ اس جگہ کو دیکھنے کے بعد مجھے لاہور کی بابر مارکیٹ فیشن کی دنیا کی محوری مارکیٹ محسوس ہونے لگی۔ ہم نے ایک گلابی اور عنابی رنگ کے سوٹ کو پسند کیا جس کے سامنے بے رنگ قسم کی لیسز لگی تھیں۔ یہ دکان پر موجود سب سے بہترین لباس تھا۔ یہ بھی اگرچہ بڑا ہے مگر بہرحال نیا تو ہے اور صاف بھی۔

جب ہم کمرے میں واپس پہنچیں تو یہاں پارٹی ہو رہی تھی۔ معتذر ساتھ والے کمرے کے ایک لڑکے سے بال لے آیا ہے اور میں نیشا اور نینا کے ساتھ اس بال کے ساتھ کھیل رہی ہوں۔ وہ سامنے والی دیوار کے ساتھ کھڑی ہیں اور خوشی سے چیخ رہی ہیں۔ وہ کم سن ہیں مگر انہوں نے بال کے ساتھ کبھی کوئی گیم نہیں کھیلی اس لیے وہ کیچ نہیں کر پا رہیں۔ جب وہ میری طرف بال پھینکتی ہیں تو وہ کسی اور سمت نکل جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو وہ آگے آنے کی بجائے ان کے پیچھے دیوار کو جا لگتی ہے۔ ہم پچھلے آدھے گھنٹے سے کیچ کیچ کھیل رہی ہیں اس دوران وہ صرف دو بار بال کو پکڑ سکی ہیں۔ ابھی وہ کھیل ختم نہیں کرنا چاہتی ہیں مگر ہم بال ایک طرف رکھنے پر مجبور ہیں کیونکہ یہ کھانے کا وقت ہے۔ ماما نے دنبے کا گوشت پکایا ہے اور عدنان بازار سے روٹیاں لے آیا ہے۔ نیشا کو ماما نے سلاد کاٹنے پر لگایا اور خود سبزیوں کے تھیلے میں سے ایک بڑی سی مولی نکال رہی ہے۔

اس نے میری طرف مولی ہلاتے ہوئے کہا: ''دیکھو! یہ بڑا سا سفید پاکستانی عضو تناسل'' اس نے مولی نیشا کو تھمائی مگر نیشا نے اسے دو انگلیوں سے ایسے تھاما جیسے وہ کوئی گندی سی چیز ہو۔ اس نے اپنے دانت نکالے، مولی کو تھاما، اسے دو حصوں میں توڑا اور کمرے کے ایک کونے کی طرف زور سے پھینک دیا۔ اس کی ماں کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور ہم سب پر خاموشی طاری ہو گئی ہے۔

نینا نے ہماری توجہ دوسری طرف مبذول کرانے کے لیے مجھ سے پوچھا!

''انگلینڈ میں آپ لوگ کیا کھاتے ہو؟''

میں نے انہیں بتایا کہ انگلینڈ کی خوراک فرسودہ ہے۔ ابلی ہوئی سبزیاں اور بغیر مصالحے کے گوشت، لیکن اب حالات بہتر ہیں۔ اب وہاں دنیا بھر کے کھانے دستیاب ہیں۔ نینا نے کہا کہ وہاں کچھ علاقوں میں لوگ سور کا گوشت بھی کھاتے ہیں، جس پر سب نے ناک بھوں چڑھائی۔ سور کا گوشت اسلام میں منع ہے۔ یہ حرام اور ناپاک تصور ہوتا ہے۔

نیشا نے کہا: ''اور امریکہ میں تو لوگ کتے بھی کھاتے ہیں۔''

کمرے میں موجود لوگوں نے ایک بار پھر ناک بھوں چڑھائی۔ اب کی بار تو میں بھی حیران تھی۔ نیشا نے اصرار کرتے ہوئے کہا: ''ہاں ___ میں نے خود ٹی وی پر سنا ہے کہ وہ ہاٹ ڈاگز (برگر) کھاتے ہیں۔''

بوٹی والے بابے کی سارنگی

صبح کے سات بجے ہیں۔ کمرے میں خاموشی ہے۔ صحن میں کوئی بیٹھا مسحور کن موسیقی کی مدھر تانیں بلا رہا ہے جس کی لے کبھی اوپر جاتی ہے کبھی نیچے...... اداسی سے خوشی اور پھر خوشی سے اداسی کی طرف۔ ماما نے میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا یہ بوٹی والے بابے کی سارنگی ہے۔ بوٹی والا اس سارنگی کے ذریعے اپنی زندگی کے قصے بیان کرتا رہتا ہے کہ گویا سارنگی اس کی زبان بن چکی ہو۔

میں نیشا کے ساتھ لیٹی ہوں۔ وہ غالباً ابھی گھنٹوں اور سوئے گی۔ وہ میرے بہت ہی قریب سو رہی ہے اور اس کی سانسیں میرے چہرے پر گرم اثر چھوڑ رہی ہیں۔ اس کے تڑے مڑے بازو اور ہاتھوں کا رخ چھت کی طرف ہے جہاں موجود کچھ درزوں سے سورج کی کرنیں اس کے چہرے پر پڑ رہی ہیں۔ وہ کلبلائی اور کروٹ بدل کر میرے اتنے قریب ہو گئی کہ اس کا منہ میرے کان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

''پلیز میری ماں کو کہو کہ میں سونا چاہتی ہوں ابھی'' اس نے اپنے بازو میرے اوپر اس طرح رکھے، بازو جو اتنے ہلکے اور کمزور تھے کہ اگر میں انہیں ہٹانے کی کوشش کرتی تو وہ ٹوٹ جاتے۔

''لوئیس آنٹی'' اس نے سرگوشی کی ''میری مدد کرو ___ میں بازار میں نہیں ناچنا چاہتی'' اس کے ابرو میری گالوں کو چھو رہے ہیں۔ اب مجھے اس لڑائی کی سمجھ آنا بھی شروع ہو گئی جو نیشا اور اس کی ماں کے درمیان

اکثر رہتی ہے، اور یہ بھی بات سمجھ میں آئی کہ کیوں نیشا دوائیوں کے استعمال سے بچتی ہے۔ وہ صحت مند ہونا ہی نہیں چاہتی ہے۔ وہ بیمار ہڈیوں کا ڈھانچہ رہنا چاہتی ہے تا کہ کوئی اس کا خریدار نہ بن سکے۔ یہ لاأُبالی لڑکی نافرمان اور بدتمیز نہیں بلکہ عورت بننے کے خوف میں مبتلا ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ اس کے طلبگار ہوں بلکہ اس کی بجائے وہ موت کے امکان کو زیادہ دلکش سمجھتی ہے۔

پوری قیمت

صحت کے مسائل کے پیش نظر ہم نے کچن کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ بوٹی والے کی بیوی پر الزام تھا کہ وہ وہاں بہت زیادہ وقت گزارتی ہے۔ لیکن صبح کے اس لمحے میں وہ بالکل خالی تھا۔ میں نے اور ماہا نے اس کے خالی ہونے کا فائدہ اٹھایا۔ اس کا ایک حصہ صاف کیا اور ناشتہ بنانے لگیں۔ ہم نے پیاز اور انڈوں کا سالن بنایا۔ رات کے چاول اور دنبے کے گوشت کا سالن گرم کیا۔ ماہا کسی روحانی اثر میں ہے۔ وہ لال شہباز قلندر کی روحانی طاقتوں اور عورتوں کی حفاظت کے بارے میں بتا رہی ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ اس صوفی بزرگ کی صلاحیتیں بے تحاشا ہیں۔ وہ بتاتی رہی کہ بزرگ پرندے کی شکل میں دنیا بھر میں اڑتا رہتا ہے اور پھر سیدھا جنت کی طرف اڑ جاتا ہے۔

عدنان لڑکھڑاتا کمرے سے نکلا اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے ہیں اور وہ بہت زیادہ بوڑھا لگ رہا ہے۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا صحن میں چل رہا ہے۔ مردوں کے علیحدہ واش روم نہیں ہیں۔ وہ قضائے حاجت کے لیے باہر بہنے والی گندی نالی کو استعمال کرتے ہیں۔

میں نے ماہا کو بتایا کہ حشیش اور ہیروئن وہ بنیادی خرابیاں ہیں جو ان کے تعلقات کی بنیادیں ہلا رہی ہیں۔ مگر وہ اس سے اتفاق نہیں کرتی اور کہتی ہے:

''نشہ سیکس کے لیے بہتر ہے۔ حشیش اور کھانسی کے شربت بھی سیکس کے لیے بہتر ہیں۔ اس سے انہدام نہانی کو زیادہ تکلیف نہیں ہوتی اور با آسانی تین یا چار یا پانچ گھنٹے تک جنسی کام ہو سکتا ہے۔''

وہ چاولوں میں آہستگی سے چمچ ہلاتے ہوئے سوچ رہی ہے۔

''لو میں کیا کروں۔ میری شادی ختم ہو رہی ہے۔ اگلے سال نینا اور نیشا بازار کی زینت بننے والی ہیں۔ وہ مردوں کے ساتھ جانے کی صورت میں لاکھ روپے فی فرد لا سکتی ہیں، پھر ہماری مشکلیں کچھ آسان ہو جائیں گی۔ اس کے علاوہ میرے پاس اور کیا چارہ ہے، تم مجھے بتاؤ۔''

مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا کہوں۔ میرے پاس بھی کوئی اچھا مشورہ دینے کے لیے نہیں ہے۔ لڑکیاں نہ تو تعلیم یافتہ ہیں اور نہ ان کے پاس کوئی ہنر ہے۔

ماہا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: ''مجھے نیشا کے بہتر ہونے کا انتظار کرنا ہوگا، وہ بہت لاغر ہے۔''

''وہ اس بارے میں کیا سوچتی ہیں۔''

''وہ جانتی ہیں، یہ نارمل ہے۔ نیشا اور نینا اچھی لڑکیاں ہیں لیکن عریبہ...... وہ کچھ اکھڑ ہے۔ وہ میری طرح ہے۔ اس کا جسم توانا اور مضبوط ہے۔ دھندے میں وہ کارگر رہے گی۔''

کچن کے باہر شور نے ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ نینا دیوار کے ساتھ بیٹھی پچھلی رات کی پلیٹوں کو صابن سے رگڑ رہی ہے۔ وہ ہماری باتیں بھی سن رہی ہے۔ اس نے میری طرف دیکھا اور اپنی نظریں ایک بار پھر پلیٹ پر ٹکا دیں۔ اس نے ایک بھی لفظ نہ کہا اور اس کا چہرہ بے تاثر رہا۔

ہانڈی میں بڑی بڑی ہری مرچیں تلی جا رہی ہیں جن کی وجہ سے مجھے کھانسی آ گئی۔

ماہا نے کہا: ''دھندا یہاں بہتر ہے۔ سندھ کے بہت سے امیر زادے یہاں سہون آتے ہیں۔ وہ رقص اور گانا دیکھتے ہیں اور اچھی خاصی رقم دیتے ہیں۔ چند سال پہلے میں یہاں کراچی کے ایک بڑے آدمی سے ملی تھی وہ کسٹم میں کسی بڑے عہدے پر تھا۔ اس نے مجھے پرل کانٹی نینٹل ہوٹل کراچی میں بلایا۔ میں جہاز کے ذریعے لاہور سے کراچی گئی اور مجھے ایک رات کے پچاس ہزار روپے ملے۔''

میں نے پوچھا ''اتنے زیادہ۔''

''اس نے پوری قیمت وصول کی تھی'' وہ غرائی۔

اس کی آنکھیں مسکرا رہی ہیں اور وہ مجھے تڑپانے کی کوشش میں ہے۔ ''آؤ ابھی بازار چلیں اور کچھ لوگوں کو ڈھونڈیں، ہم ایک وقت میں پندرہ ہزار آسانی سے کما سکتے ہیں، کہو تو چلیں۔''

شاید وہ مذاق کر رہی ہے یا شاید مذاق نہیں کر رہی لیکن خیر وہ مسکرا تو رہی ہے۔ یہ ایک خوش کن تبدیلی ہے۔

بالوں کی صفائی

میں کبھی بھی اکیلی نہیں ہوتی، ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں۔ واش روم میں بھی نہیں۔ واش روم میں بھی بوڑھی عورتیں اور بچے آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہیرا منڈی کی دو لڑکیاں اندر آئیں۔ وہ میرے بیگ کو کھنگال رہی ہیں۔ لندن کا صابن یہاں بہت مشہور ہے۔ ہر چیز اس سے دھل چکا ہے۔ انہوں نے صابن نکالا اور میرے بیگ میں موجود شیمپو اور کنڈیشنر کے کریموں کو غور سے دیکھتی رہیں۔ انہوں نے میری بدبو دور کرنے والی ایک کریم کو دیکھا اور ایک بوڑھی عورت نے مجھ سے پوچھا:

''یہ کس لیے ہے!''

وہ چاہتی تھی کہ میں اسے یہ استعمال کر کے دکھاؤں۔

میرے سامنے اس وقت نہانے کے لیے ٹھنڈے پانی کی ایک بالٹی اور آٹھ ناظرین تھے۔ چھوٹے

سے بچوں کو چھوڑ کر میں نے سب کو غسل خانے سے باہر بھیجا لیکن تھوڑی ہی دیر میں وہ سب باقیوں کو لے کر اندر آ دھمکے۔

ماہا اور نینا اب ان کے ساتھ ہیں۔ میں کھلے باتھ روم میں، ننگی اور سردی سے ٹھٹھرتی بالوں میں شیمپو لگائے کھڑی ہوں اور ماہا مجھے دیکھی جا رہی ہے۔

''لوئیس کیا تم ٹھیک ہو، غسل خانے میں اتنی دیر کیوں لگا رہی ہو۔''

میں انہیں باہر جانے کا کہے جا رہی ہوں جبکہ وہ وہیں پر موجود کھڑے مجھے دیکھے جا رہے ہیں اور بحث کر رہے ہیں۔ انہیں میری جلد کی رنگت عجیب لگ رہی ہے۔ میں انہیں کہتے ہوئے سن رہی ہوں کہ اس کی جلد کتنی سفید اور گلابی ہے اگر یہ دھندے میں ہوتی تو بہت کامیاب رہتی۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں چڑیا گھر کی کوئی چیز ہوں اور شاید وہی کسی اور معاملے پر بھی کھسر پھسر کر رہی ہیں کوئی ایسی بات جو ان کے نزدیک اچھی نہیں ہے۔

ماہا کچھ بدحواسی میں ہے ''ماہا تم صاف نہیں ہو'' وہ آہستگی سے کہہ رہی ہے تاکہ میں شرمندہ نہ ہوں۔

''تم اپنی صفائی نہیں کرتی ہو.......... یہاں نیچے'' اس نے کچھ فحش انداز میں پوچھا۔

میں اس کا مطلب نہ سمجھ سکی۔ وہ مجھے روز دیکھتی ہے کہ میں اپنے سارے جسم کو سکرب کرتی ہوں۔ اس نے پھر کہا اور بات ...ری سمجھ میں آ گئی۔ ہیرا منڈی میں صاف اور مہذب عورت کے جسم پر بالوں کا کہیں کوئی نشان نہیں ہونا چاہیے۔ زیریں حصے کے بال مکروہ سمجھے جاتے ہیں۔ اس سے آپ جانوروں کی صف میں جا پہنچتے ہیں۔ ہر محلے کی ہر ناچنے والی کے پاس ہیئر ریموور کریم اور تیز ریزر موجود ہوتا ہے۔

اس نے مجھ سے بے یقینی کے انداز میں پوچھا: ''کیا انگریز مرد ایسی عورت کو پسند کرتے ہیں جیسی اس وقت تم ہو۔''

عریبہ شاذ ہی ہمارے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کی ٹوٹی پھوٹی سی چارپائی جس پر وہ سارا دن پڑی سوتی رہتی ہے سندھی خاندان کے گھر میں ایک ترپال کے نیچے ہوتی ہے۔ وہ مایوس ہے۔ اس کا نیا لباس بہت کھلا تھا۔ وہ اس کے کاندھوں سے ڈھلک جاتا تھا اور عریبہ جیسی دو لڑکیاں باآسانی اس میں سما سکتی تھیں۔ میں کچھ نہیں کر سکتی ہوں سوائے اس وعدے کے کہ جب لاہور پہنچیں گے میں اسے نیا سوٹ دلاؤں گی۔ لیکن تب تک شاید دیر ہو جائے۔ کیونکہ آج کی پارٹی میں بھی عریبہ وہ واحد لڑکی ہوگی جس کے لیے نیا لباس نہیں ہوگا۔

پرانی مرغی

کمرہ آج زنداں لگ رہا ہے۔ ماہا شدید مایوسی میں ہے اور چڑچڑاپن اس پر طاری ہے۔ ''مجھے زندگی سے نفرت ہے'' وہ ماتم گیر لہجے میں کہہ کر صحن کی طرف جھانک کر دیکھتی ہے۔ باہر اندھیرا ہے۔ عدنان لیمپ

کے ساتھ اپنے ایک دوست کے ہمراہ نشہ کر رہا ہے۔ ہم نر اور مادہ دنیاؤں میں بٹ گئے ہیں۔

''دیکھو اس کی طرف'' اس نے ہیجانی انداز سے کہا ''وہ کسی بوڑھی مرغی کی طرح ہے''، اس نے مجھے تھاما اور بولی: ''لوئیس میں خود کو مار ڈالوں گی، میں زہر کھا کے مرجاؤں گی۔''

میں نے اسے کہا کہ بے وقوفی کی باتیں مت کرو مگر وہ بولتی رہی: ''میں خود پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دوں گی، میرے لیے اب کوئی راہ باقی نہیں رہی۔''

اس کے بچے خاموش بیٹھے ہیں۔ نینا کو دیکھ کر لگتا ہے کہ اس کے آنسو بس ٹپکنے ہی والے ہیں۔ صوفیہ منمنا رہی ہے۔ عریبہ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ اکتاہٹ کا شکار ہے اور نیشا یوں لگ رہی ہے کہ گویا وہ خود آگ لگا دے گی۔ وہ یہ تماشا پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔

ایک میوزیکل گروپ ڈرم بجاتا صحن میں داخل ہوا۔ جس دوران وہ صحن میں موجود لوگوں سے دس روپے فی آدمی نوٹ جمع کر رہے تھے ہم دوپٹہ پہنے روشن دان سے انہیں دیکھتی رہیں۔ ماہا خودکشی کے منصوبے بھول چکی ہے اور ہم سب دو مرد نما کھسروں کو دیکھے جا رہے ہیں جو عدنان اور اس کے ساتھ بیٹھے آدمی کے گرد ناچ رہے ہیں۔ دونوں آدمیوں نے پاؤں میں گھونگرو باندھ رکھے ہیں، ساٹن کی شلوار قمیض پہن رکھی ہے اور چھوٹا آدمی ایسے رقص کر رہا ہے جیسے وہ عورت ہو۔ کمرے میں موجود ہر شخص کی توجہ اس کی طرف ہے۔ یہاں تک کہ ماہا بھی مسکرا دی ہے لیکن مسکراہٹ کے ساتھ ہی اس نے آہ بھر کر کہا: ''آہ بے چارے، یہ ابھی بچے ہی ہیں مگر پورے آدمی بن چکے ہیں۔ یہ کتنے دکھ کی بات ہے۔ کیوں خدا کسی کو خوش قسمتی کے ساتھ اور کسی کو بدقسمتی کے ساتھ پیدا کرتا ہے؟''

وہ کم عمر آدمی کے لیے رو رہی ہے ___ اور اپنے لیے بھی ___ وہ ابھی بھی ڈھول کی تھاپ پر اچھل رہے ہیں۔ کچھ روپے ان کے ہاتھ میں ہیں اور وہ اس طرح ناچتے ہوئے اگلے گھر کی طرف چل پڑے۔

لکی ایرانی سرکس

آج ہم لکی ایرانی سرکس دیکھنے جا رہے ہیں۔ وہاں کئی دکانیں اور ریڑھیاں ہیں۔ ہم نے عجائب گھر میں داخل ہونے کے پانچ روپے فی آدمی ادا کیے۔ یہ عجائب گھر کم اور کرتب خانہ زیادہ لگ رہا ہے۔ جہاں کئی تصویریں، شیشے اور بازیگر نظر آ رہے ہیں۔ بازی گروں نے جادو کے نام پر لکڑی یا پلاسٹک کے ڈھانچوں میں اپنا سر یا ناک اڑسی ہوئی ہے۔ ایک سانپ کے جسم پر عورت کا سر نظر آ رہا ہے۔ یہ کرتب مجھے زیادہ سنجیدہ نہ لگا۔ سانپ بھورے پلاسٹک سے بنا تھا اور جب کوئی اس کی رسی کو ہاتھ لگاتا ہے وہ ہنسنے لگ پڑتا ہے۔ مسلسل اونچی آواز میں میوزک چل رہا ہے اور ایک چھوٹے سے ڈبے سے سکرین پر کئی چیزیں دکھائی جا رہی ہیں۔ سارے کرتب اتنے بچگانہ تھے کہ مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ مگر پھر جب میں نے لوگوں کو انتہائی سنجیدہ چہروں کے

ساتھ یہ سب دیکھتے ہوئے محسوس کیا تو باقی ناظرین کی تفریح خراب نہ کرنے کے ارادے سے میں چپ رہی۔ عجائب گھر سے باہر ایک کمرے میں کئی عجیب الخلقت لوگ لیٹے پڑے ہیں۔ ان کے جسم کے بعض حصے بگڑ کر عجیب صورت اختیار کر چکے ہیں۔ پرموٹر پیسے اکٹھے کرنے میں مصروف ہے۔ ایک آدمی ایسا ہے جس کا ہاتھ سوج کر پانچ گنا زیادہ موٹا ہو گیا ہے۔ اس نے اپنا ہاتھ ایک تکیے پہ رکھا ہوا ہے۔ یہ ہاتھ بالکل ویسے لگ رہا ہے جیسے کھیل کے میدان میں بعض لوگ پلاسٹک کے نقلی ہاتھ لہرا رہے ہوتے ہیں۔

جب ہم گھر لوٹ آئے تو مجھے بچوں کا انچارج بنا دیا گیا۔ عدنان اور ماہا دونوں باہر گئے ہیں اگرچہ دونوں علیحدہ علیحدہ باہر گئے۔ سامنے والے گھر سے دو بچے بھی ہمارے ساتھ مل گئے ہیں۔ میں کمرے کے درمیان میں گدے پر بیٹھی ہوں اور میرے چاروں جانب ایک جنگ بپا ہے۔ بچے چیخ رہے ہیں، آپس میں لڑ رہے ہیں اور فرش پر کود رہے ہیں۔ معتذر بہت زیادہ حاسد مزاج ہے اس نے ایک پلے سٹیشن کا کور اٹھا رکھا ہے اور ہر اس شخص کو مارنے پر تلا ہے جو اس کی حد میں ہے۔ پھر دروازہ کھلا اور ماہا اندر آئی۔ خدا کا شکر ہے۔ کمرہ اچانک پُرسکون ہو گیا۔ نینا کمرہ صاف کرنے لگی ہے۔ نیشا خاموش، عریبہ کمرہ چھوڑ کر صحن میں پڑی اپنی چارپائی کی طرف چلی گئی ہے، صوفیہ پاپ کارن کھانے لگی ہے اور پڑوسیوں کے دولڑکے واپس چلے گئے ہیں۔ صرف معتذر شرارتوں میں مگن ہے۔

''معتذر'' ماہا نے چیخ کر کہا: ''اپنی بہنوں کو چاقو سے مت مارو، ادھر لاؤ، مجھے اس کی ضرورت ہے۔''

شام کا وقت ہے اور ماہا کچھ زیادہ ہی پُرجوش ہے۔ وہ مسلسل کئی گھنٹوں سے گانا اور رقص کیے جا رہی ہے اور میں پُراشتیاق ناظر کی اداکاری کرتے کرتے اکتا چکی ہوں۔ رات کے ڈیڑھ بج چکے ہیں مگر وہ ہے کہ تھکنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ میں تھک چکی ہوں اور سونا چاہتی ہوں مگر وہ میرے ساتھ آ بیٹھی ہے اور عدنان کی باتیں کر رہی ہے۔ میں اتنی تھکی ہوں کہ وہی دہرائی گئی باتیں دوبارہ سننے کے موڈ میں بالکل نہیں ہوں۔

''لوئیس'' اس نے مجھے انگلی کا ٹھوکا دیتے ہوئے پوچھا ''کیا وہ مجھے پیار کرتا ہے۔''

میں نے غصے میں اپنی زبان کاٹ لی۔ میں اسے کہنا چاہتی ہوں کہ میں بھی اسے پیار نہ کر سکوں گی اگر وہ مجھے یوں ہی انگلی چبھوتی رہی۔ اگر میں بھی عدنان کی جگہ ہوتی تو اس کے مسلسل گانے، مستقل ڈرامے بازی اور بے تعطل جھگڑوں کی وجہ سے کبھی اسے پیار نہ کرتی۔ نہ جانے میری زندہ دل اور حیرت میں ڈالنے والی دوست کہاں کھو گئی ہے؟

ٹیکسی

عدنان دروازے سے اندر داخل ہوا، وہ لڑکھڑا رہا ہے اور عریبہ پر تقریباً گرنے ہی والا تھا۔ روشنیاں بجھا دی گئیں اور ہم تقریباً ایک گھنٹے کے لیے سو گئے۔ وہ منمنا رہا ہے اور اپنا لحاف ڈھونڈنے کی کوشش میں

ہے۔ وہ ماہا کے ساتھ ہی سو گیا۔ ماہا نے اپنے بازو سے اسے جکڑ لیا اور میں دیوار کی طرف منہ کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔ میں عدم اطمینان کا شکار ہوں کہ ان کے نجی ترین لمحات میں بھی کمرہ اتنے لوگوں سے بھرا ہے۔ ماہا نے بہت دھیمے انداز میں عدنان کے کان میں سرگوشی کی۔ جو بھی کچھ اس نے کہا اس پر عدنان غصے میں جل اٹھا۔ کیونکہ وہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہے، اس کو گندی گالیاں اور ظالمانہ حد تک برے الفاظ کہتا چلا گیا۔ اس نے اسے گندی کنجری اور ٹیکسی کہا۔ ٹیکسی کا لفظ گندی دھندے والیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن کے بہت سے گاہک ہوتے ہیں جس طرح ٹیکسی گاڑی پر کئی لوگ سواری کرتے ہیں اسی طرح ٹیکسی دھندے والیاں بھی بہت سے لوگوں کے استعمال میں رہتی ہیں۔ عدنان نے دونوں کی مشترکہ رضائی ایک جھٹکے سے اٹھائی اور باہر صحن کی طرف چلا گیا۔ اندھیرے میں مجھے ماہا کا سسکیوں سے جھٹکے کھاتا وجود صاف نظر آ رہا ہے۔

صبح 4 بجے کے قریب وہ مجھے پاؤں سے پکڑ کر ہلا رہی ہے ''لوئیس اٹھو، ہمیں مزار جانا ہے۔''

میں سردی سے کانپ رہی ہوں اور میرے سر میں شدید درد ہے اور گلے میں بھی شدید تکلیف ہے۔ میں باہر نہیں جانا چاہتی۔ لیکن وہ مجھے کھینچتی ہوئی گلی میں آگے بڑھتی جا رہی ہے اور میری حالت یہ ہے کہ میں اس کے ساتھ بحث بھی نہیں کر سکتی۔

مزار پر جا کر ماہا پھٹ پڑی۔ وہ مجھے چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہی ہے لیکن مجھ تک اس کی آواز ٹھیک طرح سے نہیں پہنچ رہی۔ اس کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہو رہی ہے۔ بھیڑ کی آواز پوری عمارت میں گونج رہی ہے اور میرے سر میں اس گونج سے چکر آ رہے ہیں۔ میں نے مزار کی عقبی دیوار کا سہارا لیا اور دعا کرنے لگی کہ ماہا جلدی سے واپس آ جائے۔ جب وہ اپنے پورے چہرے کو مزار کے چاندی کے جنگلے سے رگڑ کر واپس لوٹی، تب بھی وہ پُرسکون نہیں لگ رہی تھی۔ ہم واپس آ رہی ہیں۔ صبح کی پو پھٹ رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آج کا دن اچھا نہیں گزرنے والا۔

موسیقار کی بیوی

کمرے میں موجود تناؤ کی کیفیت ناقابلِ برداشت ہو رہی ہے۔ میں نیشا کے ساتھ لیٹی ان کیڑوں کو دیکھ رہی ہوں جو اکھڑے ہوئے پلاسٹر میں بنے سوراخ میں آ جا رہے ہیں۔ ماہا اور عدنان کمرے کے درمیان میں بیٹھے ایک کریہہ المنظر جھگڑے میں مصروف ہیں۔ عدنان ماہا پر الزام لگا رہا ہے کہ وہ سامنے موجود کمرے میں ایک آدمی کو دیکھ رہی تھی۔ جس آدمی کے بارے میں کہا جا رہا ہے وہ ایک موسیقار ہے، زیادہ دلکش بھی نہیں ہے، اگرچہ وہ جوان ہے مگر زیادہ دولت مند نہیں لگتا۔ میرا خیال ہے کہ ماہا کو اس شخص میں کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ عدنان کہہ رہا ہے کہ وہ اسے اپنے کمرے میں لیٹے دیکھی جا رہی تھی جبکہ وہ شخص صحن میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ عدنان کا خیال ہے کہ یہ ناقابلِ معافی خطا ہے اور یہ کہ وہ اپنی آنکھوں کا

پردہ نہیں کرتی۔

''تم خراب عورت ہو'' عدنان نے اتنی آواز سے چیخ کر کہا کہ پورے گھر میں اس کی آواز گونج گئی۔

ماہا انتہائی خوفزدہ ہے۔ وہ مسلسل روئے جارہی ہے اور درخواست کررہی ہے ''میں اسے نہیں دیکھ رہی تھی، میں قسم کھاتی ہوں کہ میں نے اسے نہیں دیکھا'' عدنان ہار ماننے پر تیار نہیں ہے۔ وہ مسلسل طلاق کی دھمکی دے رہا ہے۔ ماہا نے تھوڑی دیر رونا ترک کیا تاکہ مجھے بتاسکے کہ عدنان اسے زیادہ پیسے نہیں دیتا: ''وہ مجھے 300 روپے فی یوم دیتا ہے اور وہ بھی تب جب وہ میرے پاس ہوتا ہے، حالانکہ میں دس ہزار روپے فی یوم کی حقدار عورت ہوں۔''

دوپہر میں ہمیں ایک شخص ملنے آیا۔ یہ ایک عورت ہے جو بہت مشہور میوزیکل گروپ کے ڈائریکٹر کی بیوی ہے۔ یہ عورت بھی اسی گھر میں ٹھہری ہوئی ہے۔ اس کی عمر لگ بھگ 40 سال ہوگی، خوش قامت اور اچھے لباس میں ملبوس ہے۔ وہ انتہائی سنجیدگی سے ایک صلح جو قسم کی عورت کا کردار نبھانے کی کوشش کررہی ہے۔ اس دوران جب وہ بول رہی ہے میں نے اپنی شکن زدہ شلوار قمیض کو درست کیا اور مہذب انداز سے گدے پر لیٹ گئی۔ وہ کسی اچھے گھر کی مہذب عورت لگ رہی ہے جو ٹرین کے فرسٹ کلاس ڈبے میں فقط ایک دن کے دورے پر یہاں آئی ہو۔ اس پر گرد کے کوئی آثار نہ تھے۔

ماہا اس سے اچھی خاصی متاثر ہوئی ہے ''تم نے کس طرح خود کو خوبصورت اور سمارٹ رکھا ہوا ہے؟'' وہ میوزیکل ڈائریکٹر کی بیوی سے کہتی ہے ''تمہارے سراپے کو دیکھ کر لگتا ہے جیسے تم کوئی لڑکی ہو۔'' وہ مسکراتی ہے اور ہمیں سمارٹ رہنے کے گُر بتانا شروع کردیتی ہے۔ ''کبھی زیادہ مت کھاؤ، زیادہ روٹی اور چاولوں سے تو ہمیشہ پرہیز کرو۔''

ماہا تعریف کرتی ہے ''تمہارے بال کتنے خوبصورت ہیں۔ ہیں ناں'' وہ نینا اور نیشا کی طرف دیکھ کر کہتی ہے اور دونوں ہاں میں سر ہلانے لگیں۔

ڈائریکٹر کی بیوی ہمیں اپنی زندگی کی مصروفیات بتاتی رہی۔ اپنے کپڑوں کے بارے میں، اور اپنے بچوں کے بارے میں، اور ہم سب دوستوں کی طرح کافی دیر گپیں مارتے رہے۔ چائے کا آدھا کپ پینے کے بعد وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کوئی شخص اسے کار میں کراچی چھوڑنے جارہا ہے۔ میرا دل چاہا کہ میں بھی اسے کہوں کہ مجھے ساتھ لے جائے کیونکہ اس بور جگہ کے مقابلے میں تو کراچی جنت ہے۔ وہ کمرے سے پرفیوم کے بھبکے اور شیفون کے دوپٹے کو لہراتے ہوئے نکل گئی تو ماہا نے منہ بنالیا۔ ''اس کا چہرہ کسی بوڑھی عورت کا سا ہے'' پتہ ہے اس کا چہرہ یوں ہے، اس نے اپنے گال اندر کھینچے اور چہرے کی جلد کو گردن تک کھینچتے ہوئے کہا۔ تمام لڑکیاں ہنس پڑیں اور ماں سے اتفاق کیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے اس کا چہرہ خوبصورت ہے'' ماہا نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے جواب دیا ''ہاں۔''

''لیکن اس کی تو پَس ہیں ہی نہیں'' ماہا نے کہا ''وہ کسی لڑکے کی طرح ہے۔ ایک بوڑھی اور ختم عورت ہے۔''

''کتی کا بچہ مرد''

ہم کافی دنوں سے یہاں موجود ہیں اور اب قصبہ خالی ہونے لگا ہے۔ زائرین کی اکثریت واپس جاچکی ہے۔ مزار پر اب وہ بے ہنگم اور خطرناک بھیڑ جمع نہیں ہے۔ میں اور ماہا اب مزار پر دعا مانگنے جارہی ہیں ...... آخری بار شوہروں کے لیے دعا...... سیاحوں کی اچانک کمی کے بعد اب ہمیں قصبے کی زندگی دیکھنے کا موقع زیادہ حاصل ہے۔ قصبے کی گلیوں میں کچرے کا قالین بچھا ہے۔ سڑک کنارے اور بازار سے پیشاب کے پانی سے زرد ہوجانے والی گندی نالی بہہ رہی ہے، چائے کی دوکانوں کے قریب سے گزرتے ہوئے نالی کا رنگ بدل جاتا ہے اور یہاں سے بہتی ہوئی یہ بڑے گٹر کے ذریعے مرکزی نکاسی آب کے نظام سے مل جاتی ہے۔ چار ادھیڑ عمر آدمی گلی میں کرسیاں ڈال کر بیٹھے سورج کی روشنی سے لطف لے رہے ہیں۔ وہ قصبے کے مقامی رہائشی ہیں اور لوگوں کے ہجوم کم ہونے کی بعد کی صورت حال پر مطمئن ہیں۔ ہر سال آنے والے زائرین ان کی آمدنی کا کچھ ذریعہ بن کر واپس جاچکے ہیں۔ ان آدمیوں سے دس پندرہ فٹ دور بکریوں کا ایک ریوڑ بندھا ہے۔

میں یہاں سے جلدی سے جانا چاہتی ہوں تاکہ لاہور میں کسی ڈاکٹر سے اپنا معائنہ کراسکوں۔ یہ ہفتے کی دوپہر ہے۔ ہمیں یہاں آئے ہفتہ ہوچکا ہے، اور اس وقت ہم سٹیشن پر بیٹھے اپنی گاڑی کے آنے کا انتظار کررہے ہیں۔ پلیٹ فارم کنکریٹ سے بنا ہے مگر تھوڑی دور ہی گرد آلود فٹ پاتھ ہے۔ عدنان نے وہاں قالین بچھایا تاکہ ہم سب لوگ وہاں بیٹھ سکیں۔ وہاں سے گزرنے والے لوگ گندے جوتوں کے ساتھ قالین کے کناروں کو روندتے رہے تاوقتیکہ مجھے قالین پر موجود نقش ونگار نظر آنا بند ہوگئے۔ میں اور ماہا عریبہ کے سر سے جوئیں نکال رہی ہیں۔ اس کے سر میں اتنی جوئیں ہیں کہ ہم گھنٹوں مصروف رہ سکتی ہیں۔ مگر عدنان نے ہمیں روک دیا۔ اس نے بتایا کہ یوں سر عام بیٹھ کر جوئیں ڈھونڈنا عزت دار خواتین کا کام نہیں۔ پس ہم لوگ پٹڑی کے قریب بیٹھ کر انتظار کرنے لگیں۔

ہیرا منڈی کی دوسری عورتیں بھی سٹیشن پر موجود ہیں۔ خوبصورت لڑکیوں پر مشتمل ایک خاندان سستے مگر دھلے ہوئے کپڑوں میں ملبوس اپنے سوٹ کیسوں سمیت آرہا ہے۔ خاندان کی ماں، خالہ اور ایک مردان کے پیچھے آرہے ہیں۔ ان کی جوتوں کی ایڑیاں بہت اونچی ہیں اور میں اس بات پر محو حیرت ہوں کہ یہ اتنی لمبی ایڑی والی جوتیوں کے ساتھ کیسے بغیر ٹانگیں تڑوائے چل رہی ہیں۔

عورتوں کا ایک اور گروپ بھی وہاں موجود ہے۔ انہوں نے دوپٹے نہیں لیے ہوئے اور خاصے غیر مہذب انداز میں بیٹھی ہیں۔ ماہا نے انہیں ناک سکیڑتے ہوئے کہا: ''500 روپے کے عوض بکنے والی عورتیں۔''

جب ٹرین سٹیشن پر آ کر رکی، شام کا دھندلکا پھیل رہا تھا۔ مجھے ان چہروں میں سے کئی ایک چہرے نظر آ رہے ہیں جو سہون شریف کی طرف سفر کرتے ہوئے نظر آئے تھے۔ بوٹی والا، اس کی بیوی، کئی مراثی جو اس گھر میں بھی ہمارے ساتھ تھے، بشمول اس مراثی کے جسے عدنان ماہا کا نیا محبوب سمجھتا ہے۔ وہ آدمی پُرسکون ہے اور اس سکینڈل سے بھی بے خبر لگ رہا ہے۔ اس نے نیلے رنگ کی قمیض پہن رکھی ہے اور حشیش کے سوٹے لگا رہا ہے۔ عدنان اسے دیکھ کر غصے میں سلگ رہا ہے اور ماہا اداسی میں اسے خوفناک، گندا اور ''کتی کا بچہ'' مرد کہہ رہی ہے۔ وہ قطعاً گندا اور خوفناک نہیں لگ رہا۔ یقیناً یہ الفاظ ماہا نے عدنان کو پُرسکون رکھنے کے لیے کہے ہیں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ وہ کس طرف نظریں ٹکا کے بیٹھے تاکہ عدنان پھر اسے کنجری نہ کہہ سکے، اس لیے وہ اصرار کر رہی ہے کہ ڈبے کا وہ حصہ جس میں ہم بیٹھے ہیں اسے علیحدہ کر لیا جائے۔ ہم نے اپنی نشستوں کے سامنے چادریں تان کر مصنوعی پردے کا اہتمام کر لیا۔ پردہ جو ہوا اور ٹرین کے چلنے سے اِدھر اُدھر لہرا رہا ہے لیکن اب ہم علیحدہ جزیرے میں ہیں نہ کوئی ہمیں دیکھے گا نہ ہم کسی کو دیکھ سکتی ہیں۔

ماہا کے ساتھ لڑائی

صبح کے وقت ماہا لڑائی کے لیے پَر تول رہی ہے۔ میں اب بھی کھڑکی سے باہر کھیتوں کو دیکھ رہی ہوں۔

''لوئیس کیا تم بور ہو رہی ہو؟'' اس نے اردو اور انگریزی ملا کے بولی جس کا ترجمہ میں نے بھی غلط کیا۔

''نہیں میں بور نہیں ہو رہی!'' میں نے جواب دیا۔

''نہیں تم سمجھ نہیں رہی ہو، تم بورنگ ہو۔ تم تمام وقت کھڑکی سے باہر جھانک رہی ہو اور مجھ سے بات نہیں کر رہی ہو۔''

یہ ایک لمبی لڑائی کا شاندار آغاز ہے اور ہم تمام غصیلی خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔

''لوئیس تم کوئی دماغی مریضہ ہو۔ تمہارا سونا (زیور) کہاں ہے؟'' وہ رکی اور اس نے میرے ہاتھ اور گردن کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ بہت بری بات ہے'' ''تمہاری عزت کہاں ہے۔ اگر تمہارے پاس دولت نہیں ہے اور زیور نہیں ہیں تو لوگ تو یہی کہیں گے کہ تمہاری کوئی عزت کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ وہ میرے بارے میں متفکر ہے لیکن وہ حاوی ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔

''اپنی گھڑی کو دیکھو، کیا قیمت ہوگی اس کی؟''

یہ گھڑی میرے پاس سالوں سے ہے۔ گھڑی کا پٹہ چمڑے کا ہے۔

اس کا اصرار جاری ہے ''یہ خراب ہے...... یہ سونے کی ہونی چاہیے۔ تمہارے پاس اپنی بیٹیوں کے لیے سونے کے کنگن ہونے چاہئیں، اور جب تم مرو تو پھر وہ اس سونے کو استعمال کر سکیں۔''

ماہا نے کبھی مجھ سے اس لہجے میں بات نہیں کی ہے، تم کتابیں لکھتی ہو، تمہارے پاس اچھی نوکری ہے لیکن تم نری احمق ہو۔ تمہارا چہرہ شاداب ہے، جسم اچھا ہے، تمہاری جلد سفید ہے اور بال سنہری ہیں۔ تم بہت سی دولت کما سکتی ہو اور مزے کی زندگی گزار سکتی ہو۔ کسی امیر مرد کو ڈھونڈو اور پھر اسے کہو تمہیں زیور خرید کر دے، اس سے کنگن لو، اس سے بالیاں اور ہار مانگو، سونے کے تمام زیور...... یاد رکھو بڑی محبت کا مطلب ہے بڑی دولت...... پھر اس سے ہیرے مانگو۔ لوئیس تم وعدہ کرو، تم یہ کرو گی۔ بے وقوف نہ بنو۔ اپنے بچوں کے بارے میں بھی سوچو۔''

اگلے 30 گھنٹوں تک ہم لوگ ٹرین پر رہے۔ تیس طویل گھنٹے حشیش کے دھوئیں، پٹاخوں، کھانے، جھگڑے اور ہلتے پردے کے ہمراہ...... ہیرا منڈی آج سے پہلے مجھے اتنی پیاری کبھی نہ لگی تھی۔ جب ہم نے ماہا کے گھر کا دروازہ کھولا تو واش روم سے اٹھتی تیز بدبو اور درجن بھر دوڑتے چوہوں نے ہمارا استقبال کیا جنہوں نے گھر والوں کی عدم موجودگی میں وہاں ٹھکانہ کر لیا تھا۔ لیکن پھر بھی ہمیں یہی لگا کہ ہم گھر تو پہنچ گئے۔ اس وقت صبح کے چار بجے ہیں۔ پاپ کارن بیچنے والا ابھی تک صحن کے باہر گلی میں گھوم رہا ہے۔ بڑا دلال مشتاق اپنے دوستوں کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھا اپنے ریوالور کو چمکا رہا ہے اور اس کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ عدنان اپنی بیوی کے پاس واپس جا چکا ہے، بچے سو گئے ہیں اور میں واپسی پر خوش ہوں۔

ماہا زیادہ خوش نہیں ہے۔ وہ سو نہیں پا رہی۔ صبح سات بجے تک وہ کپڑے دھوتی رہی۔ اس کے ہاتھ جھاگ میں ہیں اور وہ چیخ رہی ہے، ''سیکس، عورت کا عضو، مرد کا عضو...... یہ ہے میری زندگی...... لعنت ہے اس زندگی پر۔''

تسنیم کا نیا گھر

کھسرا تسنیم اب سفید پھول کے ہمراہ نہیں رہتا۔ وہ کہتا ہے کہ تسنیم کو کوئی خطرناک بیماری ہے جس کے علاج کے لیے وہ پشاور گیا ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے کیونکہ میں نے تسنیم کو پی سی او کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ وہ مجھ سے ٹکرایا اور پھر یوں گلے لگا لیا جیسے ہم مدت سے بچھڑے دوست ہوں۔ پورا بازار منجمد ہو کر ہماری یہ ملاقات دیکھتا رہا۔

وہ اب ایک نئے کھسرا گھر میں رہ رہا ہے، جو پہلے والے سے کہیں بہتر ہے۔ اس نے بتایا:

''میں سفید پھول کا گھر چھوڑ آیا ہوں۔ وہ مجھے بہت مارتا تھا کیونکہ میں زیادہ پیسے نہیں لاتا تھا۔'' اس کے ایک دوست نے اضافہ کیا:

''اس گھر میں یہ نوکروں کی طرح رہتا تھا، وہ اسے بس حکم دینا جانتے تھے۔ کوئی کہتا تھا یہ کرو، کوئی کہتا تھا وہ کرو، کولڈ ڈرنکس لے آؤ، ڈیک چلاؤ۔''

تسنیم کے نئے دوست شاہین اور ملیکہ ہیں۔ ملیکہ اس گھر کی مالک ہے اور شاہین اس کی دوست ہے جو آج کے دن اسے ملنے آئی ہے۔ اس میں زنانہ پن زیادہ ہے اور کئی پہلوؤں سے وہ ایک خوبصورت کھسرا ہے۔ اس کے ادب آداب اور باڈی لینگوئج ایسی شستہ ہے کہ وہ بوقت ضرورت عورت کی جگہ بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ اس کی ان صلاحیتوں کا اسے صلہ بھی خوب ملتا ہے۔ سونے کے کنگن اس کے ہاتھوں میں جبکہ کان میں سونے کی بالیاں بھی چمک رہی ہیں۔ دوسری طرف تسنیم کے ہاتھوں اور کانوں میں پلاسٹک کے زیور ہیں۔

شاہین اور ملیکہ زیر جاموں کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہیں۔ ان لوگوں نے مجھے اپنے زیر جامے دکھائے۔ سیاہ اور گہری پٹیوں والے بریزیئر...... وہ میرا زیر جامہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے انہیں ہلکی سی جھلک دکھائی۔ میرے زیر جاموں کی کوالٹی کو انہوں نے بہت سراہا۔ تسنیم دور کھڑا اپنی قمیض کو زور سے تھامے ہوا ہے۔ وہ اس مقابلے میں شرکت کرنے پر تیار نہیں کیونکہ وہ اپنے زیر جامے کی حالت دکھا کر شرمندہ نہیں ہونا چاہتا۔

تسنیم کا دھندا مندہ جا رہا ہے۔ ہم دونوں واپس پی سی او کی طرف گئے۔ وہ اپنے گاہکوں کو کہہ رہا ہے کہ کب وہ اگلی بار آئے گا اور کیا ملاقات ہوگی۔ ہم آدھے گھنٹے تک وہاں رہے۔ جوں ہی فون کی گھنٹی بجتی تسنیم اپنے ہونٹ کاٹتا اور بھنویں اچکاتا۔ اگر سامنے سے کوئی جواب موصول ہوتا تو تسنیم بہت دھیمی زنانہ آواز میں بات کرتا۔ لیکن اسے کامیابی نہیں مل رہی تھی۔ کسی نے بھی اس سے ملنے کا ارادہ ظاہر نہ کیا۔ دکاندار جو پی سی او چلا رہا ہے اس نے کوئی بات ہنستے ہوئے کہی جو میری سمجھ میں نہ آئی۔ لیکن ایک بات طے ہے کہ اس نے کوئی ہتک آمیز جملہ کہا ہے کیونکہ اسے سن کر تسنیم اچھل پڑا۔ اس نے اسے گالیاں دیں اور جو مشروب پی رہا تھا وہ بھی پھینک دیا۔

شاہین نامی کھسرا دس منٹ تک ہمارے عقب میں کھڑا ٹیلی فون کے ذریعے ہونے والے اس دھندے کو دیکھتا رہا۔ وہ بار بار آئینے میں دیکھتا، اپنے بال اِدھر سے اُدھر کرتا، ہونٹ ٹیڑھے کرتا اور سیکسی حرکات کرتا رہا۔ ایک خوبصورت نوجوان فون خالی ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ غور سے بیٹھا شاہین کو دیکھ رہا ہے۔ شاہین نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور اسے تھوڑا سا جھٹکا بھی دیا۔ آدمی مسکرا دیا...... مسکرانے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اُسے شاہین کی ادا پسند آئی تھی۔

کھسروں کے ساتھ مل کر شاپنگ کرنا اور وہ بھی لاہور جیسے شہر میں پریشان کن امر ہے۔ وہ یہاں کے لوگوں کے لیے مزاح کا باعث اور قابلِ مذمت ہیں اور مجھے بھی وہ فقط ایک غیر ملکی فاحشہ سمجھتے ہیں۔ تسنیم اور

میں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے واپس ہیرا منڈی آئے۔ شاہین اور ملیکہ بھی ہمارے ساتھ ہو لیے، ان کے سر پر دوپٹہ نہیں تھا اور تیز رنگ کی لپ اسٹک ہونٹوں پہ لگی تھی، جوتے سنہری تھے۔ کئی نوجوان گاہکوں نے ان سے بات کی۔ دونوں کھسرے نوجوانوں سے فلرٹ کرتے رہے اور شاپنگ کے بعد ملنے کا وعدہ بھی کیا۔ تسنیم نے ماتھے تک اپنا دوپٹہ پھیلایا ہوا ہے اور سب لوگوں کو دیکھ رہا ہے۔ سوائے میرے وہ ہر ایک کو حسرت بھری نظر سے دیکھ رہا ہے۔ ''تم میری دوست ہو'' اس نے صدائے حسرت نکالی اور مجھے ایک طرف کھینچ لیا جیسے شاہین سے دور لے جانا چاہتا ہو۔

ہیرا منڈی سے پانچ منٹ پیدل چلیں تو آپ پرانے لاہور کے نسبتاً عزت دار علاقوں میں آ جاتے ہیں۔ بازاروں میں بھیڑ لگی ہے۔ بہت سے لوگوں نے مڑ کر دو تین بار کھسرے اور گوری کی اس جوڑی کو دیکھا جو نقلی جیولری اور پلاسٹک کے ہیئر بینڈ خرید رہی ہے۔ تسنیم کی سرگوشیاں جاری رہیں اور جب کبھی وہ کسی خوبصورت آدمی کو دیکھتا میرے ہاتھوں کو اور مضبوطی سے جکڑ لیتا۔ اس نے جوتے کی دکان کے سامنے بیٹھے ایک شخص کو تلاش کیا جسے وہ ''لولی'' پکارتا رہا تھا اور پھر آہ بھری۔ وہ لاغر، الجھے بالوں اور نیم غنودگی کے چہرے کا حامل ایک شخص ہے۔

ہم ایک جگہ کھمبے کے ساتھ کھڑے ہیئر کنڈیشنر کے فوائد اور نقصانات پر بات کرتے رہے۔ سورج کی روشنی کھسرے کی داڑھی کے ان بالوں پر پڑ رہی ہے جو اکھڑے نہیں تھے اور اس کے سینے کے بال بھی نظر آ رہے ہیں جنہیں جلد کے رنگ سے ہم آہنگ کرنے کے لیے انہیں بلیچ کیا گیا تھا۔ یہ بال بہت خوبصورت لگ رہے تھے مگر گاہکوں کو ان کا بے بال سراپا ہی پسند آتا ہے کیونکہ وہ انہیں لڑکیاں سمجھتے ہیں۔

موت کا کنواں

تسنیم نے مجھے اپنے ایک پبلک رقص پر آنے کی دعوت دی۔ میں برف سے لگی ایک بڑی سی بیئر کی بوتل کے ہمراہ صبح ساڑھے سات بجے ملیکہ کے گھر پہنچی۔ چپس میرے ہاتھ میں ہیں۔ تسنیم کو بیئر پسند ہے اور یہ میں اس کے لیے لائی ہوں۔ بیئر کا نام ہے Murrey's Classic ملیکہ نے بتایا کہ تسنیم یہاں نہیں ہے۔ وہ ایک بوڑھے تماش بین کے ساتھ ہے جو کچھ وقت لے گا۔ میں کونے میں بیٹھ کر دوسرے کھسروں کو ڈانس کے لیے تیاری کرتے دیکھتی رہی۔ یہاں بہت کچھ دیکھنے کو تھا۔ ملیکہ اور ایک اور کھسرا رضیہ میک اپ میں مصروف ہیں۔ رضیہ کو بہت محنت کرنا پڑ رہی ہے کیونکہ اس کے چہرے پر بہت سے دانے ہیں۔

ملیکہ میرے سامنے آ کر گدے پر بیٹھی تا کہ میں میک اپ کے آرٹ کا مشاہدہ کر سکوں۔ میک اپ میں سب سے پہلے ہلکے گلابی رنگ کی ایک کریم ہے جو وہ جلد پر ملتے ہیں۔ ایک گیلے سپونج کے ساتھ اسے ہموار کر کے ایک اور تہہ کریم کی لگائی گئی ہے۔ سپونج کو پورے چہرے پر پھیرا گیا۔ اس کریم پر پاؤڈر لگا کر

ایک پوراماسک بن گیا ہے۔

اب بھنوؤں کی باری ہے ___ دو گہری سیاہ لائنیں ___ اور بہت سا سرخ رنگ کا آئی شیڈو۔ ملیکہ کے سامنے مختلف رنگوں کے لینز کا ایک ڈبہ لایا گیا اب وہ سوچ رہی ہے کہ نیلے، سنہری اور سفید میں سے کس لینز کا انتخاب کرے۔ سفید ستاروں والے لینز کا انتخاب کیا گیا۔ آنکھیں مسلسل جھپکتی رہیں اور آنسو میک اپ کے ماسک پر بہتے رہے۔ جس دوران لینز ایڈجسٹ کیا جاتا رہا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا تاکہ میں کوئی تعریفی تبصرہ کروں۔ میں نے اگرچہ تعریفی تبصرہ ہی کیا مگر وہ بہت خوفناک انسانی مجسمہ لگ رہی ہے۔ ایسے جیسے کسی آدمی کی آنکھوں میں گڑیا کی آنکھیں فٹ کر دی گئی ہوں۔

تسنیم تولیہ ہاتھ میں پکڑے دوڑتا ہوا آیا اور میرے ساتھ بیٹھ گیا۔ وہ شدید تکلیف میں ہے۔ اس نے مجھے گلے لگایا اور پوچھا کہ کیا اسے بیئر چاہیے۔ ملیکہ نے چلا کر اسے کہا کہ جلدی کرے۔ وہ دوڑتا ہوا واش روم میں گھس گیا جبکہ دوسرے لوگ میک اپ میں مصروف رہے۔ بیئر کو ایک بالکل نئی فریج میں رکھ دیا گیا جس میں کچھ پرانے سموسے اور پانی کی چند بوتلیں پڑی تھیں۔

میک اپ میں لپ لائنر کی باری ہے جو بہت گہرا لگایا گیا۔ بعد ازاں لپ اسٹک لگائی گئی جو تیز سرخ رنگ کی تھی۔ اس کے اوپر سنہری چمکیلی لپ گلوز استعمال ہوئی۔ ملیکہ کا بھائی دوسری طرف میرے ساتھ بیٹھا میک اپ کو تحسینی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ وہ 40 سالہ رکشہ ڈرائیور ہے اور دیکھنے میں خوبصورت ہے۔

تسنیم بعجلت کمرے میں واپس آیا۔ ملیکہ نے ایک بار پھر چلّا کر وقت کی کمی کا رونا رویا۔ تسنیم کسی تکلیف میں ہے۔ وہ بھاگ بھاگ کر تیاری کر رہا ہے جبکہ رضیہ، ملیکہ اور اس کا بھائی اسے دیکھ دیکھ کر قہقہے لگا رہے ہیں۔

تسنیم کی بیئر کی بوتل فریج میں سے اٹھالی گئی ہے اور ملیکہ مجھ سے پوچھ رہی ہے کہ آیا میں لوں گی۔ میں نے نفی میں سر ہلایا تو اس نے خود پی لی جیسے یہ اس کے لیے ہی لائی گئی تھی۔ میں اس بات کو سمجھ گئی کہ یہاں ایسا ہی ہوتا ہوگا کیونکہ تسنیم کو اس گھر میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ اس کا اپنا کوئی گھر نہیں ہے۔ اسے کوئی جگہ چاہیے سر چھپانے، کام کرنے اور بے وقوف بننے کے لیے۔ اس لیے جو تسنیم کا ہے وہ ملیکہ کا ہے۔ تسنیم نے مجھے کہا کہ اس بات پر کوئی اعتراض نہ کروں۔ میں کچھ ایسا نہیں کر سکتی تھی جس پر ملیکہ ناراض ہو۔ اس کے چہرے پر اس وقت کراہت اور نفرت کا تاثر تھا جس وقت اس کے خیال میں کوئی اسے نہیں دیکھ رہا تھا لیکن جب وہ ملیکہ سے بات کرتا تو چہرے پر مسکراہٹ لے آتا۔ یوں بار بار اس کے چہرے کی رنگت بدل رہی تھی۔

ملیکہ اپنا میک اپ مکمل کر چکی ہے اور اب وہ میک اپ کھول کر کوئی چیز بڑی عجلت سے ڈھونڈ رہی ہے۔ اس نے آئی شیڈو نکالی، جو میں نے گذشتہ موسم گرما میں تسنیم کو دی تھی اور اسے آنکھوں پر پھیلانا شروع کر

دیا۔ ''یہ بہت اعلیٰ قسم کی ہے'' ملیکہ نے کہا اور تسنیم نے بھی سر ہلا دیا۔

ملیکہ کے بھائی نے اونچی آواز میں اعلان کیا کہ اس کی بہن دوسرے کھسروں کی طرح عام نہیں ہے:

''خدا نے اسے عضوِ تناسل نہیں دیا۔ خدا نے اسے مرد بھی نہیں بنایا اور خدا یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ عورت ہو۔''

ملیکہ نے مجھے ایک الماری کے اندر بلایا جو کپڑے بدلنے اور رکھنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ وہ اس کہانی کی تصدیق کرانا چاہتی ہے جو اس کے بھائی نے سنائی ہے۔ الماری میں شلوار قمیضوں کا ایک ڈھیر لگا ہے۔ ملیکہ اندر برہنہ ہے اور خود پر مغرور بھی۔ اس کا عضو تناسل نہیں ہے، نہ ہی اس کا سینہ ابھرا ہوا ہے۔ لیکن اس کے جسم کی ساخت مردانہ ہے۔ میرا خیال ہے وہ حیاتیاتی طور پر مرد پیدا ہوئی تھی اور اس کا عضو اور خصیے بعد میں ہٹائے گئے تھے۔

تسنیم پھر مشکل میں لگ رہا ہے ''اس کے بارے میں کسی سے بات نہ کرنا، یہ راز ہے، اس نے سرگوشی کی''۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ ملیکہ سے زیادہ تسنیم کو اس راز افشانی کا خوف تھا۔ عضو تناسل کے بغیر ملیکہ، اس کی مدمقابل ہے اور وہ زیادہ کھسرا نما ہے جیسا کہ تسنیم ہونا چاہتا ہے۔ تسنیم حسد سے جل رہا ہے۔

کمرے سے باہر زوردار دھماکے جیسے شور ہوا۔ ایک نوجوان کمرے کے باہر بندھی بکریوں سے گزرتے ہوا دھماک سے گرا۔ اس کے ہاتھ میں موجود سنیکس کا ٹرے اور کوک کی بوتلیں کنکریٹ کے فرش پر گریں، ملیکہ نے فوراً اسے لعنت ملامت کرنا شروع کر دی۔ نوجوان لڑکے نے سارا کوڑا کرکٹ جمع کر کے کونے میں رکھ دیا۔ چند منٹ بعد وہ پھر واپس آیا اور تمام لوگوں میں کوک اور نمکو تقسیم کرنے لگا۔ وہ تنومند جوان ہے تقریباً 18 یا 19 سال کا۔ اس کے لچکیلے اعضا پھرتی مگر بے ہنگم طریقے سے حرکت میں ہیں۔ اس کے ہونٹ کٹے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے تمام لوگوں کی نظریں اس پر ہیں۔ بال شانوں تک کٹے چمکدار ہیں جنہیں وہ ادا سے جھٹکتا رہتا ہے۔ مغربی طرز کا لباس اس نے پہنا ہوا ہے...... ایک کھردری جیکٹ اور کریم کلر کی جینز۔

ایک کھسرا بھی مغربی طرز کے لباس کو پہننے کی کوشش میں ہے۔ لڑکیوں کا آؤٹ فٹ، تنگ ٹراؤزر، پلیٹ فارم شوز، پھیلی ہوئی شرٹ...... یہ کھسرے زنانہ ملبوسات پہنے مرد ہیں۔ ان کی کمر موٹی، چوتڑ بھاری اور ٹانگیں پُرگوشت ہیں۔

ملیکہ کے دوست کھسرے نے کمال مہارت سے اپنے چہرے پر موجود دانے میک اپ کے ذریعے چھپا لیے ہیں اور بے رحمی سے تسنیم کے کپڑے کھینچ کر اسے تنگ کر رہا ہے۔ مجھے تسنیم کی آنکھوں میں آنسو صاف نظر آ رہے ہیں۔ پھر ہم پانچ لوگ...... میں، تسنیم، ملیکہ، تسنیم کو تنگ کرنے والا اور ہونٹ کٹا...... ملیکہ کے بھائی کے رکشے میں سوار ہوئے اور سرکس کی طرف روانہ ہو گئے۔ تسنیم نے میرا ہاتھ تھام رکھا ہے اور مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے لیکن رکشے کا شور کچھ بھی سننے نہیں دے رہا۔

سرکس لاہور کے سرے پر واقع ہے۔ بہت سے خیمے ایک چار دیواری میں لگے ہیں اور روشنیاں کافی تعداد میں ہیں۔ یہ چلتا پھرتا تفریحی مرکز پاکستان بھر میں گھومتا ہے، کبھی یہاں، کبھی وہاں۔ سب سے پہلے ہم سکیورٹی کے مراحل سے گزرے جنہیں ایک سابقہ فوجی دیکھ رہا ہے۔ پھر ہمیں گھومنے والے چوگوشیا دروازے سے گزرنا پڑا۔ ایک بڑے سے کمپاؤنڈ میں سینکڑوں لوگ موجود تھے۔ میں صرف واحد عورت وہاں موجود تھی۔ چند کھیلوں نے ناظرین کی بڑی تعداد کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا رکھی ہے۔ کمپاؤنڈ کے آخری کونے میں موت کا کنواں ہے۔ یہ ایک بڑے سے جنگلے کی صورت میں ہے جس کے باہر کی طرف عورتوں کی تصویریں لگی ہیں جن کے چہروں پر مسکراہٹ، بڑے بڑے پستان، تنگ جامے اور چمکتی جیولری نمایاں ہے۔ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ ان عورتوں میں سے کسی نے بھی کبھی یہ سرکس نہیں دیکھا ہوگا۔

پاکستان کی سرکسوں میں موت کے کنویں کو بہت مرکزی اہمیت حاصل ہے اور لوگوں کی اس میں دلچسپی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ موت کا کنواں پرانی لکڑیوں سے تعمیر شدہ ہے اور قریب قریب 50 فٹ اس کی اونچائی ہے۔ سیاح ایک سیڑھی کے ذریعے کنویں کے اوپری کنارے پر بنی جگہوں پر پہنچتے ہیں۔ کنویں کا نام شاید صحیح ہی رکھا گیا ہے___ یہ ایک بڑا سا سیاہ کھڈا ہے۔ درمیان میں دھاتی پول کے ساتھ کچھ بلب لٹکے ہیں۔

تہہ میں موجود ایک دروازے سے پرفارمر داخل ہو رہے ہیں۔ بغیر سائیلنسر کے ایک موٹر سائیکل اس دروازے سے اندر داخل ہوئی اور درمیان میں رک گئی۔ اس کے بعد کھسرے جھومتے ہوئے اندر داخل ہوئے، میں نے اپنے چار دوستوں کو ہاتھ لہرا کر سلام کیا۔ ان کے ساتھ دس اور بھی کھسرے ہیں۔

اکثریت نے ایک ہی طرز کے مغربی کپڑے پہن رکھے ہیں۔ تمام ہی اترا کر چل رہے ہیں۔ تسنیم مجنونانہ انداز میں اشارے کر رہا ہے۔ وہ پوچھ رہا ہے ”کون سب سے زیادہ خوبصورت ہے“ ملیکہ بھی یہی سوال دہرائے جا رہی ہے۔

ٹھنڈ بہت زیادہ ہے اور میں اپنے کوٹ میں کانپ رہی ہوں۔ کھسرے لازماً اپنے مہین کپڑوں میں ٹھٹھر رہے ہوں گے۔ ان کی سانسوں کے ذریعے سے نکلتی ہوا بھاپ چھوڑ رہی ہے۔ ایک بے ہنگم میوزک کے شور پر انہوں نے رقص شروع کر دیا ہے۔ رقص جنوبی ایشیا کے کلاسیکی کی بجائے مغربی طرز کا ہے جسے ڈسکو کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے کولہے اور بریزیئروں کے نیچے موجود Stuff کو مٹکا رہے ہیں۔ کچھ اس میں زیادہ ہی ماہر ہیں۔ کچھ بس ٹھیک ہیں اور باقی ناکامل رقاص۔ ہونٹ کٹا لڑکا عجیب قسم کا کوئی ڈانس دکھا رہا ہے۔ وہ ایک ٹانگ پر ناچ رہا ہے جبکہ اس کی دوسری ٹانگ ہوا میں معلق ہے۔ ایک کھسرا جس کی عمر 14 یا 15 سال ہوگی اور جس کے بال لڑکوں کی طرح کٹے ہیں، مردانہ جینز اور پیلی شرٹ پہنی ہوئی ہے، وہ بھی اچھل کود کر رہا ہے۔ دو کھسرے عورتوں کی طرح لگ رہے ہیں۔ ملیکہ کا بھائی کہہ رہا ہے کہ یہ ملیکہ کی طرح ہیں___

جو عضو تناسل کے بغیر پیدا ہوئے۔ ان کے چہروں کی نفاست اور جسمانی خدوخال کو دیکھتی ہوں تو مجھے اس کے خیال سے اتفاق کرنا پڑتا ہے۔

تماش بینوں کے لیے بنائے گئے چبوترے پر تقریباً 70 لوگ موجود ہیں جو تیس فٹ کے قریب نیچے موجود کھسروں کا رقص دیکھ رہے ہیں۔ یہ سب معمولی لوگ ہیں، مزدور، دکاندار، تاجر وغیرہ___ تماش بینوں میں ہر عمر اور نوع کے لوگ موجود ہیں۔ کچھ نیچے رقص کرتے کھسروں پر پیسے پھینک رہے ہیں۔ ایک خوش لباس ادھیڑ عمر مرد جس نے سنہری گھڑی پہن رکھی ہے، نے ایک خوبصورت کھسرے کو گھیر رکھا ہے وہ اس پر 10 روپے کے نوٹ نچھاور کیے جا رہا ہے۔ یہ منظر ایسا ہے جیسے کسی میوزک پارٹی میں گلوکار پر رنگین پتیاں نچھاور کی جا رہی ہوں۔ کھسرا اس شخص کی طرف بوسہ اچھالتا ہے اور جلدی سے اپنے حصے کے وہ نوٹ جمع کرنا شروع کر دیتا ہے کہ مبادا کوئی اور اس کی کمائی نہ لے اڑے۔ رقم کی برسات کا [illegible] کھسروں کو مہمیز دے رہا ہے۔ وہ ہر دو منٹ بعد درمیانی پول پر لٹکی کنگھیوں کی طرف جاتے ہیں اور اپنے بال سیدھے کرتے ہیں۔ ناظرین ان کو دیکھ کر بے تاب ہو رہے ہیں۔

اب موٹر سائیکل والا بازی گر جو اس پورے تماشے کی جان ہے، کنویں میں داخل ہوا۔ وہ موٹر سائیکل جوں ہی اسٹارٹ کرتا ہے کھسرے کنواں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس نے رفتار تیز کی اور کنویں کی دیوار پر موٹر سائیکل چلانا شروع کی۔ موٹر سائیکل آہستہ آہستہ تیز ہوتی اوپر چڑھنا شروع ہوگئی۔ اب وہ صرف چبوترے سے چند فٹ دور گول گول بھاگ رہی ہے۔ صرف تین لوگ موٹر سائیکل کا تماشا دیکھنے کے لیے باقی رہ گئے ہیں۔ باقی تمام کھسروں کے پیچھے نیچے اتر گئے جو اب باہر ہلکا پھلکا ڈانس اور اپنے دھندے سے متعلق تفصیلات طے کر رہے ہیں۔ موٹر سائیکل کا کرتب ختم ہوا۔ کھسرے دوبارہ کنویں میں داخل ہو گئے اور ناظرین بھی دوبارہ چبوترے پر جمع ہو گئے ہیں۔ یہ چکر بار بار دہرایا جاتا ہے۔ ایک وقفے کے دوران تسنیم نے مجھے آ دبوچا۔ اس نے ایک تماش بین کے ساتھ ملاقات طے کی ہے اور شو کے بعد ایک ہوٹل میں جانے کا پروگرام بنایا ہے۔ ملیکہ بھی خوش ہے کیونکہ دھندا اچھا رہا ہے۔

دو تماش بین مجھ سے بولے: یہ لڑکیاں نہیں ہیں“ بلکہ آدھے مرد اور آدھی عورتیں ہیں۔“

تحائف

اقبال کی کھڑکی کی پچھلی طرف ایک چھوٹا سا کرسمس ٹری رکھا گیا ہے۔ میں نے طارق اور دوسرے خاکروبوں کی اس درخت کو سجانے کے سلسلے میں مدد کی ہے اور مجھے گھر کی یاد بھی ستا رہی ہے۔ میں نے کچھ پوسٹ کارڈ اور تحائف گھر پارسل کیے۔ آج جس پہلی شخصیت سے مجھے ملنا تھا اس کا نام جمیلہ ہے مگر وہ گھر پر نہیں ہے۔ اس کے شوہر نے مجھے بتایا کہ وہ بھیک مانگنے نکلی ہے اور ایک دو دن بعد ہی لوٹے گی۔ تسنیم بھی گھر

پرنٹیں۔ ملیکہ نے مجھے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور انتظار کرلو۔ اس نے تسنیم کا کرسمس کارڈ کھولا اور بڑے سے موٹے سانتا کلاز کو دیکھ کر کہا: ''اوہ، یہ میرے ایک شوہر کا ہمشکل ہے'' وہ مسکرایا۔

اس نے ایک الماری کھولی، اس میں سے ایک ڈبہ نکالا اور میرے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر اس نے ڈبے میں سے ایک ایک کر کے زیور نکالا اور سامنے پھیلا دیا ''یہ پچاس ہزار روپے کے ہیں''۔ ''یہ میرے شوہر نے مجھے لے کر دیے تھے...... وہ اچھا آدمی تھا''۔ اس نے ایک گلے کا ہار میری آنکھوں کے سامنے لہرایا اور کہا: ''یہ آٹھ ہزار روپے کا ہے...... میرے چوتھے شوہر نے مجھے دیا تھا''۔

سونے کی بالیاں دینے والا کمرے میں آیا اور ہمارے ساتھ ہی بیٹھ گیا ''یہ میرا شوہر ہے'' ملیکہ نے کہا لیکن اس شوہر کے نمبر کا ذکر اس نے نہ کیا۔ آدمی کی عمر لگ بھگ 40 سال ہوگی۔ گول چہرے والا یہ شخص موٹا سا آدمی ہے۔ اس کی آنکھیں بہت چھوٹی ہیں اور آواز بھی بہت باریک ہے جو اس کے جثے کے ساتھ لگا نہیں کھاتی۔ اس نے اپنا چمکدار، خوبصورت اور مہنگا جوتا دروازے میں اتارا، اس کے پاؤں ہموار اور نرم و نازک تھے۔ اس نے ملیکہ کو تحفہ دیا___ نئی بالیاں___ ملیکہ نے چیخ کر اودھم مچایا اور پھر آدمی چلا گیا ''بہت اچھا شوہر ہے'' ملیکہ نے تبصرہ کیا اور اس زیور کو بھی باقی جیولری کے ساتھ ڈبے میں رکھ دیا۔

''کیا یہ شادی شدہ ہے'' میں نے پوچھا۔

''یقیناً'' ملیکہ ہنسی ''میرے تمام شوہروں کی بیویاں عورتیں ہیں۔ میرے پاس تو وہ مزہ کرنے آتے ہیں''۔ تسنیم ہڑبڑاتا کمرے میں داخل ہوا۔ وہ پریشان اور عجلت میں ہے۔ اپنے کرسمس کارڈ کو پا کر بہت خوش ہے لیکن میں نے نوٹ کیا کہ وہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا ہے۔ یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے شاید وہ الفاظ سے دھوکا کھا گیا ہے۔ وہ بالکل اَن پڑھ ہے۔

پاکستانی کتابیں اور پوسٹ کارڈ انگلینڈ کے مقابلے میں مخالف سمت میں کھلتے ہیں۔ کارڈ پھر الماری میں رکھ دیا گیا لیکن فادر کرسمس اس میں سر کے بل کھڑا نظر آ رہا ہے۔

تسنیم نے اپنا سوٹ کیس کھولا اور اپنے رقص کے دو جوڑے نکالے ایک ارغوانی رنگ کا ہے اور دوسرا پیلے رنگ کا۔ ''تم کونسا لوگی؟'' اس نے مجھ سے پوچھا ''کونسا رنگ تمہیں زیادہ پسند ہے'' میں نے وضاحت کی کہ میرے پاس کافی سارے کپڑے موجود ہیں اور مجھے مزید کپڑوں کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس کا اصرار جاری رہا۔

''لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم ایک لو، پھر ہم بہنیں بن جائیں گی۔ یاد ہے نہ تم نے پچھلی گرمیوں میں مجھے ایک سوٹ دیا تھا۔''

ہچکچاتے ہوئے میں نے ارغوانی رنگ کا سوٹ پسند کیا اور پھر میں اور تسنیم الماری میں کپڑے بدلنے چلے گئے۔ خوش قسمتی سے ارغوانی سوٹ تنگ نکلا اور میں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ میں نہیں پہن سکتی۔

''نہیں نہیں'' تسنیم چلایا ''ہم درزی کے پاس جائیں گے'' اس نے مجھے الماری سے کھینچا اور ہم درزی کی طرف چل دیے۔ ہم تھوڑی دیر گلی میں پیدل چلنے کے بعد ایک خوبصورتی سے سجے ہوئے گھر میں پہنچے۔ کھسروں کا ایک گروپ دروازے میں کھڑا تھا۔ انہوں نے مجھے غور سے دیکھا جب ہم ان کے پاس سے گزرے۔

''کیا یہ لڑکا ہے؟'' انہوں نے تسنیم سے پوچھا۔

''نہیں، یہ لڑکی ہے'' اس نے جواب دیا۔

''واقعی'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

مجھے بے عزتی محسوس ہوئی۔ گھر میں مجھے اچھا خاصا خوبصورت تصور کیا جاتا ہے۔

یہ عمارت ایک اہم کھسرا ہاؤس ہے۔ دو کھسرے فرش پر بیٹھے سلائی کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نے میرے سینے کی پیمائش لی تاکہ سوٹ کو اس کے مطابق تراش سکے۔ میں نے کھسرے کو دیکھا اور اس کی سرگوشی بھی سنی۔

''اسے تو لڑکا ہونا چاہیے تھا۔ اس کے پستان چھوٹے سے ہیں۔''

میں نے چلاّ کر انہیں خاموش کیا اور وہ ہنس پڑے۔

ایک طویل القامت تنومند شخص، جس کی عمر 40 سال کے قریب ہوگی، مالکانہ شان سے اندر آیا اور پُر اعتماد انداز سے پورے منظر کو دیکھا۔ اس نے مردانہ لباس پہن رکھا ہے اور اس کے سر پر مہندی لگی ہے۔ مجھے ارادتاً کچھ لمحوں کے لیے دیکھنے کے بعد وہ تھوڑا سا گڑبڑایا اور مسکرا دیا۔

''یہ ہمارے گرو ہیں'' تسنیم نے وضاحت کی۔ ''یہ بہت، بہت اہم ہے۔ ہم کوئی بھی کام کرنے سے پیشتر ان سے اجازت لیتے ہیں۔''

تسنیم اس آدمی کی طرف گیا، نیچے جھکا اور پاؤں چومے۔ گرو مشفقانہ انداز میں مسکرایا، اور کمرہ چھوڑ کے چلا گیا۔ دس یا بارہ کھسرے اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔ وہ ہیرا منڈی کے کھسروں کا سب سے بڑا گرو ہے۔

لباس منٹوں میں تیار ہو گیا اور مجھے پورا بھی آیا۔ تسنیم مجھے لے کر واپس آیا، ملیکہ کے گھر میں اور کپڑے بدلوائے تاکہ مجھے اس لباس میں دیکھ سکے۔ اس نے میرے بالوں میں کنگھا کیا، انہیں باندھا، اور میرے سر پر سلیقے سے دوپٹہ اوڑھایا۔ اس کی آنکھیں مسلسل آنسو بہا رہی ہیں اور پھر اس نے مجھے گلے لگا لیا۔

''اب ہم بہنیں ہیں'' اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

رمضان

یہ دسمبر کی ایک یخ بستہ شام ہے۔ وقت چھ بجے ہوں گے۔ لڑکے صحن میں پڑی چارپائیوں پر اودھم مچا

رہے ہیں، نوجوان دلال کے کمرے میں بیٹھے طبلے پر گیت گا رہے ہیں۔ بوڑھی عورتیں ہیٹر کے گرد بیٹھی پاؤں سینک رہی ہیں، سموکنگ کر رہی ہیں اور قہقہے مار رہی ہیں۔ وہ تمام خوش ہیں کیونکہ یہ رمضان کا مہینہ ہے اور انہوں نے ابھی ابھی کھانا کھایا ہے۔

رمضان اسلامی مہینہ ہے جس میں روزے رکھے جاتے ہیں۔ مذہبی لوگ اس مہینے میں طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ رکھتے ہیں۔ پاکستان میں زندگی سست رفتاری سے آگے بڑھتی ہے۔ چیزیں بغیر کسی عجلت کے رونما ہوتی ہیں۔ رمضان میں یہ رفتار کچھ زیادہ ہی سست ہو جاتی ہے۔ دکانیں دفتر جلد بند ہو جاتے ہیں، ہوٹل دن کے اوقات میں بند رہتے ہیں لوگ دن میں غائب ہو جاتے ہیں اور گھروں میں جا کر سو جاتے ہیں۔ دن اور رات کے معاملات الٹ جاتے ہیں۔

ہر شخص روزہ نہیں رکھتا مگر کام سے غیر حاضری سب کے لیے ضروری ہے۔ کئی سماجی اور سیاسی دباؤ بھی رمضان کی چھٹی ناگزیر بناتے ہیں۔ بیماروں، حاملہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو روزے معاف ہوتے ہیں۔ بطور نان مسلم مجھے بھی استثنا حاصل ہے لیکن روزے داروں کے سامنے سرِعام کھانا یہاں ایک حساس معاملہ تصور ہوتا ہے۔ اس لیے میں شاپنگ چھپ کر کرتی ہوں اور تیزی سے اور چھپ کر کھا لیتی ہوں، اور اسی طرح چند لوگ اور بھی کرتے ہیں جو روزہ داروں میں بھی شامل ہوتے ہیں۔ اکثر دفاتر میں بھی ایسے کونے موجود ہوتے ہیں جہاں سگریٹ کے بچے ٹکڑے، کھانے کی باقیات اور چائے کے خالی کپ پڑے نظر آ جاتے ہیں۔

رمضان کی راتیں کھانے اور کرکٹ کے لیے ہیں۔ اگرچہ مذہبی لوگوں کے ذہن روحانی تفکر میں مشغول ہوتے ہیں نہ کہ جسمانی لذتیں ان کا مقصود ہوتی ہیں۔ سیکس روزے کے دوران منع ہے اس لیے ان دنوں میں ہیرامنڈی میں دھندا ٹھنڈا رہتا ہے اور وہ دھندا کرنے والی جو رمضان کا احترام کرتی ہیں وہ ان دنوں دھندا نہیں کرتیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ یہ خدا کی تحقیر ہے۔ غریب دھندا کرنے والی اس مذہبی روایت کو افورڈ نہیں کر سکتیں۔ ٹبی گلی میں نازیہ ان دنوں بھی چوکھٹ پر بیٹھی ہے۔

کوٹھے آدھی رات کو بالکل خاموش ہیں، اس کی ایک وجہ تو رمضان ہے اور دوسری وجہ ناقابل برداشت سردی۔ پاپ کارن اور آئس کریم بیچنے والے چھٹی پر ہیں مگر پان بیچنے والا چکر لگا رہا ہے۔ ساتھ والے گھر میں یقیناً کوئی پارٹی ہو رہی ہے کیونکہ وہاں رات کے اس سمے حیرت انگیز طور پر بہت زیادہ پان خریدے گئے ہیں۔ عمارت کی چوتھی منزل سے ایک دھاتی ڈول بذریعہ رسّی نیچے آیا، جس میں پیسے تھے، پان والے نے پیسے اٹھائے اور پان اس میں رکھ دیے۔ ڈول واپسی کا سفر کرتے ہوئے دیواروں سے ٹکرا رہا ہے اور شور مچا رہا ہے۔

صبح کے تین بجے ہوں گے جب ایک تیز سائرن کی آواز نے جاگنے پر مجبور کر دیا۔ یہ روزے داروں کو

جگانے کے لیے باقاعدہ اعلان ہے کہ وہ اٹھ کر کھانا بنا لیں قبل اس کے کہ صبح صادق ہو جائے۔ خاکروب سائرن کی آوازوں کے تھوڑی دیر بعد ہی گلیوں میں نظر آنے لگے۔ تین ڈھانچے جھاڑو ہاتھ میں تھامے نکلے۔ پھر انہوں نے جھاڑو پھیرنا شروع کی، اس دوران ان کا دوسرا ہاتھ پیچھے کمر پر موجود ہوتا۔ تھوڑی دیر بعد جھاڑو والا ہاتھ کمر پر اور کمر والا جھاڑو پر آ جاتا۔ ان کے ہاتھوں پر پرانے کپڑوں کی پٹیاں بندھی ہیں جب کہ چہرے کے اوپر انہوں نے کپڑا ڈالا ہوا ہے۔ ان کے پاس روایتی جھاڑو ہیں۔ ایک لکڑی کے ڈنڈے سے تیلیاں بندھی ہیں۔ جھاڑو لگانے کی آواز رات کے پچھلے پہر کی روٹین کی آواز ہے۔

بادشاہی مسجد رمضان میں اپنے رنگ ڈھنگ بدل لیتی ہے۔ سحری کے وقت وہاں ڈزنی لینڈ کا کوئی منظر ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اللہ دین اڑن کھٹولوں پر بیٹھا مسجد کے چاروں میناروں کے گرد اگرد گھومے جا رہا ہے۔ ہزاروں روشنیاں دیواروں اور صحن کے اوپر لٹکی ہیں۔ میناروں سے نیلی اور سبز شعاعیں نکل کر مسجد کے گنبد کو نمایاں کر رہی ہیں۔ یہ رنگ برنگی روشنیاں قریبی ہوٹل سے مستعار لی گئی ہیں اور پچھلے چند دنوں سے، جب سے رمضان شروع ہوا ہے، نظر آ رہی ہیں۔ اس ہوٹل کا مالک ہر سال رمضان میں مسجد کی لائٹنگ کا اہتمام کرتا ہے۔ وہ یہ خرچ برداشت کرنے کے قابل ہے کیونکہ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ شاہی محلے میں نشے کا بہت بڑا بزنس چلا رہا ہے۔

رمضان کے باعث گھاس کے میدانوں میں کھیلوں کو بندش کا سامنا ہے کیونکہ کھیل جیسی عیاشی کو رمضان میں مسجد کے اتنے قریب برداشت نہیں کیا جاتا ہے۔ جونشئی مسجد کے ساتھ کھیل کے میدان میں موجود درختوں کو اپنی پناہ گاہ بنائے ہوئے تھے اب وہ اپنی رہائش میدان کے دوسرے حصے میں دیوار کے ساتھ بنائے ہوئے ہیں۔ آج دوپہر میں جب میں وہاں سے گزری تو وہ چھوٹے چھوٹے گروپوں میں جمع سر جوڑ کے بیٹھے ہیروئن پی رہے تھے۔ کچھ نوجوان تھے جو ایک بوڑھے آدمی کو سرنج کے ذریعے نشے کا انجکشن لگاتے دیکھ رہے تھے اور اپنی باری کے منتظر تھے۔ وہ اپنے مشغلے میں اتنے منہمک تھے کہ انہوں نے مجھے نوٹس ہی نہیں کیا۔ ان میں سے ایک گذشتہ رات یہیں مردہ پایا گیا تھا۔ صبح اس کی لاش بازار کے بیچ پڑی تھی۔ لاوارث لاشوں کے لیے پڑی چارپائی پر وہ اوندھے منہ پڑا تھا جبکہ اس کا بھیک کا کشکول بھی ساتھ الٹا پڑا تھا۔ اس کا جسم سوکھ کر کانٹا بنا پڑا تھا اور پورے بدن پر وہ کھجوریں چمٹی تھیں جو رمضان میں روزے دار کھاتے ہیں۔ اس چارپائی پر ہر ہفتے کوئی نہ کوئی لاوارث لاش پڑی ملتی ہے۔

مولا علی کا تعزیہ

شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کے لیے 20 رمضان کا دن اہم تصور ہوتا ہے۔ یہ حضرت محمدؐ کے چچا زاد بھائی اور داماد کا یومِ وفات ہے۔ ماہا نے مجھے بتایا کہ ان کی یادگار کو ایک جلوس کے ساتھ

ہیرا منڈی سے بھاٹی گیٹ لے جایا جائے گا۔ مجھے بتایا گیا کہ میں ساڑھے تین بجے تیار رہوں۔ مجھے لازماً کالے کپڑے پہنے ہوں گے، چہرے پر میک اپ کا تنکا بھی نہ ہو اور مجھے لازماً مسکرانا بھی نہیں ہوگا کیونکہ یہ تعزیے کے جلوس کی بے ادبی ہوگی۔ یہ ماتم کا وقت ہے۔ بہت سی مقامی عورتوں نے مجھے بتایا کہ وہ شیعہ ہیں اور ماتم وہ سرگرمی ہے جو شیعہ سب سے بہتر انداز میں کرتے ہیں۔ انہوں نے ماتم کو ایک آرٹ اور طرزِ زندگی میں ڈھال دیا ہے۔

اس وقت ہم ہیرا منڈی چوک سے ترنم چوک جا رہے ہیں۔ ہزاروں عورتیں دوسرے تیسرے اور چوتھے فلور کی اپنی کھڑکیوں اور بالکنیوں سے جلوس کو گزرتا دیکھ رہی ہیں۔ میں ایک لمحے کے لیے انہیں دیکھنے کو رکی۔ یہ سانس روک لینے والا منظر ہے۔ محلے کی وہ طوائفیں جو کبھی باہر نہیں نکلیں اس وقت وہ بھی چار دیواری کے باہر ہیں۔

مولا علی کی یادگار...... ایک بڑے سے چاندی کے تابوت میں رکھی ہے۔ یہ تعزیہ ہے۔ ان کے مقبرے کا ماڈل۔ درمیان میں ایک گنبد ہے اور لوگ اس پر پھولوں کے ہار پھینک رہے ہیں۔ لمحوں میں تعزیہ پھولوں سے لد گیا۔ جب ہوا کا رخ ہماری طرف ہوتا ہے تو ہمارے نتھنوں سے ان پھولوں کی سہانی خوشبو ٹکراتی ہے۔

مرد تعزیے کو کندھا دینے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی چاہ میں جھگڑ رہے ہیں۔ مقابلہ اتنا سخت ہے کہ مقدس تعزیہ گلی میں لہراتا آگے بڑھ رہا ہے۔ یہ اوپر نیچے جا رہا ہے اور کبھی متوازن نہیں ہو پاتا۔ نوجوان لڑکے تعزیے کے آگے بھاری قدموں کے ساتھ چل رہے ہیں۔ ان کے ہاتھ اوپر فضا میں اٹھتے ہیں اور خلا بناتے کھوکھلے انداز میں سینے پر پڑ رہے ہیں۔ وہ یہ سب ایک ہی وقت میں کر رہے ہیں۔ عورتیں پیچھے پیچھے چل رہی ہیں۔ ان کے سامنے مرد ہاتھوں کی زنجیر بنائے چل رہے ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ ہاتھوں کی اس زنجیر کا مقصد عورتوں کو تعزیے سے دور رکھنا ہے۔ یہ احتیاط ان کے تحفظ کی نیت سے برتی گئی ہے۔ آدمی پُر جوش ہیں۔ وہ زور زور سے ماتم کر رہے ہیں ایک باریک لائن اس ماتم کو متشدد اور تباہ کن بنانے سے روک رہی ہے۔ آدمیوں کے سروں کے اوپر سے گزار کر چھوٹے بچوں کو تعزیے سے قریب لایا جاتا ہے۔ خوش قسمت بچوں کا جسم یا ہاتھ تعزیے کو چھونے میں کامیاب ہو پاتا ہے۔ باقیوں کے سر چاندی کے ڈنڈوں سے مس کر دیے جاتے ہیں۔ مجمع میں موجود کوئی بھی شخص اس عمل کی روحانی فیوض و برکات کے بارے میں متجسس نہیں۔ انہوں نے شوخ رنگ کے کپڑے پہنے ہیں اور اودھم مچائے جا رہے ہیں۔ ان کی چیخوں کی آواز میں علی اور خدا کے نام کی ہوتی حمد و ثنا دب کر رہ گئی ہے۔

ہم آگے بڑھے۔ ہر طرف لوگوں کا ہجوم ہے۔ ہزاروں قدم گلی میں دھمک پیدا کر رہے ہیں۔ سینکڑوں جوتے گلی میں لاوارث پڑے ہیں کیونکہ مجمع اتنا بے ہنگم اور جسموں پر دباؤ اتنا زیادہ ہے کہ کسی کے بھی جوتے گم ہو سکتے ہیں۔ خاص طور پر وہ پلاسٹک کے کھلے جوتے جو یہاں کی غریب اکثریت پہنتی ہے۔ ایک پولیس

کی گن میری کمر میں چبھ رہی ہے جب کہ ایک بوڑھی عورت میری سست رفتاری پر مجھے کوسے جا رہی ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اپنے سامنے موجود شخص کی رفتار سے تیز نہیں چل سکتی۔ لیکن اس نے مجھے غصے سے جھاڑ پلا دی۔ ماہا نے جلدی سے اپنی دعا مختصر کی اور اس بوڑھی عورت کو گھٹیا، گندی کتیا کہہ کر چپ کرا دیا۔

بھاٹی گیٹ کی دوسری طرف جلوس کشادہ ہو گیا۔ اب اندرون شہر سے ہم مرکزی کشادہ سڑک پر ہیں جسے بہت سے گارڈ محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ مسلح دستے اور پولیس والے اسلحے کے ہمراہ موجود لوگوں کے ہجوم کے درمیان سے تعزیے کو دیکھ رہے ہیں۔ مجمع کے درمیان میں آڑی ترچھی چلتی ایک ایمبولینس، بوڑھوں بچوں اور ست الوجود زائرین کی طبی امداد کے لیے بڑھ رہی ہے۔ ایک لمحے کے لیے تمام لوگوں کی توجہ تعزیے سے ہٹ گئی۔ سائرن کی آواز نے افطاری کا اعلان کر دیا ہے اور ہر شخص اپنے ہاتھ میں موجود خوراک کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔

ایمبولینس چنگھاڑتی آگے بڑھی اور لوگ کود کود کر اس کے راستے سے ہٹنے لگے۔ اس بار معاملہ سنجیدہ ہے۔ کچھ نوجوانوں نے ماتم اور عزاداری میں خود کو شدید زخمی کر لیا ہے۔ دو لڑکوں کی پیٹھ سے بے تحاشا خون بہہ رہا ہے۔ انہوں نے اپنی پیٹھ پر بلیڈ سے وار کیا ہے۔ ماہا نے آدمیوں کے اس مذہبی جذبے کو سراہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے۔

ایڈز

ٹبی گلی رمضان میں ویران ہے۔ چند ایک گاہک وہاں گھوم رہے ہیں۔ عورتیں اگرچہ دھندے پر موجود ہیں مگر اب وہ چوکھٹوں پر ہونے کی بجائے اندر کی طرف اپنے کمروں میں کھسک گئی ہیں۔ نازیہ کی مادام اپنی چوڑی ٹانگیں پھیلا کر قد مچے پر بیٹھی ہے مگر نازیہ کا مجھے صرف میک اپ کی وجہ سے چمکتے چہرے کی ہلکی سی جھلک نظر آ رہی ہے۔ صرف عورتوں اور لڑکیوں کا ایک گروپ جو دکان کے نزدیک ہی دھندا کرتا ہے، مجھے گاہکوں کا منتظر نظر آیا۔ وہ کوئلے دہکا کر اس کے گرد بیٹھی ہیں۔ شیلا، دکان والی نے اونی جرابیں پہن رکھی ہیں جو پاؤں سینکتے ہوئے جھلس گئی ہیں۔ لنگڑی سینہ ایک پلیٹ میں کوئی کریم پھینٹ رہی ہے۔ شیلا نے ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑے میں سینہ کو دیکھا اور پھر پلیٹ میں مکس کی گئی کریم اپنے چہرے پر لگانے لگی۔

''یہ گورا کرنے کے لیے ہے'' سینہ نے وضاحت کی ''یہ بلیچ ہے۔''

''کیا تم لگاؤ گی؟'' شیلا نے پلیٹ میری طرف کرتے ہوئے کہا ''یہ تمہارے چہرے پر موجود نشانوں کے لیے بہت بہتر ہے۔''

بلیچ کو سکھانے کے لیے اگلے پندرہ منٹ تک شیلا گلی کے درمیان بیٹھی رہی۔ وہ ہر اس بندے پر چیخ اور چلا رہی ہے جو اس کے قریب سے گزرتا ہے۔ وہ چڑچڑی ہو رہی ہے کیونکہ دھندا سرد ہے۔ اس کی دکان کے

گرد پانچ لڑکیاں بیٹھی ہیں مگر گزشتہ آدھے گھنٹے میں صرف ایک لڑکی اندھیری سیڑھیاں چڑھ کر ایک نوجوان کے ساتھ اوپر کمرے میں گئی ہے۔ سینہ بوریت کا شکار ہے۔ لنگڑی ٹانگ پر بوجھ کم کرنے کے لیے وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہے۔ وہ تمام وقت اسی شیڈ کے نیچے کھڑی رہتی ہے، ہمیشہ گلی میں سامنے موجود تنگ راستے کو دیکھتی ایک ہی چیز سے متعلق ایک ہی طرح کی باتیں دہراتی رہتی ہے۔ میں جتنی بھی بار ٹبی گلی میں آئی ہوں، ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ وہاں موجود نہ ہو۔ گرد آلود یہ تنگ سی گلی کی نکر، شیلا کی دکان، اندھیرا سیڑھیوں کا زینہ اور تاریک تر اس کا کمرہ...... یہی اس کی کل کائنات ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ کبھی ٹبی گلی چھوڑ کر نہیں گئی۔ وہ اکثر مجھ سے پوچھتی ہے:

''کیوں میں یہ گلی چھوڑوں؟ کوئی تو وجہ ہو؟''

گلی کی دوسری طرف واقع ایک گھر سے ایک نوجوان عورت نے مجنونانہ انداز سے اپنے ہاتھ ہلا کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اور چائے پینے کی دعوت دی۔ اس کے گھر کی جانب جاتی سیڑھیاں صاف ستھری ہیں اور تھوڑی سی جگہ پر بہت سا فرنیچر ٹھنسا ہوا ہے۔ اس کی چھوٹی بہن جس کی عمر 12 سال سے زیادہ نہیں، ٹی وی پر ایک نصف ننگی فلم دیکھ رہی ہے جو غالباً مشرق وسطیٰ کے کسی ملک میں ریکارڈ کی گئی ہے۔ فلم میں ایک خاتون فحش انداز میں رقص کر رہی ہے اور کمرے میں موجود لڑکی اس کی نقل اتارتی جا رہی ہے۔ جب میں اندر آئی تو فلم بند کر دی گئی اور لڑکی میرے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔

ان دو بہنوں اور وہاں موجود ان کی ماں کا تعلق بلوچستان سے ہے۔ جو پاکستان کا ایک دور دراز کا صوبہ ہے۔ ان کی مادری زبان بلوچی ہے۔ وہ بمشکل ہی اردو اور پنجابی میں بات کر سکتی ہیں۔ بڑی بہن نے مجھے بتایا کہ اس کے بھائی کی شادی پندرہ ماہ قبل ہوئی ہے۔ اس نے جلدی سے شادی کی ویڈیو چلائی تاکہ مجھے شادی میں شرکت کرنے والے اہم لوگوں سے متعارف کرا سکے۔ اس نے ویڈیو روکی، میں اس میں اسے اور ایک اور خاتون کو جسے میں جانتی ہوں، دیکھ سکتی ہوں۔ لیکن میں انہیں بدقت پہچان پائی۔ شادی کی تقریبات میں یہ اچھا خاصا بدل جاتی ہیں۔ دونوں اپنے سابقہ وجود میں ہیں۔ ان دونوں کا وزن اب کہیں کم ہے اور ان کے چہرے کی تازگی بھی غائب ہو چکی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان کو ٹی بی ہے ایڈز یا کوئی اور بیماری، لیکن ایک بات طے ہے کہ ان کی صحت کے ساتھ کوئی انتہائی خوفناک اور سنجیدہ معاملہ ہے۔

ہیرا منڈی میں کنڈومز کا استعمال شاذ ہی ہوتا ہے۔ ہر دھندا کرنے والی ایک ہی بات رٹے رٹائے انداز میں کہہ دیتی ہے کہ گاہک ان کا استعمال پسند نہیں کرتے۔ گلی میں موجود کوڑا بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ وہاں شاذ ہی کنڈومز پڑے ملتے ہیں۔ محفوظ سیکس کی تحریک ابھی ہیرا منڈی تک نہیں پہنچی، اور لوگوں میں بھی اس حوالے سے شعور اور معلومات کی بے تحاشا کمی ہے۔

محلے میں سیکس اور کنڈوم ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے۔ ماہا اس کی وضاحت یوں کرتی ہے ''تماش

بین ان کا استعمال پسند نہیں کرتے کیونکہ اس سے سیکس کا فطری احساس مجروح ہوتا ہے۔ وہ پورے احساس کو جذب کرنا چاہتے ہیں۔ کنڈومز استعمال کرتے ہوئے وہ ایسا محسوس کرتے ہیں کہ جیسے وہ شاپر کے ساتھ، پلاسٹک کے سوراخ کے ساتھ سیکس کر رہے ہیں۔''

ٹبی گلی کی اکثر عورتوں نے ایڈز کا نام تک نہیں سن رکھا ہے، اور جن عورتوں نے اس کا نام سن رکھا ہے وہ کہتی ہے کہ یہ ان غیر مکمل مردوں کی بیماری ہے جو ہم جنس پرستی کرتے ہیں۔ نازیہ کی مادام خود کو اس موضوع پر سند سمجھتی ہے۔ وہ کہتی ہے ''تم لوگوں کو ایڈز اس لیے ہوتی ہے کیونکہ تم ان گندے مردوں کے ساتھ سوتی ہو، جو پچھلی طرف سیکس کرتے ہیں۔''

اعلیٰ طبقے کی عورتیں سمجھتی ہیں کہ ایڈز ٹبی گلی جیسے علاقوں میں رہنے والی گندی رنڈیوں کی بیماری ہے۔ عزت دار عورتیں کنڈوم استعمال کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ ماہا پورے یقین سے کہتی ہے:

''مجھے کبھی ایڈز نہیں ہو سکتی، کیونکہ میں صاف ستھری رہتی ہوں اور میرے تمام شوہر عزت دار مرد رہے ہیں، میری اندام نہانی ہمیشہ تازہ اور صاف رہتی ہے۔ صرف ٹبی گلی کی گندی کنجریوں کو ایڈز ہو سکتا ہے کیونکہ نہ تو وہ صاف رہتی ہیں اور پھر وہ پیچھے سے بھی کراتی ہیں۔ وہ اپنی اندام نہانی کو کبھی نہیں دھوتیں اور ان کے پاس جو مرد آتے ہیں وہ گندے اور قلاش ہوتے ہیں۔''

ماہا کے کئی نکات غلط ہیں۔ ٹبی گلی کی سستی ترین اور بوڑھی ترین طوائفیں بھی سیکس کے بعد صفائی کرتی ہیں اور پانی کا برتن ہمیشہ ان کے کمرے کے کونے میں موجود رہتا ہے۔

جمعہ کی نماز

رمضان کا آخری جمعہ خصوصی طور پر مقدس تصور ہوتا ہے۔ جمعۃ الوداع کے موقع پر بادشاہی مسجد لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ عورتوں کے لیے اگرچہ ایک کونہ مخصوص ہے مگر وہ کب کا بھر چکا ہے اور اب عورتیں مردوں کے ساتھ ہی مسجد کے صحن میں موجود ہیں۔ میں ماہا کے بچوں کے ساتھ کھڑی لوگوں کے ہجوم کو آتا دیکھ رہی ہوں۔ میں نے کئی ایسے مردوں اور کھسروں کو دیکھا جنہیں میں جانتی ہوں اور وہ یہاں عورتوں سے جگہ کے لیے جھگڑ بھی نہیں رہے۔ کھسروں نے اپنا میک اپ اتار دیا ہے تاکہ مسجد کا احترام ملحوظ رہے۔

ہم بادشاہی مسجد کے زینوں پر بیٹھے ہزاروں لوگوں کو آتا دیکھ رہے ہیں۔ نیشا نے حیرت سے کہا ''اتنے لوگ'' ایسا لگتا ہے پوری دنیا یہاں آ گئی ہے۔ جوں ہی نماز ہو گئی لوگ مسجد سے باہر نکلنے کے لیے لپکے، جہاں معذور بھکاریوں نے ان پر ہلہ بول دیا۔ ایک اور گروپ بھی نمازیوں کا منتظر ہے۔ یہ پتلے سے، داڑھیوں اور سبز پگڑیوں والے لڑکے ہیں جو طالبان کے لیے پیسے جمع کر رہے ہیں۔ انہیں بہت کم چندہ ملا۔ زیادہ تر لوگوں نے انہیں نظر انداز کر دیا۔

عریبہ کا پھوڑا

عریبہ کی حالت عجیب ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اتنے چھوٹے سے جسم پر اتنا بڑا پھوڑا کیسے نکل آیا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ یہاں سے جل گئی تھی اور اب زخم خراب ہو گیا ہے لیکن یہ مجھے ایک بہت بڑا دانہ نظر آ رہا ہے۔ پھوڑے کا رنگ سبزی مائل پیلا ہے اور شاہ بلوط کے پھل جتنا یہ دانہ ٹھیک اس کی ناک کے نیچے بنا ہوا ہے۔ اسے ڈاکٹر قاضی کے پاس لے جانے کی ضرورت ہے مگر ماہا کو اس کی پریشانی اور تکلیف کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہے۔ کھانا کھاتے اور بات کرتے وقت اسے بہت زیادہ تکلیف کی وجہ سے منہ ٹیڑھا کرنا پڑتا ہے۔ اس نے یہ خوفناک پھوڑا مجھے متعدد بار دکھایا اور بتایا کہ یہ کتنا تکلیف دہ ہے۔ یہ قریبی معائنے میری اس کی پسندیدگی کے لیے بھی امتحان ثابت ہوئے ہیں اور مجھے سخت ندامت ہے کہ میں اس کے متفکر اور بگڑے ہوئے چہرے سے گھن کھا کر پیچھے ہٹ گئی۔

ماہا نے ناقابل تلافی، چوک کر دی ہے کیونکہ وہ تب بھی اپنے بچوں کو نہیں دیکھ سکتی جب وہ اس کے سامنے ہی کھڑے ہوں، اور اب مجھے پتہ چل گیا ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ میں نے ابھی ابھی گدے کے پاس آدھی درجن کے قریب کھانسی کے شربت کی خالی بوتلیں دیکھی ہیں۔ وہ ان کی نشئی ہے۔ اب مجھے پتہ چلا کہ وہ سہون شریف میں اتنی چڑ چڑی کیوں ہو رہی تھی۔ اس کی نشے کی رسد ہمارے سہون پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی تھی۔ یہ نینا کی ڈیوٹی تھی کہ وہ ان خالی بوتلوں کو اٹھا کر باہر پھینک آیا کرتی تھی۔ مگر آج وہ اپنے اس فرض کی ادائیگی میں ناکام رہی، اور اب ماہا کے نشے کی عادت راز نہیں رہی۔ وہ کوریکس کی دو بوتلیں روزانہ پینے کی عادی ہے اور اب اس کی مقدار بھی بڑھتی جا رہی ہے۔

کوریکس ہیرا منڈی کا مقبول کھانسی کا شربت ہے اور یہ سینے کے امراض سے کہیں زیادہ ناخوشی پیدا کرنے کا باعث ہے۔ اس میں تیز مواد ___ غالباً کوڈین ___ موجود ہے۔ ماہا اسے راوی روڈ کے کنارے موجود ذکریا ہسپتال کی فارمیسی سے خریدتی ہے۔ لیبل پر جو ہدایات درج ہیں ان پر لکھا ہے کہ بالغ افراد دن میں تین مرتبہ اس کے دو چھوٹے چمچ پئیں۔ ماہا سیکنڈوں میں پوری بوتل پی جاتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ یہ اسے اس کی تنہائی بھلانے اور بچوں سے چخ چخ کی اذیت سے بچاتی ہے۔ اس نے اعتراف کر لیا ہے کہ وہ گذشتہ 6 سال سے ان کی عادی ہے۔ لیکن اس نے حالیہ دنوں میں عدنان کی عدم موجودگی میں اس کی ڈوز بڑھا دی ہے۔ کوریکس اس پر غنودگی طاری کر دیتی ہے اس لیے وہ بہت زیادہ سو لیتی ہے۔ اس نے سیدھا سیدھا کہا ''اگر میں اسے نہ پیوں تو مر جاؤں گی۔''

ٹی وی کے ساتھ گھنگھرو کے تین نئے جوڑے تہہ بہ تہہ رکھے ہیں۔ یہ ناچنے والی لڑکیوں کا روایتی آلہ ہیں۔ پہنتے وقت یہ ٹخنوں سے گھٹنوں تک چلے جاتے ہیں۔ بالکل ویسے جیسے کرکٹر پیڈ باندھے ہوئے ہوں۔

یہ کافی سے زیادہ وزنی ہیں کیونکہ اس پر لوہے کی بہت زیادہ گھنٹیاں بندھی ہیں جو پاؤں یا ٹانگ کی ذرا سی حرکت پر بج اٹھتی ہیں۔ جب پرفارمر رقص کرتا ہے تو ان گھنگھروں کی آواز موسیقی کے ساتھ مل کر ایک شاندار اثر چھوڑتی ہے۔ گھونگرو کی یہ تین نئی جوڑیاں ماہا، نیشا اور نینا کی ہیں۔ یہ تینوں بازار میں اپنا بزنس شروع کرنے کا سوچ رہی ہیں۔ انہوں نے ایک خالی کوٹھا بھی دیکھ لیا ہے۔ کپڑے ان کے پاس ہیں، مراثی بھی انہوں نے بھرتی کر لیے ہیں اور اس وقت انہیں اس کی شدید ضرورت تو ہے ہی۔

''نیشا اور نینا صرف گائیں گی...... یہ طے ہے...... کوئی شخص ان سے سیکس نہیں کرے گا'' ماہا نے غصے سے اعلان کیا ''لوئیس میری قسم کھاؤ، لال شہباز قلندر کی قسم کھاؤ، مولا علی کی قسم کھاؤ کہ تم اپنی بیٹیوں کا خیال رکھو گی، اپنی ماں کو کہو انہیں محفوظ رکھے۔ انہیں گھر سے باہر نہ جانے دے، کسی غیر مرد کو گھر میں نہ گھسنے دے۔'' ماہا نے اپنے گھونگھروؤں پہ ہاتھ پھیرا اور خاموش ہو گئی۔

موٹا سا ایک بوڑھا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا پیٹ اتنا بڑھا ہوا ہے کہ وہ باقی جسم سے آزاد فضا میں معلق ہے۔ اس نے سر پر ایک شاندار ٹوپی پہن رکھی ہے جس پر موجود چھوٹے چھوٹے شیشے کے ٹکڑے چمک رہے ہیں۔ اس کی انگوٹھیاں اور بھی متاثر کن ہیں۔ انگوٹھیاں بڑی بڑی، بے رنگ اور تقریباً تمام ہی انگلیوں میں موجود ہیں۔ معجزہ یہ ہے کہ انگلیوں پر اتنے بوجھ کے باوجود وہ انہیں ہلا سکتا ہے۔ وہ کرایہ لینے آیا ہے اور ماہا کے پاس کرایہ نہیں ہے۔ اس نے اسے بتایا کہ اس کا اپنے شوہر کے ساتھ جھگڑا چل رہا ہے۔ وہ دو دن مزید انتظار کرے تو کہیں سے انتظام کر کے اسے کرایہ مل جائے گا۔ اس بار خدا ماہا کے ساتھ ہے۔ عین اسی وقت افطاری کے لیے سائرن بج اٹھا۔ لڑکی تیزی سے دوڑتی ہوئی ایک پلیٹ میں کھجوریں لے آئی۔ ساتھ میں کچھ دہی بھلے اور سموسے بھی تھے۔ آدمی نے بھی اس اشتیاق کے ساتھ یہ سب چیزیں کھائیں کہ گویا ایک ہفتے سے روزے سے ہو۔ اس نے ہاتھ ہلایا، پھر پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور واپس آنے کا کہہ کر چلا گیا۔

''وہ اس عمارت کا مالک ہے'' ماہا نے بتایا ''یہ اور بوڑھی عورت جو نیچے رہتی ہے، یہ اس کا شوہر ہے۔ یہ تب سے ساتھ رہ رہے ہیں جب یہ جوان تھے۔''

''کیا یہ باقاعدہ شوہر ہے'' میں نے پوچھا۔

ماہا نے بھنویں اٹھائیں:

''کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ وہ ہیرا منڈی کی عورت ہے۔ ایک طوائف...... یہ شریف اور عزت دار آدمی ہے اور اس کی باہر بیوی ہے۔ لیکن یہ اب بھی اس سے پیار کرتا ہے۔ اب بھی اسے ملنے آتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے۔ یہ اس عورت کی بجائے کرایہ جمع کرتا ہے کیونکہ کمزور گھٹنوں کی وجہ سے وہ عورت چلنے پھرنے سے قاصر ہے۔''

ماہا نے گال پھلا کر اور کمر جھکا کر اس بوڑھی کی نقل اتاری۔ لڑکیاں ہنس پڑیں۔

Scanned with CamScanner

”حیرت ہے“ ماہا نے کچھ مذاق اور کچھ حیرت سے کہا:
”وہ اب بھی اسے محبت کرتا ہے...... بوڑھی طوائف سے۔“

لالی وڈ کے ستارے

ماہا ایک رضائی میں لپٹی سو رہی ہے۔ اس نے کوریکس کی آدھی بوتل چڑھا رکھی ہے اور ابھی صرف 2 بجے ہیں۔ تیل میں بھیگے سموسوں کی پلیٹ نیچے بستر پر رکھی ہے۔ ماہا نے ایک سموسہ کھایا اور پھر سو گئی۔ نیشا اور نینا کمرے میں چل کر مجھے اپنے بالوں کے نئے ڈیزائن اور ڈانس روٹین کے بارے میں بتا رہی ہیں۔ نینا اپنے ڈانسنگ کیریئر کے حوالے سے زیادہ پُر جوش ہے۔ اسے سموسے دیے گئے تو اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔

”کیا تمہیں روزہ ہے“ میں نے پوچھا۔

”نہیں میں ڈائٹنگ پر ہوں۔“

وہ 13 سال کی ہے اور بہت زیادہ پتلی ہے۔

”دیکھو میں موٹی ہو گئی ہوں“ اس نے اپنا پیٹ دکھایا، جو کہ بالکل سپاٹ ہے اور اس کی ہپس بھی بہت چھوٹی ہیں۔ اس کے جسم نے ابھی بھرنا ہے پھر وہ جوان لگے گی۔ ڈائیٹ سے پہلے ہی اس کی غذا بہتر نہیں ہے۔ اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے ہیں۔ لیکن اس خستہ حالی کے باوجود وہ سٹائلش اور بہت دلکش ہے۔ ماہا اسے ہیرا منڈی کے سب سے بڑے پروموٹر کے پاس لے کر گئی تھی۔ اس نے یقین دلایا ہے کہ وہ یقیناً کامیاب ماڈل اور اداکارہ بن سکتی ہے۔ میں ہکا بکا رہ گئی جب اس نے بتایا کہ پروموٹر کہتا ہے اس کا وزن زیادہ ہے۔ اگر نینا دو چار کلو وزن گھٹا لے تو وہ جا کر نارمل لگے گی اگر وہ پروموٹر کے کہے پر عمل کر کے دو چار کلو وزن گھٹانے پر لگ گئی تو دوسری نیشا لگے گی...... مردہ سینے والا ڈھانچہ...... لیکن وہ میری دلیلوں سے قائل نہ ہوئی اور اپنے کیریئر کے لیے بہت کم کھانا کھایا۔

پاکستان کی فلم انڈسٹری کی اداکارائیں روایتی طور پر ہیرا منڈی سے گئی ہیں۔ پاکستان کے عزت دار گھرانے اپنی لڑکیوں کو اداکاری کی اجازت نہیں دیتے وہ اسے بھی گانے اور ناچنے کی طرح طوائفوں والا کام سمجھتے ہیں۔ بالی وڈ کی اکثر فلمی اداکاراؤں کا ماضی دھندلا ہے اور یہی صورت لالی وڈ میں بھی ہے...... لالی وڈ یعنی پاکستان فلم انڈسٹری کا مرکز جو لاہور میں ہے۔ بیسویں صدی کے آخری عشروں میں وہ عورتیں جو لچک لچک کر، کولہے اور سینے مٹکا کر اور اپنی ہپس گھما کر ڈانس کیا کرتی تھیں ان کی اکثریت کا تعلق ہیرا منڈی سے تھا۔ اگرچہ اب فلم اور ٹی وی کا کیریئر زیادہ فحش نہیں سمجھا جاتا مگر اب بھی پاکستان کی فلموں اور ٹی وی میں اکثر اداکارائیں وہ ہیں جو ہیرا منڈی میں پیدا ہوئی اور پلی بڑھی ہیں۔ محلہ بہتر اور عزت دار زندگی کا ایک رستہ مہیا

کرتا ہے اور وہ ہے لالی وڈ۔

کراچی کے اپنے دورے کے دوران میں ایک شاندار خاتون سے ملی تھی جس نے ہیرا منڈی میں کام کیا تھا۔ وہ ٹی وی اور فلم کی اسٹار ہے۔ جس کی عمر 50 سال ہو چکی تھی اور جس کے عروج کا زمانہ گزر چکا تھا۔ لیکن اس کی عمر اچھا کھانا، ورزش، زندگی کی تمام سہولتوں کی دستیابی اور اعلیٰ طرز کے میک اپ کی وجہ سے کم لگ رہی تھی۔ وہ ایک شاندار میزبان تھی جس کا پوش علاقے میں ایک شاندار گھر تھا۔ اس نے مجھے اپنا پرائیویٹ کمرہ بھی دکھایا تھا جس میں شاندار ایرانی قالین بچھا تھا، گاؤ تکیے لگے تھے اور کمرہ خوبصورتی سے ڈیکوریٹیڈ تھا۔ یہ اسی ٹی وی اسٹار کا اپنا ذاتی اور مخصوص کوٹھا تھا۔

ہیرا منڈی کی عورتیں اس طرح کے مستقبل کا فقط خواب دیکھ سکتی ہیں۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ یہاں کی عورتوں کے ہالی وڈ کے حوالے سے سہانے سپنوں کے باوجود صرف چند ہی خوش قسمت ترین عورتیں اس فلمی دنیا میں اپنا مقام بنا سکتی ہیں۔ نیشا، نینا اور عریبہ نے پاکستانی اداکاراؤں کی بہت سی تصویریں اپنے بکسوں میں رکھی ہوئی ہیں۔ وہ ان سب کے بارے میں جانتی ہیں کہ کہاں یہ پیدا ہوئیں، کس سے چکر چلایا، کس سے شادی کی۔ یہ وہ زندگی ہے جو ان کے لیے خاص کشش رکھتی ہے اور نینا کو یہ قابلِ پہنچ لگ رہی ہے۔

بابر مارکیٹ کا ایک دورہ

شاپنگ کے لیے ان دنوں میں شاذ ہی گھر سے باہر جاتی ہوں۔ حفاظتی تدابیر کے حوالے سے میں ہیرا منڈی کی عورتوں کے ان مشوروں پر عمل کر رہی ہوں جو وہ گاہے بگاہے مجھے دیتی رہتی ہیں۔ ایک عورت نے مجھے بریزیئر کے انوکھے استعمال بتاتے ہوئے کہا کہ یہ ”پاکستانی جیب“ ہے۔ اس نے کہا اگر میں ایک بڑے کپ والا بریزیئر استعمال کروں تو اس میں ہر ضروری چیز رکھی جا سکتی ہے۔ اب میں ٹشو، رقم، کمرے کی چابی، لینز کا ایک ڈبہ اور اس کا لیکویڈ باکس، اندرون شہر کا نقشہ اور بعض اوقات موبائل فون بھی ”پاکستانی جیب“ میں رکھتی ہوں۔ خوش قسمتی یہ ہے کہ میں یہاں دوپٹہ لیتی ہوں ورنہ یوں محسوس ہوتا کہ میرا سینہ پُر گوشت اور بہت بڑا ہے۔

گذشتہ رات جب میں باہر نکلی تو میرے ہاتھ میں ایک ہینڈ بیگ بھی تھا۔ اس کی ضرورت مجھے اس لیے پڑی کیونکہ میں اس میں وڈکا کی ایک بڑی بوتل چھپا کے لے جا رہی تھی۔ میں ایک خاتون کے ہاں دعوت پہ جا رہی ہوں جو اقبال کے گھر کے پاس ہی رہتی ہے اور کتنا بھی بڑا بریزیئر ہوتا وہ آدھا لیٹر شراب کی بوتل تو خود میں نہیں سمو سکتا۔ پارٹی کے بعد میں ماہا کے گھر گئی تاکہ عریبہ کے پھوڑے کے لیے کچھ اور مرہم اسے دے سکوں۔ میں بستر پر بیٹھی غیر معقول انداز میں پان کھا رہی تھی تاکہ مقامی مقامی عورت لگوں...... پان کھانا

بالکل ایسے تھا جیسے میں کنکریاں چبانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ماہا دھڑام سے بستر پر میرے پاس آ کر گری کیونکہ ابھی ابھی اس نے آدھی بوتل کوریکس گلے میں انڈیلی تھی۔

عریبہ آ کر صوفے پر بیٹھی تو میں نے اس کی تیزی سے گھومتی آنکھوں سے اندازہ لگایا کہ وہ ایک بار پھر میری چیزوں پر ہاتھ صاف کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ میرا بیگ اس کے ساتھ ہی صوفے پر پڑا تھا مگر میری نظروں سے اوجھل تھا۔ میں نے دماغ میں ہی حساب لگایا کہ بیگ میں اس وقت کیا سامان تھا۔ بیگ میں اس کے چرانے کے لیے رقم نہیں تھی اس لیے میں مطمئن ہوگئی اور اسے اپنا کام کرنے دیا۔ جب میں گھر واپس آ رہی تھی تو تب مجھے یاد آیا کہ بیگ میں میرا عزیز از جان قلم موجود تھا۔ آج جب میں نے آ کر اس کے بارے میں پوچھا تو کسی کو اس بارے میں معلوم نہ تھا۔ میں نے عریبہ سے پوچھا کہ کہیں تم نے تو میرا قلم نہیں دیکھا۔ اس نے کھوکھلی مسکراہٹ سے میری طرف دیکھا اور انکار میں گردن ہلا دی۔ میں نے عریبہ سے دھیمے لہجے میں پوچھا جب وہ گندے سے لباس میں صحن کے دروازے کے زینے پر بیٹھی تھی۔ اس کے بال اڑ اڑ کر اس کی آنکھوں میں پڑ رہے ہیں۔ میں نے اس کو لالچ دی کہ اگر وہ میرا قلم ڈھونڈ لائے گی تو اسے انعام دوں گی۔ میں نے اس کو کہا کہ میں اسے بابر مارکیٹ لے جاؤں گی اور نیا سوٹ خرید کر دوں گی۔ اس نے سر ہلایا اور کہا کہ وہ کوشش کرے گی۔ ایک گھنٹے بعد میں اس کی ماں کی بالکنی میں بیٹھی ہوں۔ اس نے میری پیشکش پر غور کیا اور اس بارے میں مجھ سے بات کرنے آئی۔ اس نے بتایا کہ آج رات وہ سارے گھر کی تلاشی لے گی ساتھ ہی اس نے کہا کیا ہم کل دوپہر بابر مارکیٹ جا سکتے ہیں اور ہاں مجھے نئے سوٹ کے ساتھ نیا جوتوں کا ایک جوڑا بھی چاہیے۔

آج صبح اٹھ کر کھڑکی کھولتے ہی جو پہلا منظر میں نے دیکھا وہ یہ ہے کہ عریبہ چہرے پر کھسیانی ہنسی سجائے صحن میں کھڑی ہے۔ وہ میرا قلم لہرا کر مجھے دکھا رہی ہے۔ مجھے قلم دیکھ کر خوشی تو بہت ہوئی لیکن ایک الجھن بھی آ پڑی ہے۔ میں نے عریبہ کو وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ میرا قلم ڈھونڈ لائی تو میں اسے بابر مارکیٹ لے جاؤں گی مگر مجھے اس بات کا دکھ بھی تھا کہ وہ میری چیزیں چراتی ہے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں ماہا کے تمام بچوں کو ہی نیا سوٹ دلا دیتی ہوں اور یوں عریبہ کو نیا سوٹ بھی مل جائے گا اور وہ اسے اپنی بے ایمانی کا صلہ بھی نہیں سمجھ سکے گی۔

جب محفوظ حالت میں قلم میرے کمرے میں واپس آ گیا تو ہم سب رکشے میں بیٹھ کر چل پڑے۔ ماہا گھر میں ہی رک گئی کیونکہ کوریکس کی وجہ سے اس پر غنودگی کا یہ عالم تھا کہ وہ سیدھا چل سکتی تھی نہ باقاعدہ بول سکتی تھی۔ بابر مارکیٹ عید کے لیے شاپنگ کرتی خواتین سے اٹی پڑی ہے۔ دکانوں کی چھتیں اور ان کے درمیان خالی جگہیں روشنیوں سے بھری پڑی ہیں۔ بچے ان روشنی کے بلبوں سے اٹھتے رنگوں کو دیکھنے میں منہمک ہیں۔ ان سے پیچھے تھوڑے فاصلے پر رک کر میں نے پہلی بار انہیں مختلف نظر سے دیکھا۔ وہ انتہائی

خستہ حال غریبوں کے بچے لگتے ہیں۔ نیشا ٹی بی کی مریضہ لگ رہی ہے جسے یقیناً ٹی بی کے ہسپتال میں ہونا چاہیے۔ عریبہ گندے کپڑوں اور میلے کچیلے الجھے بالوں والی ایک ایسی لڑکی لگ رہی تھی کہ جب وہ ایک دکان کے اندر داخل ہوئی تو دوکاندار نے اس کے کپڑوں پر موجود مہینوں کی میل دیکھ کر اسے دکان سے باہر دھکیل دیا۔ صوفیہ بھی میلی کچیلی سی لگ رہی ہے۔ اس کے چہرے پر بھی گرد ہے اور بالوں کی لٹیں ناک پر گر رہی ہیں۔ اس کے پاؤں میں جوتا بھی نہیں ہے۔ میں ان بچوں کو ان گلی کے بدمعاش لڑکوں سے بچانے کی کوشش میں ہوں، جو بہر حال ان سے بہتر لگ رہے ہیں۔

معتذر کی حالت ان سب سے زیادہ بری ہے۔ اس پانچ سالہ بچے کا چہرہ کسی فرشتے کی طرح معصوم ہے مگر اپنی حرکتوں سے وہ پورا شیطان ہے۔ جب ہم لوگ کھڑے کپڑوں کے سائز، رنگوں اور معیار پر بحث کر رہے تھے وہ ہماری ٹانگوں میں گھسنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ چیختا ہے، چلاتا ہے اور بہت ضدی ہے، اور اب اس نے اپنی طرف توجہ مبذول کرنے کا نیا طریقہ ڈھونڈ لیا ہے۔ اس نے ایک ٹوٹے ہوئے بلب کا کانچ اٹھایا اور نیشا کے پاؤں میں کھرچ ڈال دی۔

لڑکیاں نئے کپڑے دیکھ کر چہک رہی ہیں۔ نینا نے جدید سٹائل کی شلوار قمیض لی۔ نیشا نے فلیپر خریدا۔ عریبہ نے شوخ رنگ کا شلوار قمیض اور دوپٹہ لیا جو تقریبات میں پہنا جاتا ہے۔ گھر میں ماہا اب کچھ چست لگ رہی ہے۔ اس نے ایک ٹریک سوٹ پہن رکھا ہے۔ نینا تھوڑی سی بدحواس ہوگئی کیونکہ اس کی ماں کی ٹانگیں نظر آ رہی ہیں۔ ماہا نے اپنی بیٹی کے عدم اطمینان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اس کے ذہن میں اس وقت فقط ایک ہی سوال گھوم رہا ہے "کیا میں موٹی لگ رہی ہوں" اس نے وہیں کھڑے کھڑے گھوم کر پوچھا۔

میں نے ایک بار پھر جھوٹ بولا اور اس اداسی اور غربی کے منحوس چکر کے بارے میں سوچا جو ماہا کے چہرے سے پھوٹ رہا ہے۔ وہ چکر جو اس کے بچوں کو عفریت بن کر نگلنے کے لیے آگے بڑھ رہا ہے اور جو شاید اس کے بچوں کو ایک دن نگل ہی جائے گا۔

"انہوں نے مجھے ناچتے دیکھا......اور وہ مر مٹے"

آج کی شام بڑی یادگار ہے۔ عریبہ کے چہرے کو رگڑ کے دھویا گیا ہے۔ بالوں کو شیمپو کیا گیا اور کنگھی بھی کی گئی ہے۔ اس کا پھوڑا ابھی ٹھیک ہونا شروع ہوگیا ہے اور وہ بالکل مختلف لڑکی دکھائی دے رہی ہے۔ ماہا اپنے کمرے میں تیزی سے چکر لگا رہی ہے، چیخ چیخ کر حکم دے رہی ہے۔ ہانڈی کو چولہے پر ٹھیک رکھنے کا کہہ رہی ہے جب کہ اس کے اپنے ہاتھ بالٹی میں ابلتی جھاگ میں لتھڑے ہیں جن میں وہ کپڑوں کو مل رہی ہے۔ اپنی بیٹیوں کو کام چور کہہ کر ان پر لعن طعن بھی جاری ہے۔ ہر کوئی مشکل میں ہے۔ ماہا کوریکس چھوڑنے کی کوشش کر رہی ہے اور اس وجہ سے ہم سب ایک مصیبت میں ہیں۔ مجھے سہون شریف یاد آ رہا ہے۔

ماہا ایک بار پھر غیر حاضر عدنان پر چلائے جا رہی ہے ''وہ صرف تب آتا ہے جب اسے میری...... وہ...... یاد آتی ہے اور اگر میرے پاس وہ نہ ہوتی تو وہ مجھے ایک روپیہ بھی نہ دیتا۔''

ماہا نے کہا کہ جب اس کے ہاں معتذر پیدا ہوا تھا تب بھی اس نے آنا چھوڑ دیا تھا۔ جب معتذر ابھی چند ہفتوں کا تھا تو اسے دھندے پر جانا پڑا تھا۔ ماہا بتا رہی ہے کہ یہ مشکل تھا مگر میرے پاس اور کوئی متبادل نہیں تھا۔ وہ ڈیفنس جاتی تھی جو لاہور کا ایک پوش علاقہ ہے اور بچے اپنے سہارے یہیں پڑے رہتے تھے۔ جو میڈم تھی وہ بہت زیادہ پیسے گاہکوں سے لیتی تھی مگر آدھی فیس خود رکھ لیتی تھی۔ اس کی بہترین لڑکیوں کو ایک رات کے 20 ہزار ملتے تھے۔ وہ بہت اچھے طریقے سے رہ رہی تھی، خوبصورت کپڑے، شاندار گھر اور تین کاریں...... کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ نائکہ ہے کیونکہ وہ ایک آرمی میجر کی بیوی تھی۔

نیشا قالین صاف کر رہی ہے، اس کا منہ پچکا ہوا ہے اور چہرے پر ناگواری واضح ہے۔ ماہا نے ہانڈی میں ہلانے والا کف گیر میری طرف لہرایا اور کہا ''یہ گھونگرو نہیں پہنے گی چھوٹی...... انہیں پاؤں کو مس بھی نہیں کرنے دیگی۔''

نیشا نے دوپٹے کے پیچھے منہ کر کے بسورا۔ چمکتی اور خوبصورت لگ رہی عریبہ دروازے پر کھڑی ہے۔ یہ اس کی عادت ہے۔ آدھی کمرے کے اندر، آدھی باہر، تاکہ حالات زیادہ کشیدہ ہوں تو وہ بھاگ سکے ''اور یہ پوری گانڈی ہے'' ماہا نے چیخ کر عریبہ کی طرف اشارہ کیا ''بدبو چھوڑ رہی تھی، مجھے کپڑوں والے برش سے اسے نہلانا پڑی'' بازار میں لوگ کہتے ہیں کہ میری بیٹی گندی ہے۔ عریبہ نے ایڑی گھمائی اور یہ جا وہ جا......

نینا نے حسب معمول تعاون اور کمپرومائز کا راستہ اختیار کیا اور گھر کی صفائی کر کے اپنے نمبر بڑھانے کی کوشش میں جتی ہے۔ وہ کمرے کے کونے کھدروں کی صفائی کر رہی ہے۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے رکی اور کیلن ڈیان کا گانا *My Heart Will Go On* ٹیپ پر لگایا۔ یہ آجکل اس کا پسندیدہ گانا ہے۔ لیکن آج ماہا اس پر تپی ہوئی ہے۔

اس نے چیخ کر کہا:

''بند کرا سے، کام کرو، جب میں تمہاری عمر میں تھی تو بازار میں بیٹھی ناچ کر اپنی روزی روٹی کر رہی تھی۔ میں نے بڑے مرد دیکھے۔ میں ہر رات ناچتی تھی اور میرے پاس بہت پیسے تھے۔ میں امیر تھی اور مرد...... جب مرد مجھے ناچتے دیکھتے تھے......... مر مٹتے تھے''

نینا سر جھکا کر کام میں مصروف رہی۔

کرسمس

کرسمس سروس ساڑھے دس بجے شروع ہونی ہے۔ جب میں نے دروازہ کھولا اس وقت دس بج کر

پچیس منٹ ہوئے تھے۔ پادری چرچ میں اکیلا بیٹھا ہے اور اس نے اپنا سب سے بہترین مغربی طرز کا سوٹ اور چمکدار جوتے پہن رکھے ہیں۔ ایک گھنٹے بعد ابھی مجمع جمع ہونا شروع ہو رہا ہے۔ لوگ آہستہ آہستہ چرچ میں جمع ہو رہے ہیں، دوستوں اور رشتہ داروں کو ہاتھ ہلا رہے ہیں۔ طارق اور اس کے گھر والے سب سے آخر میں آئے اور گانا شروع کر دیا۔ تقریب کے خاتمے کے بعد میں طارق کے گھر والوں کے ساتھ گروپ کی شکل میں باہر آئی۔ ہم قہقہے لگاتے آگے بڑھے۔ عورتیں میرے قریب قریب چل رہی ہیں تاکہ کوئی اجنبی میرے قریب نہ آ سکے۔

طارق اور دوسرے عیسائی ہیرامنڈی میں ریڈ لائٹ ایریا کے بالکل آخر میں ایک کمپاؤنڈ میں رہتے ہیں۔ جس کا گیٹ لکڑی کا اور خوبصورت ہے۔ یوں لگتا ہے یہ دروازہ صدیوں سے یہاں موجود ہے۔ ایک بڑی حویلی کا دروازہ۔ عشروں پہلے یہ حویلی یقیناً شاندار رہی ہوگی مگر اب یہ پھانسی گھاٹ سے مشابہ ہے جس کی اینٹیں چونا چھوڑتی رہتی ہیں اور لکڑی گل سڑ چکی ہے۔ یہ درجنوں خاندانوں کی ایک تباہ حال رہائش گاہ ہے۔

پرانی سی اس حویلی کے صحن میں گلی نام کی جو چیز ہے وہاں کئی چھوٹی چھوٹی دکانیں ہیں جہاں جوتے، اشیائے خورد ونوش اور سپئیر پارٹس بکتے ہیں۔ اس سے اوپر پچاس گز تک مناسب فاصلوں پر کھڑکیاں اور بالکنیاں ہیں جو رہائشی علاقہ ہیں۔ اکثر بالکنیوں پر مکینوں کے کپڑے پڑے خشک ہو رہے ہیں۔

حویلی کے صحن میں ایک چھوٹی سی ایک منزلہ عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ کمرے علیحدہ علیحدہ اور مرمت کے شدت سے طلبگار ہیں۔ گھروں کے درمیان تنگ گزرگاہیں ہیں۔ طارق کا گھر گھٹیا سا اور تین کمروں پر مشتمل ہے جہاں وہ والدین کے ساتھ رہتا ہے، اس کی بیوی اور بچے بھی ساتھ رہتے ہیں۔ یہ خاندان گذشتہ 50 سالوں سے اس مفلوک الحال مگر صاف ستھرے گھر میں قیام پذیر ہے۔ طارق کے ماں باپ بہت بوڑھے ہیں اگرچہ ابھی وہ خود بہت جوان ہے کیونکہ یہ ان کے سات بچوں میں سب سے چھوٹا ہے۔ اس کی ماں معذور ہے، جسے بہوئیں تیل سے مالش کر رہی ہیں تاکہ کچھ سکون مل سکے۔ وہ مسکراتی بہت ہے اور میرے بچوں کے بارے میں پوچھ رہی اور یہ بھی کہہ رہی ہے کہ صرف تین بچے کیوں ہیں۔

طارق کا باپ اندھا ہے، وہ پانچ سالوں سے اندھا ہے۔ اپنے بیٹے کی طرح وہ بھی خاکروب تھا جسے پرانے لاہور کی نالیوں کی صفائی کا کام سونپا گیا تھا۔ ایک دن وہ گٹر میں اترا ہوا تھا جہاں کسی قسم کا کوئی کیمیکل پڑا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ اندھا ہوا۔ پاکستان میں انشورنس، تلافی اور معذوری کے کوئی فنڈز نہیں ہوتے۔ سو اس کے بیٹوں کے سوا کسی نے اس کی مدد نہ کی۔

وہ زیادہ شکایتیں نہیں کرتا بلکہ مسکراتا چہرہ لیے چارپائی پر بیٹھا رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ لاہور کی زندگی اب اس جیسے لوگوں کے لیے بہتر ہے۔ اس کا دادا ایک گاؤں سے بطور برطانوی فوج کے سپاہی، اس شہر میں

آیا تھا۔تب لاہور مختلف تھا۔''تب یہاں مسلمان اتنی تعداد میں نہیں تھے اور جب میں لڑکا تھا، مجھے یاد ہے کہ یہاں لاہور کے گرد ایک جنگل تھا۔اب کچھ بھی نہیں بچا''اس نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

خاکروب جاننا چاہتے ہیں کہ پاکستان اور میرے وطن کے درمیان کیا فرق ہے۔وہ انگلینڈ کے کوڑے کرکٹ کے نظام کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔میں نے بتایا کہ انگریز گھروں میں ہم اپنا کوڑا کرکٹ کوڑے دانوں میں خود جمع کرتے ہیں، پھر سرکاری گاڑی آتی ہے اور اسے لے جاتی ہے۔کسی کو بھی میری بات پر یقین نہ آیا۔

طارق کی بیوی اور اس کی نند کھانا بنا رہی ہیں۔انہوں نے اپنے بہترین لباس پہن رکھے ہیں۔میں نے ان کا ہاتھ بٹانا چاہا مگر انہوں نے فرمائش کی کہ انگلش میں کوئی کرسمس کا نغمہ سناؤں۔اگرچہ کئی دنوں سے میں ریاض کر رہی ہوں مگر میری پرفارمنس بری ہی رہی۔گانا مشکل ہو رہا ہے''Silent Night'' یا ''Little Town of Bethelehm'' گانا شروع کیا تو طارق کے بھائی نے جو شاندار موسیقار ہے ہارمونیم بجانا شروع کر دیا۔اگرچہ اسے اس دھن کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔

بوڑھی عورت نے گانے کی تعریف کی اور پرفارمنس کے دوران مسکراتی رہی۔بڑھیا کھانا کھانے کے دوران بھی ہنستی رہی۔وہ بوٹیوں سے گوشت کھاتی اور پھر اپنے بیٹوں کی طرف بڑھا دیتی جو ہڈیوں کے ساتھ موجود باقی ماندہ گوشت۔کھاتے۔طارق کھانا کھاتے میں اپنے باپ کی مدد کر رہا ہے۔اس نے پلیٹ میں سالن ڈالا، اور باپ کے سامنے چارپائی پر رکھ دیا اور بوڑھے آدمی کے منہ اور گردن پر پڑے چاولوں کے ٹکڑوں کو صاف کیا۔

مہمان آہستہ آہستہ گھر میں آنے لگے۔ان کے ہاتھوں میں گھر والوں کے لیے چھوٹے چھوٹے تحفے ہیں۔کسی کے ہاتھ میں کیک، کوئی کارڈ، اور کوئی بچوں کے لیے کھلونے لایا ہے۔انہوں نے مجھے بتایا کہ حویلی کی دوسری طرف انہوں نے مسیح کا پنگوڑا بنایا ہوا ہے جو بہت خوبصورت ہے۔کھانے کے بعد ہم نے بوڑھوں کو وہیں چھوڑا اور وہ پنگوڑا دیکھنے چل پڑے۔یہ گھر جس خاندان کا ہے ان کے پندرہ بچے ہیں۔کمرہ اچھا خاصا گنجان ہے۔ایک الماری میں پلیٹیں رکھی ہیں اور پوری دیوار پر پاکستانی اور ہندوستانی اداکاروں کی تصویریں لٹکی ہیں جو غالباً میگزینوں سے کاٹ کر فریم پر چسپاں کی گئی ہیں۔کمرے کی دیواروں اور چھتوں پر کرسمس کے لیے خصوصی طور پر سفید کاغذ لپیٹا گیا ہے۔طارق نے بتایا کہ اب یہ کمرہ نیا صاف اور پاکیزہ لگ رہا ہے بالکل بے بی مسیح کی طرح۔

پنگوڑا کمرے کے ایک کونے میں ہے جس پر ایک بلب لٹکا ہے۔چھوٹے چھوٹے پتلے بنائے گئے ہیں مقدس میری اپنے بچے کو دیکھ رہی ہے، اردگرد کچھ جانور پھر رہے ہیں۔چرواہوں اور ولیوں کو بھی دکھایا گیا ہے جو مسیح کو سجدہ کر کے احترام دے رہے ہیں۔

''مسٹر'' طارق نے مسکرا کر اور سر ہلاتے ہوئے کہا:''یہ پیارا ہے ناں۔''

''ہاں'' میں نے اتفاق کیا۔''اس میں کوئی شک نہیں۔''

عیدالفطر

چاند کی وجہ سے ماہا کی تیاریاں دھری رہ گئیں۔اسلامی کیلنڈر کے مہینوں کے آغاز کے بارے کوئی قیاس نہیں کیا جا سکتا۔مغربی کیلنڈر کے برعکس جو شمسی سال سے طے ہوتا ہے، اسلامی کیلنڈر چاند کی حرکات سے مشروط ہے۔عیدالفطر تب ہوتی ہے جب نیا چاند نظر آ جاتا ہے۔اگرچہ ماہر موسمیات اس حوالے سے پیش گوئی کر سکتے ہیں مگر حتمی طور پر چاند نکلنے کا فیصلہ دینا مشکل ہوتا ہے۔رمضان کی آخری رات چاند رات کہلاتی ہے۔سماجی اصطلاح میں یہ موقع کرسمس سے مشابہ ہے۔بچے خوش ہیں، عورتیں کھانا بنا رہی ہیں، تحائف لیے جا رہے ہیں، گھروں کو سجایا جا رہا ہے اور آخری لمحوں کی شاپنگ کرنے والوں کی بازار میں بھیڑ لگی ہے۔نیشا نے میرے ہاتھوں اور پاؤں کو مہندی لگائی ہے جو خاص طور پر عید کے موقع کے لیے ہے۔نیشا کی عدم مہارت اور میری زرد رنگت کی وجہ سے مہندی کا رنگ کھل کر نہیں آیا۔مہندی کے جس ڈیزائن کو ستاروں اور پھولوں کی صورت میں ہونا چاہیے تھا وہ میری رنگت کی وجہ سے کسی بیماری کی نشانیاں نظر آ رہی ہیں۔

بابر مارکیٹ لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہے۔کالے برقعوں میں موجود موٹی عورتیں دھکے دے کر راستہ بناتی گزر رہی ہیں۔ماہا نقلی زیورات اور ہیروں کے لیے ایک ایک دکاندار سے تکرار کر رہی ہے جس میں وہ کامیاب بھی رہی۔بازار سے ہم نے نمکو، چھوہارے اور مونگ پھلیاں بھی خریدیں۔ہم تمام خوش ہیں۔آج ضیافت کا دن ہے۔

عید کی صبح روشن اور صاف ہے۔بادشاہی مسجد بھر چکی ہے اور جن ہزاروں لوگوں کو اندر داخل ہونے کا موقع نہیں مل سکا وہ باہر گھاس کے میدان میں ہی کھڑے ہو کر نماز عید ادا کر رہے ہیں۔اقبال کے گھر کے سامنے کاریں بے ترتیبی سے پارک کی گئی ہیں جس کی وجہ سے آنے جانے کے راستے بلاک ہو گئے ہیں۔اعلیٰ اور مڈل کلاس، جس نے آج عید کی نماز کے لیے بادشاہی مسجد آنا ہے، ان کے لیے ہیرا منڈی کی وہ گلیاں اور کونے صاف کر دیے گئے ہیں جو بادشاہی مسجد سے نظر آتے ہیں۔پارک اور گھاس والے میدان چمکا دیے گئے اور نشئیوں کو وہاں سے جا کر اتنی دور چھوڑ آیا گیا ہے کہ انہیں اپنا ہی گھر ڈھونڈنے میں کئی دن لگ جائیں گے۔انتظامیہ نے بھرپور کوشش کی کہ کہیں بھی کوئی بدبودار دھبہ نہ رہ جائے۔گندی بدبودار ترین جگہوں پر بھی صفائی کر کے چونا بکھیر دیا گیا ہے۔پھر بھی مجھے یقین ہے کہ نیچے کھڑی ہنڈا اور ٹیوٹا گاڑیوں کے مالک اس بات پر خوش ہوں گے کہ ان کی گاڑیاں وہاں پارک ہیں جہاں باقاعدہ لوگ بیٹھ کر پیشاب کرتے ہیں۔

غبارہ فروش، بھکاری اور آئس کریم بیچنے والے مسجد کے باہر نماز عید کے ختم ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اقبال کے گھر کی چھت سے ہم با آسانی مسجد کے صحن میں جھکتے، سجدہ کرتے اور قیام کرتے نمازیوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ رنگ برنگے کپڑوں میں ملبوس لوگوں کا ایک سمندر ہے وہاں۔ اب ہمیں مُلّا کی دعا کی آواز اور ہزاروں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے آمین کی گونجتی آواز سنائی دے رہی ہے۔

جوں ہی نمازی اپنی جانمازیں اوڑھ کر باہر نکلنے کے لیے تیار ہوئے باہر موجود غبارا اوپر نیچے ہلنے لگے۔ زیادہ تر لوگ پیدل ہی آئے ہیں اور ریڈ لائٹ ایریا سے ہو کر گزر رہے ہیں۔ یہ سب عام لوگ ہیں جنہوں نے اپنے سب سے بہترین لباس پہن رکھے ہیں۔ بہت سے سوٹ بالکل نئے ہیں، جنہیں کلف لگی ہے اور ان کے پہننے والے اترا کر چل رہے ہیں۔ بچوں کے منہ اور بال تازہ دھلے ہیں اور وہ اچھے لگ رہے ہیں۔ بادشاہی مسجد عید کے دن شاندار منظر پیش کر رہی ہے۔

شمسہ صحن کے کونے میں رہتی ہے۔ وہ صبح کی نماز نہیں پڑھتی بلکہ دن چڑھے تک سوتی رہتی ہے۔ وہ ایک بنگلہ دیشی میاں بیوی کے ساتھ رہ رہی ہے۔ عورت کی عمر 40 سال کے لگ بھگ ہوگی اس کے دانت بڑے اور ٹوٹے ہوئے ہیں، آنکھیں کمزور ہو چکی ہیں، وہ اتنی بوڑھی اور لاغر ہو چکی ہے کہ اب دھندا نہیں کر سکتی۔ اس کا شوہر چھوٹے قد کا ایک موٹا آدمی ہے۔ اس کے بال چھدرے اور سفیدی مائل ہیں مگر اس کی مونچھیں دیکھ کر لگتا ہے کہ ان کی باقاعدگی سے حفاظت کی جاتی ہے اور انہیں متواتر کنگھی اور کلر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مونچھیں کالی سیاہ اور چمکدار لگ رہی ہیں۔ مونچھوں جتنی ہی حفاظت وہ اپنے ریوالور کی بھی کرتا ہے جو دیوار کی ایک کیل پر ہولسٹر میں لٹک رہا ہے۔ ہولسٹر کا چمڑا ابھی چمک رہا ہے۔

یہ جوڑا گھر میں موجود لڑکیوں کی دلالی کرتا ہے۔ لڑکیوں میں ان کی بیٹی بھی شامل ہے۔

''میرے چار بچے تھے'' اس نے کمرے میں موجود گول مٹول سے خوبصورت بچے کو دیکھتے ہوئے کہا جو لڑکوں کے ایک گروپ کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ ''مگر ان سب میں صرف یہی زندہ بچا ہے۔''

بیٹی کی عمر کوئی 12 سال ہے مگر وہ چھوٹی اور نفیس سی لگ رہی ہے۔ اس کا جسم نو سال کی لڑکی جیسا ہے لیکن جنسی طور پر جلدی پختہ ہو جانے کی وجہ سے وہ 30 سال کی لگ رہی ہے۔ اس کے ہونٹ بڑے ہیں، چہرے پر پورا میک اپ موجود ہے اور ایڑی والے جوتوں کے باعث اس کا قد پانچ فٹ کے قریب ہو گیا ہے۔ اسے چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھنا پریشان کن نظارہ ہے کیونکہ اس کی چال میں فحاشی کا عنصر شامل ہے۔ وہ ایک سال سے دھندے میں ہے اور اس کا ایک بچہ بھی ہے۔ اس کا باپ اس کی دلالی کرتا ہے۔ وہ ان تمام لڑکیوں میں سب سے کم سن ہے جس کی اس کا باپ دلالی کرتا ہے۔ وہ لڑکیوں کی عمریں زیادہ بتاتا ہے جبکہ حقیقتاً ان کی عمریں اس سے کہیں کم ہیں۔ اس کے نزدیک 20 سال کی لڑکی کہنا زیادہ آمدنی دیتا ہے چہ جائیکہ 13 سال کی بچی کہہ کر لڑکی پیش کی جائے۔

شمسہ ان کی کمائی کا ایک اور ذریعہ ہے۔ پہلے ان لوگوں نے بتایا کہ وہ عورت کی چھوٹی بہن ہے لیکن آدھے گھنٹے بعد کہانی مختلف تھی...... اب وہ ان کی بھتیجی بن گئی ہے، بعض موقعوں پر انہوں نے اسے دوست کہہ کر متعارف کرایا۔ ان کے ان تمام دعوؤں کے باوجود میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ شمسہ کا اس جوڑے سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ وہ واش روم سے بھاگ کر باہر آئی اور خاصی خوش لگ رہی ہے۔ وہ عید کی خوشی میں پھٹی پڑ رہی ہے۔ ''ہم باہر سیر کے لیے جا رہے ہیں'' اس نے کہا۔

''کہاں'' میں نے پوچھا۔

''بازار اور بہت سی جگہیں ہیں'' وہ چلائی اور کمرے میں گھومنے لگی۔ وہ کھڑکی میں گئی نائیکہ کے ہاتھ سے شیشہ پکڑا اور چہرے پر میک اپ کی ایک اور تہہ جمانے لگی۔ گہرے آئی لائنر، گلابی تیز سرخی اور پھر بازاری انداز میں ہرے رنگ کو آنکھوں اور ہونٹوں کے گرد تھوپا۔

اس نے مجھے کھینچ کر اپنے ساتھ لیا اور زینے اترنے لگی، وہ مسلسل باتیں کیے جا رہی ہے، اور بتا رہی ہے کہ وہ کتنی خوش ہے۔ اس نے عجیب وضع کے زیور پہن رکھے ہیں۔ پھولدار ارغوانی شلوار قمیض اور گلے میں دوپٹہ ہے۔ جوں ہی اس نے میرے بازو کو تھام کر قریب کیا، میں اس کے ساتھ چمٹ گئی اور وہ اپنے امیر دوستوں کے بارے بولنے لگ گئی ہے۔

وہ بازار میں لوگوں کی تاڑتی نظروں سے بے پروا اٹھلاتی جا رہی ہے۔ ایک لمحے کے لیے تو مجھے لگا کہ مجھ پر کسی کی بھی توجہ نہیں ہے، وہ سب لوگ شمسہ کو دیکھ رہے ہیں جس کے سر پر دوپٹہ نہیں اور ہرے رنگ کی لپ اسٹک کے اوپر تہہ اور آنکھوں کے گرد مسکارا چمک رہا ہے۔ میں بوکھلا گئی۔ وہ ان مردوں کے تبصروں کو خاطر میں نہیں لا رہی جو اس پر اونچی آواز سے فقرے کسے جا رہے ہیں۔ اسے اس بات کی بھی پروا نہیں کہ بازار اس کی وجہ سے منجمد ہو کر رہ گیا ہے۔ ہیرا منڈی میں کوئی بھی عورت ایسی حرکت نہیں کرتی ہے۔

میں یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی کہ آج کا عید کا خصوصی دن ہے، ہر کوئی اپنے بہترین کپڑوں میں ہے۔ غالباً شمسہ بھی گلی اور بازار کے اس خلاف معمول روٹین پر پُر جوش ہو گئی ہے۔ ہوٹلوں کا دھندا عروج پر ہے۔ گلی میں پڑی بنچوں پر لوگوں کی بھیڑ جمع ہے۔ سنیک بیچنے والے اور غبارہ فروش اپنے گاہکوں کے ساتھ مصروف ہیں۔ چھوٹے بچوں نے شوخ رنگ کے ملبوسات پہنے ہوئے ہیں اور ان کے چہرے تمتما رہے ہیں۔ نوجوان لڑکیوں نے میک اپ کیا اور اونچی ہیل والی سینڈلیں پہن کر باہر آ گئی مگر ان سینڈلوں کی وجہ سے وہ گھر سے کچھ دور ہی جا سکتی ہیں۔ ہر شخص تانگے پر بیٹھنے کی خواہش میں مرا جا رہا ہے اور خوش قسمت ترین لڑکے گھوڑے کی سواری کر رہے ہیں۔ نوجوان گلی میں اودھم مچا رہے ہیں اور مجھے خدشہ ہے کہ کوئی گھوڑے تلے کچلا نہ جائے۔

ہم چرچ کے سامنے موجود جوس کی ایک دکان پر باہر پڑے سٹولوں پر بیٹھیں جہاں سے سارا بازار نظر

آتا ہے۔ یہ انار کا موسم ہے اور لوگ مزیدار جوس سے لطف لے رہے ہیں۔ مجھے اس لیے مزہ نہیں آ رہا کیونکہ وہاں موجود مردوں کا اژدہام ہمیں گھورے جا رہا ہے۔ شمسہ پورے قاتلانہ انداز کو اختیار کیے ہے اور جوس والے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھے جا رہی اور باتیں کرتے ہوئے قہقہے لگا رہی ہے۔ وہ بھی اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہے جس سے وہ لطف لے رہی ہے۔ مجھے کوئی کوئی لفظ ہی سمجھ میں آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ گفتگو کرنا بھی ایک مسئلہ ہے کیونکہ وہ پنجابی میں بات کر رہی ہے جبکہ اردو بولتے ہوئے بھی اس کا تلفظ عجیب ہو جاتا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ ملتان سے آئی ہے...... ملتان پنجاب کا ایک اور اہم شہر مگر لاہور کے مقابلے میں چھوٹا ہے۔ وہ بتا رہی ہے کہ لاہور ملتان سے بہتر ہے۔ آدمی یہاں زیادہ ہیں اور دولتمند بھی ہیں۔

اب ہم قلعے کی طرف جا رہی ہیں اور شمسہ چاہتی ہے کہ میرا کیمرہ لے۔ قلعہ لوگوں سے بھرا ہے۔ لیکن آج قلعے کی اہم چیز شیش محل کی بجائے شمسہ بنی ہوئی ہے۔ جو گھاس پر مختلف انداز سے لیٹ کر یوں فوٹو شوٹ کرا رہی ہے کہ گویا بھارتی فلم میں کام کرتی ہو۔ وہ ان مردوں اور جوان لڑکوں سے بے پروا ہے جو ہمارے گرد دائرہ بنائے کھڑے ہیں۔

جب ہم قلعے سے واپس آ رہی تھیں تو قلعے کے دروازے کے قریب آ کر اس نے مجھے غور سے دیکھا اور کہا کہ میں ایک شریف عورت ہوں کیونکہ میں نے دوپٹہ پہنا ہوا ہے۔ اس نے یہ فقرہ ملول لہجے میں کہا اور پھر ان تین مغربی سیاحوں کی طرف دیکھ کر خوش ہونے لگی جو ایک تختی پر لکھی قلعے کی تاریخ کو پڑھ رہے ہیں۔ وہ برطانوی ہیں، دو عورتیں اور ایک مرد۔ عورتوں نے شلوار قمیصیں تو پہن رکھی ہیں مگر ان کے سر پر دوپٹہ نہیں ہے، اور یہ کوئی خلاف معمول بات نہیں ہے۔ جس بات پر شمسہ انگشت بدنداں ہے وہ یہ تھی کہ ان میں سے ایک عورت کالی تھی۔

''دیکھو، دیکھو'' اس نے حیرت بھرے خوفزدہ لہجے میں کہا ''اس کا رنگ دیکھو، اس کا رنگ دیکھو، یہ تو کالی ہے'' اس کے نزدیک یہ عجیب اور اداس کرنے والی بات ہے۔

ہم نے کالی عورت کو وہیں چھوڑا اور آگے بڑھ گئیں۔ اب شمسہ مجھے چائے اور مٹھائی کھلانے لے کر جا رہی ہے۔ ہم نے ایک دکان سے چائے اور حلوے کی پلیٹ لی اور مل کر کھانے لگیں۔ وہ مسلسل بے تکان پنجابی میں بولے جا رہی ہے۔ اسے اس بات کا اندازہ نہیں کہ مجھے اس کی فقط آدھی باتیں سمجھ میں آ رہی ہیں۔ لیکن یہ تو اس کا مسئلہ ہی نہیں۔ وہ یقیناً بہت خوش ہے اور چائے کی دکان کا مالک بھی خوش ہے۔ اس نے کہا کہ یہ سنیکس اس کے لیے ہیں اور وہ بعد میں اسے ملنے آئے گا۔

ماہا کے گھر کے بہترین کمرے میں سفید چادر پر کھانے چنے جا چکے ہیں۔ چکن، دہی، سلاد اور روٹیوں کی ایک اونچی ڈھیری، نان اور دنبے کے گوشت کا سالن...... ماہا پُر جوش میزبان لگ رہی ہے، وہ جذبے کے ساتھ مہمانوں کے سامنے پلیٹیں رکھ رہی ہے اور انہیں کہہ رہی ہے کہ کچھ اور کھائیں وہ اس بات کو یقینی بنانے

کی کوشش میں ہے کہ کوئی بھوکا نہ رہ جائے۔ پورے خاندان نے اپنے بہترین ملبوسات پہن رکھے ہیں۔ عریبہ بھی صاف ستھری قمیض میں اچھی خاصی خوبصورت لگ رہی ہے اور اپنے دو کزنوں کے ساتھ کمروں میں دوڑتی پھر رہی ہے۔ اس کے کزن ماہا کی مرحومہ بہن کے بچے ہیں۔ جب بھی یہ بچے ماہا کے پاس سے دوڑتے ہوئے گزرتے ہیں وہ انہیں تھام لیتی ہے اور بھینچ کر انہیں اپنے سینے سے چمٹا لیتی ہے اور ان کے بالوں کو سیدھا کرتی ہے اس کی آنکھوں میں آنسو تیر جاتے ہیں۔ یہ بچے اپنے باپ کے ساتھ رہتے ہیں جس کا تعلق ہیرا منڈی سے نہیں ہے جوان بچوں کو اپنی باقاعدہ بیوی کے خوف سے تب تک گھر نہ لے جا سکا جب تک ان کی ماں کا انتقال نہ ہوا تھا۔ ماہا کہہ رہی ہے کہ ان کی سوتیلی ماں پوری کتیا ہے جو لڑکوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتی۔ وہ انہیں شدید سردیوں میں بغیر اونی کوٹ اور غذا کے باہر بھیج دیتی ہے۔

دن بھر مہمان گھر آتے رہے۔ اکثریت ماہا سے بھی غریب لوگوں پر مشتمل ہے جو ماہا کو عید مبارک کہنے اور اپنی عیدی وصول کرنے آئے ہیں۔ درزی اپنے بھائی کے ساتھ آیا، ایک پٹھانی عورت سیڑھیوں پر بچوں کے ساتھ بیٹھی بے صبری ہو رہی، اور کچھ چیچک زدہ چہروں والی خاکروب عورتیں دروازوں کے پار کھڑی جھانک رہی ہیں، ان کے چہروں پر وہی دائمی مسکراہٹ ہے۔ ماہا ان سب کو تحفے دے رہی ہے، رقم، شیشے کے مصنوعی زیور...... عیدی لینے والوں کی قطار لگی ہے اور ماہا اپنے تحفوں کو پھر ترتیب دے رہی ہے۔ پرفیوم اور چاکلیٹ جو میں نے ماہا کو دیے تھے وہ فریج کے اوپر رکھے ہوئے ہیں تاکہ باہر سے آنے والے سب لوگ دیکھ سکیں کہ ان کے گھر میں غیر ملکی چیزیں آتی ہیں۔ وہ میزبانی کا لطف لے رہی ہے۔ وہ ہمدردی کے ان چھوٹے چھوٹے افعال اور خاکروب عورتوں کی مسکراہٹ پر خوش ہے جو ابھی ابھی 100 روپے کا نوٹ لے کر نکلی ہیں۔ اس نے اپنے بھاگتے ہوئے بھتیجے کو پکڑا اور اس کے ہاتھ میں ہزار روپے کا نوٹ تھماتے ہوئے کہا: ''تمہارے اور تمہارے بھائی کے گرم کوٹوں کے لیے'' اس فیاضی کی قیمت یقیناً ماہا کو چکانی ہوگی جب اگلے مہینے کا کرایہ دینے کے لیے اس کے پاس پیسے نہ ہوں گے۔ لیکن اس وقت وہ مستقبل سے لاپرواہ خود میں مگن ہے۔ وہ اس لمحے کو خوشی سے جی رہی ہے۔

''یہ عید ہے'' وہ ہنستی ہے ''اور میں اپنے اور اپنی بہن کے گھر والوں کے ساتھ ہوں۔''

ایک دن کے لیے تو کوریکس کی بوتل فریج کے پیچھے اَن کھلی حالت میں پڑی رہی۔

❁❁❁

غبارہ فروش، بھکاری اور آئس کریم بیچنے والے مسجد کے باہر نماز عید کے ختم ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اقبال کے گھر کی چھت سے ہم با آسانی مسجد کے صحن میں جھکتے، سجدہ کرتے اور قیام کرتے نمازیوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ رنگ برنگے کپڑوں میں ملبوس لوگوں کا ایک سمندر ہے وہاں۔ اب ہمیں مُلّا کی دعا کی آواز اور ہزاروں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے آمین کی گونجتی آواز سنائی دے رہی ہے۔

جوں ہی نمازی اپنی جانمازیں اوڑھ کر باہر نکلنے کے لیے تیار ہوئے باہر موجود غبارا وپر نیچے ہلنے لگے۔ زیادہ تر لوگ پیدل ہی آئے ہیں اور ریڈ لائٹ ایریا سے ہو کر گزر رہے ہیں۔ یہ سب عام لوگ ہیں جنہوں نے اپنے سب سے بہترین لباس پہن رکھے ہیں۔ بہت سے سوٹ بالکل نئے ہیں، جنہیں کلف لگی ہے اور ان کے پہننے والے اترا کر چل رہے ہیں۔ بچوں کے منہ اور بال تازہ دھلے ہیں اور وہ اچھے لگ رہے ہیں۔ بادشاہی مسجد عید کے دن شاندار منظر پیش کر رہی ہے۔

شمسہ صحن کے کونے میں رہتی ہے۔ وہ صبح کی نماز نہیں پڑھتی بلکہ دن چڑھے تک سوتی رہتی ہے۔ وہ ایک بنگلہ دیشی میاں بیوی کے ساتھ رہ رہی ہے۔ عورت کی عمر 40 سال کے لگ بھگ ہوگی اس کے دانت بڑے اور ٹوٹے ہوئے ہیں، آنکھیں کمزور ہو چکی ہیں، وہ اتنی بوڑھی اور لاغر ہو چکی ہے کہ اب دھندا نہیں کر سکتی۔ اس کا شوہر چھوٹے قد کا ایک موٹا آدمی ہے۔ اس کے بال چھدرے اور سفیدی مائل ہیں مگر اس کی مونچھیں دیکھ کر لگتا ہے کہ ان کی باقاعدگی سے حفاظت کی جاتی ہے اور انہیں متواتر کنگھی اور کلر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مونچھیں کالی سیاہ اور چمکدار لگ رہی ہیں۔ مونچھوں جتنی ہی حفاظت وہ اپنے ریوالور کی بھی کرتا ہے جو دیوار کی ایک کیل پر ہولسٹر میں لٹک رہا ہے۔ ہولسٹر کا چمڑا بھی چمک رہا ہے۔

یہ جوڑا گھر میں موجود لڑکیوں کی دلالی کرتا ہے۔ لڑکیوں میں ان کی بیٹی بھی شامل ہے۔

''میرے چار بچے تھے'' اس نے کمرے میں موجود گول مٹول سے خوبصورت بچے کو دیکھتے ہوئے کہا جو لڑکوں کے ایک گروپ کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ ''مگر ان سب میں صرف یہی زندہ بچا ہے۔''

بیٹی کی عمر کوئی 12 سال ہے مگر وہ چھوٹی اور نفیس سی لگ رہی ہے۔ اس کا جسم نو سال کی لڑکی جیسا ہے لیکن جنسی طور پر جلدی پختہ ہو جانے کی وجہ سے وہ 30 سال کی لگ رہی ہے۔ اس کے ہونٹ بڑے ہیں، چہرے پر پورا میک اپ موجود ہے اور ایڑی والے جوتوں کے باعث اس کا قد پانچ فٹ کے قریب ہو گیا ہے۔ اسے چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھنا پریشان کن نظارہ ہے کیونکہ اس کی چال میں فحاشی کا عنصر شامل ہے۔ وہ ایک سال سے دھندے میں ہے اور اس کا ایک بچہ بھی ہے۔ اس کا باپ اس کی دلالی کرتا ہے۔ وہ ان تمام لڑکیوں میں سب سے کم سن ہے جس کی اس کا باپ دلالی کرتا ہے۔ وہ لڑکیوں کی عمریں زیادہ بتاتا ہے جبکہ حقیقتاً ان کی عمریں اس سے کہیں کم ہیں۔ اس کے نزدیک 20 سال کی لڑکی کہنا زیادہ آمدنی دیتا ہے چہ جائیکہ 13 سال کی بچی کہہ کر لڑکی پیش کی جائے۔

گھونگھرو اور شیعہ چاقو

موسم گرما ___ اپریل 2001ء

محرم شیعہ اسلامی سال کا سب سے اہم مہینہ ہے۔ قلعے کی سڑک پر چار مقامات پر مصنوعی چھپر تان کر پانی کی سبیلیں لگائی جا چکی ہیں۔ سبیلوں کے گرد بانس کی لکڑیوں اور رسیوں کے ذریعے ایک جنگلا بنا دیا گیا ہے تاکہ پانی پینے والے با آسانی وہاں سے پانی پی سکیں۔ اقبال کے گھر کے باہر منظر صاف ستھرا اور سبز ہے۔ اس کے ریستوران میں کام کرنے والا ایک لڑکا روزانہ صبح اور دوپہر کے وقت ریستوران کے سامنے اور اردگرد پانی کا چھڑکاؤ کرتا ہے۔ ابھی شام ہونے والی ہے اور چھت کی اینٹیں نم آلود نظر آ رہی ہیں۔ کچھ دیر کے لیے لاہور کی فضا میں موجود گرد کے ذرات پانی کی نمی میں دب جاتے ہیں اور ٹھنڈک کا احساس بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔

سورج ہلکا اورنجی ہے اور اس وقت مکمل گول حالت میں مسجد کے ایک مینار اور گنبد کے درمیان ڈوب رہا ہے۔ یہاں سے بادشاہی مسجد اور ڈوبتے سورج کا نظارہ یقیناً ناقابلِ بیان ہے۔ اذان ہو رہی ہے اور زرد پڑتے سورج کی بادلوں کے اِکا دُکا گروہوں سے آنکھ مچولی جاری ہے۔ ہمارے گھر کے سامنے نیچے ایک شامیانے میں روشنیاں جلا دی گئی ہیں۔ مسجد سے اس پار، دور کہیں فاصلے پر ایک آدھ دکان کے نیون سائن بورڈ جھلملانا شروع ہو چکے ہیں۔

محلے کی چند اور گلیوں میں درجنوں سبیلیں لگ چکی ہیں۔ وہ شیعہ مسلک کے شہیدوں کی یاد میں ٹھنڈے مشروبات تقسیم کر رہے ہیں۔ کونے میں ڈرگ ڈیلر کی سبیل سبز رنگ کے شامیانے میں لگی ہے جس کے سامنے شیعہ مسلک کی علامت بڑے بڑے دو پنجے لگے ہیں جن کے اردگرد موجود شاہانہ قسم کے فانوس حب الوطنی کی نشانی سفید اور ہری روشنیاں چھوڑ رہے ہیں۔

تقریباً اس جگہ کے بالکل نیچے جہاں میں موجود ہوں ایک اور سبیل لگی ہے جو ڈرگ ڈیلر کی سبیل سے کہیں صاف ستھری ہے۔ یہاں مشروبات میں برف کے ٹکڑے ڈال کر دیے جا رہے ہیں۔ برف کے بلاک ساتھ ہی رکھے ہیں۔ برف کے بلاک اور پانی کے بڑے بڑے ٹب ایک سرخ رنگ کی چادر پر

رکھے ہیں۔ ایک موٹا آدمی بیٹھا زائرین میں مشروب بانٹ رہا ہے۔ ایک پست معیار کے ڈیک سے مذہبی گیتوں کا شور ابل رہا ہے۔ میوزک کی آواز پر، جو آلات موسیقی سے نہیں بلکہ ماتم اور سینے پر ہاتھ مارنے کی آواز سے پھوٹ رہی ہے، ایک نوجوان آدمی حسینؓ کی شہادت کے غم میں نوحہ خوانی کر رہا ہے۔ سبیل کی جگہ تصویری نمائش کا بھی اہتمام ہے۔ ان تصویروں میں میدان جنگ کا نقشہ ہے جس میں جسمانی اعضا بکھرے پڑے ہیں۔ ایک جسم کو تلوار کے ذریعے سینکڑوں ٹکڑوں میں کٹتے اور آسمان سے خون کی بارش ہوتی دکھائی جا رہی ہے۔ روشنائی گیٹ کی طرف جانے والے راستے پر کچھ دور ایک خاتون نے سبیل لگا رکھی ہے جس میں سنیکس تقسیم کیے جا رہے ہیں۔ وہ ثواب کی نیت سے ماتمی سیاہ لباس میں ملبوس ہے اور جوتے بھی نہیں پہن رکھے۔ وہ کربلا کے شہدا کی یاد میں اداس ہے، اس کے چہرے کی ہر جھری سے غم عیاں ہے۔

جوں ہی اقبال اپنی بالکنی میں بیٹھا لوگوں کے ایک ہجوم نے اسے گھیر لیا۔ وہ لوگوں کے ہاتھوں میں موجود سرکاری کاغذات پر بیٹھا دستخط کر رہا ہے اور انہیں ایک طرح سے جائز ہونے کا ثبوت دے رہا ہے۔ وہ اکثر ریفری، ضمانتی اور گواہ کا کردار ادا کرتا رہتا ہے، ہیرامنڈی کے ان بہت سے بے شناخت لوگوں کے لیے جن میں سے وہ ایک ہونے کے باوجود بھی وہ ان جیسا نہیں ہے۔ وہ اسی کمیونٹی میں سے ہے لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ نیشنل اکیڈمی آف آرٹس میں پروفیسر اور معروف آرٹسٹ بھی ہے۔ محلے کے باہر لوگ اسے آج بھی بازاری عورت کا بیٹا سمجھتے ہیں جس نے کسی نہ کسی طرح اسے کالج تک پہنچایا لیکن پھر بھی وہ ایک ایسی شناخت کا حامل ہے جو ہیرامنڈی کی اکثریتی آبادی کو کبھی نصیب نہ ہوگی۔ وہ اپنا نام کاغذات میں لکھ سکتا ہے اور اس کی اہمیت بھی ہوگی، اس کا ایک پتہ ہے، ایک عنوان اور ایک کیریئر بہر حال ہے۔

کاغذات کی تصدیق کے حوالے سے اقبال کے گھر میں اکثر لوگوں کا ہجوم جمع رہتا ہے کیونکہ یہاں ہیرامنڈی میں کم ہی لوگوں کے پاس اوریجنل کاغذات ہوتے ہیں۔ بچے جو یہاں کی عورتیں پیدا کرتی ہیں ان کے باپ اکثر نامعلوم رہتے ہیں۔ پیدائش نامے پر خاندان کی کسی علامت کا ذکر نہیں ہوتا۔ پاسپورٹ اور شناختی کارڈ پر باپ کا سرنیم نہیں ہوتا۔ اس طرح کے مرد کے غلبے پر قائم معاشرے میں جن بچوں کے باپ نہیں ہوتے وہ گویا معدوم ہیں، موجود ہی نہیں۔ جب ہیرامنڈی کے ان لاوارث بچوں کو باہر کی دنیا کے بیوروکریٹک ڈھانچے سے پالا پڑتا ہے تو اقبال ان کے کاغذات پر دستخط کر کے یہ شہادت دیتا ہے کہ یہ نیم خواندہ اور جاہل لوگ بھی حقیقت ہیں، واہمہ نہیں۔

''ہم ایک جیسے ہیں'' دستخط کے لیے آنے والے لوگوں کو الوداعی ہاتھ ہلاتے ہوئے اس نے کہا۔ وہ بالکنی کی ریلنگ سے نیچے مصروف گلی کی طرف دیکھتے ہوئے افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوا:

''مجھے بھی یہ معلوم نہیں کہ میرا باپ کون تھا...... غالباً وہ بھی مصور رہا ہوگا۔''

شیعہ اور سنّی

اسلام کئی فرقوں میں منقسم ہے۔ سب سے اہم اور بڑی تقسیم شیعہ اور سنّی کی ہے۔ عالمی سطح پر شیعہ اقلیت میں ہیں۔ زیادہ تر شیعہ عراق، یمن، پاکستان، افغانستان اور ایران میں آباد ہیں۔ ایران میں انہوں نے ''آیۃ اللہ'' کی سرکردگی میں ایک مذہبی حکومت بھی قائم کر رکھی ہے۔ پاکستان میں 10 سے 12 فیصد آبادی شیعہ مسلک سے تعلق رکھتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ سنّی اکثریت ان پر ظلم کرتی ہے اور امتیاز برتتی ہے۔ پاکستان فرقہ وارانہ اور سیاسی تنازعات کی آماجگاہ ہے۔ شیعہ اور سنّی دونوں مسلکوں کے اپنے جنگجو اور دہشت گرد گروہ ہیں جو ملک بھر میں فعال ہیں۔ کراچی میں خونریزی کے واقعات روز کا معمول ہیں لیکن پنجاب میں بھی فرقہ وارانہ کشیدگی کم نہیں ہے۔ پاکستان کے اسلامی انتہا پسند نہ صرف مغرب سے لڑ رہے ہیں بلکہ وہ اپنے مسلمانوں کے ساتھ بھی باہم دست و گریباں ہیں۔

شیعہ سنّی تضادات کی ابتدا آغاز اسلام سے ہی موجود ہے اور صدیوں تک ان کے مابین موجود خلیج وسیع ہوتی رہی ہے۔ اس تنازع میں کشیدگی کے مظاہر ہر سال محرم میں نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ان کے مابین تنازع کی بنیادی وجہ یہ جھگڑا بنا کہ پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد اسلامی دنیا پر حکومت کون کرے گا۔ ایک گروپ جو بعد میں سنّی کہلایا وہ اس حق میں تھا کہ اس کا فیصلہ غیر نسلی بنیادوں پر امت کے صائب الرائے لوگوں کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ دوسرا گروہ اس بات پر بضد تھا کہ حضورؐ کے بعد ان کے خاندان والوں کو نیابت و سیادت کا حق ہے۔ یہ گروہ علیؓ کے گرد جمع ہو گیا جو کہ پیغمبر اسلام کے چچا زاد اور داماد تھے۔ یہ لوگ جانثاران علی یا شیعہ کہلائے۔ بعد میں علیؓ مسند پر متمکن بھی ہوئے مگر انہیں شہید کر دیا گیا۔ ان کی اولاد حسنؓ اور حسینؓ ___ جو نبی کی بیٹی فاطمہؓ کے بیٹے اور ان کے نواسے تھے ___ کو بزور طاقت حکومت سے علیحدہ کر دیا گیا اور باپ کی جانشینی انہیں حاصل نہ ہوئی۔ حسنؓ کو زہر دیا گیا اور حسینؓ یزید کی جابرانہ حکومت کے خاتمے کے لیے مکہ سے اپنے خاندان اور کچھ پیروکاروں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ وہ ناکام رہے۔ کربلا میں جو موجودہ عراق میں واقع ہے فرات کے کنارے انہیں یکم محرم سے 10 محرم تک یزید کی افواج نے محاصرے میں لے لیا۔ کہتے ہیں کہ اس شدید گرمی میں ان کے خاندان کے بچے پانی کے لیے بے تاب ہو کر چلاتے رہے مگر یزید کی بے رحم فوج کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

10 محرم کو ایک بڑی فوج نے حسینؓ اور اس کے پیروکاروں کی بڑی تعداد کو شہید کر دیا۔ شیعہ مورخین کے مطابق حسینؓ کے ایک شیر خوار بیٹے کو تیر مار کر ہلاک کیا گیا اور بعد ازاں ان کے خاندان کو یزید کے دربار میں پیش کیا گیا۔ جہاں فاتح یزید حسینؓ کی مجروح لاش پر چڑھ دوڑا اور اپنی چھڑی سے ان کے سر پر ضرب لگائی۔ جب حسینؓ کا خاندان یزید کے محل میں محصور تھا تب ان کے خاندان کے ایک اور بچہ بھی ہلاک

ہو گیا۔ یہ وہ موقع تھا جب حسینؓ کی بہن زینبؓ نے پہلی مجلس منعقد کی۔ یہ مجلسیں آج بھی برپا ہوتی ہیں۔ یکم محرم سے 10 محرم تک اس جنگ، خونریزی اور محاصرے کی یاد میں مجلسیں برپا کرنا شیعہ کیلنڈر کی اہم تقریبات ہیں۔ ہیرامنڈی میں یہ دن مجلسوں، جلوسوں اور نوحوں کے لیے مخصوص ہیں کیونکہ یہاں اکثریت کا مسلک شیعہ ہے۔

کربلا کی شہادتیں اور تکالیف شیعہ ازم کو طے کرتی ہیں۔ وہ خود کو دشمن سپاہ کی زد میں آیا تصور کرتے ہیں اور ہر سال اس یاد میں غم مناتے ہیں۔ ماتم ان کی اہم رسم ہے۔ یہ فریاد کی ایک شکل ہے جس کے کئی مظاہر یہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ لاہور میں ماتم کی دو معروف قسمیں ہیں۔ ہاتھ کا ماتم، جس میں شیعہ سینہ کوبی کرتے ہیں اور زنجیری ماتم جس میں لوگ اپنی پیٹھ پر ان زنجیروں سے وار کرتے ہیں جن کے سروں پر تیز بلیڈ لگے ہوتے ہیں۔

ماتم کرنا شیعہ ہونے کا اعلان اور مومنوں کی کمیونٹی کا اس بات کی تصدیق کرنا ہے کہ وہ بیرونی خطرات کے خلاف خود کو مضبوط رکھیں گے۔ ہیرامنڈی کے شیعوں میں محرم کی تقریبات میں کچھ اور بھی ہوتا ہے۔ اگر کوئی خاندان سیاحوں کو متاثر کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے گھر کے مردوں کی پیٹھ کے زخم دکھاتا ہے۔ رشتے دار فخر سے بتاتے ہیں کہ ماتم میں زنجیر زنی کتنی شدت سے کی اور ان زخموں کے بھرنے کے لیے اس نے صرف مٹی استعمال کی۔ کمر اور پیٹھ پر زخموں کے نشانوں کا ہونا یہاں ایسے ہی تصور کیا جاتا ہے گویا سینے پر تمغوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ یہ مذہبی جوش اور مردانگی کی علامت تصور ہوتا ہے۔ جوں ہی بچہ چلنا شروع کرتا ہے اسے زنجیر تھما دی جاتی ہے جس سے وہ ریاضت کرتا ہے۔ بالغوں کے مقابلے میں بچوں کو جو زنجیر دی جاتی ہے اس پر پلاسٹک یا ایلومنیم کے بلیڈ لگے ہوتے ہیں۔ خاندان والے اپنے بچوں کو زنجیر زنی کرتے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور جو لوگ بوڑھے ہو کر ماتم چھوڑ دیتے ہیں ان پر کفِ افسوس ملتے ہیں۔ اقبال نے مجھے بتایا کہ جب اس نے زنجیر زنی ترک کی تو اس کے والدین شدید مایوس اور بیوی بیزار ہو گئی تھی۔ پاکستان کے روایتی سنّی خاندان ان رسموں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ماتم کو وحشیانہ عمل گردانتے ہیں۔ عاشورہ کی رات جو شہدائے کربلا کی جنگ کی آخری رات ہے، اس میں شیعہ سنّی جھگڑا اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ آج بھی شہر میں عاشورہ کے جلوس نکلتے ہیں اور یہ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ دنگے نہ ہو جائیں۔ جہاں جہاں سے محرم کا جلوس آج گزرنا ہے وہاں پر پولیس کی ایک بڑی تعداد تعینات کی جا چکی ہے۔

سیاہ رنگ محرم کا رنگ ہے۔ مذہبی شیعہ محرم کے پہلے دس دن سیاہ ماتمی لباس کے علاوہ کسی رنگ کا کپڑا نہیں پہنتے ہیں، اور ہیرامنڈی کی ساری دھندا کرنے والی عورتیں چاہے کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتی ہیں، ان دس دنوں میں میک اپ کو ہاتھ بھی نہیں لگاتیں۔ آدھا درجن لوگ تو میرے پاس بھی شکریہ کہنے کے لیے آئے کیونکہ میں نے بھی سیاہ رنگ کے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ وہ ان کے شہدا کے لیے عزت کے اس اظہار پر

میری تحسین کر رہے ہیں۔

زنجیریں محرم کا ایک لازمی جزو ہیں۔ ماہا کہتی ہے کہ یہ کربلا کے محصورین کی یاد دلاتی ہیں۔ اس قید کی جو یزید نے اہل بیعت پر تھوپی اور یہ تمام شیعوں کے دکھ اور کرب کا اظہار ہیں۔ ان زنجیروں کی بھی یہاں بہت سی قسمیں ہیں۔ گلے میں ایک موٹی سی دھاتی پٹی بندھی ہوتی ہے۔ ایسی ہی ایک بیڑی ٹخنوں میں بھی باندھی گئی ہوتی ہے اور کئی زنجیریں گردن اور پاؤں کی پٹی کے ساتھ بندھی ہوتی ہیں۔ بیمار نیشا کو جو زنجیریں پہنائی گئی ہیں وہ ہلکی اور پتلی سی ہیں۔ لیکن پھر بھی نیشا چل نہیں پا رہی لیکن اس کے برعکس توانا مردوں نے بھاری بھاری زنجیریں جسم پر لٹکا رکھی ہیں جنہیں گھسیٹتے ہوئے وہ بازار میں چل رہے ہیں۔

روایتی رنڈی خانوں میں رہنے والوں کے لیے شیعہ اور صوفی روایات وہ راہِ فرار مہیا کرتے ہیں جو ان کے لیے سکون کا باعث بنتی ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام ہی وہ آخری سہارا جا بنتا ہے جس پر وہ انحصار کر سکتی ہیں، اور جوں جوں ان کی عمریں بڑھتی جاتی ہیں وہ بھی اسلام کی طرف بڑھتی جاتی ہیں۔ جب وہ 40 سال کی عمر میں پہنچتی ہیں تو مذہبی عبادات پر ان کا زیادہ سے زیادہ وقت صرف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ زیادہ نمازیں اور تسبیح پڑھنا شروع کر دیتی ہیں۔ وہ عبادتوں کے لیے مسجد نہیں جاتیں بلکہ گھر پر ہی جائے نماز بچھا کر نمازیں پڑھتی ہیں۔ نماز کے اوقات میں یہاں عورتوں کو عام طور پر مسجد میں جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ایسا یا تو مذہبی احکامات کی بدولت ہے یا پھر سماجی حد بندیاں اس کا باعث ہیں۔ لیکن باقی وقت عورتیں پردے کے ساتھ مسجد میں جا سکتی ہیں۔ پچھلی بار جب میں عظیم بادشاہی مسجد کی سیر کے لیے گئی تھی وہاں دیہاتی خواتین کا ایک گروپ سیر کر رہا تھا۔ ان کے بچے بھی ساتھ تھے اور ایک بڑے سے بیگ میں کھانے پینے کے لوازمات اور قالین بھی تھے جس کو وہ بچھا کر اس عظیم الشان گنبد کے سائے میں بیٹھ گئے۔

ہیرامنڈی کے شیعہ اسلام میں شہباز قلندر اور داتا گنج بخش جیسے صوفیا بہت اہم ہیں۔ مقامی عورتیں یہاں صوفیا کے مزار پر لنگر تقسیم کرنے جاتی ہیں۔ ہر شخص یہاں تعویذ دھاگوں پر محکم اعتماد رکھتا ہے اور سیّد خاندان کی عزت اتنی زیادہ کی جاتی ہے کہ گویا ان میں خدائی طاقتیں ہوں۔ ان کے بارے میں خیال ہے کہ وہ خدا سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور معجزے دکھا سکتے ہیں۔ وہ اس دھاتی پنجے کو اپنا محافظ خیال کرتے ہیں۔ جو قلعہ بند پرانے شہر کی اکثر عمارتوں پر لہرا رہا ہے۔ یہ پنجہ پیغمبر اسلامؐ، علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ کی نمائندگی کرتا ہے۔ شیعوں کی مقامی کہانیوں میں تعزیے کے جلوسوں کو بابرکت کہا جاتا ہے جو محرم کے پہلے دنوں میں نکلتا ہے اور ان کے مطابق نبی کی بیٹی فاطمہؓ ہر مجلس میں بنفسِ نفیس شریک ہوتی ہیں۔

ہیرامنڈی کی شدید مذہبی عورتیں بھی شرعی احکامات کی زیادہ پابند نہیں ہیں۔ شاہی محلے میں کربلا کی کہانیوں اور تکالیف کا بیان ان کی اپنی زندگی کی مشکلوں کی کہانیاں ہیں جن کی علما کی کتابوں میں وضاحتیں موجود ہیں۔ میرا ایک عورت سے مکالمہ ہوا۔ وہ مجھے کربلا کے واقعات کی تصویریں دکھا کر مختلف کرداروں

کے بارے میں بتاتی رہی۔ وہ ان کی تکالیف کو یوں محسوس کر رہی تھی جیسے خاندان کے لوگ محسوس کرتے ہیں اور یوں مجھے یہ واقعات سناتی رہی گویا یہ تیرہ سو سال پہلے نہیں بلکہ کل ہی رونما ہوئے ہیں۔ عورتیں واقعات کربلا جب سناتی ہیں تو محفل میں موجود تمام عورتیں انہیں بھرپور توجہ سے سنتی ہیں۔ ماہا مجھے کربلا کی ان عورتوں کے قصے سنا کر روتی رہی جن کے پردے اتار لیے گئے تھے مگر انہوں نے اپنی تکریم کو بچانے کے لیے اپنے بال چہرے پر ڈال لیے تھے۔ شیعہ فرقہ، جو یہاں کا معتوب فرقہ ہے خود کو بھی محصور سمجھتا ہے اور ہیرامنڈی کی زندگی تو خاص طور پر اس پر موزوں بیٹھتی ہے۔ کربلا محلے کی عورتوں کے تنہائی اور بے انصافی کے احساس کو روحانی پہلو دے دیتا ہے۔

خیرات

صحن میں رکھی دھاتی دیگ کو اٹھانے کے لیے دو لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دیگ پکانے والے دیگ کے اوپر کے سرے کے نزدیک لکڑی کے دو موٹے ڈنڈے اڑس لیتے ہیں تاکہ جب وہ دیگ اٹھائیں تو ان کے ہاتھ نہ جلیں۔ دیگ کے وزن کی وجہ سے وہ لڑکھڑا کر اور دانت بھینچتے ہوئے چل رہے ہیں۔ دم پر رکھنے کے لیے دیگ کو کوئلوں کے ایک ڈھیر پر متوازن انداز میں رکھا گیا۔ جب دیگ کے چاولوں میں ابال آتا ہے تو اس کے اوپر ڈھکن رکھ دیا جاتا ہے اور پھر سرخ انگاروں کو دیگ کے چاروں طرف رکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک گھنٹے کے لیے دیگ اسی حالت میں چھوڑ دی جاتی ہے۔ جب چاول تیار ہو جاتے ہیں تو ڈھکن اتار کر بڑے کف گیروں کے ذریعے چاول دھاتی ٹبوں میں رکھ کر غریبوں اور بھوکوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ محرم کے پہلے دس دنوں میں ہیرامنڈی کی گلیوں میں دیگوں کے پکنے کے یہ منظر عام ہیں۔

غریبوں کے لیے جو خاص قسم کی دیگیں تیار کی جاتی ہیں، وہ چاولوں سے بھری ہوتی ہیں اور ان میں مرغی کی بوٹیاں اور غالباً بڑے گوشت کے گھٹیا حصے ڈالے جاتے ہیں۔ اچھی معیاری غذا ہمسایوں اور رشتہ داروں میں بانٹی جاتی ہے۔ عام طور پر یہاں غذا بہت اعلیٰ معیار کی ہوتی ہے۔ اچھا گوشت، تازہ سبزیاں، خوشبودار چاول، دالیں بانٹی جا رہی ہیں۔ تین دیگیں تیار کی گئی ہیں۔ ایک میں گوشت ہے، دوسری میں اعلیٰ قسم کا پلاؤ اور تیسری میں حلیم...... اس خاندان کے بچے محلے بھر میں یہ کھانا تقسیم کریں گے۔ بدلے میں وہ اگلے دن کھانا بھیجیں گے۔ ان کی عزت کا معیار اس عمل پر ہے کہ جو بدلے میں کھانا آئے وہ ان سے کم تر درجے کا نہ ہو۔

جو لوگ افورڈ کر سکتے ہیں وہ دیگ پکانے والے باقاعدہ باورچیوں کی خدمات کرائے پر لیتے ہیں جو لکڑیوں کے بنڈل، دیگوں اور کوئلے کے ڈھیروں سمیت آتے ہیں اور گلی میں بیٹھ کر دیگ پکاتے ہیں۔ یہ باورچی نائی کہلاتے ہیں...... جو بال کاٹنے اور شیو کرنے کے علاوہ یہ کام بھی کرتے ہیں۔ اگرچہ اچھے باورچی حجام کا کام نہیں کرتے بلکہ سارا سال دیگیں پکانے کا ہی کام کرتے ہیں۔ خاص طور پر شادیوں اور دیگر

تقریبات میں ان کا دھندا زوروں پر ہوتا ہے۔ ہیرامنڈی میں ان لوگوں کا بزنس محرم کے ابتدائی دس دنوں میں چمکتا ہے۔ اعلیٰ درجے کے نائیوں کی شہر میں ہمیشہ ہی ڈیمانڈ رہتی ہے۔

شریف نائی ہیرامنڈی کا سب سے بہترین دیگیں پکانے والا ہے اور تقریباً ہر شخص ہی اس کے ہاتھ کے بنے کھانوں کا شیدائی ہے۔

جب ہیرامنڈی عروج پر تھی، تماش بین دولت مند تھے اور طوائفیں بھی اعلیٰ قسم کی، تب محرم اور عید کی تقریبات میں اچھے کھانے کے باقاعدہ مقابلے ہوتے تھے۔ عیدالاضحیٰ میں ہر خاندان کے لیے یہ لازمی روایت ہے کہ وہ فربہ بکرے کی قربانی دے۔ ماضی میں...... دس، پندرہ سال قبل، تو ایک سے زیادہ بکروں کی قربانی کا بھی رواج تھا۔ پورے محلے میں اس کا چرچا ہوتا تھا کہ فلاں گھر دو بکروں کی قربانی کر رہا ہے، اور جن گھروں کے درمیان مقابلہ بازی کا رجحان تھا وہ فریق مخالف کی برتری کے خاتمے کے لیے تین بکرے بھی قربان کر دیتے تھے۔

ان دنوں جب ماہا لاکھوں کماتی تھی وہ شاہانہ دریا دلی سے غریبوں اور محلے والوں کو کھانا کھلایا کرتی تھی۔ آج بھی اسے سب یاد ہے۔ کیسے حالات تبدیل ہو گئے ہیں کہ اب ماہا اپنے بچوں کا پیٹ پالنے سے بھی قاصر ہے۔ اب جبکہ اس کی عمر 35 سال ہو گئی ہے اور وہ موٹی ہو چکی ہے اور عدنان بھی آنا چھوڑ چکا ہے۔ اس کی حالت دیکھ کر بہت سی عورتیں خوش ہیں۔ اگرچہ وہ ماہا کے سامنے بیٹھ کر اس سے اظہار ہمدردی کرتی ہیں مگر میرا نہیں خیال کہ وہ اس کے لیے احساس رکھتی ہیں۔

شمسہ کا نیا خاندان

شمسہ کودتی پھاندتی سڑک پر جا رہی تھی جب میرا اس سے سامنا ہوا۔ اونچی آواز میں چلاتی اور قہقہے لگاتی شمسہ نے مجھے اس زور سے تین مرتبہ گلے لگایا کہ میری سانس رکنے والی ہو گئیں۔ وہ نئے گھر منتقل ہو چکی ہے۔ اس کا اب نیا خاندان ہے ___ نئی خالائیں پھوپھیاں، نئے خالو، چچا، نئے چچا زاد، نئے بھتیجے، بھتیجیاں ___ اس لڑکی کے بہت زیادہ رشتہ دار ہیں جنہیں یہ بمشکل ہی جانتی ہے۔ وہ مجھے گھر کی سب سے اوپر کی منزل پر واقع اپنے کمرے میں لے گئی۔ یہ کنڈی والا کمرہ ہے جس پر وہ بجا طور پر مغرور ہے۔ چہکتے ہوئے اس نے کنڈی لگائی اور میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگی، میں نے حیران نہ ہونے کی اداکاری کی۔ کمرے کو بڑی احتیاط سے سجایا گیا ہے۔ ایک صوفہ، ایک کرسی، ایک دھاتی وارڈروب جس کے بڑے سے سنہری ہینڈل ہیں۔ چارپائی پر نرم گدا، تکیے اور اوپر روئیں دار رضائی پڑی ہے۔ ایک گلدان میں پلاسٹک کے پھول رکھے ہیں۔ یہ یقیناً شمسہ کا اپنا کمرہ نہیں ہے یہ اس نے مالک مکان سے اپنے دھندے کے لیے چند گھنٹوں کے کرائے پر لیا ہے۔ وہ نیچے سیڑھیوں کے زینے پر ایک اور عورت کے ہمراہ چٹائی پر سوتی ہے۔

شمسہ کا رویہ اسی طرح خلاف معمول ہے۔ اس نے اونچی آواز میں میوزک چلایا، بستر کے ساتھ پنکھا گھسیٹ کر کھڑا کیا اور چلا دیا۔ پھر وہ کمرے سے باہر اپنے گاہک سے کوئی بات کرنے گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کمرے میں لوٹی اور مجھ سے دو سو روپے مانگے۔ پتلا سا ایک ادھیڑ عمر آدمی بھی اس کے پیچھے کمرے میں آیا اور مجھ سے پوچھا کہ کیا مجھے حشیش یا کوئی اور اعلیٰ چیز چاہیے۔ ''کوئی اور اعلیٰ چیز'' سن کر شمسہ نے حیرت مگر خوشی کے ساتھ اس کو دیکھا۔

جب شمسہ ایک بار پھر کمرے سے باہر جا کر اندر آئی تو اس نے کہا کہ وہ پانچ سال پہلے ملتان سے یہاں اپنے خاندان کے ساتھ آئی تھی مگر اب وہ نہیں جانتی کہ اس کے گھر والے کہاں ہیں۔ میں نے اسے اپنے بچوں کا بھی بتایا۔ وہ سن کر خاموش ہو گئی اور پھر دکھی لہجے میں بولی:

''میرا بھی ایک بچہ ہے۔''

''لڑکا یا لڑکی۔''

''لڑکی۔''

''وہ کہاں ہے'' میں نے پوچھا۔

''وہ آسمان پر...... مر گئی ہے...... پتہ نہیں کیوں؟''

چند سیکنڈ بعد وہ پھر شوخ شمسہ ہو گئی۔ میوزک پوری آواز میں چلایا۔ مجھے بستر سے اٹھایا اور کہا ہم سیر کے لیے جا رہی ہیں۔ میں ہیرا منڈی کی ایک اور ہراساں کرنے والی پریڈ کے بارے میں سوچنے لگی، جس میں شمسہ مردوں کے ساتھ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گپیں مارنے والی ہے۔ اس کا سر ننگا ہے اور دوپٹہ کاندھے پر بے نیازی سے پڑا جھولے جا رہا ہے۔ میں شدید عدم اطمینان کا شکار ہوں۔ محرم کے دنوں میں بھی اس کا رویہ غیر محتاط ہے۔ مجھے اگلے چند سالوں تک بھی ان گلیوں کی خاک چھاننی ہے اور میں اس طریقے سے اپنی شہرت پر کوئی دھبہ نہیں لگانا چاہتی۔ مجھے شمسہ پسند ہے ___ وہ ہوا کے تازہ جھونکے کی مانند شگفتہ اور دوسروں سے مختلف ہے اور ایک سخت سماجی ڈھانچے میں ایک آزاد پنچھی ہے ___ مگر مجھے یقین نہیں کے وہ ایک بے انصاف معاشرے کو چیلنج کر سکتی ہے یا وہ عورتوں کے حقوق کے لیے کوئی قدم اٹھا سکتی ہے یا یہ کہ وہ بالکل پاگل ہے۔ کوئی بھی وجہ ہے اس جنگلی جوان عورت سے میرا انتھی ہو جانا کئی قسم کے مسائل سے میرا پالا پڑ سکتا ہے۔

میں نے کہا: ''سارے مرد ہمیں دیکھ رہے ہیں۔''

''مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''پلیز اپنا دوپٹہ اوڑھ لو'' میں نے التجا کی۔

اور اس نے میری التجا رد کر دی۔

مجلس

ماہا کی ایک بے تحاشا موٹی چچا زاد بہن آج شام ایک مجلس کا انعقاد کر رہی ہے جس میں علاقے کی چنیدہ خواتین نے شریک ہونا ہے۔ اس کی کزن کا گھر چرچ کے قریب ہے۔ اس نے پانی کی ایک سبیل کا بھی اہتمام کیا ہوا ہے جو زمین سے چند فٹ اوپر کسی سٹیج کی طرح بنائی گئی ہے۔ گرداگرد رنگدار پردے اور اوپر شاندار شامیانہ ہے۔ پہلی منزل پر اس کے کمرے میں چالیس پچاس عورتیں آلتی پالتی مارے فرش پر بیٹھی ہیں۔ سب نے سیاہ رنگ کے کپڑے پہن رکھے ہیں اور مذہبی گیت گا رہی ہیں اور ساری ہی غمگین ہیں۔ کچھ رو رہی ہیں۔ یوں لگ رہا ہے جیسے یہ کسی کی مرگ کی تقریب ہو۔ کچھ لڑکے سامنے گلی میں کھیل رہے ہیں لیکن میرے اردگرد بیٹھی عورتیں ان کی طرف توجہ نہیں دے رہی ہیں۔ ان کی توجہ گلی میں جھگڑا کرتے ان رکشہ ڈرائیوروں کی طرف بھی نہیں گئی جو ایک دوسرے کے رکشے میں پھنسے ہیں۔ عورتیں ایک دوسرے کو دلاسے دے رہی ہیں۔ رونے کی کیفیت کو خود پر طاری کرنے کے لیے وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد دیوار پر لگی تصویروں کو بھی دیکھ رہی ہیں جن میں میدانِ جنگ کے مناظر دکھائے گئے ہیں، میدان جنگ میں سر بریدہ لاشیں پڑی ہیں۔ مولا علیؑ کی بھی ایک تصویر ہے جس میں وہ کالی داڑھی اور چمکتی آنکھوں کے ساتھ خوبصورت لگ رہے ہیں۔ ایک طرف پیغمبر ابراہیمؑ کی تصویر ہے جبکہ صوفیا کے مزاروں کے بھی بہت سے پورٹریٹ دیواروں پر موجود ہیں۔ کھانا پیش کیا گیا۔ گیت گانے کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے مگر کسی بھی چہرے پر مسکراہٹ کا ذرا سا بھی تاثر نہیں ہے۔

مقامی لوگ اپنی مذہبیت اور دولت کا اظہار مجلسیں منعقد کر کے اور خیراتیں کر کے دیتے ہیں جو اسلام میں لازمی ہیں۔ کھاتے پیتے لوگ، سجے سجائے گھوڑے کرائے پر لے کر تعزیہ نکالتے ہیں۔ اگرچہ کچھ لوگ تعزیے کے اس جلوس کا احترام سے استقبال کرتے ہیں مگر اکثریت کی دلچسپی اس کھانے میں ہوتی ہے جو اس موقع پر تقسیم ہونا ہوتا ہے۔ قلعہ بند شہر میں ہیرا منڈی کے علاوہ کہیں بھی اتنی زیادہ مجلس، جلوس اور تعزیے نہیں نکلتے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے یہاں شیعوں کی جتنی تعداد آباد ہے اتنی لاہور کے کسی اور علاقے میں نہیں ہے اور غالباً اس کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ اس طرح سے ہیرا منڈی کے لوگوں کو اپنے سماجی وجود کے اثبات کے لیے مذہبیت کا اظہار بھی کرنا پڑتا ہے۔ انہیں لازماً ایک متاثر کن کارکردگی دکھانا ہوتی ہے۔

آج رات ہیرا منڈی سے محرم کا ایک اور جلوس گزر رہا ہے۔ ترنم چوک لوگوں سے بھرا ہوا ہے اور بھاٹی گیٹ کی طرف جانے والے راستے کے دونوں طرف عورتیں کھڑی مردوں اور گھوڑوں کے اس جلوس کو دیکھ رہی ہیں۔ سب سے آگے علم ہے جو کربلا کی لڑائی کی علامت ہے۔ اس کے پیچھے ایک بڑا سا دھاتی پنجہ ہے جس پر کئی رنگدار چادریں چڑھی ہیں۔ میرے اردگرد کھڑی عورتیں نوحے پڑھ رہی ہیں اور ان کے جذبات

ابلے پڑ رہے ہیں۔تعزیہ دیکھتے ہی وہ رونے لگیں۔میں نے ایک عورت سے پوچھا یہ کیا ہے۔وہ رو پڑی اور کہا ''..... جھولا ..... جھولا ..... جھولا ..... بچے کے لیے'' ایک بوڑھی عورت نے میرے بازو کو پکڑا اور کہا: ''انہوں نے اسے مار دیا۔انہوں نے اسے سات دن تک بھوکا پیاسا رکھا۔وہ چیختا چلاتا رہا مگر انہوں نے اسے پانی نہ دیا،اور پھر اسے مار دیا،انہوں نے اس معصوم کے گلے میں تیر اُتار دیا۔''

اس نے اپنا سر پیچھے کیا اور تین انگلیاں اپنے گلے پر رکھ دیں کہ اس طرح انہوں نے تیر مارا۔ہمارے ساتھ کھڑی ایک عورت سر ہلاتی رہی۔ایسا لگا جیسے اس عورت نے بچشم خود اس بچے کو یوں مرتے دیکھا ہو اور جو اسے بہت عزیز ہو۔ہو سکتا ہے کہ شہیدانِ کربلا اور ان کو پہنچائی گئی تکالیف کی کہانی مبہم ہو مگر ان عورتوں کے لیے،ان غم زدہ عورتوں کے لیے یہ حقیقی قصہ ہے۔

ہزاروں آدمی متحرک سنیما کی سکرین کو دیکھ دیکھ کر دکھ بھرے گیت گا رہے ہیں،شہادت کے،موت کے،اور معصوموں کے قتل کے گیت اور بس......اب میں بھی رو رہی ہوں۔

ذوالجناح

ہیرا منڈی کا ہر باسی زیارت کے لیے جا رہا ہے کیونکہ مجھے بھی ہیرا منڈی قبول کر چکی ہے اس لیے مجھے بھی کربلا کی یاد کے حوالے سے ہونے والی تقریب میں مدعو کیا گیا ہے۔پہلے دس دن تک صرف مردوں کو ہم نے خود کو مارتے دیکھا ہے اب ہمیں بھی لازماً جانا ہے تعزیے اور مزار کو چھونا ہے اور ہم نے خوبصورتی سے سجے سنورے رنگ برنگی چادروں میں لپٹے گھوڑے کی تعریف کرنا ہے جیسے کہ وہ کوئی خدائی خصوصیات کا حامل ہے۔گھوڑا حسین کے گھوڑے ذوالجناح کی نمائندگی کرتا ہے جو کربلا میں سوار کے بغیر شیعہ کیمپ میں واپس آیا تھا اور جو اس خونی شہادت کا گواہ تھا۔اس گھوڑے کو دیکھ کر مردوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عورتوں پر ہسٹیریائی کیفیت طاری ہو گئی۔

ماما بے ترتیبی سے بنائی گئی غریبوں کی قطار میں مشروبات تقسیم کر رہی ہے۔اس نے دودھ کا ایک بڑا سا ڈرم خریدا،اس میں شربت اور بادام ملائی۔اس کا ایک مرد رشتہ دار اسے دودھ کی سبیل تقسیم کرتے دیکھ رہا ہے۔اور آج ماما نے بھی اپنا بہترین لباس بشمول سیاہ چادر پہنا ہوا ہے۔مرکزی سڑک پر خوبصورتی سے سجے سنورے ذوالجناح کے سامنے ایک سو یا اس سے زیادہ کچھ لوگ ماتم کر رہے ہیں۔ننگے سینوں اس ماتم میں کچھ لوگوں کے سینے لال ہو رہے ہیں تو کچھ زیادہ جذباتی نوجوانوں کی کھال اُدھیڑ کر ان کی جلد کی تہہ کے نیچے موجود گوشت کو سورج کی روشنی میں نمایاں کر رہی ہے۔خون کی لکیریں ان کے پیٹ تک پہنچ چکی ہیں۔

گھوڑا اسدھایا ہوا ہے۔جب لوگ اس پر پڑی رنگ برنگی چادروں پر ہاتھ پھیرتے ہیں،اس پر پڑے پھولوں کو چومتے ہیں یا اس کی پیٹھ اور تھوتھنی پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو وہ ہلکا سا ہلتا ہے۔مجھے اس کی پسلیوں کو

چومنے کا اعزاز حاصل ہوا۔گھوڑے کی لگام تھامے بوڑھے آدمی نے مجھے دیکھا تو مسکرا کر اونچی آواز میں اعلان کیا ''تم شیعہ ہو'' اور اس کے بعد اس نے پامال پتیوں کی ایک مٹھی بھر کر مجھے دی جو گھوڑے کی تھوتھنی کو چھو کر گزرنے کے بعد متبرک و مقدس ٹھہری ہیں۔میری ساتھی نے اطمینان بھری نظریں مجھ پر ڈالیں جب میں نے وہ پتیاں نگل لیں۔خوش قسمتی سے ان میں گھوڑے کا ذائقہ نہیں تھا۔

عاشورہ

عاشورہ محرم کی تقریبات کا یوم عروج ہے۔پرانا شہر بالکل خاموش ہے۔زیادہ تر دکانیں بند ہیں۔ان کے شٹروں پر تالے پڑے ہیں۔رکشے،گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں گلیوں میں اودھم نہیں مچا رہے۔پولیس نے شہر کے اہم موڑوں اور چوکوں پر مورچے لگا رکھے ہیں۔مرکزی گلیوں میں خاردار تاریں بچھ چکی ہیں۔بہت خاموشی اور پُرسکون منظر ہے۔لڑکوں نے عام طور پر گنجان آباد اور مصروف رہنے والی سڑکوں اور بڑی گلیوں کو کرکٹ کی پچوں میں بدل دیا ہے۔

میرے ساتھ عریبہ چل رہی ہے۔وہ ننگے پیروں ہی میرے ہمراہ اچھلتے کودتے آگے بڑھ رہی ہے۔مجھے سمجھ نہیں آیا کہ آیا اس کے ننگے پاؤں محرم کی کوئی رسم تو نہیں جو قربانی اور مشکلات سے عبارت ہے۔لیکن اس نے مجھے بتایا کہ اس کے جوتے ہفتہ پہلے ٹوٹ گئے تھے اور اس کی ماں کا کہنا تھا کہ اس کے پاس نئے جوتے خریدنے کے لیے پیسے نہیں ہیں۔لیکن ماما کے لیے اس سوٹ کے پیسے ضرور تھے جو اس نے تب میرے لیے خریدا جب وہ اپنے لیے محرم کا خصوصی سیاہ لباس بنوانے گئی تھی۔میں نے بے ساختہ چونک کر عریبہ کے کھردرے اور میلے پیروں کی طرف دیکھا اور اس سے وعدہ کیا کہ جوں ہی عاشورہ ختم ہو گا میں اسے نئے جوتے دلانے کے لیے بابر مارکیٹ لے جاؤں گی۔

ہم دونوں ایک کھلی دکان کے سامنے رک گئیں جہاں کچھ لوگ جمع بھیڑ کے ذبح ہونے کا منظر دیکھ رہے ہیں۔اس منظر میں عریبہ کی دلچسپی تب ختم ہو گئی جب اس نے سڑک کے اس پار گولا بیچنے والے کو دیکھا۔گولا گرمیوں میں لاہور کے بچوں کی پسندیدہ غذا ہے یا کہہ لیں مشروب ہے۔گولا والا برف کی سل کو گولے کی مشین پر رگڑ کر برف کے گالے بناتا ہے،اسے ایک برتن میں ڈال کر اس میں ایک سٹک لگاتا ہے اور پھر برف کو دباتا ہے،اضافی برف اتارتا ہے اور پھر سٹک سمیت برف کو برتن سے نکال کر وہ رنگدار شربتیں اس پر ڈالتا ہے جو آپ کو پسند ہوں۔یقیناً یہ مصنوعی شربتیں ہیں اور پھر شیرینی میں ڈبو کر گولا گاہک کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔

اب برف کو چوسنے سے پیدا ہونے والی ایک آواز بھی ہمارے ہمراہ ہے۔عریبہ پُرسکون ہے اور ان راستوں سے بخوبی آشنا بھی۔اب وہ اپنے دوپٹے کے ساتھ بھی چھیڑ چھاڑ نہیں کر رہی۔پورے اعتماد کے

ساتھ وہ گلیوں میں چل رہی ہے۔ وہ ان گلیوں کے چپے چپے سے واقف ہے، اور مجھے بل کھاتی ان تنگ گلیوں میں لیے آگے بڑھ رہی ہے جو شہر میں پنجے پھیلائے ہوئے ہیں۔ یہ گلیاں چار یا پانچ فٹ چوڑی ہیں اور دو لوگ ایک وقت میں دیواروں سے رگڑ کھاتے یہاں سے آسانی سے گزر سکتے ہیں۔ لیکن اپنی بنیادوں سے اوپر اٹھ کر یہ گلی منزل بہ منزل کم ہوتی جاتی ہے اور آخری منزل تک پہنچتے پہنچتے اندر کی طرف جھکی عمارتوں کے درمیان فاصلہ تین فٹ رہ جاتا ہے اور یوں سورج کی روشنی اوپر کی منزل کی کھڑکیوں کے علاوہ کبھی گلی تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو پاتی۔

ہم ماہا کے بہت سے رشتہ داروں میں سے ایک کو بازار کے قریب ملے اور اس نے ٹبی گلی تک ہمارا ساتھ دیا۔ آج پہلی بار مجھے یہ گلی بند ملی ہے۔ زیادہ تر دروازوں پر تالے پڑے ہیں، صرف چند عورتیں گاہکوں کے لیے منتظر آنکھوں کے ساتھ وہاں موجود ہیں۔ نازیہ کی نائکہ دروازے کے قدمچے پر بیٹھی ہے مگر نازیہ وہاں موجود نہیں ہے۔ وہ کہیں گئی ہوئی ہے اور عاشورہ کے بعد لوٹے گی۔ جوں ہی ہم جوتوں کی بند مارکیٹ تک پہنچے ماہا کا رشتہ دار ٹھٹھکا اور کہا کہ یہ بہت خطرناک علاقہ ہے "یہ بہت خراب گلی ہے" اس نے اضافہ کیا "یہاں کی عورتیں دو سو روپے میں بکتی ہیں" میں نے سوچا یہ گلی کم خراب کہلاتی اگر یہاں کی عورتیں بھی، اس شخص کے رشتہ دار عورتوں کی طرح دو ہزار روپے فی بندہ چارج کرتیں۔

بغلی گلی میں ملیکہ...... تسنیم کی مالک مکان...... کھسروں کے ایک گروپ کے ساتھ ہماری طرف آ رہی ہے۔ تمام کھسروں نے ریشمی کالے لباس پہن رکھے ہیں۔ وہ بڑے چمکدار کوؤں کی مانند لگ رہے ہیں جو گلی میں اڑ رہے ہوں۔ ملیکہ نے کوؤں کی سی ہی آواز میں، میری طرف فحش نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا کہ میں کب ان کی طرف چکر لگاؤں گی۔ عریبہ حیرت کے ساتھ ملیکہ کو دیکھ رہی ہے جس نے حد سے زیادہ سرخی تھوپ رکھی ہے اور اگرچہ عریبہ خود بھی گہرے اور تیز میک اپ کی شائق ہے مگر محرم کے حوالے سے اسے یہ میک اپ عجیب لگا ہے۔ ان کو اپنی جان چھوڑ کر جاتے دیکھا تو مجھے خوشی ہوئی۔

سب سے بڑا محرم کا جلوس محرم کی نو تاریخ کی شام کو نکلتا ہے جس میں اندرون شہر کے تمام جلوس گلیوں، کوچوں اور کونوں سے شامل ہوتے جاتے ہیں۔ ان کی رفتار سست ہوتی ہے اور وہ مقبروں امام باڑوں اور دیگر مقامات پر پڑاؤ کرتے آگے بڑھتے ہیں۔ یہ جلوس رات بھر جاری رہے گا اور اگلے دن یومِ عاشورہ کی شام کو جا کر ختم ہوگا۔

ہزاروں لوگ اندرون شہر کے اس علاقے میں جمع ہیں جہاں سے یہ جلوس باقاعدہ اپنا سفر آغاز کرتا ہے۔ زیادہ تعداد مردوں کی ہے جو ایک دوسرے کو دھکے دیتے بند گلیوں سے نمودار ہو رہے ہیں۔ ماہا، نینا اور میں مسکراتے ہوئے ایک امام بارگاہ میں داخل ہوئے جہاں دو سو کے قریب عورتیں اور کچھ بوڑھے مرد رکے ہیں۔ یہاں حفاظتی انتظامات سخت ہیں۔ ہر عورت ماتم کر رہی ہے۔ اپنے سینے پر دو ہتھڑ مار کر یا حسین کہے جا

رہی ہیں۔ داخلی دروازے سے کسی نے چلا کر اعلان کیا کہ ذوالجناح کا جلوس آ رہا ہے۔ یہ آواز سنتے ہی وہاں ڈرامائی انداز میں یا حسین کی آوازیں بھی اونچی ہوگئیں اور سینہ کوبی کی رفتار میں بھی تندی آ گئی۔ مجھے یہ ناممکن لگ رہا تھا کہ لوگوں سے بھری اس جگہ پر گھوڑا آ سکتا ہے مگر وہ آ گیا۔ ذوالجناح تھوڑا سا کودا اور دروازے کے اندر داخل ہوگیا۔ عورتیں چلانے اور اس کے قریب جانے کی کوشش کرنے لگیں۔ ماہا نے بھی اس بھیڑ میں اپنے قدم رکھ دیے اور تھوڑی دیر بعد وہ میری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ نینا میرے ساتھ رکی رہی۔ وہ ذوالجناح کو تحسین بھری نظروں سے دیکھتی رہی، آنسو اس کی گالوں سے نکل کر چہرے پر راستہ بنانے لگے۔ اس کی سانسوں کا زیر و بم گڈمڈ ہو رہا ہے۔ درجنوں عورتیں گھوڑے سے چمٹی ہیں، دوسری عورتیں کوشش میں ہیں اور کچھ کی کوشش یوں ناکام رہی کہ ذوالجناح کو امام بارگاہ سے نکال کر باہر لے جایا جا رہا ہے۔ اب وہاں عورتیں رو رہی ہیں۔

اپنی آنکھوں میں وحشت لیے ماہا واپس لوٹی۔ اس کی گردن لال ہو رہی ہے اور وہ ننگے سر ہے۔ بھیڑ میں ابتری کی حالت سے فائدہ اٹھا کر کسی نے ماہا کا سونے کا ہار اتارنے کی کوشش کی مگر وہ صرف گردن پر نشان ڈالنے اور اس کی بہترین چادر چھیننے میں ہی کامیاب ہو سکا۔ ماہا ہوکے بھر رہی ہے اور اس جگہ کو سہلا رہی ہے جہاں طلائی زنجیر جھپٹنے کی کوشش میں اس کی گردن پر لکیر سی بن گئی ہے۔ ایک بوڑھی عورت نے اسے تسلی کے ساتھ ساتھ ایک چادر بھی دی تاکہ جب وہ گلی میں نکلے تو بے پردہ ہونے کی وجہ سے اسے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ ماہا نے اپنی طلائی زنجیر کو گلے سے اتارا اور اپنے بریزیئر کی بے انتہا وسعتوں میں اسے سمو دیا۔ کوئی بھی اب کبھی اسے یہاں نہیں ڈھونڈ سکتا۔

سفید گھوڑے کے تعاقب میں ہم رواں ہیں۔ ہمارے اردگرد موجود مجمع بے قابو ہو رہا ہے۔ مردوں کی لمبی قطاریں دھکے دیتے آگے بڑھ رہی ہیں۔ مجمع کے درمیان میں زنجیر زنی کرتے ابھرتے ہاتھ وہ نظارہ ہیں جسے سب دیکھنے کی کوشش میں ہیں۔ جو لوگ ذوالجناح کی سمت میں بڑھ رہے ہیں ان کے ہاتھوں میں بالکل نئے بلیڈوں والی زنجیریں ہیں جنہیں وہ اوپر اٹھائے چل رہے ہیں کچھ لوگوں نے یہ "مچھلیاں" (بلیڈوں والی زنجیر! مترجم) ابھی اخبار ہی میں لپیٹ رکھی ہیں۔ دوسری سمت میں وہ مرد جمع ہو رہے ہیں جو مچھلیاں استعمال کر چکے ہیں۔ کچھ چل رہے ہیں، کچھ ڈگمگا رہے ہیں، ان کی مچھلیاں بھی اگرچہ سروں کے اوپر ہیں مگر اب وہ خون سے سرخ ہیں اور خون کے قطرے ان کی مٹھیوں سے بھنچ کر نیچے ان کے اپنے سروں پر گر رہے ہیں۔ کمروں پر انہوں نے بیلٹ باندھ رکھے ہیں۔ ان کی پیٹھیں زخموں اور خون کی آماجگاہ بنی ہوئی ہیں جہاں سے بہتا ہوا خون ان کی شلواروں کو سرخ کر رہا ہے۔ کچھ لوگ شدید زخمی ہو گئے ہیں، ان کی ٹانگوں پر خون خشک کرنے کے لیے روئی بندھی ہے۔ یہ وحشت ناک نظارہ ہے لیکن فاتح اور پُر شوق جلوس آگے بڑھ رہا ہے ان مردوں سمیت جو جنگ اور شہادت کی علامتی ٹرافیاں ہمراہ لیے جا رہے ہیں۔

ذوالجناح جہاں سے گزرتا اس کے سامنے موجود مجمع لکڑی کے دستوں والی مچھلیاں لیے موجود ہوتا۔ وہ ان مچھلیوں کو باری باری کبھی کندھے سے اس طرف لے جا کر پیٹھ پر مارتے کبھی دوسری طرف، یہاں تک کہ بلیڈ ان کی پشت پر موجود گوشت میں گڑ جاتے۔ خون کے مہین قطرے بارش کی پھوار کی طرح اڑ اڑ کر لوگوں کے چہرے پر پڑ رہے تھے اور صبح ہونے سے کہیں پہلے ہمارے چہروں اور ہاتھوں پر خون کے یہ مہین قطرے خشک ہو چلے تھے۔

ہاتھ کے ماتم کا اونچا اور گہرا شور قریب کی مسجد سے آ رہا ہے جہاں قریباً تین سو عورتیں سینہ کوبی میں مصروف یاحسین کا وِرد کر رہی ہیں۔ لاؤڈ سپیکر پر اعلان کیا گیا کہ ایک بچہ گھوڑے کے سموں تلے آ کر کچلا گیا ہے اور موقع پر ہی جان بحق ہو گیا ہے۔ عورتوں نے سینہ کوبی میں اور شدت پیدا کر لی اور بے تابی سے یاحسین کے نعرے لگانے لگیں...... ایک اور بچہ شہید ہو گیا۔ ذوالجناح کو پہنچنے میں ایک گھنٹہ لگ گیا۔ اب ماتم زیادہ تکلیف دہ ہو گیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس طرح میں کتنی دیر تک اس جلوس کا ساتھ دے سکوں گی۔ گھوڑا آیا اور اسے فی الفور ہی قریبی کمرے میں لے جایا گیا۔ گھوڑا بدل دیا گیا کیونکہ تھکے ہارے ذوالجناح کے لیے اب اس پریڈ کو جاری رکھنا مشکل ہو گیا تھا اور ویسے بھی بلاتعطل 24 گھنٹے کی یہ پریڈ ایک گھوڑے کے لیے ناممکن ہے۔ جوں ہی نیا، تر و تازہ اور بے تحاشا صحت مند ذوالجناح مسجد میں داخل ہوا صحن میں صبح کی روشنی کے آثار ظاہر ہو گئے اور جاتے جاتے گھوڑا مسجد میں دو درجن عورتیں بے ہوش چھوڑ گیا جو فرش پر پڑی ہیں۔

تھک بیٹھنے والے ذوالجناح سے آرائشی سامان اتار لیا گیا۔ میرے احتجاج کے باوجود کہ اتنے گنجان آباد مختصر کمرے میں جہاں تھکا ہارا، بڑا سا بدحواس گھوڑا موجود ہو، جانا خطرناک ہے، ماہا نے مجھے کمرے کے اندر گھسیٹ لیا۔ جانور جذباتی لوگوں کے بوسوں سے بھیگا بیٹھا ہے جو اس کی پسلیوں کو چوم اور وجدانی حالت میں اس پر ہاتھ پھیر رہے ہیں۔ بڑی گلابی چادر اتار لی گئی ہے جو گھوڑے کی پشت پر تھی۔ اس کی چھوٹی چھوٹی پٹیاں اور چیتھڑے بنا کر منتظر عورتوں میں تقسیم کیے گئے۔ یہ مقدس اور مبارک پٹیاں عورتوں نے اپنی کمر کے گرد باندھ لیں جو ان کے لیے خوش قسمتی لانے والی ہیں۔ جوں ہی ہم باہر نکلے ماہا نے خوشی سے ایک پٹی کو بوسہ دیتے ہوئے دکھایا۔ میں نے اپنی بھیگی پٹی کو فاصلے پر ہی رکھا۔

''کیا بات ہے؟'' ماہا نے پوچھا۔

''مجھے گھوڑے کا پسینہ پسند نہیں'' میں نے قہقہہ مارتے ہوئے جواب دیا۔ وہ تیزی سے میری جانب مڑی۔

''اس طرح مت کہو...... یہ توہین ہے'' اس کو صدمہ پہنچا تھا اور غصے کو دبانے کی کوشش میں اس کا منہ لال ہو رہا تھا ''یہ مذاق نہیں ہے، یہ گھوڑے کا پسینہ نہیں۔ یہ خوبصورت ہے۔ یہ زیارت کا پرفیوم ہے۔''

ہیرامنڈی واپس آ کر میں بازار میں اقبال کے ساتھ بیٹھی۔ میں صبح کی روشنی اور مجمع سے نجات کی خوشی

سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اقبال کی کلائی اور بازو پر گہرے گھاؤ ہیں جیسے اس نے کلائیاں کاٹ کر خودکشی کرنے کی کوشش کی ہو۔ اس نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ ماتم کو جان لیوا حد تک جانے سے روکنے کا کام خاندان کے افراد اور دوستوں کے ذمے ہے۔ مرد کے لیے جو اپنی عزت کا لحاظ رکھتا ہو اور مردانگی کی صلاحیت کا حامل ہو اس زخم کو خود بھرنے کی کوشش کرنا غلط ہے۔ دوسرے لوگوں نے بھی مداخلت کی۔ اقبال کا ایک دوست خاص طور پر جذباتی ہے اور ماتم کے دوران اکھڑ بھی...... اور اقبال تو سامنے زخموں کی صورت ثبوت لے کر بیٹھا ہے۔

درجنوں نوجوان خون آلود شلوار قمیضوں کے ساتھ آ رہے ہیں وہ خون اور پسینے میں تربتر ہونے کے باوجود کپڑے نہیں بدل رہے۔ وہ اپنے خون آلود کپڑے عزت کی علامت سمجھتے ہیں اور تکبرانہ انداز سے انہیں دیکھتے ہیں۔ میں باآسانی ان کے منہ پر آنے والے بے ساختہ کرب کو دیکھ سکتی ہوں جب کوئی چیز انہیں مس کرتی ہے لیکن وہ ہمیشہ یہی بہانہ بناتے ہیں کہ اس کی تکلیف نہیں ہوتی۔ ہم ان میں سے کچھ لوگوں کے ساتھ ترنم چوک گئے۔ پورا علاقہ بند ہے اور ہر طرف پولیس پھیلی ہے۔ بھاٹی گیٹ کو جاتی سڑک لوگوں سے ابل رہی ہے۔ ٹبی گلی پولیس سٹیشن سے ہم زنجیر زنی اور ماتم کرتے اس جلوس کی آوازیں صاف سن رہے ہیں جو پرانے لاہور کے رستوں پر رواں ہے۔

یہ جلوس کربلا گامے شاہ جا کر ختم ہو گا جو لاہور میں شیعوں کا اہم مرکز ہے۔ ہم وہاں سے عاشور کے اندھیرے اور ہیرامنڈی کی گلی کی اداسی کے ہمراہ پلٹے۔ ماہا کی بہت سی کزنوں میں سے ایک ہمارے پاس یہ خبر لے کر پہنچی کہ اس نے آج صبح عریبہ کو دودھ والے سے تیس روپے لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ ماہا انتہائی گندی گالیوں کے ساتھ عریبہ پر ٹوٹ پڑی۔

''تم ایک گندی گشتی ہو، کنجری۔''

عریبہ سر جھکائے اور اپنے دفاع میں کچھ کہے بغیر گلی میں آگے کی طرف بڑھی۔ ماہا غصے میں جھاگ ابل رہی ہے۔

''کیوں دودھ والے نے اسے 30 روپے دیے ہیں'' وہ چلائی ''وہ اس کے پستانوں کو ہاتھ لگانا چاہتا ہو گا'' اس نے عریبہ کو گردن پر پچھلی طرف زور سے تھپڑ مارا اور وہ اڑتی ہوئی زمین پر جا گری: ''میں کیا کروں۔ میں کیا کروں...... جب میری اپنی ہی بیٹی گندی فاحشہ ہو۔''

آٹھ بجے کے قریب کربلا گامے شاہ کی اردگرد کی گلیاں مردوں کی قطاروں سے بھری ہیں۔ عورتوں کے لیے خشک گھاس بڑی تعداد میں ایک طرف پھیلا ہوا ہے، اور جلوس کی کارروائی جاری ہے اور خون کے دھبوں والی شلوار قمیضیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ دس محرم کے دنوں مردوں کے لباسوں پر موجود خون کے خشک دھبے انہیں باقاعدہ اہل مرتبہ میں شامل کر رہے ہیں۔ عورتیں اور بچے گھاس پر بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے

ہیرامنڈی کی کئی شکلوں کو پہچانا اور ان سے باتیں کرتی رہی۔ دوسری عورتوں سے باتیں کرتے ہوئے یہ عورتیں کبھی نہیں بتاتیں کہ وہ ہیرامنڈی سے آئی ہیں۔ وہ بتاتی ہیں کہ ہمارا گھر کریم پارک میں ہے یا پھر لاہور کے کسی اور پوش علاقے کا نام لیتی ہیں اور میرے بارے میں ان عورتوں کو بتاتی ہیں کہ یہ امریکی ہیں اور ہماری دوست ہیں۔ میرا تعلق برطانیہ سے ظاہر کرنا بھی شاید ان کی مخاطب عورتوں کے لیے مسحور کن نہیں ہوتا۔

ماہا نے اپنا دوپٹہ اپنے سر کے گرد کس کر لپیٹا اور منمناتے ہوئے کہا:

''عدنان کی بہن اور ماں بھی یہاں موجود ہے'' چند موٹی اور بدمزاج عورتوں کا ایک گروپ ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔ معتذر اور صوفیہ ماہا کے گرد کھیل رہے ہیں اور ماہا مسکراتے چہرے، مصنوعی مسکراتے چہرے کے ساتھ بغیر شرمندہ ہوئے انہیں دیکھے جا رہی ہے۔ وہ عدنان کے باقاعدہ خاندان کے سامنے اپنی تکریم بنانے کی کوشش میں ہے۔ بچوں کی دادی اور خالہ نے نہ انہیں ہاتھ لہرائے اور نہ ہی مسکرائیں بلکہ مخالفانہ طرز سے بچوں اور اس کی ماں کو دیکھتے رہیں۔

جلوس لیٹ ہو رہا ہے۔ اعلان کیا گیا کہ یہ آدھے گھنٹے میں یہاں پہنچے گا، جس کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ ہم عدنان کے خاندان کی سرد آنکھوں کا سامنا کرتے اس سخت زمین پر آدھی رات تک بیٹھے رہیں گے۔ یہ ایک سخت ابتلا ہے، اس لیے ہم شان اور جتنا سٹائل مار سکتے تھے، مارتے اٹھے، کپڑے جھاڑے اور ٹانگہ لے کر گھر کی طرف چل پڑے۔ ماہا خاموش ہے اور اس کے بدن کی لرزاہٹ مجھے پتہ دے رہی ہے کہ وہ رو رہی ہے۔ وہ ذوالجناح کی چادر والی پٹی جھنجھوڑ رہی ہے۔ ہم موھنی روڈ سے گزر رہے ہیں اور جوں ہی عدنان کے گھر کے پاس سے ہماری سواری گزری، ماہا کا ضبط کا بندھن چھوٹ گیا اور وہ اونچی آواز سے رو دی۔

بازار کے لیے تربیت

گرم رت فضا کو آہستہ آہستہ گھیر رہی ہے اور ہر اگلے گھنٹے کے ساتھ درجہ حرارت بڑھ رہا ہے۔ میری کھڑکی کے ساتھ لپٹی سفید پھولوں کی بیل کے پھولوں کی پتیاں کناروں سے بھوری ہو رہی ہیں اور کملائی ہوئی بھی ہیں۔ مسجد کا پتھریلا فرش سورج کی شعاعوں کی شدت کو جذب کر رہا ہے۔ صحن کے درمیان میں سے گزرتے نمازیوں کے لیے کھردرا کپڑا گیلا کر کے بچھایا گیا ہے تاکہ ان کے پاؤں نہ جلیں۔ جو لوگ اس گزرگاہ پر سے گزرتے ہیں وہ تو محفوظ رہتے ہیں مگر اس کے علاوہ باقی صحن میں چلنے کے لیے لوگوں کو اچھل اچھل کر چلنا پڑ رہا ہے۔

ڈرگ ڈیلر اور بڑا دلال مشتاق صحن میں جھانک رہا ہے۔ وہ مجھے میری کھڑکی سے صاف نظر آ رہا ہے۔ وہ ٹریک سوٹ اور تنگ ٹی شرٹ میں وہاں چہل قدمی کر رہا ہے۔ اس نے اپنی داڑھی بڑھا لی ہے اور حد سے

زیادہ سیاہ اور موڈی لگ رہا ہے۔ اس کی سب سے گندی عادت تاہم ابھی بھی موجود ہے کہ وہ ہر تھوڑی دیر بعد بے خیالی میں اپنی ٹانگوں کے بیچ میں ہاتھ پھیرتا رہتا ہے گویا وہاں کوئی بھاری چیزیں ہیں جنہیں ہر وقت ترتیب نو کی ضرورت پڑتی ہے یا پھر انہیں تھوڑی دیر بعد سہارا دینا پڑتا ہے۔ یا تو یہی معاملہ ہے یا پھر اسے خارش کی بیماری ہے۔ یہ بیماری ان لڑکیوں کو ہونی چاہیے جو مشتاق کی دلالی میں کام کرتی ہیں اور مشتاق ہر لڑکی کی جانچ کے لیے خود کو پیش کر دیتا ہے۔

نینا بازار میں بیٹھنے کی تربیت لے رہی ہے۔ محلے کی کلاسیکی روایت کو ملحوظ رکھا جائے تو تربیت 6 سال پہلے شروع ہو جانی چاہیے تھی۔ لیکن آج کی ہیرامنڈی کی ضرورت وہ مختصر تربیتی کورس ہے جو شدید محنت کا متقاضی ہے۔ روزانہ ڈانس ماسٹر ماہا کے گھر آتا ہے۔ آج شام وہ ایک نئے رقص کی ریہرسل کر رہی ہے جو بالی وڈ کے رقص اور مغربی کیبرے کا امتزاج ہے۔ مجھے اگرچہ یہ اچھا نہیں لگا مگر یہ بہت توانائی والا ہے۔

ڈانس ماسٹر نوجوان آدمی ہے جو محلے میں نہیں رہتا۔ اس نے مغربی طرز کی کالی شرٹ اور چست ٹراؤزر پہنا ہوا ہے۔ رقص کی تمام تربیت کولہے مٹکانے کے گرد گھومتی ہے اور جب بھی ڈانس ماسٹر نینا کو ڈانس کی حرکیات سمجھانے کے لیے اپنی پس کو حرکت دے کر کہتا ہے کہ اس طرح کرو، ماہا کو جذباتی ہیجان کا کوئی دورہ پڑ جاتا ہے۔ ماہا ٹیچر کو اپنے جذبات تک رسائی کا موقع نہیں دیتی۔ جب بھی اس سے بات کر رہی ہوتی ہے مؤدب رہتی ہے اور اسے ماسٹر جی اور ماسٹر صاحب کہہ کر پکارتی ہے۔ لیکن اس وقت وہ بمشکل ہی ہنسی روک اور اپنی نقالی کی عادت پر قابو پا رہی ہوتی ہے جب ماسٹر صاحب کولہے مٹکا کر نینا کی تربیت کا اہتمام کر رہے ہوتے ہیں۔

چند ہفتوں بعد کلاسیکی تربیت کی جگہ ہندی پاپ نے لے لی۔ نینا اس میں بہت تیز جا رہی ہے۔ وہ اپنے گھونگھرو پہن کر رقص کی مبادی حرکیات، کو خوب مہارت کے ساتھ سرانجام دیتی ہے۔ تقریباً دو گھنٹے کی کٹھن ریاضت کے بعد وہ بستر پر گر پڑتی ہے مسلسل حرکت کی وجہ سے اس کے پاؤں میں درد ہو رہا ہے۔ پاؤں اور ایڑی کو دباتے ہوئے اس کے چہرے پر شدید کرب واضح ہے۔

ڈانس ماسٹر اور مراثیوں کو ملازم رکھنا ایک مہنگی سرمایہ کاری ہے۔ ماہا کے لیے یہ قابل برداشت تو نہیں مگر نینا کے مستقبل کے لیے لازمی ہے ___ اور شاید پورے خاندان کے لیے یہ ضروری ہے۔ ماہا بطور سرپرست علاقے میں اپنے پاؤں جمانے کی کوشش کر رہی ہے اور اپنے اس امیج کے تسلسل کے لیے اسے پیسوں کی ضرورت ہے، اور پچھلے ایک ماہ سے ماسٹر جی اور مراثیوں کو ادائیگی نہیں کی گئی ہے۔

تمام لوگ ماہا کے گرد جمع ہیں جبکہ وہ چٹائی پر بیٹھی دوپٹہ ٹھیک کر رہی ہے۔ مراثیوں نے میرے ساتھ بیٹھنے سے انکار کر دیا جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ بدتہذیبی ہوتی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ چونکہ اپنے پیسے مانگ رہے ہیں اس لیے انہیں تھوڑا سا فاصلہ رکھنا پڑ رہا ہے۔ ماہا بدحواس ہے اور اپنی بدحواسی چھپانے کے

لیے کبھی میری طرف دیکھ کر قہقہے لگا رہی ہے تو کبھی ان سے مذاق۔ وہ اسے جانتے ہیں کیونکہ ان کا تعلق بھی اسی کمیونٹی سے ہے۔ وہ بھی اگرچہ واضح الفاظ میں رقم کا مطالبہ نہیں کر رہے مگر ان کا پیغام واضح ہے کہ اگر ہیرامنڈی میں قابلِ احترام مقام قائم رکھنا ہے تو ادائیگی کرو اور وہ بھی جلدی۔ فیس زیادہ نہیں ہے ___ 1500 روپے فی مہینہ جو ماسٹر جی اور تمام مراثیوں میں تقسیم ہوتی ہے ___ مگر ماہا کے پاس اتنی رقم بھی نہیں ہے۔ اس نے جلد ہی ___ اگلے دن ___ رقم دینے کا وعدہ کر لیا اور شوہر کے ساتھ اپنے مسائل کا رونا رویا۔ وہ چلے گئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کب تک وہ جھوٹی سماجی نام و نمود کو قائم رکھ پائے گی جبکہ اس کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے تباہ حال گھر کی بجلی اور پانی کا ماہانہ بل دینے سے بھی قاصر ہے۔

عزت

قحبہ خانے کی زندگی ایک عذاب ہے۔ یہاں صرف گاہک اور دَلّے ہی بدمزاج نہیں، دوسری عورتیں بھی ویسی ہی ہیں۔ ان کے درمیان اخوت نام کی کوئی چیز نہیں اور یہاں کی عورتیں شاذ ہی یہ حقیقت سمجھ پاتی ہیں کہ شیعہ ازم کے علاوہ بھی ان کے کئی مشترکہ مفادات ہیں۔ میں نے کبھی ہیرامنڈی کی کسی عورت کو اپنے خاندان سے باہر کی کسی عورت کی تعریف کرتے نہیں سنا ہے۔ اگر یہ تعریف کر بھی دیں تو ان کا انداز ہتک آمیز رہتا ہے۔ وہ دوسروں کو بڑھیا، بدصورت، موٹی، سستی، جنسی کشش سے عاری، پھوہڑ اور ادب آداب سے بے خبر ہونے کا طعنہ دیتی رہتی ہیں۔ ایک دوسرے کے منہ پر وہ میٹھا بولتی ہیں مگر جوں ہی ان کی نام نہاد دوست پیٹھ پھیر کے جاتی ہے وہ اس کے پرخچے اڑا کے رکھ دیتی ہیں۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ وہ میرے بارے میں کیا کہتی ہوں گی۔ میرا خیال ہے میں اندازہ لگا سکتی ہوں کہ وہ کیا کہتی ہوں گی ___ یہ بوڑھی ہو رہی ہے، یہ کتنی لاغر ہے، اس کے پاس کوئی زیور نہیں اس لیے میری کوئی عزت نہیں اور اس حقیقت کے ثابت کرنے کے لیے ان کے پاس دلیل ہوگی کہ اس کے پاس کوئی شوہر نہیں۔

میرے کسی اور کے گھر جانے سے ماہا کو نفرت ہے جبکہ مجھے اپنے وقت کی تقسیم کے حوالے سے خبردار رہنا پڑتا ہے۔ اس کے مطابق میں صرف ایک دوست رکھ سکتی ہوں اور میری ساری وفاداری اسی کے لیے ہونی چاہیے۔ یہاں دوستی محدود مقدار میں ہے اور بانٹی نہیں جا سکتی۔ گزشتہ رات میں نے رات کا کھانا ایک مقامی بوڑھی خاتون کے ساتھ اس کے گھر میں کھایا۔ اس نے کئی سال پہلے دھندا ترک کر دیا تھا مگر وہ اب بھی شان سے رہتی ہے۔ وہ ایک بڑی طوائف تھی ___ جس نے 7 سال کی عمر سے کلاسیکل ڈانس سیکھنا شروع کیا تھا ___ اور اس نے اتنی رقم جمع کر لی کہ بڑھاپا آرام سے گزار سکے۔ ہم نے شاندار ڈنر کیا اور پھر اس کی پرانی تصویریں دیکھیں...... مجھ سے غلطی صرف یہ ہوئی کہ اس ملاقات کا ذکر میں نے ماہا سے کر دیا۔

''کیا'' وہ چلائی ''تم اس پٹھان گھر میں گئی تھی، اس بوڑھی موٹی کے پاس؟'' وہ غصے میں ہانپ رہی ہے

''وہاں کیا کھایا تم نے؟''

''روٹیاں اور کوفتے۔''

ماہا کا رنگ اڑ گیا۔ ''اب کیا تمہیں اب پیٹ میں درد ہے؟''

اس نے میرے پیٹ میں زور سے انگلی چبھوئی ''وہ کالا جادو کرتی ہے۔ شاید اس نے تمہیں زہر بھی دیا ہو۔ وہاں کبھی کچھ مت کھانا دوبارہ'' نشہ چھوڑنے کا حلف اٹھانے کے باوجود اس نے کوریکس کی بوتل کھولی اور دو گھونٹوں میں پی لی۔

کونے میں موجود غسل خانے سے ایک تیز بدبو برآمد ہوئی۔ حکم دیا گیا کہ ائیر فریشنر مار دو۔ ماہا نے میرا غصہ پہلے بدبو کی طرف موڑا اور پھر اوپر کی منزل پر رہنے والی عورت کو نشانے پر رکھ لیا ''یہ اوپر جو گاندی پٹھانی رہتی ہے، یہ اس کی گندی بو ہے، وہ کبھی صاف نہیں ہوتی۔ اس کی تو وہ...... بھی گندی ہے۔ وہ گھٹیا، سستی گندی کنجری ہے۔''

یہ بات ٹھیک ہے کہ اوپر رہنے والی عورت طوائف ہے۔ مگر ماہا کیسے اسے گالی دے سکتی ہے اس کے لیے خاصی فکری مشقت کرنا پڑے گی۔ ہیرامنڈی کی ہر عورت دوسری کو رنڈی کہتی ہے مگر جب انہیں یہی کچھ کہا جاتا ہے تو وہ شرم کے مارے غصے میں پھٹ پڑتی ہیں۔ تمام ہمسائے ایک دوسرے کو ٹیکسی اور کنجری کہتے سنتے ہیں جیسا کہ وہ اس بات سے بے خبر ہوں کہ ہیرامنڈی میں کیا ہوتا ہے جیسا کہ وہ تمام معزز گھریلو بیویاں ہیں۔ ان کی اکثریت مردانہ غلبے کے اس بت کو نہیں توڑ سکیں۔ جب وہ خود دیکھ سکتی ہیں کہ ان کی ماؤں دادیوں نے معاشرے کے کلنک اور شرمندگی کی زندگی ان غار نما گھروں میں گزار دی ہے، وہ اس زندگی سے نہیں بھاگتیں۔ حیرت کی بات ہے وہ دوسری عورتوں کو وہ گالیاں اور وہ طعنے دیتی ہیں جو عام معاشرہ ان کے لیے بھی استعمال کرتا ہے۔

مسلسل یہی کوشش کہ ظاہرداری قائم رکھی جائے، عزت اور سٹیٹس بحال رہے اور حاسدوں دشمنوں کو طعنے دیے جائیں۔ طعنہ بازی اور گالیوں کا بازار اکثر پڑوسیوں کے جھگڑے میں گرم ہوتا ہے۔ کچھ دنوں سے دو ہمسایوں کے درمیان کشیدگی ہے وہ چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو گالیاں اور طعنے دیتے ہیں ''اپنی ماں کو کہنا وہ گینڈا ہے''، ''تم بیمار ہو تم تو مرنے والی ہو''، ''تم تو بدصورت ہو۔''

دونوں خاندان والے مجھے ایک دوسرے کی ذلیل حرکتوں کا بتاتے ہیں ''وہ جلتی ہیں'' ایک نے کہا۔

''دیکھو وہ کتنی بدصورت ہیں، ناچنا انہیں نہیں آتا، وہ سستی رنڈیاں ہیں، وہ کتے کی بچیاں ہیں'' دوسرے گھر والے بولے۔

ہیرامنڈی میں عورتوں کی عزت کے معیار کافی پیچیدہ ہیں...... اصلی سونے کے زیور، بڑے فریج، ٹی وی، ویڈیو پلیئر، ٹیپ ڈیک اور موبائل فون...... وہ غریبوں کو صدقہ دیں گی، مذہبی دعوتوں پر پیسے اڑائیں گی

اور مراثیوں اور ڈانس ماسٹروں کی سرپرستی کریں گی...... اس طرح ماہا کی محنت سے کمائی گئی رقم خرچ ہوتی ہے۔ وہ عورت جو زیادہ نمائش اور علاقے کے غریبوں میں زیادہ رقم بانٹے گی اس کی عزت زیادہ ہے بشرطیکہ وہ اپنے گاہکوں کو شوہر کہتی ہو، اپنی قیمت بلند رکھتی ہو، شیعہ رسومات کو ملحوظ رکھتی ہو اور مناسب موقع پر پردے کا استعمال کرسکتی ہو...... اگر وہ یہ سب کرسکتی ہے، تبھی جا کر اسے عزت حاصل ہوتی...... اور حاسدین ملتے ہیں علاقے بھر سے۔

اپنے پہلے گاہک سے ملتے ہوئے تمام عورتوں کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہ مہنگی ہیں اور وہ جب رقم کے بارے میں بتاتی ہیں تو ہمیشہ بہت بڑی رقم بتاتی ہیں۔ یہ تسلیم کرلینا کہ وہ 500 روپے میں اپنا جسم بیچتی ہیں ان کی عزت اور حقیقی قیمت کو کم کردیتا ہے۔ کامیاب شبیہ ابھارنے پر اس قدر زور دیے جانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کے سوا ہر عورت اچھا دھندا اور خوش و خرم زندگی گزار رہی ہے۔ دوسری عورتوں کے گاہک امیر اور سخی ہیں، ان کے شوہر ان کی عزت اور ان سے محبت کرتے ہیں۔ عورتیں سوچتی ہیں کہ صرف انہی کا دھندا مندا جا رہا ہے، یہ صرف وہی ہیں جو کرائے کی ادائیگی نہیں کرسکتیں اور یہ کہ صرف انہی کے شوہر ظالم ہیں۔ جب میں انہیں بتاتی ہوں کہ یہاں کی ہر عورت تکلیف میں ہے تو وہ میرا یقین نہیں کرتیں بلکہ کہتی ہیں کہ مجھے ان کے مسائل کا اندازہ نہیں ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ وہ تو ''دس ہزار والی عورتیں'' ہیں جن کی عزت ہے۔

ماہا بگڑی ہوئی ہے۔ اپنی ذلت کا رونا رو رہی ہے اور آنسو بہا رہی ہے۔ عدنان پچھلے ایک ہفتے سے نہیں آیا۔ اس لیے آج دوپہر کو وہ بچوں کی خوراک اور کرائے کے لیے خود موھنی روڈ پر واقع اس کے مکان پر چلی گئی۔ اس کا ایک نوکر اس کا پیغام لے کر اندر گیا اور وہ باہر رکشے میں بیٹھی اس کی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔ وہ ساری کہانی مجھے گھٹی گھٹی زبان میں سنا رہی ہے۔

''میں تو جیسے انسان ہی نہیں ہوں، کوئی جانور ہوں۔ میں ایک گھنٹے تک باہر دھوپ میں رکشے میں پڑی سڑتی رہی لیکن عدنان باہر نہیں آیا۔ وہ جانتا تھا کہ میں باہر ہوں لیکن وہ مجھے ایسے انتظار پر مجبور کرتا رہا گویا کوئی کتا ہوں جو چھیچھڑے کے لیے اس کی کھڑکی کے نیچے پڑا ہے۔ میری کوئی عزت نہیں، اس نے مجھے 500 روپے دیے اور کہا یہ اس ہفتے کے لیے ہیں'' وہ احساس ہتک اور غصے کے مارے روتے ہوئے کہتی ہے۔

''میری عزت تو کتے جیسی ہے۔''

حسن

ایک لڑکا دن بھر گھروں میں بھاگنے کے عوض چند روپے کماتا ہے۔ چائے کی دکان سے ٹرے اٹھا کر جس میں کھانا اور چائے ہوتا ہے وہ گھر گھر جاتا ہے۔ جب بھی وہ میرے گھر کے نیچے سے گزرتا ہے تو ایک لمحے کے لیے ٹھٹھک کر ضرور مجھے دیکھتا ہے، اور میں اکثر اسے کہتی ہوں کہ بازار سے میرے لیے منرل واٹر کی

بوتل لے آؤ۔ وہ بہت جوش سے کام کرنے والا بچہ ہے، بعض اوقات تو اتنا جذباتی اور اتاولا ہو جاتا ہے کہ مجھ سے پوچھتا ہے ''اگر کہیں تو پانی کی بوتل کھول دوں، یہ بہت ٹھنڈی ہے؟ کیا یہ بہت اچھی ہوتی ہے؟ کیا آپ کچھ کھانا چاہتی ہیں؟ کیا آپ کے لیے پیپسی لے آؤں؟ مجھے پتہ ہے آپ کو 7اپ کی چھوٹی بوتل چاہیے یا پھر چائے؟ نہیں نہیں آپ تو اس وقت کافی پیتی ہیں؟'' بعض اوقات تو میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ وہ بس یہاں سے چلا جائے۔ اس کا قد بہت چھوٹا اور منہ پتلا سا ہے متفکر بھوری آنکھیں اور چھوٹے چھوٹے سیاہ بال...... وہ بتاتا ہے کہ اس کی عمر 15 سال ہے مگر اس کا بڑا نیا اُگا دانت اور بچکانہ آواز کچھ اور بتاتی ہیں۔ اس کی عمر 10 سال ہے اور اس کا نام حسن ہے۔

ہیرامنڈی کے دیگر بچوں کی طرح حسن کا فیملی بیک گراؤنڈ بھی تکلیف دہ ہے۔ اس کی ماں ادنیٰ درجے کی طوائف ہے اور اس کے چار بچے ہیں جنہیں پالنے کی وہ متحمل نہیں ہے۔ حسن کا بڑا بھائی تو کچھ عرصے سکول کا منہ دیکھ چکا ہے مگر حسن کبھی سکول نہیں گیا۔ وہ اَن پڑھ ہے اور غالباً تمام عمر اسی طرح کے کام کرتے اَن پڑھ ہی رہے گا۔ سرکاری سکولوں میں اصولی طور پر پرائمری تک تعلیم مفت ہے لیکن حقیقت میں غریب لوگ اس کی قیمت ادا نہ کرسکنے کی وجہ سے وہاں نہیں جاسکتے۔ انہیں کتابیں خریدنی پڑتی ہیں، قلم، وردی اور پھر ٹرانسپورٹ کی قیمت...... اور سب سے اہم مسئلہ یہ کہ انہیں اس رقم سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں جو وہ کماتے ہیں۔

اگر حسن کی ماں کہیں سے رقم کا انتظام کر بھی لے تو ایک اہم بات یہ ہے کہ لاہور کے اس علاقے میں سکولوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ نہایت ناقص ہے اور اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ وہ تعلیم حاصل کر لیتا ہے تو اچھی ملازمت کے مواقع پھر محدود ہی رہیں گے۔ لوگ اپنے لیے ورکر ڈھونڈنے جائیں بھی تو وہ قلعہ بند شہر کی دیواروں سے دوسری طرف جاتے ہیں۔ یہاں کے کالج ہیرامنڈی سے آنے والے لڑکوں سے ہتک آمیز رویہ اختیار کرتے ہیں جیسے وہ احمق بھی ہوں اور غریب اور بدقسمت بھی۔ پاکستان میں، غالباً کئی دیگر سماجوں کی نسبت کامیابی کا انحصار جان پہچان پر ہوتا ہے۔ ہیرامنڈی کے رہائشی جانتے تو بہت سے لوگوں کو ہیں مگر یہ جان پہچان خود سفارش کرنے والے کے لیے نقصان دہ اور اس کی عزت و ترقی کی راہ میں روڑا بن جائے گی۔

اگر ذہانت، محنت دنیا میں کامیابی کی شرطیں ہوتیں تو حسن یقیناً مستقبل کا ایک اہم آدمی ہوتا۔ مگر لمحہ فکریہ یہ ہے کہ اگر کوئی معجزہ نہ ہوا تو وہ اسی طرح روزی کماتا رہے گا اور ایک دن کہیں سڑک کنارے پڑا نشہ کر رہا ہوگا، اور اگر وہ زیادہ پُرعزم نکلا تو اپنے علاقے کے دیگر پُرعزم لوگوں کی طرح ڈرگ ڈیلر یا دلال بن جائے گا۔ وہ بہت خوش مزاج بچہ ہے۔ اسے دیکھ کر مجھے اپنا بیٹا یاد آتا ہے...... اور یہیں پر میں نے صورت حال بگاڑ دی۔ میں نے ایک اور بھی معصوم سی احمقانہ غلطی کی۔ میں نے حسن کو بتایا کہ وہ پیارا لڑکا ہے۔ میں

نے اس کی زندگی میں دلچسپی لی، اس کی اداسی میں میں نے اسے گلے بھی لگایا اور جب اس نے محنت سے کام کیا میں نے اس کی تعریف بھی کی۔ آج دوپہر کو جب وہ مجھ سے یہ پوچھنے آیا کہ مجھے اور چائے تو نہیں چاہیے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں پہلے ہی کافی چائے پی چکی ہوں۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، کچھ چیزوں کا معائنہ کیا اور مجھ سے کچھ سوال پوچھے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے اسے کہا کہ مجھے کافی کام کرنا ہے اس لیے تم جاؤ۔ جب وہ جانے لگا تو اس نے اپنے بازو میرے گرد لپیٹے اور مجھے گلے سے لگا لیا۔ اس معانقے کے جواب میں میں نے اس کے سیاہ چمکتے بالوں پر تھپکی دی۔ لیکن اس وقت میں خوف سے کانپ گئی جب میں نے اس کی ٹانگوں کے درمیان ہلچل محسوس کی، جسے وہ میری رانوں سے رگڑ رہا تھا۔

یہ ابتدائی شام کا وقت ہے اور اپنے ٹیرس پر بیٹھی دن بھر کے واقعات کو ریکارڈ کر رہی ہوں۔ جب میں بیٹھی لکھ رہی ہوں تو حسن نیچے فورٹ روڈ پر دوسرے بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا ہے۔ یہ تمام بچے ابھی چونکہ چھوٹے ہیں اس لیے مسجد کے قریب واقع کھیل کے میدانوں میں کھیل کے اہل نہیں ہیں۔ اس نے متعدد بار میری طرف اوپر دیکھا۔ وہ ان تحسینی نظروں کو ڈھونڈ رہا ہے جو اس کی بیٹنگ کی مہارت کو دیکھ کر اٹھنی چاہئیں۔ دو ایک بار اس نے میری طرف دیکھ کر ہاتھ بھی لہرائے جب اس کا خیال تھا کہ میں اس کی طرف دیکھ رہی ہوں۔ میں نے اسے نظر انداز کر دیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں اور کیا کر سکتی ہوں۔ غریب حسن ایک ایسی دنیا میں پلا بڑھا ہے جہاں سیکس اور دولت اظہار محبت کا پیمانہ ہیں۔ وقت سے پہلے بالغ ہونے والے لیکن بہت پیارے بچے کی تربیت جس ماحول میں ہوئی ہے اور جس طرح اس نے اپنی ماں کے پاس گاہکوں کو آتے دیکھا ہے تو اس نے وہ سارے تباہ کن اثرات جذب کر لیے ہیں۔

عریبہ کے نئے جوتے

ماہا نے نیند کی گولیوں کی ایک بڑی تعداد کھالی ہے۔ کسی دن وہ ان گولیوں کی گنتی میں غلطی کر بیٹھے گی اور مر جائے گی۔ گذشتہ رات اس نے عدنان کے ہاتھوں ملنے والی ذلت کے بعد ایٹی وان کی دس گولیاں منہ میں رکھیں اور اوپر کوریکس کی پوری شیشی پی کر انہیں نگل لیا۔ ایٹی وان کی گولیاں نیند کی خاص دوا ہیں جن سے ہیرامنڈی میں کام کرنے والی اکثر عورتیں شناسا ہیں۔ آج صبح ماہا کی آواز اتنی لڑکھڑا رہی ہے کہ وہ مشکل ہی سے بات کر پا رہی ہے۔ وہ اپنے ہی بستر پر مشکل سے سیدھی بیٹھ پا رہی ہے۔

شام کے وقت ماہا کا نشہ ختم ہو گیا ہے اور وہ کافی تروتازہ اور خوش مزاج لگ رہی ہے۔ اس کے خوشگوار مزاج کی وجہ سے گھر کا ماحول بھی اچھا ہے۔ بچے بھی کھل کر ہنس رہے ہیں اور زندہ دلی گھر کے ماحول میں رچی بسی ہے۔ سوائے عریبہ کے سب خوش ہیں، جو حسب معمول کسی ضدی اور بدمزاج خادمہ کی طرح کا رویہ اختیار کیا ہوا ہے۔ ماہا ایک بار پھر عریبہ کا رونا رو رہی ہے کہ لوگوں کی شکایتیں آ رہی ہیں کہ عریبہ گلیوں میں

آوارہ گھومتی رہتی ہے۔ ویسے ایسا کوئی الزام دینا یوں بے انصافی ہے کہ عریبہ کو ہی ہر بار کھانا لانے گھر سے باہر اکیلا بھیجا جاتا ہے۔ آج میں عریبہ کے ساتھ، ماہا کے لیے پان اور گھر والوں کے کھانے کے لیے روٹیاں، لینے جا رہی ہوں۔ سنیما کے ساتھ موجود پان والی دکان سے اس نے پان خریدا۔ پان والے نے اس کے لیے ایک مفت سپیشل پان بنا کر بھی دیا جو اس نے خوشی خوشی اپنے لباس میں چھپا لیا۔ پھر ہم روٹیاں بنتی دیکھتی رہیں۔ ایک نوجوان لڑکا جو روٹیاں بنانے میں باپ کی مدد کر رہا ہے، آٹے سے گول گول پیڑے بنا رہا ہے۔ روٹی والی دکان پر گاہکوں کی بھی قطار لگی ہے۔ جب ہم روٹیاں لے کر واپس گھر پہنچے تو عریبہ ایک بار پھر لعن طعن کی زد میں ہے کہ اس نے پھر دیر لگا دی اور غلط قسم کی روٹیاں لے آئی ہے "ہم بڑی روٹیاں لیتے ہیں یہ چھوٹی روٹیاں نہیں" اس کی ماں نے شکایت کی اور عریبہ کو پھر جانے کا کہا۔

عریبہ بیٹھی رہی، چہرے پر اکھڑ پن ہے۔

"کتیا اب جاؤ بھی" ماہا چلائی۔

عریبہ منہ ہی میں گالیاں دے رہی ہے اور اس کی ماں کی آواز زیادہ اونچی ہو گئی ہے۔ عریبہ نے غصے سے اپنا دوپٹہ پکڑا اور دروازے کو زور سے بلند کر کے بھاگتی ہوئی باہر چلی گئی۔ میں سیڑھیوں پر اس کے قدموں کی چاپ سن رہی ہوں اور وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے "تم نے کبھی مجھ سے پیار نہیں کیا۔"

آج دوپہر میں جب عریبہ صحن میں بیٹھی تھی میں ایک گھنٹے تک اسے دیکھتی رہی۔ وہ اب بھی ننگے پاؤں ہے۔ وہ بڑے انہماک سے صحن میں کھیلتے بچوں کو دیکھ رہی ہے۔ بچے دوڑ رہے ہیں اور جب کوئی بچہ بھاگتے ہوئے گر پڑتا ہے یا عریبہ کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ اسے گلے سے لگا لیتی ہے اور اس کے کپڑے ٹھیک کرتی ہے۔ معتذر جو بہت چلبلا اور شرارتی ہے کو وہ گلی میں جانے سے روک رہی ہے۔ اس پیار اور احتیاط کو کبھی گھر میں سراہا جاتا ہے نہ عریبہ کو اس کا صلہ ملتا ہے۔ اس کے ان چھوٹے موٹے کاموں کے لیے کوئی احسان مند نہیں ہوتا۔ اس کا کام ناقابل محسوس معیار کا ہے۔

بابر مارکیٹ میں عریبہ لڑکھڑا کر چل رہی ہے کیونکہ اس کے پاؤں میں اس کی ماں کا جوتا ہے جو اس کے پاؤں کے سائز سے بہت بڑا ہے۔ وہ جوتوں کی دکان کے باہر شوکیس میں پڑے جوتوں کو دیکھ رہی ہے اور انتہائی نامناسب سینڈلوں کی تعریف کیے جا رہی ہے۔

"میں سرخ رنگ کا کوئی جوتا چاہتی ہوں" اس نے دوکاندار کو کہا "خوبصورت سرخ جوتا، عورتوں والا" مجھے معلوم ہے کہ وہ کیا چیز مانگ رہی ہے۔ وہ باہر کی الماری میں پڑے ان سرخ جوتوں میں دلچسپی لے رہی ہے جن کی ہیل چار انچ اونچی ہے اور جس پر پتلی سی سرخ پٹیاں ہیں۔ اس نے ان جوتوں میں اپنے میلے اور کھردرے پاؤں ڈالے اور چلنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے معمول کے جوتے خریدنے کی تجویز دی اور بالآخر سفید سینڈل پر ہمارا اتفاق ہو گیا جس کی ہیل قدرے کم تھی۔ اس طرح کے جوتے اور ان کا رنگ

ہیرامنڈی کے حسب حال تو نہیں ہے مگر عریبہ کو وہ جوتے بہت پسند آئے۔

دوپہر کا باقی حصہ ہم دونوں نے سنیکس کھانے اور خریداری میں گزارا۔ میں نے عریبہ سے کہا کہ ایک سو روپیہ اس کے لیے ہے جس سے وہ اپنی مرضی کی خریداری کر سکتی ہے۔ شاپنگ کے حوالے سے اس کی ترجیحات اس کی شخصیت کے بارے میں وضاحتی بیان ہیں۔ اس نے اپنے لیے سنہری رنگ کا ایک سستا سا ہار خریدا۔ اس کے بعد وہ کافی دیر تک منیاری کی ایک دوکان پر ٹیلکم پاؤڈر کے چناؤ میں مصروف رہی۔ اس نے ہر پاؤڈر کی قسم کو تین چار بار سونگھا اور آخر میں پھولوں کی خوشبو والا ایک پاؤڈر کا ڈبہ پسند کیا جو سب سے زیادہ سستا ہے۔ وہ کچھ پیسے بچانا چاہتی ہے تاکہ بچ جانے والی رقم سے صوفیہ کے لیے کوئی تحفہ خریدا جا سکے۔ صوفیہ کے لیے مناسب ترین ہیئر کلپ کی تلاش میں وہ پوری مارکیٹ گھومی۔ جو ہیئر کلپ اسے پسند آیا وہ ہلکے نیلے رنگ کا ہے جس پر گلابی رنگ کے کپڑے پہنے ایک چوہے کا چھوٹا سا مجسمہ ہے۔ یہ چیزیں خرید کر وہ کافی خوش ہوئی۔ اس نے چمکتی آنکھوں سے میری طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ اس کی بہن کو یہ تحفہ پسند آئے گا ناں۔

آج شام کو صوفیہ وہ ہیئر کلپ پہنے ہے جبکہ عریبہ نے ہار پہن رکھا ہے۔ بمشکل ہی اس کے ہار کا سنہری رنگ دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ عریبہ نے اپنی گردن کو گورا کرنے کے لیے اتنا زیادہ ٹیلکم پاؤڈر لگا رکھا ہے جس کی گرد میں ہار کا رنگ چھپ چکا ہے۔ اس کی بڑی بہنیں میرے ساتھ بستر پر بیٹھی ہیں۔ ایک بولی! ''یہ گندی بدبو کہاں سے آ رہی ہے'' انہوں نے اپنے ہاتھ ناک پر رکھے اور عریبہ کی طرف دیکھا ''اس کی بدبو تمہیں نہیں آ رہی؟'' کمرے میں موجود ہر شخص نے قہقہہ لگایا اور عریبہ جلدی سے گدے سے کھسکی اور رات کی پہنائی میں دوڑتی ہوئی گم ہو گئی۔

ماہا کی تکلیف

ماہا کا مزاج پھر بگڑا ہوا ہے۔ جس وقت میں ان کے گھر میں وارد ہوئی ایک خوفناک لڑائی جاری تھی۔ فرش پر اَدھ کھایا کھانا پڑا ہے جبکہ بچیاں بیڈ روم اور کچن کے کونوں میں دبکی ہوئی ہیں۔ ماہا چلا رہی ہے ''یہ مجھے جان بوجھ کر ستاتے ہیں۔ یہ مجھے مار ڈالیں گے۔ میں نے ان کے لیے سب کچھ کیا اور یہ میری ہی ہتک کرتے ہیں۔''

''لوئیس'' اس نے کہا ''میرا سر'' اس نے شدید مایوسی میں اپنے سر کو پکڑا اور پھر اپنی بھاری جسامت کے باوجود اچھل کر کھڑی ہوئی، کچن میں گئی اور نینا کو بے تحاشا مارنے لگی۔

مجھے نہیں معلوم کہ نینا نے کیا کیا ہے۔ مجھے شک ہے کہ اس نے پھر بدزبانی کی ہو گی، بالکل اسی طرح جیسے 13 سال کی اکثر لڑکیاں کرتی ہیں۔ وہ آلتی پالتی مار کر بیٹھی ہے جبکہ اس کے ہاتھ سختی سے اکڑ رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر اس نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن جب میں نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ سسکیاں

بھرنے لگی۔

جب ماہا کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہو گیا اور کچھ پُرسکون انداز میں وہ چٹائی پر بیٹھ گئی تو اس نے ملتجیانہ انداز میں کہا! ''مجھے یہ دوائی لینی ہو گی'' اور میرا خیال ہے وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ان حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے یہ دوائی اس کی ضرورت ہے۔ وہ ہر دن، ہر لمحہ اپنے بچوں کی موجودگی کے باوجود چار کمروں کے اس گھر میں اکیلی ہے۔ وہ تمام دن رفاقت کی تڑپ، بچوں کی غذا اور مکان کے کرائے کی ادائیگی کے لیے اپنے مرد کی واپسی کا انتظار کرتی ہے۔ یہ چیزیں وہ اپنا جسم بیچے بغیر خود ان بچوں کو مہیا نہیں کر سکتی۔

جب وہ یہ دوائی لیتی ہے تو وہ پُرسکون ہو جاتی ہے کیونکہ اسے سوچنا نہیں پڑتا۔ وہ معتذرا اور صوفیہ کے اودھم مچانے کے باوجود سوئی رہتی ہے۔ نہ اسے عریبہ کی فکر ہوتی ہے جو گندگی میں لتھڑی گلیوں میں آوارہ پھرتی رہتی ہے۔ نہ نیشا کی یاد ستاتی ہے جو کہیں چپ چاپ پڑی ہوتی ہے اور نہ ہی اسے نینا یاد رہتی ہے جو گھر کے چھوٹے موٹے کاموں میں مصروف گاہے بگاہے اپنی ماں کو چیک کرنے آتی ہے کہ وہ زندہ ہے یا...... اور پھر دوائی کا اثر ختم ہوتے ہی ماہا کو شعور کی دنیا میں پلٹنا پڑتا ہے جہاں اس کا ناخوش و ناخرم خاندان ہے، غیر حاضر شوہر ہے، پیسوں کی کمی ہے اور پھر اسے خود پر قابو پانے کی کوشش کرنا ہوتی ہے۔ وہ مجنونانہ حد تک بدمزاج ہو جاتی ہے، پورے گھر کے افراد دباؤ میں ہوتے ہیں اور وہ پھر کوریکس کی بوتل کھول لیتی ہے اور نیند کی گولیاں گننا شروع کر دیتی ہے۔ مگر یہ کافی نہیں، مسئلوں کا حل بھی نہیں کیونکہ جب وہ جاگتی ہے تو کچھ بھی تبدیل نہیں ہوا ہوتا۔

میں نے ماہا کو کہا کہ وہ اتنی زیادہ دوائیاں استعمال نہ کرے۔ یہ ایک بے فائدہ اور کسی حد تک ظالمانہ مشورہ ہے کیونکہ میرے پاس بھی اس کے مسئلوں کا کوئی بہتر حل نہیں ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ میں جا رہی ہوں۔ اس نے پوچھا کہ کہاں تو میں نے بتایا کہ میں نے گلبرگ سے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔ گلبرگ وہ علاقہ ہے جہاں سے لاہور کے امرا شاپنگ کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ کیا وہ بھی چلیں۔ میں نے ایک کمینے لمحے کے زیر اثر انکار میں یہ کہہ کر سر ہلا دیا کہ مجھے اکیلے جانا ہے، کچھ اور بھی کام ہیں...... میں خود کو ماہا کے تمام مسائل کے حل کے لیے نااہل محسوس کر رہی ہوں۔ کیونکہ میرے اپنے بھی مسائل ہیں جنہیں میں نے دیکھنا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی میرے دل میں آتا ہے کہ اس جھنجھٹ سے جان چھڑا کر کہیں دور چلی جاؤں۔

بنگلہ دیشی خاندان

میں نے اپنے پچھلے دور میں کچھ شاندار تصویریں بنائی تھیں جو میں بنگلہ دیشی خاندان کو دینا چاہتی ہوں۔ ان میں ایک تصویر میں ماں اور باپ بیٹھے ہیں۔ ایک تصویر ماں کی ہے جس کے خراب دانت تیز روشنی کی زد میں آ کر کیمرے میں محفوظ ہو گئے، اور ایک گروپ فوٹو ہے جس میں شمسہ بھی اپنے تیز اور شوخ ہری

سرخی کے ساتھ نظر آ رہی ہے۔ وہ اپنی تصویریں دیکھ کر بہت خوش ہو رہے ہیں۔ میں اس دوران بلقیس کے ساتھ چار پائی پر بیٹھی ہوں۔ بلقیس ان کی بیٹی ہے جو تصویروں کو غور سے دیکھ رہی ہے۔ جب میں نے گزشتہ دسمبر میں اس گھر کا دورہ کیا تھا تو یہاں پانچ چھ بچے تھے مگر اب ان میں سے صرف بلقیس یہاں موجود ہے۔ وہ بہت پھرتیلی اور خوبصورت لڑکی ہے جس کے خال وخط اچھے اور آنکھیں بڑی بڑی ہیں۔ اس کے بقول اس کی عمر 15 سال ہے مگر وہ 13 سال سے زیادہ کی نہیں لگتی۔

''دو مہینے پہلے میری شادی ہوئی ہے'' اس نے بتایا ''میں تمہیں اپنی شادی پر بلانا چاہتی تھی مگر تم یہاں پر نہیں تھی۔''

اس نے مجھے اپنے خاوند کی تصویر دکھائی۔ وہ بیس سال کا لگتا ہے، بال چمکدار اور ہلکی سی مونچھیں ہیں۔ میں نے اسے شادی کی مبارک باد دی اور اسے یہ بھی بتایا کہ اس کا شوہر بہت خوبصورت ہے۔ اس نے کہا:

''ہاں وہ اچھا شوہر ہے۔ بیڈشیٹس کا کام کرتا ہے۔''

لڑکی کی ماں فرش پر بیٹھی ایک شخص کے ساتھ لڈو کھیل رہی ہے۔ یہ آدمی بھی بنگلہ دیشی ہے۔ وہ لوگ گیم میں منہمک ہیں اور چھوٹی چھوٹی شرطیں لگا کر کھیل رہے ہیں۔

''کیا تم نے زیارت کی تھی''، بلقیس نے اپنی کمر کے گرد لپیٹی ذوالجناح کی چادر والی پٹی دکھاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''ہاں۔ کئی بار..... اور میں نے ذوالجناح کو چھوا بھی تھا۔''

''اوہو..... اب تمہاری قسمت اچھی ہوگی۔''

ہیرامنڈی کے اکثر گھروں کے برعکس یہ گھرانہ سنّی مسلک سے تعلق رکھتا ہے جو یہاں اقلیت میں ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ محرم کی تقریبات میں جوش وخروش سے حصہ لیتے ہیں، جیسے وہ شیعہ ہوں۔

بلقیس مجھے کہتی ہے کہ میں آپ کو کچھ میوزک سنانا چاہتی ہوں جو سننے کے قابل ہے۔ اس نے ایک پرانا سا ٹیپ ریکارڈر نکالا۔ ٹیپ ریکارڈ جب بجتا ہے تو اس کے سپیکروں کے گرد موجود رنگی برنگی چھوٹی لائٹیں جلتی بجھتی رہتی ہیں۔ میں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا یہ خوبصورت ہے۔ اس خاندان کے لیے اس ٹیپ ریکارڈر کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ جونہی کیسٹ اس کے اندر ڈال دی گئی تو فوراً ہی اسے گرد سے بچانے کے لیے دوبارہ ڈھانپ دیا گیا اور ہم اس میوزک پلیئر سے گونجتی آوازیں سننے لگے۔

بلقیس کا باپ شاید مجھے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ وہ بار بار اپنی بیٹی کو ٹوک رہا ہے، اور انگلش بول رہا ہے۔ ایک آدمی اندر آیا اور چار پائی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس نے مجھے حشیش کا پتلا سا ٹکڑا پیش کیا۔ اس کی عمر چالیس کے پیٹے میں ہوگی، ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے اور شاید کوئی مزدور قسم کا آدمی ہے۔ بلقیس کی ماں اٹھی اور نئے آنے والے آدمی کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس کمرے میں اندھیرا ہے اور جوں ہی وہ

لوگ اندر داخل ہوئے دروازہ بند ہو گیا۔ اس کے دھندا چھوڑ دینے کا میرا خیال غلط نکلا۔ لڈو کے پاس موجود اکیلا کھلاڑی حشیش پیتا رہا اور وقفے وقفے سے مجھے گھورتا رہا۔ پانچ منٹ بعد خاتون واپس آئی اور لڈو کھیلنا شروع ہو گئی۔ گاہک بھی باہر آیا۔ اپنے مثانے کو خارش کرتا اور شلوار کا نالہ درست کرتا وہ چلا گیا۔

''شمسہ کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔ میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ وہ گھر چھوڑ کر کیوں گئی ہے؟

''وہ کہیں اور گئی ہے'' باپ نے جواب دیا۔

''کیوں؟''

اس نے کندھے اچکائے اور اس کی بیٹی نے آنکھیں دوسری طرف کر لیں ''وہ احمق اور بدتمیز تھی۔''

''تم کیا کام کرتی ہو؟'' باپ نے پوچھا۔ میں نے وضاحت کی کہ میں ایک یونیورسٹی میں پڑھاتی ہوں اور ہیرامنڈی پر ایک کتاب لکھ رہی ہوں۔ مجھے پتہ تھا کہ اسے ان باتوں کا پہلے سے ہی پتہ ہے اور میں حیران ہوئی کہ کیوں وہ دوبارہ پوچھ رہا ہے۔

''کیا تم کوئی اور بھی کام کرتی ہے؟ کوئی ایسا کام جس کی وجہ سے پولیس سے تمہارا پالا پڑتا ہو'' میں نے انکار میں سر ہلا دیا۔

''تم پچھلی رات ماہا کے گھر سوئی ___ کیا ایسا نہیں ہے؟'' اس نے پوچھا اور میں نے تصدیق کر دی کہ کبھی کبھار میں وہاں سو جاتی ہوں۔ وہ مشاہدہ کار بندہ ہے، جو کامیاب دلال کی سب سے بڑی علامت ہے۔ ان معلومات کو ہضم کرنے کے بعد وہ پھر بولا ''تم ہیرامنڈی میں ہونے والے دھندے کے بارے میں کیا کہتی ہو؟''

''یہاں زندگی کی یہی طرز ہے۔''

وہ مسکرایا اور بات بدلی ''تمہاری کیا قیمت ہے؟''

لڈو رک گئی اور سب لوگوں کی نظریں مجھ پر آ ٹکیں۔

''بہت زیادہ'' اس کی بیوی نے قہقہہ مارتے ہوئے کہا۔

''یہاں آؤ''، بلقیس کے باپ نے اشارہ کیا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ میں تذبذب کا شکار تھی لیکن پھر بھی اس کے پیچھے چل دی۔ یہ خطرناک ہے اور میں خوفزدہ بھی ہوئی۔ بچنے کی کوئی آسان راہ نہیں۔ اس نے شٹر کھولا۔ کمرے میں سوائے ایک گندی سی چٹائی کے کچھ نہ تھا جو کھڑکی کے نیچے بچھی ہے۔

اس نے دھیمی آواز میں مجھ سے بات کی ''کیا تم دھندا کرتی ہو؟''

''نہیں میں شادی شدہ ہوں'' میں نے جھوٹ بولا ''میرا خاوند اسلام آباد میں ہے۔''

''اگر تم دھندے میں آؤ تو میں تمہیں اچھی قیمت دلا سکتا ہوں۔''

میں نے اس کی پیشکش پر اسے شکریہ کہا اور اسے بتایا کہ مجھے تماش بینوں کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ

مسکرایا اور بازاری انداز سے میرا ہاتھ پکڑ کر ہاتھ ملایا۔ جب ہم کمرے سے باہر آئے تو ایک نیا گاہک وہاں تھا۔ لڈو کا کھیل ایک بار پھر تعطل کا شکار ہو گیا۔

اس خاندان کے بارے میں، میں نے کئی تفتیشیں کیں۔ تمام میں ایک ہی بات سامنے آئی، یہ خاندان بچوں کی تجارت سے وابستہ ہے ____ خاص طور پر بنگلہ دیشی بچے جو یہاں جسم فروشی، شادی یا گھریلو خادماؤں کی صنعت میں کھپتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلے دورے میں دکھائی دینے والے بچوں کے گروہ میں کمی ہو کر ایک بچہ باقی رہ گیا ہے۔ پچھلے مہینے یہاں پولیس بھی آئی تھی۔ ''اس کمرے میں ایک چھوٹی سی لڑکی تھی'' دو عورتوں نے مجھے بتایا۔ انہوں نے اس کمرے کی طرف اشارہ کیا جہاں گندی سی ایک چٹائی پڑی میں نے دیکھی تھی ''انہوں نے وہ بچی چار پانچ مردوں کے ہاتھ فروخت کی۔ یہ زنا تھا۔ نیچے موجود عورت نے اس بچی کو مدد کے لیے پکارتے سنا تھا'' کہانی یہ تھی کہ پولیس وہاں آئی مگر وہاں کوئی موجود نہ تھا۔

''کیا ہوا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''رشوت.........یا پھر انہوں نے وہ بچی جلدی میں کہیں اور بھیج دی یا بیچ دی، مجھے آگے کا پتہ نہیں۔''

کنجر اس خاندان کو پسند نہیں کرتے۔ یہ باہر سے آئے لوگ ہیں......کھردرے اور اجڈ دیہاتی۔ اس کے علاوہ یہ خاندان عجیب حرکتیں کرتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی لوگوں میں باتیں ہوتی ہیں۔ مجھے ان حرکتوں کے بارے میں کئی کہانیاں سننے کو ملیں۔ مثلاً یہ چھت پر موجود کبوتروں کو پکڑتے ہیں، ان کے گلے کاٹتے ہیں اور ان کا سالن بناتے ہیں۔

آپریشن (جراحی)

سفید پھول کے اندھیرے اور ہمہ وقت لوگوں سے بھرے کمرے میں فضا عجیب سی بنی ہوئی ہے۔ گھر کا دروازہ شاذ ہی کھلتا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ باہر بہت زیادہ گرمی ہے اور دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس کا دروازہ بند رہنا ہی بہتر ہوتا ہے۔

سفید پھول بستر پر لیٹا ہے اور ایک بوڑھا مالشیا اس کی ٹانگوں پر زور زور سے مالش میں جتا ہے۔ سفید پھول کی آنکھیں بند ہیں اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ہے۔

نئے چہروں سے کمرہ بھرا پڑا ہے۔ میں صرف دو کھسروں سفید پھول اور نوجوان کھسرے ثمینہ کو پہچان پائی۔ ثمینہ ہمہ دم دوستانہ مزاج کا حامل کھسرا ہے۔ مجھے ایک کرسی دی گئی اور سفید پھول نے مالشیے کو 20 روپے نکال کر دیے اور اسے چلتا کیا۔ سفید پھول نے اپنے بال کھولے، انہیں جھٹکے سے پیچھے کیا۔ اس نے معذرت کی کہ اس کے بالوں میں تیل لگا ہے اور مجھے اپنے بالوں پر تبصرے کا کہا۔

''کیا تم نے تسنیم کو دیکھا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ گیا'' ایک اور کھسرے نے جواب دیا۔ تمام لوگوں کی اس کے بارے میں بتائی گئی کہانیاں مختلف ہیں۔

''وہ اپنے گاؤں واپس چلا گیا ہے۔''

''اس نے مونچھیں رکھ لی ہیں'' سفید پھول نے وضاحت کی۔

''اور اس نے شادی کر لی ہے'' ایک اور بولا۔

''شادی؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں ایک مرد سے ____ لڑکا، لڑکا شادہ ____ بندہ، بندہ شادی'' سفید پھول نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

''اس کے بال بہت خوبصورت تھے'' ثمینہ نے آہ بھر کر کہا۔

دو تماش بین کونے میں بیٹھے ہیں۔ سفید پھول نے ان کا تعارف ''مہمان'' کے طور پر کرایا۔ وہ یقیناً یہاں موجودگی پر بدحواس تھے۔ وہ کچھ نہیں بول رہے اور فرش پر نظریں ٹکائے بیٹھے ہیں۔ شاید میرے جانے کے بعد وہ کھل کھیلیں۔ لیکن مجھے خدشہ ہے کہ یہ وقت زیادہ قریب نہیں ہے کیونکہ مجھے کھانا اور کوک پیش کی جا رہی ہے۔

ثمینہ میرے بائیں طرف بیٹھا ایک سنہری ٹویزر سے داڑھی کے وہ ڈنٹھل نکال رہا ہے جو شیو کے بعد رہ جاتے ہیں۔ دائیں طرف موجود نشست پر ہر دوسرے منٹ میں کھسرا بدل جاتا ہے جو میرے ساتھ بیٹھ کر مجھے غور سے دیکھنا چاہتے ہیں اور مجھ سے حسن بڑھانے کے نسخے پوچھ رہے ہیں۔ کیا لندن میں کوئی ایسی دوا دستیاب ہے جس سے فیشل اور سینے کے بالوں سے نجات ممکن ہو سکے؟ کیا تم کوئی ایسی کریم دے سکتی ہو جس سے سینہ ابھر آئے؟ تمہارے ناخن اتنے بڑے بڑے کس طرح ہوئے ہیں؟ کیا کوئی جادوئی نیل پالش کا نام ہمیں بتا سکتی ہو؟ تمہاری جلد کی رنگت اتنی سفید کیسے ہوئی؟ مجھے معلوم نہیں کہ یہ سب سوال وہ مجھ سے کیوں کر رہے ہیں کیونکہ میں اس کمرے میں سب سے کم میک اپ کے ساتھ موجود فرد ہوں۔

دو خوبصورت ترین کھسرے اس وقت میرے سامنے کھڑے، مجھ سے یہ فیصلہ لینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ خوبصورت ہے۔ ان میں سے ایک تو غیر معمولی حد تک خوبصورت ہے۔ وہ بالکل عورت کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ اس کی گال کی ہڈی ابھری ہوئی ہے اور نین نقش بہت نفیس ہیں۔ وہ بے حد سمارٹ بھی ہے۔ اس نے مجھے کہا کہ وہ مجھے بخوشی ناچ دکھانے پر تیار ہے اگر میں اس کی ایک شرط پوری کروں اور وہ یہ کہ پہلے میں ناچ کے دکھاؤں۔ پس میں نے اپنا دوپٹہ اتارا اور حسب معمول اپنا جذباتی رقص دکھایا اور پھر پیشہ وروں کے لیے میدان خالی کر دیا۔ نماز کے لیے اذان ہوئی تو اس کے احترام میں میوزک بند کرنا پڑا اس لیے تھوڑی سی دیر ہو گئی۔ میں خاموش ہو کر بیٹھ گئی اور اس وقت واحد اور پہلی دفعہ تماش بین بولے: انہوں نے مجھے

کہا کہ کھسروں کے اس جھلے پر اتنے کھسروں کے درمیان ننگے سر نہ بیٹھیں اور دوپٹہ اوڑھ لیں۔ میں نے مذاق میں کہا کہ ان لوگوں نے تو نہیں اوڑھے ہوئے۔ تمام کھسرے ہنس پڑے اور کندھے اچکا کر کہا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ تماش بین بولے یہ تو آدھی عورتیں ہیں اس لیے عورتوں کے تمام فرائض ان پر لاگو نہیں آتے۔

خوبصورت کھسرے کا رقص بلاشبہ کمال کا تھا۔ متقی تماش بینوں نے اب اپنی آنکھیں فرش سے ہٹالیں۔ جب اس نے اپنا رقص ختم کیا تو میں نے تہہ دل سے اس کے بارے میں کہا کہ وہ بہت خوبصورت ہے ـــــ بالکل عورت کی طرح۔ تمام لوگوں نے سر ہلا کر اتفاق کیا کہ بے شک وہ عورت کی طرح ہے۔

''اس نے آپریشن کرایا تھا'' ثمینہ نے زور دے کر کہا۔ یہ چار سال پہلے کی بات ہے۔ تب یہ کراچی میں تھا، اور یہ وہیں کہ ایک ہسپتال میں ہوا جس کے لیے اس نے ڈاکٹر کو 50 ہزار روپے دیے۔

''آپریشن کے بعد ایک مرد بالکل عورت کی طرح ہو جاتا ہے'' ثمینہ نے کہا ''ان کے عضو تناسل رہتا ہے اور نہ باقی کوئی چیز۔''

''بالکل عورت کی طرح'' میں نے دہرایا ''لیکن ان کی انہدام نہانی نہیں ہوتی شاید یہ غلط فقرہ تھا جو روانی میں کہہ دیا گیا۔ کچھ لمحوں کے لیے ماحول پر خاموشی کی چادر تن گئی۔ تمام کھسرے مجھ سے آنکھ چرانے لگے، اور پھر ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری۔''

''کسے یہ چاہیے'' ایک نے چٹکلہ چھوڑا۔

سینما

دیدی ایک جوان اور دوسروں سے مختلف کھسرا ہے جس کو اپنے بالوں کو رنگنا بہت پسند ہے۔ آج اس نے بالوں کو سنہری بھورا رنگ کیا ہے۔ ہماری ملاقاتیں کبھی کبھار مین روڈ پر موجود چائے کی دکان پر ہونا شروع ہوئیں۔ اس چائے کی دکان کی پچھلی طرف ایک چھوٹے سے کمرے میں صرف مردوں کے لیے چھوٹے سے ٹیلی ویژن کی سکرین پر پنجابی فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ ہیرامنڈی میں چائے کے ایسے بہت سے سٹال ہیں جہاں چائے کم اور ویڈیو دیکھنے والے زیادہ آتے ہیں۔ یہاں پر پنجابی فلمیں بہت مقبول ہیں اور چائے کی ان دکانوں پر اکثریت یہاں کے غریب اور مزدوری پیشہ لوگوں کی ہوتی ہے۔ پنجابی ان لوگوں کی مادری زبان ہے۔ وہ زبان جسے بولتے ہوئے یہ پُرسکون رہتے ہیں اور وہ زبان جو وہ تب بولتے ہیں جب سکون کے ساتھ کہیں بیٹھے گپیں مار رہے ہوں۔

زبانوں کے بھی یہی مراتب ہیں جو پاکستانیوں کو ایک دوسرے سے ممیز کرتے ہیں۔ نچلے طبقے کے لوگ مادری زبان میں بات کرتے ہیں جیسے پشتو یا پنجابی۔ مڈل کلاس اور اپر کلاس قومی زبان اردو بولتی ہے۔ جو جتنی شستہ اردو بولتا ہے اس کا اتنا زیادہ مرتبہ ہوتا ہے۔ طبقہ امرا، مغربیت زدہ انگریزی میں بات کرتے ہیں، بعض

لوگ برطانوی لہجے میں، جبکہ اکثریت امریکی لہجے میں ـــــ یہ ان کی مہنگی بیرونی تعلیم کا ثبوت ہوتا ہے۔

ہیرامنڈی میں ایک اور قسم کا بے قاعدہ سینما بھی ہے۔ کم سے کم ایک جگہ محلے میں ایسی ہے جہاں ننگی فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ سامنے شٹر اور کمرے میں ایک بھی ونڈو یا کھڑکی نہیں ہے۔ کوئی ائیر کنڈیشنر یا پنکھا بھی موجود نہیں۔ گرمیوں میں ناظرین کا برا حال ہوتا ہے۔ جوں ہی فلم ختم ہوتی ہے اور وہ باہر نکلتے ہیں تو پسینے میں شرابور اور لڑکھڑاتے ہوئے نکلتے ہیں۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ فلم دیکھتے ہوئے انہیں درجہ حرارت کے زیادہ ہونے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔

آج صبح دیدی چائے کی دکان پر بیٹھی ہے۔ اس نے مردانہ لباس اور کافی سارا نقلی سونے کا زیور پہنا ہوا ہے۔ اس کے بالوں پر موجود پیلا رنگ اس بیس بال کیپ میں چھپا ہے جو اس کے سر کے سائز کے مقابلے میں چھوٹی ہے۔ یقیناً اس نے بالوں پر بلیچ کریم کا استعمال کیا ہے کیونکہ اس کی گردن پر موجود ہلکے بال ایسے لگ رہے ہیں جیسے تلی ہوئی نوڈلز ہوں۔ ہوٹل میں جو فلم ٹی وی پر دکھائی جا رہی ہے وہ 1980ء میں بننے والی کوئی پنجابی فلم ہے۔ اس کا ہیرو ایک موٹا سا ادھیڑ عمر آدمی ہے جو اونچی آواز میں بڑھکیں لگا رہا ہے۔

''کیا بے ہودہ فلم ہے'' دیدی نے تبصرہ کیا ''مجھے تو ہندی فلمیں پسند ہیں'' باقی ناظرین کو یقیناً دیدی سے اتفاق نہیں ہے کیونکہ وہ بالکل خاموش بیٹھے فلم میں محو ہیں اور ان کے کپوں میں موجود چائے پر بھورے رنگ کی تہہ جم چکی ہے اور غالباً ٹھنڈی بھی ہو چکی ہے۔

چند گھنٹوں بعد ہم ترنم چوک میں موجود سینما کے زینے پر جا بیٹھے ہیں۔ دیدی پان کھا رہا ہے اور اس کے سامنے پان کے تھوکنے کے باعث زرد دھبے پڑے چمک رہے ہیں۔ وہ اس گری فروش سے بیٹھا پینگیں بڑھا رہا ہے جو ہم سے 20 فٹ دور اپنی ریڑھی سجا کر بیٹھا ہے۔ گری فروش اپنے گاہکوں کو اشارے کر کے ہماری طرف بھی متوجہ کیے جا رہا ہے۔ دیدی سامنے سے گزرتے لڑکوں اور جوانوں کے ایک گروپ کو دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔ ان میں سے کچھ لڑکوں نے ردِعمل بھی دکھایا اور واپس آ کر دوسری نظر ہمیں دیکھا۔ تین نوجوان لڑکے ہمارے سامنے آ کر ٹھہرے اور ان کے، دیدی اور پان والے کے درمیان فحش مکالمہ بازی شروع ہو گئی۔ تمام لوگ ہنس رہے ہیں۔ لڑکے جوتے کی دکانوں کی طرف مڑ گئے۔ گری والا سخت غصے میں ہے۔ وہ میری طرف اشارہ کر کے دیدی کو کہہ رہا ہے کہ اسے بھیجو یہاں سے ''وہ لڑکے سمجھ رہے ہیں کہ یہ بھی تمہارے ساتھ ہے'' اس نے مشتعل ہوتے ہوئے چیخ کر کہا۔

سلمیٰ

محرم کے اداس دنوں کے ختم ہوتے ہی ٹبی گلی کی رونقیں بحال ہو گئی ہیں۔ شام پانچ بجے کے قریب گرمی کی شدت میں خاصی کمی آ گئی ہے۔ وہ دروازے جن پر پچھلے دنوں تالے پڑ گئے تھے دوبارہ کھل گئے

ہیں اور بھاری میک اپ کے ساتھ اندھیرے کمروں کی چوکھٹوں پر عورتیں براجمان ہیں۔ عریبہ اور معتذر میرے پیچھے ہی یہاں آ گئے۔ ایک عورت نے مجھے اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ کیا یہ میرے بچے ہیں؟ میں انہیں بتاتی ہوں کہ نہیں یہ میری بہن کے بچے ہیں ــــ ماہا کے بچے ــــ یہ بادشاہی مسجد کے قریب رہتے ہیں۔

نازیہ اپنی چوکھٹ پر بیٹھی ہے۔ اس نے آج بھی حسبِ معمول نیلا سوٹ پہن رکھا ہے مگر آج اس کی لپ اسٹک کا رنگ مختلف ہے۔ وہ مجھے دیکھ کر کھسیانی ہنسی ہنسی۔ لپ اسٹک کا رنگ اس کے دانتوں پر بھی لگ گیا۔ اسی گلی میں تھوڑا سا آگے ایک گھر سے ایک عورت نے اشارہ کیا۔ اس کی عمر یقیناً 60 سال ہونی چاہیے۔ اس نے بال رنگے ہوئے تھے اور بھاری میک اپ بھی چہرے پر تھوپ رکھا تھا۔ موٹے عدسوں والی عینک بھی ناک پر دھری تھی۔ ایشیا کے دیگر ملکوں کے بڑے بڑے جسم فروشی کے اڈوں پر اس طرح کی عورت جسم فروشی کرتی نظر نہیں آئے گی کیونکہ ان کی ڈیمانڈ ہی نہیں رہتی۔ پہلے میں نے سوچا کہ یہ معمر عورت غالباً کسی کوٹھے کی نائیکہ ہے لیکن بعد میں مجھے اپنے اس خیال سے رجوع کرنا پڑا۔ اس عمر کی کچھ خواتین تو نائیکائیں ہی ہیں مگر میں نے کئی ایسی عورتوں کو دیکھا جو 50 اور 60 کے پیٹے میں ہونے کے باوجود بھی دھندا جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس عورت نے مجھ سے پنجابی میں بات کی۔ میں نے اردو میں جواب دیا۔ لیکن اس کا اردو بولنے کا اسلوب بھی پنجابی لہجے میں بھیگا ہوا تھا اور مجھے اس کی باتیں سمجھنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ جب وہ بچی تھی تب کوئی اسے ٹبی گلی میں بیچ گیا تھا اور پھر اس کے پاس یہاں زندگی گزار دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا۔ 50 سال پہلے وہ فروخت ہوئی ہو گی۔ میں ایک لمحے کے لیے خیال کی دنیا میں گئی اور پچاس سال پہلے کی ہیرا منڈی اور عورتوں اور بچیوں کی فروخت کے سلسلے کو تصور کیا اور سوچا کہ کیسے اس عورت کی جوانی اور پھر بڑھاپا یہاں گزرا ہو گا۔ میں یقیناً اس تصور کو بر حسن حالت میں نہیں دیکھ سکتی۔ باوجود اس سب کے، اپنے چھوٹے سے کمرے کے سائے میں، ایک چارپائی جو بمشکل پردے کے پیچھے چھپی ہے، یہ عورت، جس کی عمر میری ماں جتنی ہے، ہنس سکتی ہے اور میرے پاس شوہر نہ ہونے پر مجھ پر طعنے کس سکتی ہے۔

سلمٰی ایک اور بوڑھی سیکس ورکر ہے۔ اس کا کمرہ ٹبی گلی کے بالکل آخری سرے پر واقع ہے جہاں سے یہ گلی بھاٹی گیٹ کو جانے والی سڑک کی طرف کھلتی ہے۔ اس کو لازماً اپنا دھندا ہوشیاری سے اور بھاری رشوتیں دے کر چلانا پڑتا ہو گا۔ کیونکہ اس کا گھر پولیس سٹیشن کے بالکل قریب واقع ہے۔ سلمٰی فرش پر بیٹھی آرام کر رہی ہے۔ اس کا بازو اس کے سر کے نیچے موجود اس تکیے پر ہے جو طویل مدت تک استعمال میں رہنے کی وجہ سے پچک چکا ہے۔ گرمی زوروں پر ہے مگر اس کے کمرے میں پنکھا تک نہیں ہے۔ لیکن اندرونی تاریکی جس میں کمرہ گھرا ہے اس کی وجہ سے کچھ ٹھنڈک کا احساس بہر حال ہے۔

یہاں پر گلی بہت تنگ ہے اور مڑی ہوئی ہے۔ سورج کی روشنی شاید اس کمرے میں کبھی بھی نہیں گئی ہو گی۔ اس کے ورکنگ کوارٹر کی حالت بالکل ویسی ہے جیسے بھارت اور بنگلہ دیش کے بڑے قحبہ خانوں میں غریب جسم فروش عورتوں کے کمرے ہوتے ہیں۔ میں نے کلکتہ، بمبئی اور ڈھاکہ میں بالکل ایسی ہی کئی جگہیں دیکھی ہیں ــــ فرق صرف اتنا ہے کہ ان شہروں میں کام کرنے والی عورتوں کی عمر سلمٰی سے کہیں کم ہے۔ اس کے کمرے میں بجلی ہے نہ تازہ پانی کا کوئی انتظام۔ وہ فرش پر پڑی ایک رضائی پر لیٹی گاہکوں کا انتظار کرتی رہتی ہے اور مہین سے پردے کے اس پار پڑی چٹائی کو وہ دھندے کے وقت استعمال کرتی ہے۔

''بیٹھو'' اس نے رضائی کو سیدھا کرتے ہوئے کہا۔

اس کی عمر غالباً 45 سال ہو گی۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ وہ کہتی ہے کہ اس کی عمر 35 سال ہے مگر عمر کے حوالے سے یہاں ہر عورت ہی جھوٹ بولتی ہے۔ اس کے چار بچے ہیں اور اس کا گھر ہیرا منڈی سے کہیں دور واقع ہے۔ وہ یہاں روزانہ آتی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ یہاں پہنچنے میں رکشے کو روزانہ 45 منٹ کا سفر کرنا پڑتا ہے۔

میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے دھندا کب شروع کیا۔

''دس سال پہلے ــــ میرا شوہر مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ میرے پاس ایک روپیہ بھی نہیں تھا اور مدد کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ مجھے یہاں آنے پر مجبور ہونا پڑا'' اس نے ایک لمحے کو کچھ سوچا اور بولی: ''کیا تم میری مدد کر سکتی ہو؟ کیا تمہارے ملک میں مجھے کوئی نوکری مل سکتی ہے، محنت سے کام کروں گی، میں کپڑے سینے کی فیکٹری میں کام کر لوں گی، گھروں کی صفائی کر لوں گی۔ مجھے اس دھندے سے نفرت ہے اور یہ برا کام ہے۔'' میں نے اسے ویزوں کی مشکلات اور ورک پرمٹ کے مسائل سے متعلق بتایا لیکن اس کا اصرار جاری رہا۔ اس نے یہ بحث تب تک جاری رکھی جب تک اس کا ایک گاہک اس کی قیمت کے بارے میں پوچھنے نہ آیا۔ چائے والے نے شربت جیسی چائے ہمارے ہاتھوں میں پکڑاتے ہوئے مجھے غور سے دیکھا اور سلمٰی نے اسے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ یہ میری بہن ہے، امریکہ سے آئی ہے اور ایک کتاب لکھ رہی ہے۔

''کیا تم پڑھ لکھ سکتی ہو؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

وہ مسکرائی اور نفی میں سر ہلا دیا ''یہاں تعلیم کا کیا کام۔''

یہاں سلمٰی بڑی مصروف عورت ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ اس کا دھندا زوروں پر ہے ــــ اس کے پاس زیادہ گاہک نہیں آتے ــــ بلکہ اس وجہ سے مصروف ہے کہ بہت سے آدمی اس کے دروازے پر آ کر رکتے ہیں، اس سے گپیں مارتے ہیں، سگریٹ اور چائے سے لطف لیتے ہیں۔ وہ ان سے مذاق کرتی ہے اور انہیں ہنساتی ہے۔ اس طرح کے خوشگوار تعلقات اس کے ٹبی پولیس سٹیشن کے پولیس والوں سے بھی ہیں۔ وہ جب وردی میں ہوتے ہیں یا ڈیوٹی پر ہوتے ہیں تب تو یہاں نہیں رکتے مگر جب ان کے کام میں وقفہ ہوتا ہے

تو اس کے پاس آتے ہیں۔ ایک طویل القامت آدمی دروازے کے اندر جھانکتا ہے اور مجھ سے پوچھتا ہے کہ میں کیا کام کرتی ہوں۔ میں نے اسے بتایا کہ میں انگلینڈ میں پڑھاتی ہوں۔ اس نے سلمٰی سے بھی کچھ سوال کیے اور یہ تسلی کر کے کہ میں دھندے میں آنے والی کوئی نئی لڑکی نہیں ہوں، چلا گیا۔

''یہ پولیس والا ہے'' سلمٰی نے بتایا۔

''کیا یہ تمہیں تنگ کرتے ہیں؟''

''نہیں'' اس نے جواب دیتے ہوئے اپنی انگلیاں ایک دوسرے سے رگڑ کر چٹکی بجائی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انہیں رشوت دیتی ہے ''یہاں سارے پولیس والے اچھے ہیں اگر انہیں رقم ملتی رہے۔''

وکٹوریا یونانی کریم

جمیلہ کی حالت بری ہے۔ ٹبی گلی میں بطور نائیکہ اس کا بزنس بہت سست جا رہا ہے اور اس کے پاس اتنی رقم بھی نہیں ہے کہ اپنے لیے خوراک ہی خرید سکے، بلیوں کی خوراک کا مسئلہ تو ایک طرف رہا۔ اس کے شوہر کی ٹانگ بہت خراب ہوگئی ہے۔ ٹانگ سوج کر کپا ہو چکی ہے اور شلوار پر ہر جگہ پیپ کے داغ ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ اس کی ٹانگ کا زخم خرابی کی انتہا تک جا چکا ہے۔ محمود دوائیوں سے بھرا ایک پلاسٹک بیگ لایا ہے اور دیوار پر گڑی کیل پر لٹکا دیا ہے۔ اسے بالکل معلوم نہیں کہ وہ دوائیوں کے طور پر کیا لے رہا ہے۔ دوائیوں میں پنسلین اور بڑی بڑی کئی گولیاں شامل ہیں۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کی معذوری کا کیا بنے گا۔ وہ بہت باقاعدگی سے دوا کھانے اور دوائیاں بدلنے والا شخص معلوم پڑتا ہے۔ اس نے خالی کریم کی کچھ بوتلیں نکال کر مجھے دکھائیں۔

''خارش روکنے کے لیے میں یہ کریم لگاتا ہوں۔ میں یہ کریم جسم کے تمام حصوں پر لگا رہا ہوں'' اس نے میرے سامنے وہ کریمیں لہرا کر مجھے بتایا۔ یہ کریمیں مختلف رنگوں گلابی، نیلی اور سرخ ڈبیوں میں ملتی ہیں اور اس کریم کا نام ہے وکٹوریا یونانی کریم۔ میں نے کریم کی ڈبی پر موجود انگلش تحریر پڑھی تو مجھے یہ کریم حوصلہ افزا محسوس نہ ہوئی۔ اس پر لکھا ہے: ''چہرے کے داغ دھبوں اور چھائیوں کے لیے۔ وکٹوریا کریم کا استعمال میک اپ اتارنے، شیو کرنے کے بعد کریں۔ ہر روز صبح اور شام دو بار استعمال کریں۔ اس سے آپ کے چہرے کی جلد نرم اور ہموار ہوگی'' اس میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کہ یہ کریم ٹانگوں کے خراب زخم کے لیے ہے۔

اچھے ڈاکٹر مہنگے ہیں اس لیے محلے کے غریب لوگ کبھی بھی ان کے پاس نہیں جاتے۔ وہ اکثر حکیموں کے پاس جاتے ہیں یا پھر ان دکانوں سے جا کر دوائیاں لے لیتے ہیں جن پر موجود لوگوں کی طب کی کوئی باقاعدہ تربیت نہیں ہوتی۔ اس طرح کی نیم حکیم قسم کی سب سے نمایاں شخصیات وہ ہیں جنہیں یہاں دائی کہا جاتا ہے۔ دائی بچے کی ڈلیوری کرتی ہیں اور زیادہ تر سائیڈ بزنس کے طور پر حمل گرانے میں سرگرم رہتی ہیں۔

محمود کی طرح کئی لوگ کسی پیشہ ور سے مشورہ کرنے کا تکلف ہی نہیں کرتے اور سنی سنائی دوائیاں جا کر خود ہی میڈیکل سٹور سے لے آتے ہیں۔

رشتہ

کچھ دن میں ٹبی گلی نہیں گئی۔ سلمٰی اس وقت یہاں نہیں ہے وہ کسی دکان سے سگریٹ خریدنے گئی ہے۔ وہ اپنی ایک دوست کو یہاں چھوڑ گئی ہے کہ اگر کوئی تماش بین آئے تو اس کا خیال رکھے۔ موٹی سی اس کی یہ دوست دروازے کی چوکھٹ میں بیٹھی ہے۔ اس خاتون دوست کے چہرے پر بے تحاشا داغ ہیں اور منہ میں دانت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی مسکراہٹ پوپلی سی ہے، اور اب سلمٰی آ گئی۔ اس نے مجھے کمرے سے باہر کھڑا دیکھا اور اندر گھسیٹتے ہوئے مجھ پر چلائی کہ کیوں میں اتنے دنوں اس سے ملنے نہیں آئی۔

اس کی دوست خاموش بیٹھی گلی میں دیکھ رہی ہے۔ اس نے اگرچہ مجھ سے بات نہیں کی مگر اس کا انداز غیر دوستانہ نہیں ہے۔ وہ بیٹھی سگریٹ پھونک رہی ہے اور گاہے گاہے کمرے کے اندر جھانک کر مسکرا رہی ہے۔ سلمٰی مجھے اپنی ایک دوست سے ملانا چاہتی ہے اور اونچی آواز سے کہہ رہی ''چلیں چلیں'' وہ اکثریوں ہی اونچا بولتی ہے جیسے مجھے اس کی بات سمجھنے میں کوئی مشکل پیش آ رہی ہو۔ چیچک زدہ چہرے والی دوست کو ایک بار پھر کمرے کا نگران بنا کر ہم سامنے گلی میں نکل کھڑے ہوئے۔ ایک تنگ سی گلی میں کچھ دیر چلنے کے بعد ہم ایک اور تنگ سی بغلی گلی میں مڑ گئیں اور پھر تاریک و تنگ سیڑھی کے کئی زینے طے کرنے کے بعد ایک تباہ حال گھر جا پہنچے۔

دوسرے فلور پر ہمیں ایک موٹا سا آدمی ملا۔ اس کو دیکھ کر لگتا تھا کہ جیسے وہ کسی کھاتے پیتے گھرانے کا فرد ہے۔ اس کے گلے میں ایک موٹی سی طلائی زنجیر ہے اور اس نے بہترین سفید شلوار قمیض پہن رکھی ہے جسے اچھی طرح سے استری کیا گیا ہے۔ مجھے ایک بے کھڑکی کمرے میں آنے کی دعوت دی گئی جس کے دروازے کے اندر اور باہر بڑے بڑے کنڈے ہیں۔ فرش پر قالین اور چٹائی بچھی ہے اور دیواروں کے ساتھ گاؤ تکیے لگے ہیں۔

یہ موٹا آدمی یقیناً کوئی اہم شخص ہے۔ اس نے ہمیں بتایا کہ جس عمارت کی سیڑھیاں چڑھ کر ہم لوگ ابھی ابھی اس پانچویں منزل پر پہنچے ہیں وہ ساری کی ساری اس کی ہے۔ پھر اس نے اشارہ کر کے ساتھ والی بلڈنگ کے بارے میں بتایا کہ یہ اس کے بھائی کی ہے۔ ایک نوجوان اس عمارت سے دوسری عمارت پر کودتا ہوا ایک دیوار پر چڑھنے کی کوشش میں ہے جسے دیکھ کر ہمارے موٹے مہمان نے بتایا کہ وہ اس کا بھتیجا ہے۔ یہ بتانے کے بعد اس نے اونچی آواز میں کھانے اور کوک کا آرڈر دیا۔

سلمٰی ایک چارپائی پر بیٹھی کوک پیتے ہوئے اس موٹے آدمی کو میرے بارے میں بتا رہی ہے۔ اس

نے مجھ سے کچھ سوالات پوچھے جن کا لب لباب یہ ہے کہ میں ہیرامنڈی میں کسی غرض سے آئی ہوئی ہوں۔ اسی اثنا میں اس کی بیوی کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ ایک کم عمر جوان اور خوبصورت عورت ہے۔ کشیدہ کاری والا خوبصورت شام کا لباس زیب تن کر رکھا ہے اگرچہ ابھی شام کے چار بجے ہیں۔ اس نے بھاری میک اپ بھی کر رکھا ہے اور انتظامی امور کی ماہر ایک پُراعتماد خاتون لگ رہی ہے۔ یہ اس موٹے شخص کی واحد بیوی نہیں ہے___ اس کی تین بیویاں ہیں___ اور مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ جو شخص چند سیڑھیاں چڑھ کر ہانپ رہا تھا اس میں اتنی انرجی کہاں سے آتی ہوگی کہ وہ تین بیویاں رکھ سکے۔

اس کی بیوی نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں یہاں ہونے والے دھندے کے بارے میں جانتی ہوں۔ میرے جواب دینے سے قبل اس کا شوہر بولا ''یقیناً''۔ اس کی بیوی شاطر اور تاجر مزاج عورت ہے جو عورتوں کی ہی تجارت کرتی ہے۔ یہ لوگ یقیناً یہاں کوئی گروہ چلا رہے ہیں یا پھر ٹبی گلی میں ان کی عمارتیں برائے کرایہ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سلمٰی انہی لوگوں سے کرائے پر کمرہ لے کر دھندا چلا رہی ہے اور دھندے میں ان کا حصہ بھی شامل ہوتا ہے۔ مجھے احساس ہوا کہ یہ لوگ میری رضامندی کے لیے پوچھ رہے ہیں۔

جب ہم سلمٰی کے کمرے میں واپس پہنچے تو اندھیرا پھیل چکا تھا اور کمرے میں موم بتی نہیں جلائی گئی تھی۔ وہ کمرے میں بچھائی رضائی پر لیٹ گئی۔ تماش بین اب ٹوہ میں لگے ہیں۔ دو لوگ وہاں رکے اور کمرے میں جھانک کر ہمیں دیکھا۔ انہوں نے سلمٰی سے کوئی بات کی اور کمرے کے اندر چلے گئے۔ ''ہیلو'' ایک نے انگریزی میں کہا ''آئی لو یو''۔ میں کمرہ چھوڑ کے اٹھنے لگی تو انہوں نے دروازہ بند کر دیا۔ اندھیرے کمرے میں میں خوف سے لرزنے لگی۔ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور جوں ہی ان میں سے ایک شخص نے میرا ہاتھ تھاما میں گھبرا کر پیچھے ہٹی اور سلمٰی سے ٹکرا گئی جو دھندے کے لیے رضائی سیدھی کر رہی تھی۔ آدمی میرا ہاتھ تھامے مسلسل اصرار کیے جا رہا ہے کہ وہ مجھ سے پیار کرتا ہے جبکہ میں آہستہ آہستہ دروازے کی طرف کھسکنے کی کوشش میں ہوں، بدحواسی میں مسکرانے کی کوشش کے ساتھ میں اپنا ہاتھ بھی اس کی گرفت سے چھڑا رہی ہوں۔ سلمٰی نے غصے میں چیخ کر اسے کہا کہ میرا ہاتھ چھوڑے اور مجھے جانے دے، ساتھ ہی اس نے دروازے پر رکاوٹ بنے کھڑے شخص کو دھکا دے کر ہٹایا۔ باہر نکلی تو اس کا دوست ابھی تک میرا ہاتھ تھامے کھڑا اپنی محبت کا برملا اظہار کیے جا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ ہم ابھی شادی کریں گے اسی وقت۔ اب میں دوڑ رہی ہوں، میرے دل کی دھڑکن بہت تیز ہے۔ کسی تماش بین کے ساتھ یہ میرا سب سے کلوز واسطہ تھا اور خطرناک بھی اور میں خود پر غصے ہو رہی ہوں کیونکہ ٹبی گلی کے قحبہ خانوں میں رات پڑنے کے بعد، بغیر دوپٹہ آنے کی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا واقعہ ہو سکتا تھا۔

❁❁❁

مون سون کی بچہ شادی

مون سون جولائی اگست 2001ء

جون کی گرمی کی شدت دم توڑ چکی ہے لیکن اب شدید حبس نے اے سی دفتروں، پُرتعیش ہوٹلوں اور امرا کے گھروں کے باہر کی زندگی اجیرن کر دی ہے۔ لیکن حالات اتنے بھی برے نہیں۔ لاہور کی گرمیوں کے کچھ مزے بھی ہیں۔ دن میں یہ شہر ان دنوں محوِ خواب ہوتا ہے۔ لیکن رات میں لاہور ان دنوں خوب بیدار ہوتا ہے۔ ریستوران کھلے ہیں، راتیں خوشگوار ٹھنڈک لیے ہیں اور صبح کے دو بجے بھی داتا دربار کے ارد گرد لوگوں کا ہجوم دیکھا جا سکتا ہے۔

جولائی کی گرمی اور حبس میں دن کے وقت کوٹھے ویران رہتے ہیں۔ بانس کے ڈنڈوں سے لٹکائے گئے دکانوں کے پردے نیچے اور آدھے شٹر بند ہیں تاکہ سورج کی تمازت سے بچا جا سکے۔ اندر گھروں میں لوگ سو رہے ہیں یا اونگھ رہے ہیں۔ چارپائیوں یا فرش پر لیٹے لوگوں کے کپڑے شکن آلود اور پسینے سے بھیگے ہیں۔ ترنم چوک سے ہیرامنڈی تک سڑک کے کنارے پر کیچڑ پھیلی ہے جس سے میرے سینڈلوں پر مٹی چڑھی ہے اور میری شلوار کے پائنچوں پر داغ بن چکا ہے۔ ٹبی گلی میں دھندا ٹھپ پڑا ہے۔ سلمٰی کے کمرے کے باہر گھومتے پولیس والوں کا بھی اس بات پر اتفاق ہے۔ گلی کی دوسری عورتیں بھی ٹھپ دھندے کا رونا رو رہی ہیں۔ ان کا الزام گرمی پر ہے۔ آدمی اونگھ رہے ہیں___ بہت زیادہ تھکن سیکس کا لطف نہیں دے رہی___ نازیہ جا چکی ہے اور کسی کو نہیں معلوم کہ کہاں گئی ہے۔ شاید اس کا دھندا بھی خراب جا رہا تھا۔

ہیرامنڈی کی اکثر عورتیں ظالم گرمی سے بچنے کے لیے اپنی چھتوں پر سوتی ہیں۔ جوں ہی صبح آتی ہے سورج کی روشنی گھروں کی چھتوں پر رینگ آتی ہے۔ دیہاتی خاندان اپنی چھت پر موجود چارپائیوں پر پڑا اُونگھ رہا ہے۔ خاندان کی ماں ہاتھ والا پنکھا جھل رہی ہے جبکہ اس کے شوہر نے گرمی کا اور بھی شاندار حل نکالا ہے وہ نیچے کمرے سے جا کر ائیر کولر اوپر لے آیا ہے اور اسے اپنی چارپائی کے قریب کھڑا کر کے چلا دیا ہے۔ پنکھے کی ہوا سے چارپائی پر پڑی چادر اڑ اڑ کر اس کے منہ کے سامنے پھڑ پھڑا رہی ہے۔

نیچے صحن کے دروازے پر کچھ رکشے آ کر رکے ہیں۔ ان کی سواریاں خاموش، پردے میں لپٹی، تیزی

سے قدم اٹھاتی محلے کی وہ عورتیں ہیں جو رات بھر محلے سے باہر کے فنکشن میں مصروف رہی ہیں۔ صبح کے سورج کی مدہم روشنی میں درجنوں رکشے بھاٹی اور ٹیکسالی دروازوں سے ہوتے ہیرامنڈی کی طرف محوِ سفر ہیں۔ یہ لوگ محلے کو اس وقت دیکھتے ہیں جب یہ اپنی بہترین حالت میں ہوتا ہے۔ صبح کی روشنی نرم اور مہربان، خاکروب گلیاں اور کوٹھے صاف کر چکے ہیں۔ بادشاہی مسجد کی سرخ دیواریں اور سفید ماربل سے بنا گنبد سورج کی ابتدائی کرنوں سے چمک رہا ہے۔ ایک مختصر لمحے کے لیے ہی سہی ہیرامنڈی اس وقت روزانہ جھلملا رہی ہوتی ہے۔

کنوارہ پن

عریبہ نے زور سے دروازہ کھولا اور بہت پُرجوش انداز میں مجھے سلام کیا۔ وہ بڑی بڑی لگ رہی ہے۔ اس کے بال چھوٹے کر دیے گئے ہیں اور ڈھلے ہوئے ہیں۔ بالوں کی ایک لٹ ماتھے پر لٹک رہی ہے۔ اس کا قد بھی ایک آدھ انچ بڑھ گیا ہے، اور وزن بھی۔ تین مہینوں کی بجائے میں تقریباً ایک سال یہاں سے دور رہی ہوں۔ ماہا گھر پر نہیں ہے نہ ہی نینا اور معتذرہ۔ وہ ایک پروموٹر سے ملنے گئے ہیں۔ نیشا نے مجھے دوڑ کر خوشی سے کہا ''نینا لندن رقص کرنے جا رہی ہے۔''

ماہا کافی دیر کے لیے گئی ہے اس لیے ہم چٹائی پر بیٹھے، سوئے اور انتظار کرتے رہے۔ صوفیہ، نیشا اور میں ___ عریبہ پھر کھسک گئی ہے۔ اسے کچھ کام تھا اور وہ حبس زدہ گرمی میں دوپہر کو وہاں سے نکل گئی۔

جب ماہا اور نینا پلٹیں تو پُرجوش انداز میں کسی بات پر بحث کر رہی تھیں۔ یہ سچ ہے۔ نینا ستمبر میں ایک طائفے کے ساتھ لندن رقص کے لیے جا رہی ہے۔ وہ مختلف شوز میں ناچے گی اور ماہا کو یقین ہے کہ اس دوران وہ مردوں سے تعلقات بڑھائے گی جس کے اور زیادہ پیسے ملیں گے۔ پروموٹر فیس آدھی خود لے گا اور باقی نینا کو ملے گی۔

نینا کے پاس باقاعدہ کھینچی گئی اپنی تصویر ہے۔ تصویر میں اس نے سیاہ لباس اور بے تحاشا زیور پہن رکھا ہے اور بہت نفیس لگ رہی ہے۔ وہ میرے پاس بیٹھی ہے، میں نے اس کی طرف دیکھا۔ یقیناً وہ عام زندگی میں بغیر میک اپ کے زیادہ حسین لگتی ہے۔ وہ لندن کی باتیں اور گلیمرس ڈانس شوز کی باتیں کر کے جذباتی اور خوش ہو رہی ہے۔ ماہا بتا رہی ہے کہ نینا اپنا باقاعدہ کیریئر جلد ہی شروع کرنے والی ہے۔

''وہ دوبئی شادی کے لیے جا رہی ہے جوں ہی کاغذات تیار ہوتے ہیں'' نینا نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ نتائج سے بے پروا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ان باتوں کا کیا مطلب ہے۔ ہیرامنڈی کی ساری لڑکیاں یہ کرتی ہیں۔ یہی سب کرنے اور اس دن کے لیے ہی تو ان کی تربیت کی جاتی ہے۔ باقاعدہ ہدایات تو چند ایک ہی ہوتی ہیں، اصل سبق تو وہ یہاں کی روزمرہ زندگی سے سیکھتی ہیں۔

جن کاغذات کا ذکر ماہا نے کیا ہے وہ جعلی ویزا اور پاسپورٹ ہیں جس میں نینا کو 18 سال کی اور ایک عزت دار آدمی کی بیوی ظاہر کیا جائے گا نہ کہ ہیرامنڈی کی کوئی لڑکی۔ جب وہ دوبئی میں اترے گی تو ایجنٹ جس نے یہ سارا انتظام کیا ہے وہ ایک دولت مند آدمی سے اس کی شادی کرائے گا۔ یہ شادی قانونی نہیں ہوگی اور غالباً ایک رات یا پھر دو راتوں کے لیے ہوگی۔ اس کے بعد نینا وہاں سے واپس آدھی فیس اور بغیر کنوارا پن لیے آئے گی۔ شاید یہ شاندار لگے۔ ماہا نے وضاحت کی کہ لندن جانے سے دوبئی جانا کہیں بہتر ہے جہاں کنوارے پن کی زیادہ قیمت لگتی ہے خلیجی ریاست کے امرا کے پاس زیادہ دولت ہے۔

وہ معاشرے جہاں عورتوں کی نسائیت پر مردوں کا قبضہ ہو، کنوارا پن کسی قیمتی شے کی ملکیت کی علامت تصور ہوتا ہے۔ اگر عورت شادی سے قبل اپنا کنوارا پن کھو چکی ہے تو مرد عورت کو شوہر اور خاندان کی عزت سے محروم کر دیتا ہے۔ کنواری لڑکیاں طاقت اور رتبے سے منسلک ہیں کیونکہ صرف امرا ہی کنواریاں خرید سکتے ہیں ___ جیسے نینا ___ وہ لڑکیاں جن کے پاس ساری زندگی طوائف بن کے جینے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہوتا۔

ماہا نے گفت وشنید کا آغاز چند ہفتوں قبل شروع کیا تھا اور معاملات جس نہج پر جا چکے ہیں واپسی کا کوئی راستہ باقی نہیں۔ دلال بھی یہی کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ماہا یہ ڈیل طے کر چکی ہے اور اگر وہ واپس پھری تو اسے آرگنائزر کو رقم واپس دینا ہوگی، جو وہ پہلے ہی اس ڈیل پر خرچ کر چکا ہے ___ 10 ہزار روپے اس کے جعلی پاسپورٹ کے، 45 ہزار روپے اس کے ویزے کا اور 25 ہزار روپے جہاز کے کرائے کے جو کل ملا کر 85 ہزار روپے بنتے ہیں۔

''کیا یہ شادی نہیں کر سکتی؟ میرا مطلب ہے کوئی باقاعدہ اور جائز شادی۔'' سوال کا جواب جانتے ہوئے بھی میں یہ پوچھ بیٹھی۔

ماہا نے مضطرب انداز سے تکیے پر پہلو بدلا۔ وہ جانتی ہے کہ ہم ایک بار پھر اسی پرانے سکرپٹ پر کام کرنے جا رہے ہیں جس کی کئی بار ریہرسل ہو چکی ہے۔

''طوائف کی بیٹی ہمیشہ طوائف رہتی ہے'' اس نے آہ بھری ''شادی پر بہت سے پیسے خرچ ہوتے ہیں اور ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں اور فرض کرو ہم یہ چاہیں بھی تو کون اس سے شادی کرے گا ___ یہ تو کنجری ہے ناں۔''

گرم دوپہر کی آوارہ گردی کے بعد عریبہ واپس آ چکی ہے، اور عقبی صوفے پر ٹیڑھی ہو کر پڑی ہے۔ ماہا نے پھنکارتی ہوئی آواز میں 'ریپ' کہا۔

میرا خیال تھا میں نے غلط سنا ہے اس لیے میں نے اسے اپنی بات دہرانے کو کہا۔

''عریبہ کا ریپ ہوا تھا ___ پچھلی دفعہ جب تم واپس گئی ہو اس کے فوراً بعد'' ماہا نے اب اونچی آواز

سے کہا۔عریبہ کا وجود تن گیا اور وہ بے حرکت ہو کر بیٹھ گئی ''کوئی بدمعاش تھا___ وہ اسے بازار کے قریب ایک گھر میں پکڑ کر لے گیا اور اس کا ریپ کر دیا۔''

عریبہ صوفے سے اچھلی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

''ہم اسے ہسپتال لے کر گئے۔انہوں نے کہا یہ اپنا کنوار پن کھو چکی ہے۔اگر چہ وہ حاملہ نہ ہوئی کیونکہ ابھی اسے ماہواری آنا شروع نہ ہوئی تھی۔''

عریبہ دوسرے کمرے کے سائے میں کھڑی ہے۔اس کا خیال ہے میں اسے نہیں دیکھ رہی مگر جوں ہی اس نے اندر جھانک کر میرا ردِعمل جاننے کی کوشش کی، میں اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔وہ خوفزدہ ہے۔اس ریپ پر ہر کوئی عریبہ پر ہی الزام دے رہا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خطرے پال رہی تھی، اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے دو انکل اس وقت بھی ماہا کہ پاس عریبہ کی شکایت لے کر آئے ہوئے ہیں کہ وہ لوگوں میں بدکردار کہلانے لگی ہے۔ان کے درمیان پنجابی میں بڑی منہ ماری ہوئی ہے۔وہ کہہ رہے ہیں کہ اگر عریبہ نے سر پر دوپٹہ نہ لیا اور یوں ہی گلیوں میں دندناتی پھرتی رہی تو خاندان کی ناک کٹ جائے گی۔

ان انکلز کو ماہا کے ریپ کا پتہ نہیں ہے۔شاید ہی کسی کو پتہ ہو۔ماہا اس راز کو راز ہی رکھنا چاہتی ہے کیونکہ ریپ کی گئی لڑکی خاندان کی عزت پر کلنک کا ٹیکہ ہوتی ہے۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خاندان اپنی عورتوں کی حفاظت بھی نہیں کر سکتا۔ان کی معاشرے میں کوئی عزت نہیں رہتی۔ریپ کیے گئے فرد کے لیے تو صورت حال اور بھی ابتر ہوتی ہے۔اگر ایک بار کوئی لڑکی___ یا عورت___ یا لڑکا بھی، ریپ کا شکار ہو جائے تو اس سے اتنی نفرت کی جاتی ہے، شرمندہ کیا جاتا ہے اور اسے اتنا بے قیمت کر دیا جاتا ہے کہ لوگ اسے پبلک پراپرٹی سمجھ لیتے ہیں۔کسی کا بھی ریپ صرف ایک بار نہیں ہوتا۔

بھین چود

صحن میں پانچ کھاتے پیتے گھر کے لوگ بیٹھے ہیں۔وہ جوان ہیں___ سب کی عمریں 20 سے 35 کے درمیان ہیں___ موٹاپے کی طرف مائل، نفیس گھنی مونچھیں اور چمکتی گھنی داڑھیاں۔مشتاق ان کے ساتھ ہے۔سب کھا رہے ہیں اور سگریٹ نوشی کر رہے ہیں۔مشتاق کا وزن کچھ بڑھ گیا ہے اور اب اس کا جسمانی حسن ویسا نہیں لگ رہا جیسے کبھی تھا___ مگر وہ اب بھی اپنی داڑھی سے جوس صاف کرنے کے لیے ہاتھ پھیرتے ہوئے دلکش لگ رہا ہے۔اس کی داڑھی پر جھاگ لگی ہے اور دوسرے لوگ اس کی طرف متوجہ ہیں اور ہنس رہے ہیں۔

ماہا اور میں انہیں بالکنی میں سے پودوں کے پیچھے کھڑے ہو کر دیکھ رہی ہیں۔بالکنی میں ماہا نے گلاب کے پھول کا پودا اور کچھ بیلیں اُگا رکھی ہیں۔گلاب کے پودے پر تین پھول اُگے ہوئے ہیں۔اس نے مجھے

بطور تحفہ ایک پھول توڑ کر دیا۔میں پلاسٹک کے پانی کے ایک نیلے ٹب پر بیٹھی ہوں اور ماہا بیل کے پتوں کی آڑ میں بیٹھی غصے سے کھول رہی ہے ''دیکھو ان بھین چودوں کو...... ہماری طرف ہی دیکھ رہے ہیں'' یہاں دیکھنا بھی کنٹرول پانے کی ہی ایک قسم ہے اس لیے ہمیں جلدی جلدی واپس اندر جانا پڑا ورنہ ہماری عزت خطرے میں پڑ جاتی۔

''دیکھو'' ماہا نے کہا ''دیکھو انہیں کیسے بیٹھے اپنی بہنوں کو کھا رہے ہیں'' ان کے کھانے پینے کی چیزوں کو ماہا بہن کا گوشت کہہ رہی ہے جو بہنوں کی کمائی سے خریدا گیا تھا۔

اندر عریبہ ماں کے اردگرد منڈلائے جا رہی ہے جبکہ ماہا چٹائی پر بیٹھی ہے۔عریبہ اپنی ماں کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرائے جا رہی ہے۔ماہا نے قہقہہ لگایا اور اسے پرے دھکیل دیا۔اب عریبہ بھی دوبئی جانا چاہتی ہے۔وہ کہتی ہے وہاں جا کر وہ بہت سے پیسے کمائے گی اور پھر وہ ایک اچھا سا گھر لیں گے۔اتنی مار پیٹ، سالوں کی حقارت اور ایک قسم کی خاندان سے خارج کیے جانے کے بعد عریبہ اب بھی اپنی ماں کو خوش کرنا چاہتی ہے۔

خلیج کی دولت

دی بیسٹ میوزیکل گروپ، دی وی آئی پی میوزیکل گروپ اور دیگر متعدد پروموٹروں کے دفتر چیت رام روڈ پر واقع ہیں جو ترنم چوک سے ایک منٹ کے پیدل فاصلے پر واقع ہے۔نوجوان آدمی ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک میز کے پیچھے بیٹھے ہیں۔ان کے پیچھے دیواروں پر کئی پوسٹر لگے ہیں جن میں عورتیں تیز میک اپ اور گہری لپ اسٹک لگا کر رقص کرتی دکھائی گئی ہیں۔

یہ پروموٹر ہیرا منڈی سے آنے والی عورتوں کی فہرست ایک رجسٹر میں درج کر لیتے ہیں اور جب انہیں ان کی ضرورت پڑتی ہے تو بلا لیا جاتا ہے۔یہ پروموٹر صرف میوزک پروگرام ہی ترتیب نہیں دیتے بلکہ عورتوں کی جنسی خدمات کو بھی فروخت کرتے ہیں۔عورتیں یہاں مختصر معاہدے پر بلائی جاتی ہیں۔بعض اوقات یہ معاہدہ صرف ایک شام کے لیے ہوتا ہے تو کبھی ایک ہفتے کے لیے اور جو خوش قسمت ترین عورتیں ہوتی ہیں ان کے ساتھ تین ماہ کے دورے کے لیے معاہدوں پر دستخط کیے جاتے ہیں۔بڑے پروموٹر ان لڑکیوں کو دوبئی بھیجتے ہیں جبکہ اعلیٰ ترین پروموٹر ان لڑکیوں کے ڈانس شو انگلینڈ میں منعقد کراتے ہیں۔یہ موقع عموماً لڑکیوں کی زندگی میں ایک ہی بار آتا ہے۔اگر لڑکی ماہر ہو اور گاہکوں کو خوش کرنا جانتی ہو تو وہ بہت سی دولت کما سکتی ہے جب باہر جانے والی یہ لڑکیاں واپس آتی ہیں تو اپنے سماجی مرتبے کو بلند کرنے کے لیے بڑے فریج، وی سی آر اور اس طرح کی کئی دیگر چیزیں خریدتی ہیں اور ہمسائے میں موجود عورتوں کے دل جلاتی ہیں۔

کچھ نچلے درجے کے گھٹیا پروموٹر محلے میں ہی سرگرم ہوتے ہیں۔وہ جھوٹ اور دھوکہ دہی سے کام لیتے ہیں۔وہ دوبئی عورتوں کو یہاں سے لے جاتے ہیں اور پھر ان کے پاسپورٹ چھین کر انہیں گاہکوں کی ایک لمبی

تعداد کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس طرح کے واقعات اکثر ہوتے ہیں مگر کوئی ان کا تذکرہ نہیں کرتا۔ صرف چند ہی عورتیں اپنی شہرت کو داؤ پر لگا کر بیرون ملک اپنے ساتھ پیش آنے والے خوفناک تجربات کا ذکر کرتی ہیں۔ وہ آ کر یہ بھی بتا دیتی ہیں کہ جو رقم انہوں نے تماش بینوں سے وصول کی ہوتی ہے اس کا صرف ایک چھوٹا سا ہی حصہ انہیں مل پاتا ہے۔

دیہاتی خاندان کی دو لڑکیاں اب بھی خلیج میں کام کر رہی ہیں۔ یہ دونوں لڑکیاں غیر معمولی خوبصورت نہیں ہیں نہ ہی وہ زیادہ نفیس ہیں لیکن وہ گاہکوں کو مطلوب خدمات دینے کے حوالے سے بہت ماہر ہیں۔ ان دو میں سے بڑی کا یہ چوتھا دورہ ہے۔ وہ چار مہینے کے لیے جاتی ہے، کچھ ہفتوں کے لیے واپس آتی ہے اور ایک بار پھر دوبئی کے لیے روانہ ہو جاتی ہے۔ ان آنیوں جانیوں سے ان کے پاس کافی دولت جمع ہو گئی ہے اور ان کے گھر کی اندرونی حالت میں کافی تبدیلیاں بھی آ گئی ہیں۔ ان کے گھر میں مختلف قسم کے نئے فرنیچر اور بجلی سے چلنے والی اشیا کا ایک ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔ مرکزی کمرے میں ایک شاندار بستر اور سنگھار میز لگ گئی ہے۔ پرانے چیتھڑوں کی بجائے ایک نیا قالین وہاں بچھ چکا ہے اور یوں لگتا ہے جب سے یہ قالین بچھا ہے تب سے اس کی صفائی نہیں کی گئی ہے اور خوراک کے بچے کھچے اجزا قالین پر بکھرے نظر آ رہے ہیں۔

یہ خاندان بہت محتاط ہے۔ مجھے ہر دفعہ انہوں نے عزت دی، بٹھایا اور مشروبات پیش کیے۔ ان کا مزاج ہر وقت دوستانہ ہوتا ہے۔ ان کے لڑکے بھی مہذب ہیں جو صحن میں سکون سے بیٹھے گپیں مار رہے ہوتے ہیں۔ محرم کے دوران اس خاندان نے ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر انہوں نے چاول اور مرغی کے گوشت کی 4 دیگیں بہترین نائی سے تیار کروائیں۔ مگر یہ سب کچھ کرنے کے باوجود انہیں محلے کی زندگی میں کوئی نمایاں مقام نہیں مل سکا ہے۔ دوسرے لوگ ان پر ہنستے ہیں اور مجھے معلوم ہے کہ کیوں وہ لوگ اس خاندان کو پینڈو کہتے ہیں...... دو بڑی بڑی مرغیاں کمرے میں گشت کر رہی ہیں، ان کی بیٹ بھی قالین پر ہی پڑی ہے اور مرغیاں نئے فرنیچر پر اٹھکیلیاں کرتی پھر رہی ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ اس خاندان نے کبھی دیہی زندگی کو خیر باد نہیں کہا ہے۔

مرغیوں نے چہکنا بند کر دیا ہے اور یوں لگتا ہے کہ وہ اس خوف کا شکار ہیں کہ خاندان انہیں پکڑ کر روسٹ کرنے والا ہے۔ خاندان مجھے کچھ دکھانا چاہتا ہے، اس لیے انہوں نے مرغیوں کو کمرے سے نکالا اور ایک نیا ڈی وی ڈی پلیئر، جو ابھی تک ڈبے میں بند تھا، کمرے میں لایا گیا "یہ میری بیٹی دوبئی سے لائی ہے" ماں نے کہا۔ اگر کمرے میں جگہ کچھ زیادہ ہوتی تو یقیناً وہ کچھ اور چیزیں بھی لاتی۔

گولے والا آج خصوصی گولے تیار کر رہا ہے۔ صوفیہ اور نیشا ماہا سے گولوں کے لیے پیسے بٹورنے کے چکر میں ہیں۔ معتذر بھی ضد کر رہا ہے کہ اسے پیسے دیے جائیں تاکہ وہ بڑا سا ایک غبارہ خرید سکے۔ عریبہ نے چند نوٹ اپنی بالکنی سے نیچے پہنچائے اور غبارے والا اس کے لیے غبارے اوپر بھیج رہا ہے۔ گولے والے نے

باسکٹ میں احتیاط سے پانچ گولے رکھے۔ باسکٹ سے بندھے غباروں کی وجہ سے باسکٹ ہل رہی ہے اور یوں لگتا ہے اوپر پہنچنے تک وہ الٹ جائے گی۔ لیکن بہرحال باسکٹ اوپر پہنچنے تک کامیاب ہوگئی۔ گولوں پر مختلف رنگوں کا فالودہ شربت ہے جس کے اوپر فالودہ پڑا ہے۔ بچے کہہ رہے ہیں کہ گولے بہت مزیدار ہیں مگر میں انہیں چکھنے کا خطرہ مول لینے کو بالکل تیار نہیں۔

بنگلہ دیشی خاندان جن کے بارے میں مشہور ہو چلا تھا کہ وہ کبوتروں کے سر کھاتے ہیں کہیں چلا گیا ہے۔ جس وقت عریبہ باسکٹ کو تھامنے کی کوشش میں تھی تب میری نظر ان کی خوبصورت بلی پر پڑی۔ وہ ایک گڑیا کی طرح لگ رہی ہے۔ بنگلہ دیشی خاندان کا نیا گھر یہاں سے کچھ فاصلے پر گلی کے کونے میں ہے۔ ان کے گھر کا داخلی دروازہ مرکزی سڑک سے کچھ ہی فاصلے پر ہے جہاں پر کچھ دکانیں ایک چائے کی ہوٹل اور ایک گیس سٹیشن واقع ہے۔ یہ جگہ ہر وقت مصروف ہوتی ہے۔ کئی مرد یہاں ہر وقت گلی کا چکر لگاتے نظر آتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اب اس خاندان کا دھندا زوروں پر ہوگا۔ میں نے اس خاندان کے باپ کو بھی دیکھا ہے جو گلی کی نکڑ پر کھڑا نظر آ رہا ہے۔ وہ دھوتی پہنے کھڑا ہے اور سگریٹ پر سگریٹ پیے جا رہا ہے۔ وہ لوگوں سے باتیں کر رہا ہے، چائے کے کپ اندر انڈیل رہا ہے اور معنی خیز نظروں سے اپنے گھر کی طرف دیکھ رہا ہے جہاں اس نے گاہک روانہ کیے ہیں ___ ہر تماش بین 5 منٹ بعد گھر سے نکلتا ہے اور خاندان کا باپ ایک بار پھر گلی کی نکڑ پر نئے گاہک کو پکڑنے کے لیے تیار کھڑا نظر آ رہا ہے۔

اگلے دن بنگلہ دیشی خاندان روشنائی گیٹ کے سامنے موجود ایک دکان کے آگے بیٹھا ہے۔ باپ مجھ سے اس بات پر خفا ہے کہ میں ان کا نیا گھر دیکھنے نہیں آئی اور میں نے ان سے وعدہ کیا کہ جلد ہی میں چکر لگاؤں گی۔ اس کی خوبصورت بیٹی میرے ساتھ بیٹھی ہے اور پیپسی کی بوتل میں پڑے سٹرا سے آوازیں نکال نکال کر بوتل پی رہی ہے۔ اس سے مجھے پتہ چلا کہ اس کی شادی ختم ہوگئی ہے۔ وہ آدمی جو بیڈ شیٹ بناتا تھا اچھا آدمی نہیں تھا۔ وہ گھٹیا تھا۔ وہ بتا رہی ہے "وہ مجھے کوئی پیسے نہیں دیتا تھا اور پھر بھی مجھ سے یہ توقع کرتا تھا کہ میں صرف اس کی ہو کر رہوں اور گاہک نہ لوں۔"

اس نے میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بتایا "میں جلد ہی دوبئی جا رہی ہوں۔"

اس کا باپ ویزے کے مہنگے ہونے کا رونا رو رہا ہے جبکہ اس کی بیٹی میری طرف دیکھے جا رہی ہے۔ اس کے چہرے کا تاثر دل دہلا دینے والا ہے۔ اس کی آنکھوں میں اب بچوں کی معصومیت نہیں چھلکتی بلکہ وہ بے تاثر اور مردہ نظر آتی ہیں۔

خاکروب بچہ

خاکروبوں کے خاندان میں ایک نیا بچہ پیدا ہوا ہے جس کا نام انہوں نے ہنوک رکھا ہے۔ وہ بہت چھوٹا

سا ہے...... صرف 19 دن کا۔ بال بالکل سیاہ اور ٹانگیں بہت پتلی سی ہیں۔ اس کا وزن بہت ہی کم ہے اور میری گود میں موجود وہ میرے چہرے کو دیکھے جا رہا ہے۔ بچے کا زیادہ تر وقت اس بڑے خاندان کے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پہنچنے میں گزرتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ بچے کی حفاظت کی ذمہ داری جن پر ہے وہ خود بھی لاابالی طبیعت کے بچے ہیں۔ بچہ نیچے فرش پر پڑا ہے اس کا سر فرش سے رگڑ کھا رہا ہے۔ ایک نوجوان لڑکی نے ہنوک کو اس حال میں دیکھا تو جلدی سے اوپر اٹھا لیا۔ اوپر اٹھانے کی اسی کوشش میں بچے کا سر ایک طرف کو ڈھلکا جا رہا ہے۔ وہ اسے لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور میں نے دیکھا کہ وہ اس کو ایسی بے احتیاطی سے اٹھا کر لے جا رہی تھی کہ بچے کا سر چوبی دروازے سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ مجھے تو بچے کی حالت دیکھ کر یہ خوف ہو رہا تھا کہ کیا یہ بچہ میرے اگلے بار یہاں آنے کے وقت زندہ بھی ہوگا کہ نہیں۔ طارق اور اس کی بیوی کے تین اور بھی بچے ہیں___ تمام ہی پانچ سال سے کم عمر ہیں اور تمام ہی معذوریوں سے محفوظ___ میری دعا ہے کہ یہ بچہ بھی ویسا ہی ہو۔

آڈیشنز

آج رات ایک بڑا پروموٹر ماہا کے گھر آ رہا ہے۔ اس پروموٹر کی ابتدا بھی ہیرامنڈی سے ہوئی مگر ماہا نے مجھے بتایا کہ اب وہ گارڈن ٹاؤن میں ایک شاندار گھر میں رہتی ہے۔ اس خاتون کا نام لیلیٰ ہے اور اس نے باریک سی ریشم پر کشیدہ کاری کیا گیا سوٹ پہن رکھا ہے۔ اس کے ناخن کوئی ڈیڑھ انچ طویل ہوں گے جو آگے سے گولائی میں کٹے ہیں اور ان پر سفید نیل پالش لگی ہے۔ اس کی عمر 35 سال کے قریب ہوگی۔ وہ زیادہ خوبصورت تو نہیں ہے مگر اطوار سے شائستہ لگ رہی ہے۔ قیمتی لباس میں ملبوس وہ ایک پُراعتماد خاتون لگ رہی ہے، اور مجھے ماہا کے گھر کی خستہ حالی دیکھ کر ڈر لگ رہا ہے کہ پتہ نہیں وہ کیا سوچ رہی ہوگی۔ اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر آدمی بھی ہے۔ جو غالباً اس کی سکیورٹی اور سماجی شان کے اظہار کے لیے ساتھ ہے کیونکہ صورت حال کی مکمل انچارج لیلیٰ ہی لگ رہی ہے۔

یہ لوگ نینا کا رقص دیکھنے آئے ہیں۔ لیلیٰ وہ پروموٹر ہے جو نینا کو لندن لے کر جا رہی ہے اور وہ پیشگی رقم دینے سے پہلے ایک بار پھر نینا کو دیکھ کر تسلی کر لینا چاہتی ہے۔ لیلیٰ آڈیشن شروع ہونے کا انتظار کر رہی ہے۔ وہ چٹائی کے ایک کنارے پر بیٹھی ہے اور دوسرے کمرے میں کپڑوں کے پھڑ پھڑانے کے شور پر متوجہ نہ ہونے کا اظہار کر رہی ہے۔ نینا اور نیشا اندر ایک چمکدار پیلی قمیض پر اپنا اپنا حق ثابت کرنے کے لیے جھگڑ رہی ہیں۔ نیشا کہہ رہی ہے کہ وہ اس کا ہے جبکہ نینا جو اپنے نئے کیریئر کے حوالے سے پُراعتماد ہے، اسے پہننے کا حق اپنا تسلیم کرتی ہے۔ نینا نیشا کو کہہ رہی ہے کہ تم نے کونسا لندن جا کر ڈانس کرنا ہے اس لیے یہ میں پہنوں گی۔

آخرکار یہ جنگ نینا جیت گئی۔ اگرچہ اسے کسی خصوصی جوڑے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ سادہ کپڑوں میں بھی رقص کر کے ناظرین کو اپنا دیوانہ بنا سکتی ہے۔ اس میں ایک فطری حسن اور دبدبہ ہے جس سے لیلیٰ بھی متاثر نظر آ رہی ہے۔ جب نینا نے اپنی شاندار پرفارمنس کا مظاہرہ کر لیا، ماہا نے کہا کہ وہ بھی ڈانس کر کے دکھانا چاہتی ہے۔ ماہا اب ڈانس نہیں کر سکتی___ کم ازکم اس طرح کا ڈانس تو اب اس سے نہیں ہو سکتا جیسا وہ ایک سال قبل یا صرف تین ماہ پہلے کر سکتی تھی۔ وہ اپنے رقص کی بمشکل آدھی حرکت مکمل کر سکتی ہے۔ تیز اور موزوں حرکت کی بجائے رقص میں اب اس کا انحصار اس کے چہرے کے تاثرات اور ہاتھ کے فحش اشاروں پر زیادہ رہ گیا ہے۔ جب وہ رقص کے دوران زمین پر جھکتی ہے تو اسے اٹھنے میں مسئلہ ہوتا ہے۔ جب اسے گھومنا ہوتا ہے تو تیزی کی بجائے سستی اس میں دکھائی دیتی ہے۔ پچھلے ایک سال کے دوران ماہا نے 30 پاؤنڈ سے زیادہ اپنا وزن بڑھا لیا ہے۔ اس کا رقص مجھے ہراساں کر رہا ہے۔ میں چاہتی تو ہوں کہ اسے منع کر دوں، مگر ان سب کے سامنے اسے منع کرنا اس کی اور زیادہ توہین کا باعث ہوگا۔ رقص اور حسن ہی تو ماہا کو طے کرتا ہے___ یہی وہ دو چیزیں ہیں جنہیں وہ تب سے استعمال کر رہی ہے جب وہ 12 سال کی تھی۔ اس لیے میں مجبوراً مسکرا کر ماہا کو دیکھتی رہی اور جب اس نے رقص ختم کیا، پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔ ہم سب نے پُرزور تالیاں بجا کر اس کی حوصلہ افزائی کی، اور لیلیٰ نے کہا کہ وہ ماہا کے لیے بھی کوئی کام تلاش کرے گی۔ وہ یقیناً جھوٹ بول رہی ہے۔ وہ صرف ماہا کو پٹانا چاہتی ہے۔ وہ عیار ہے اور اسے اچھی طرح ماہا کے کمزور نکتوں کا پتہ ہے۔ وہ دراصل ماہا کی بیٹی کے حوالے سے کوئی اچھی ڈیل کرنے کے چکر میں ہے۔

دلالوں کی زمین کی جنگ

رات کے دس بجے ہیں اور میں مصروف گلی کے اندھیرے میں گلی کی طرف جا رہی ہوں۔ میں اب ان گلیوں کی اتنی عادی ہو چکی ہوں کہ اب میں نے مختلف عمارتوں کو سنگ میل کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ وہی شناسا راستہ ہے، سڑک پر گندگی سے بھرے کھڈے، ایک خاص طور پر خطرناک کھلا گٹر، ایک پھیری والے کا شیشہ جس سے پلاسٹک کی تھیلیوں میں پاپ کارن بھر کر فروخت کر رہا ہے، پھٹے پرانے دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھی دو بوڑھی خواتین حسب معمول پان تھوکتی ہوئی، ایک اداس اور کینہ پرور کتا، ایک لاغر سا مسکراتا نوجوان جو ہر وقت خوفزدہ حالت میں ایجنٹ کے دفتر میں روشنی کے تیز بلب کے نیچے بیٹھا رہتا ہے، اور جب میں باربی کیو کی اس دکان کے سامنے پہنچی جس پر ایک موٹا سا آدمی بیٹھا ہوتا ہے، جو اپنے پیٹ پر مرغیوں کو تلنے کے لیے درکار تیل سے زیادہ تیل لگاتا ہے، تو مجھے پتہ چل گیا کہ میرا گھر قریب ہے۔

میں ایک کھلے دروازے کے سامنے رکی۔ یہ ایک کڑھائی کی دکان ہے جہاں عروسی شلوار قمیضوں پر گہری اور بھاری کڑھائی کا کام کیا جاتا ہے۔ جہاں 9، 10 سال کے لڑکے، لکڑی کے ایک فریم پر کسے انتہائی

سرخ رنگ کے ایک کپڑے پر موتی ٹانک رہے ہیں۔ یہ بہت احتیاط والا کام اور نفاست کا متقاضی فن ہے اس لیے لڑکوں کی انگلیاں ست اور احتیاط سے کام میں مگن ہیں۔ وہ اپنی آنکھیں مرکوز رکھنے کے لیے بجلی کے بلب کے نیچے بیٹھے آنکھیں سکوڑے ہوئے ہیں۔ ایک لڑکے نے چہرہ اوپر کیا اور مسکرا کر میری طرف دیکھتے ہوئے تقریباً چیخ کر کہا!

''ہیلو، تم امریکہ''! ''Hello! You America''

مجھے گھر کی طرف جانے والے راستے کا آخری حصہ ہمیشہ ناپسند ہے جہاں چارپائی پر صحن میں کچھ لوگ بیٹھے ہوتے ہیں۔ میں ان میں سے کچھ کو جانتی ہوں جو اکثر مجھے پھانسنے کے چکر میں رہتے ہیں۔ میں انہیں اندھیرے میں بھی پہچان لیتی ہوں جو یا دلال ہیں یا پھر ڈرگ ڈیلر جیسا کہ مشتاق۔ باقی لوگ میرے لیے اجنبی ہیں، جو یقیناً ان دلالوں کے گاہک یا دوست ہیں۔ آج رات وہاں خلاف معمول کوئی نہیں اور جوں ہی گلی میں داخل ہوئی مشتاق کے دروازے کی طرف سے گولی چلنے کی آواز آئی، جو گھروں کی دیواروں کو ہلا گئی۔ دلالوں کے رتبے کو چیلنج کیا گیا ہے۔ کوٹھوں پر چلتی میوزک کی تیز آواز بند ہوگئی ہے۔ پاپ کارن والے نے اپنی لائٹ بند کی اور چھکڑا چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ ایک لمحے کے لیے ماہا کے گھر میں سوائے خاموشی کے کچھ نہیں ہے۔

36 گھنٹے بعد تک اس گولی کی بازگشت کوٹھوں پر سنائی دے رہی ہے اور گولی کبھی اس ہاتھ تو کبھی اس ہاتھ جا رہی ہے جسے کسی جوان نے چلایا تھا اور بچے جسے ڈھونڈ لائے۔ باقی گند صبح خاکروبوں نے صفائی کے دوران صاف کر دیا۔ مشتاق لوگوں کے ایک گروہ کے مابین ننگے بدن کھڑا ہے۔ کوئی پتہ نہیں چلا کہ جنگ کس نے جیتی۔

کتیا عورت

ماہا برافروختہ ہے۔ لیلیٰ، ریشم میں ڈوبی پرموٹر، ماہا کی نظر میں فراڈ، کتیا، گشتی اور گانڈی عورت نکلی۔ ماہا اور نینا گذشتہ روز انتظامات طے کرنے اس کے گارڈن ٹاؤن کے گھر گئی تھیں تاکہ کچھ ایڈوانس لے سکیں۔ کچھ بھی طے نہ پایا۔ ماہا کی سانسیں تیز اور چہرے کے نقوش بگڑے ہوئے ہیں ''وہ لڑکیاں چراتی ہے اور انہیں انگلینڈ میں فروخت کرتی ہے'' ماہا کا خیال ہے کہ اسی دھندے کی وجہ سے اس کا گھر گارڈن ٹاؤن میں ہے جس میں ہر وقت اے سی چلتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کے گھر میں بڑا سا ٹی وی، ڈی وی ڈی پلیئر، صاف ستھرے قالین، کاریں اور شوہر ہے جس کی گاڑی سب سے بڑی ہے۔

لیلیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ نینا کی لندن میں شادی ہوگی۔ وہ ایک بندے کو جانتی ہے جو نینا سے شادی کرے گا، وہ جوان اور خوبصورت ہے اور ایک ہوٹل چلاتا ہے۔ ماہا نے اس کی ایک تصویر بھی دیکھی۔ اس نے شارٹ پہن رکھی تھی، جس کا مطلب ہے وہ صحت مند، ماڈرن اور شاندار لڑکا ہے۔ لیکن دوشیزگی کا لطف لینے

کے حوالے سے کسی بڑی رقم کی ادائیگی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ لیلیٰ کا خیال ہے کہ وہ اور تصویر میں موجود لڑکا یہ کام اس پر عنایت سمجھ کر کر رہے ہیں۔ تمام پرموٹر صرف ڈیڑھ لاکھ روپے کی رقم دینے پر تیار ہیں جبکہ دورہ تین ماہ کے عرصے پر مشتمل ہے اور وہ نینا کی جسم فروشی کی فیس کا بھی آدھا لینا چاہتے ہیں۔

''کتی عورت'' ماہا نے دانت بھینچ کر کہا۔ مجھے اس پر تیار کرنے کے لیے ورغلا رہی ہے۔ لیلیٰ جانتی ہے کہ ماہا اس وقت ضرورت مند ہے اس لیے بہت تھوڑے پیسے دے کر اسے ٹرخانا چاہتی ہے۔

''میری بیٹی ایک شریف لڑکی ہے۔ وہ بغیر رقم صرف شادی کے لیے انگلینڈ نہیں جائے گی۔ اب وہ دوبئ جائے گی۔'' ماہا نے پکا عزم کر لیا ہے___ اس نے مزید بتایا:

''اب تو اس کا یہاں بھی ایک عاشق ہے'' ماہا کا مطلب اس شخص سے ہے جو نینا سے سیکس کرنے کا خواہش مند ہے۔ وہ آدمی جسے بعد میں وہ اس کا شوہر کہیں گی۔ اس طرح کے مردوں کے ہیرامنڈی میں بہت سے نام ہیں جیسے عاشق، محبوب، صنم۔

ماہا نے اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت سے میرا ہاتھ پکڑا اور زور دے کر کہا ''یہ بندہ ہمیں لیلیٰ کے گھر میں ملا۔ وہ لیلیٰ کے شوہر کا دوست ہے''۔ ''کیا لیلیٰ کا خیال ہے میری بیٹی کی کوئی عزت نہیں کیا وہ سوچتی ہے کہ میری کوئی عزت نہیں؟'' اس نے شدت سے اپنا سر ہلایا اور کونے میں بیٹھا آدمی جو اب تک خاموش تھا مہذب انداز سے مسکرا دیا۔

''یہ کون ہے'' میں نے سرگوشی کی۔

''یہ اچھا آدمی ہے۔ اس کا نام معظم ہے۔ یہ مسجد میں اذان دیتا ہے۔''

آدمی نے اپنی اورنجی ٹوپی سر پر درست کی اور پھر مسکرایا۔

اس کی بڑی سی کالی داڑھی ہے اور عاجز مزاج بندہ لگ رہا ہے۔ میں اس بات پر حیرت سے سوچ رہی ہوں کہ وہ اس گفتگو کے بارے میں کیا سوچ رہا ہوگا اور ایک کنجری کے گھر میں کیا وہ بے اطمینانی محسوس کر رہا ہے یا نہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ غریب آدمی ہے، اس لیے زیادہ پریشانی نہیں۔ وہ صرف ایک سرپرست کا متقاضی ہے جو قرآن پڑھانے کے بدلے میں اسے کچھ پیسے دے سکے۔ ماہا نے اسے چاولوں اور مرغے سے بھری ایک پلیٹ دی اور اسے کہا کہ وہ باہر جا کر اس کے لیے چھوٹا سا ایک کام کر دے۔ اس نے اسے سٹے لانے کے لیے بھیجا اور وہ واپسی پر دو بڑے شاپرسٹوں کے بھر لایا۔ بچوں کو ایک ایک سٹہ دینے کے بعد ماہا نے ایک اس شخص کو سٹہ دیا اور دو اپنے لیے رکھ لیے۔ اس کے بعد اس نے شاپروں کی احتیاط سے تلاشی لی اور تین نرم سٹے تلاش کر کے مجھے دیے ''تین کیوں؟'' میں نے پوچھا تو اس نے کہا مجھے پتہ ہے تمہیں یہ پسند ہیں، اور اس نے مزید اضافہ کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ میں کمزور لگ رہی ہوں اور اس حالت میں مجھے کوئی شوہر نہیں مل سکے گا۔

ایک بے صبر جاگیردار

میں دلالوں کے کمرے کے پاس پڑی ایک چارپائی پر ماہا کے ایک کزن کے ساتھ بیٹھی کوک پی رہی ہوں۔ یہ شام کا دھندلکا ہے اور تھوڑی دیر بعد صحن کے کونے میں ایک ڈرامہ شروع ہونے والا ہے، ناظرین کی ایک بڑی تعداد جمع ہے۔ ماہا کی بہن کو ہسپتال لے جایا جا رہا ہے۔ چھ لوگ ٹیکسی لینے گئے ہیں۔ ان کی اکثریت خستہ حال ہے، جسم تڑے مڑے اور چہرے مرجھائے ہوئے ہیں۔ کسی نے کہا کہ ماہا کی بہن کی حالت غیر ہے اور اس کی مرگ کی افواہ گونجنے لگی۔

چارپائی قدرے بہتر جگہ ہے اور یہاں سے پورے منظر کا ایک مختلف زاویہ میرے سامنے ہے۔ گرمی اور حبس ابھی قائم ہے اگرچہ سورج مکانوں کے پیچھے غروب ہو چکا ہے اور ہم سب اس وقت مکانوں کے سائے میں موجود ہیں۔ چند دلال وہاں موجود ہیں۔ ماہا مجھے اپنے گھر کی بالکنی سے دیکھ رہی ہے اور غصے میں مجھے اشارے کر رہی ہے کہ میں وہاں اس وقت کیا کر رہی ہوں۔ پانچ منٹ بعد وہ میری طرف دوڑتی آئی۔ اس نے اپنے بہترین جوڑوں میں سے ایک زیب تن کر رکھا ہے۔ یہ کریم رنگ کا شیفون کا ایک سوٹ ہے جس کا گلا سنہری ہے۔ گندی سی چارپائی پر بیٹھنا اگرچہ ایک غیر مناسب بات تھی مگر ماہا پورے مجمع میں لوگوں کی تحسین کے لیے آ کر بیٹھ گئی۔

ماہا کا کزن ایک دلال ہے۔ وہ دوبئی لڑکیاں بھیجنے والے ایک گروپ کے ساتھ کام کرتا ہے اور اس کے پاس ہمیں دکھانے کے لیے درجنوں تصویریں موجود ہیں۔ کچھ لاغر سی بھارتی لڑکیوں کی تصویریں دیکھ کر ہمارے پیچھے کھڑی خاتون نے تبصرہ کیا کہ اسے ایڈز ہے۔ کچھ کا وزن زیادہ تھا۔ ماہا کی ایک کزن جو ہر تصویر میں نمایاں نظر آ رہی ہے وہ موٹی ہے اور گروپ میں بطور گائنیک شامل ہے۔

ہیرامنڈی کی ایک لڑکی تصویر میں بہت خوبصورت لگ رہی ہے۔ اس کے نین نقش باریک سے ہیں اور میں متعدد بار اس کی خوبصورتی سراہنے کے لیے اس کی تصویر کی طرف اشارہ کر چکی ہوں۔ ماہا نے اونچی آواز میں قہقہہ لگایا اور کہا کہ میں ایک پاگل عورت ہوں۔ لڑکی کوئی خوبصورت نہیں۔ اس میں کونسی خوبصورت نظر آنے والی چیز ہے۔ یہ تو ایک کتے کی طرح نظر آ رہی ہے۔

کلب جہاں عورتوں کو کام کرتے دکھایا گیا ہے، وہ عورتیں غریب اور نچلے طبقے کی ہیں جو سفید چادروں والی میزوں پر برتن سجا رہی ہیں اور چمڑے کی کرسیوں کو ترتیب دے رہی ہیں۔ کلب کے پردے سستے اور بے ترتیب ہیں اور قالینوں کے کونے بے رنگ ہو چکے ہیں۔ یہ عورتیں عرب شیخوں کی تفریح کے لیے دوبئی نہیں گئیں بلکہ مزدور پیشہ مہاجر ہیں جو اپنے ہی ملکوں سے آئے غریبوں کی تنہائی میں کچھ رنگ بھرتی ہوں گی۔

ماہا کے کزن کے پاس بیس سال پرانی خاندان کی ہیرامنڈی میں بنائی گئی بھی بہت سی تصویریں ہیں۔

ماہا کی کم سنی کی تصویر جس میں وہ فوزیہ کے ساتھ کھڑی ہے۔ اس تصویر میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی ہے۔ فوزیہ بھی اپنی بہن کی طرح خوبصورت ہے اور پھر اس کی کزنیں ہیں جو زیادہ خوبصورت نہیں ہیں۔ ماہا کی ایک سادہ تصویر بھی ہے جو آٹھ سال کی عمر میں بنائی گئی تھی۔ میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ اس تصویر میں وہ بالکل عریبہ لگ رہی ہے۔

''صوفیہ میری طرح لگتی ہے ناں'' ماہا نے تبصرہ کیا۔ اس کا تبصرہ بے تکا سا تھا اور وہ یہ جاننے میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں لے رہی کہ اس کا سب سے غیر پسندیدہ بچہ اس کا زیادہ ہم شکل ہے، اور آخر میں میری تصویریں آئیں۔ کچھ ایک دعوت کی تھیں اور باقی شادی کی ایک تقریب کی۔ میں انہیں دیکھ کر اتنی حیران ہوئی کہ انہیں بار بار دیکھا۔

میں آؤٹ آف پلیس لگ رہی ہوں، اور مجھے ان تصویروں کے دیکھنے سے پہلے کبھی یہ احساس نہیں تھا کہ میں یہاں کے ماحول سے کتنی مختلف ہوں۔ ہمیشہ میں یہی سوچتی تھی کہ میں نے خود کو اس ماحول میں جذب کر لیا ہے اور میرا خیال ہے کہ میں اپنے دوپٹے کی وجہ سے یہاں کی عورتوں کے رنگ میں رنگی جا چکی ہوں۔ لیکن میں بالکل ویسی نہیں لگ رہی۔ میرا حد درجہ سفید رنگ مجھے ان میں ایک عجیب مخلوق بنا رہا ہے۔

ماہا متفکر انداز میں چارپائی پر بیٹھی۔ مالک کرایہ لینے پہنچ چکا ہے اور ایک بار پھر اس کے پاس کرائے کے پیسے نہیں ہیں۔ وہ موٹر سائیکل پر بیٹھ کرائے کی عدم ادائیگی پر لوگوں کے سامنے اسے ذلیل کرنے آیا ہے۔ غالباً اس کی موٹر سائیکل بالکل نئی ہے کیونکہ اس کی ٹینکی اور مڈگارڈوں پر ابھی تک کور چڑھا ہے۔

مالک کی دھمکیوں اور سڑک پر کھڑا کر دینے کے اعلانات کا غم غلط کرنے کے لیے ہم نے شام کو ڈانس کیا۔ آج تو عریبہ بھی ناچ رہی ہے۔ آج سے پہلے اس نے کبھی ڈانس نہیں کیا کبھی مذاق اور کھیل میں بھی نہیں۔ وہ تھوڑی سی وحشی اور توانائی سے بھرپور ہے۔ ماہا نے وعدہ کیا کہ وہ اس کی تربیت ماسٹر جی سے کرائے گی۔ جب ماسٹر جی اسے سکھا دیں گے تو اسے ڈانس کا فن آ جائے گا۔ ہم اتنی زور سے میوزک چلا کر ڈانس کر رہے ہیں کہ یقیناً بازار تک یہ شور جا رہا ہوگا اور جب ماہا نے اپنے گھر کا دروازہ کھولا تو اقبال کے ریستوران پر آنے والے گاہک اس کی چھت کے ٹیرس سے ہیرامنڈی کی لڑکیوں کا مفت ناچ دیکھ رہے ہوں گے۔

نشہ آور ادویات

سردیوں میں جب میں بھاٹی گیٹ سے اپنا اخبار خریدنے جاتی تھی تو پندرہ منٹ کا پیدل سفر ہوتا تھا لیکن گرمیوں میں مجھے بیس منٹ لگ جاتے ہیں۔ دراصل ہیرامنڈی سے باہر نکل جانا مجھے پسند ہے۔ مجھے اندرون شہر کی ہنگامہ پرور زندگی اور سڑک کنارے سگریٹ پان بیچنے والوں کی دکانیں دیکھنا بہت پسند ہے۔ یہاں سے میں ہمیشہ سست رفتار سے گزرتی سگریٹ کے ڈبوں کے ڈھیر اور دکانوں کے سامنے بیٹھے حقہ پیتے

لوگوں کی خوشبو سونگھتے جاتی ہوں۔ اس کے برعکس قصائیوں کی دکان کے سامنے سے گزرتے جس بدبو سے مجھے واسطہ پڑتا ہے اس سے اکثر میرے اندر متلی کا احساس جاگ پڑتا ہے۔ جب میں وہاں سے گزری تو مسلم رواج کے مطابق ایک مرغی کو ذبح کیا جارہا تھا۔ اس کا گلا کاٹ کے اس کو قصائی کے نیلے ڈبے میں ڈال دیا گیا جہاں اس کے سارے جسم کا خون نچڑ کر اسے مردہ کردے گا۔ ایک اور قصائی پھیپھڑے چیر پھاڑ رہا ہے۔ اس کی تکنیک باقیوں سے مختلف ہے۔ وہ اپنے پیروں کی انگلیوں میں چھری پھنساتا ہے اور اس کے دونوں ہاتھ اس مہم جوئی کے لیے آزاد ہوجاتے ہیں پھر وہ اس کی صفائی کرکے صاف گوشت میں اسے رکھ دیتا ہے۔ ترنم چوک میں آج ایک تازہ لاش پڑی ہے لیکن آج منظر مختلف ہے۔ کسی گزرنے والے نے لاش کے پاؤں کی انگلیوں میں دس روپے کا نوٹ اڑس دیا ہے تاکہ جو شخص اس لاش کا کفن دفن کرے اس کی مدد ہو سکے۔ دس روپے کا نوٹ کسی پن چکی کے پروں کی طرح پھڑ پھڑا رہا ہے۔

معاشرے کے دو مظلوم طبقے ہیرامنڈی میں شانہ بشانہ چلتے تو نہیں مگر رہتے ضرور ہیں...... دھندا کرنے والی عورتیں اور نشہ کرنے والے نشئی۔ نشہ کرنے والے ہیرامنڈی کی طرف اس لیے رخ کرتے ہیں کہ یہاں انہیں کوئی یہ کہہ کر نہیں دھتکارتا کہ تم علاقے کا ماحول خراب کررہے ہو۔ ہیرامنڈی میں نشئی لوگوں کی اکثریت باہر سے آتی ہے۔ وہ عموماً غیر ہنرمند مزدور ہوتے ہیں جو شہر کے گندے ہاسٹلوں میں قیام کرتے ہیں اور معمولی آمدنیاں کماتے ہیں۔ ان کی اکثریت ملول اور تنہائی کا شکار نوجوان لڑکوں اور مردوں پر مشتمل ہے جو طویل عرصے سے اپنے گھروں سے دور ہوتے ہیں۔ ان کے پاس اتنے پیسے بہر حال ہوتے ہیں کہ وہ زندگی سے کچھ وصول کر ہی لیتے ہیں اور زندگی سے یہ کچھ وہ نشہ اور یہاں کی عورتوں سے ہمبستری کی صورت وصول کرتے ہیں۔ وہ حشیش اور ہیروئن کا نشہ کرتے ہیں۔ جب نشہ چڑھ جاتا ہے تو کسی گلی، پارک یا پھر جہاں گر گئے وہیں پڑ کے سوجاتے ہیں۔

چند سال پہلے، جب میں لاہور آئی تھی تو یہاں کا مشہور نشہ ہیروئن تھا۔ نشئی گلیوں کی نکروں میں بیٹھ کر ہیروئن پیتے اور عموماً وہ گروپوں کی شکل میں سر جوڑ کر بیٹھے ہوتے۔ اب ان کے نشے مختلف نوع کے ہوگئے ہیں۔ کہیں سے نشیلا انجکشن، نشہ آور گولیاں، درد ختم کرنے والی دوا اور جو کچھ بھی ہاتھ لگے، استعمال کرنا شروع کردیتے ہیں۔ ان کے بازوؤں، ٹانگوں اور رانوں پر نشے سے سوجنیں بن گئی ہیں۔ انجکشن، سستا اور ہر میڈیکل سٹور پر دستیاب ہونے کی وجہ سے زیادہ استعمال ہورہا ہے۔ میڈیکل سٹور والے نسخہ دیکھنے کی زحمت نہیں کرتے۔ نشئی ایک دوسرے کی استعمال کی گئی سرنجیں استعمال کرتے ہیں اور یوں ایڈز گروپ در گروپ پھیلتی ان عورتوں تک پہنچتی ہے جو یہاں دھندا کرتی ہیں اور پھر وہ عورتیں کسی اور کے ساتھ ہمبستری کرتی ہیں اور موت کا یہ سفر یوں چکر در چکر جاری ہے۔

میرے لیے محلے کے ڈرگ کلچر میں، جو بہت نمایاں ہے، گھسنا بہت مشکل ہے۔ اگرچہ میں چاہتی بھی

ہوں کہ اس بارے میں جان پاؤں۔ عورتیں اکثریت میں ایسی ہیں جو ہیروئن کا نشہ نہیں کرتیں۔ اکثر ماہا کی طرح ہیں وہ سونے کی گولیاں اور کھانسی کا شربت استعمال کرلیتی ہیں۔ عورتوں کی ایک بڑی تعداد دستیابی کی صورت میں حشیش اور بوٹی بھی استعمال کرتی ہیں۔ لیکن سنجیدہ نشے کی رسد پر مکمل مردانہ قبضہ ہے جیسے ہیروئن اور نشے کے ٹیکے۔ اس لیے یہاں کی عورت جو گھر کی چار دیواری میں قید ہے اس کی رسائی کسی مرد کے بغیر اس نیٹ ورک تک ناممکن ہے۔ عورت اگر نشہ کرے، چاہے سگریٹ کا ہی کیوں نہ ہو اسے خراب اور بے شرم تصور کیا جاتا ہے۔ اس لیے کسی کو بھیج کر نیند کی گولیاں اور کھانسی کا شربت میڈیکل سٹور سے منگوا لینا عورتوں کے لیے زیادہ عزت دار طریقہ رہ گیا ہے۔

نشے کی رسد کا کام وہ دکان سرانجام دیتی ہے جو سڑک کے کنارے پر اقبال کے گھر سے کچھ ہی میٹر دور موجود ہے۔ یہاں چند ڈیلر ایک میز کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ میں اس تہہ خانے کی تفتیش کی جرات نہیں کرسکتی جو اس دکان کے نیچے موجود ہے جہاں لوگ اکثر جاتے ہیں بلکہ میں تو وہاں سے گزرتے ہوئے اسے زیادہ غور سے دیکھ بھی نہیں سکتی۔ یہ مردوں کی دنیا ہے جہاں میرا داخلہ منع ہے۔ جو شخص اس ڈرگ مارکیٹ کو چلا رہا ہے وہ مذہبی چھٹیوں میں شاندار سبیلوں کا اہتمام کرتا ہے لیکن وہ شخص بھی دراصل ڈرگ نیٹ ورک کی ایک چھوٹی سی کڑی ہے جو ان لوگوں کا ایک گاہک ہے جو اس سے کہیں زیادہ طاقتور اور دولت مند ہیں۔ ماہا کی میڈم کی طرح، جو ایک آرمی میجر کی بیوی ہے، یہ لوگ بھی شہر کے پوش علاقوں میں رہتے ہیں۔

چوہے

پرانے لاہور میں بندوں سے زیادہ چوہے رہتے ہیں۔ یہ ہر جگہ موجود ہیں اور میں ان بھورے پھدکتے جانوروں کے وجود کی عادی ہوچکی ہوں جو گندگی کے ڈھیروں سے نکلتے ہیں، دیوار کے ساتھ چلتے ہیں اور ان ٹوٹی ہوئی اینٹوں کے سوراخوں میں غائب ہوجاتے ہیں جو یہاں کے گھروں کی دیواروں میں اکثر پائے جاتے ہیں۔ جب ہم ماہا کے گھر چٹائی پر بیٹھے کھانا کھانے میں مصروف تھے تو دروازے کی اکھڑی ہوئی چوکھٹ پر بیٹھے تین چوہے ہمیں مسلسل گھورے جارہے تھے۔ ماہا انہیں دیکھ کر مسکراتی ہے۔ وہ ان کے ساتھ پالتو جانوروں والا سلوک کرتی ہے مگر لازمی نہیں کہ وہ ہر بار ہی انہیں دیکھ کر محظوظ ہو۔ اس نے مجھے اپنی قمیض اوپر کرکے پیٹھ پر موجود وہ خراشیں دکھائیں جو بلی کی جسامت کے ایک چوہے نے ڈالی تھیں اور اس کے بعد ان کی آپس میں جنگ چھڑ گئی۔ پچھلی بار جب عدنان ماہا کے پاس آیا تو وہ آدھی رات کے قریب چیخیں مارتا ہوا اٹھ بیٹھا کہ ایک بڑی جسامت کا چوہا اس کے ٹخنوں کو بیٹھا کتر رہا تھا۔ کیونکہ وہ نشے میں غرق بے سدھ پڑا تھا اس لیے چوہے نے غالباً اسے مردہ سمجھ کر اس پر طبع آزمائی شروع کردی۔

میں اپنی پلیٹیں کھانے کے بعد اٹھا کر کچن میں گئی تو مجھے الٹی کرنے پر مجبور ہونا پڑا کیونکہ ابھی ابھی جس

دیگچی سے نیشا ہمارے لیے سبزی کا سالن لائی تھی اس میں دو موٹے سے چوہے مزے سے کھانا تناول فرما رہے ہیں۔ اس دیگچی میں موجود کھانا شام کے لیے تھا اور میں نے طے کرلیا تھا کہ اگلے کھانے کے لیے میں انکار کردوں گی۔ یہاں چوہے اتنے بہادر ہیں کہ میرے حیرت سے کھلے منہ کے باوجود وہ میری طرف آئے اور میرے پاؤں کے گرد منڈلاتے ہوئے کھانے کے نیچے پڑے ٹکڑوں کو کھاتے رہے۔

اگر میں چوہا ہوتی تو یقیناً اپنے لیے ماہا کے گھر کا انتخاب کرتی۔ چوہوں کے لیے یہ ایک مثالی گھر ہے کیونکہ اس میں متعدد ایسے گوشہ ہائے عافیت ہیں جو خوبصورت بھی ہیں اور پُرتعیش بھی۔ علاوہ ازیں شریف ہمسائے اور کھانے کی نامختتم رسد تو ہے ہی، جوارد گرد ہر وقت بکھرا پڑا رہتا ہے۔ لیکن اب یہ سب کچھ بدلنے والا ہے۔ میں گھر کے کونے کھدروں سے متعلق تمام تفصیلات جمع کر رہی ہوں اور ماہا کو بھی اس بات پر تیار کر لیا ہے کہ ہم چوہوں کے خلاف آپریشن کلین اپ کرنے جا رہے ہیں۔

گھر کا زینے والا خول عمارت کے مرکز میں واقع ہے جسے برسوں پہلے بند کر دیا گیا تھا اور اب عقبی تنگ سیڑھیاں آنے جانے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔

پرانا فرنیچر، کپڑے، جوتے، بستروں کی چادریں مرکزی سیڑھیوں پر جمع کر کے رکھی گئی ہیں اور باقی کوڑا کرکٹ اس کے اوپر جمع ہے۔ میرا خیال ہے یہاں چوہوں کے کئی خاندان آباد ہیں کیونکہ اس ڈھیر کو میں نے کئی دفعہ ہلتے دیکھا ہے۔ گھر کے سامنے والے حصے میں موجود چھوٹا سا کمرہ ماہا کے قبضے میں نہیں ہے مالک مکان نے اس میں اپنا فرنیچر رکھا ہوا ہے۔ یہ کمرہ پرانی چٹائیوں اور چارپائیوں سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے بدقت کمرے کو تھوڑا سا کھول کر اندر جھانکا تو مجھے ایک صوفے کے بڑے شگاف میں دو موٹے چوہے بیٹھے نظر آئے جو میری طرف خونخوار نظروں سے گھور رہے تھے۔

ہم اب ان چوہوں اور بدبو کو ختم کرنے جا رہے ہیں۔ ماہا کے گھر کا ایک کمرہ شاذ ہی استعمال ہوتا ہے۔ اس کمرے میں ٹوٹا پھوٹا فرنیچر، گلے سڑے برتن اور ڈھیر سارے پلاسٹک کے پائپ جو پانی کے لیے استعمال ہوتے ہیں، پڑے ہیں۔ اس کمرے میں ایک پرانا سا ٹوائلٹ ہے جو مکان کی اصل تعمیر کے کافی عرصے بعد اس میں اضافی طور پر بنوایا گیا تھا۔ اس کا ڈیزائن بہت بھدا سا ہے اور اس میں بندہ آسانی سے پھنس سکتا ہے۔ آج جب ہم نے اسے دیکھا تو یہ پاخانے سے بھرا ہے اور یوں لگتا ہے ہفتوں سے اس کی صفائی نہیں کی گئی۔

''یہ عریبہ کا ٹوائلٹ ہے'' ماہا نے کہا ''کتنی گندگی لڑکی ہے یہ!''

صفائی

خاکروب طارق گھر کی تیز ترین صفائی پر رضامند ہوگیا۔ آج صبح گلیوں کی صفائی کے بعد وہ ایک غصیلے

نوجوان کے ہمراہ اندر آیا۔ انہوں نے اپنی ہتھ گاڑی کو گلی میں کھڑا کیا اور اب وہ ماہا کے گھر کے سب سے اہم کمرے میں کھڑے اپنے مشن کا اندازہ لگا رہے ہیں۔ وہ اپنے ہمراہ جھاڑو، بالٹیاں اور تیزاب کی ایک بوتل لائے ہیں جس کے بارے میں طارق کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر داغ صاف کر دے گا۔

ویسے بھی عریبہ کے واش روم کو کسی انتہائی طاقتور چیز کی ضرورت ہے۔ اس میں موجود پاخانہ گرمی سے بلبلے چھوڑ رہا ہے اور یوں لگتا ہے کہ وہ کسی بھی وقت کمرے کے اندر داخل ہو جائے گا۔ طارق جو بدبو اور گندگی سے زیادہ پردہ نہیں کرتا وہ بھی اس کی حالت دیکھ کر چونک اٹھا ہے۔ ماہا کی وضاحتیں میرے کانوں تک پہنچ رہی ہیں جو انہیں یہ بتا رہی ہے کہ وہ کبھی یہ واش روم استعمال نہیں کرتی بلکہ وہ سب سے صاف ستھرے کمرے کا واش روم استعمال کرتی ہے۔ وہ بتا رہی ہے کہ یہ گند اس نے نہیں بلکہ عریبہ نے پھیلایا ہے۔ وہی اس خاندان کی سب سے گندی لڑکی ہے۔

طارق نے تیزاب جھاگ چھوڑتے ٹوائلٹ کے اوپر اور قریب موجود فرش پر پھینکا۔ باتھ روم میں اسی وقت سلفر گیس کا بادل اور اس کی آواز کا شور پھیل گیا۔ ٹوائلٹ کے مشتملات ابلنے لگے اور پھر نیچے چلے گئے۔ ہم دوسرے کمرے میں موجود گیس کی بو سے بچ رہے ہیں۔ طارق زور زور سے کھانس رہا ہے اور تیزاب، پیشاب اور پاخانے کے امتزاج سے بننے والی گندگی پر جھاڑو پھیر رہا ہے۔

طارق کا تیزاب واقعی کمال کا نکلا۔ اس نے ٹوائلٹ کا فلش اور فرش کی اوپر کی سطح کو بالکل چمکا دیا۔ غالباً اس نے طارق کے پھیپھڑوں پر بھی خراشیں ڈال دی ہیں لیکن وہ شکایت کرنے والا بندہ نہیں ہے، اور ویسے بھی ایک خاکروب سے اس قسم کی شکایتیں سننے کی توقع کوئی نہیں کرتا۔

غصیلا نوجوان سیڑھیوں کے راستے کچرے ڈھونے کی کوشش میں منہمک ہے جو وہ نیچے موجود ہتھ گاڑی میں رکھ رہا ہے۔ وہ قلعے کی طرف جاتی سڑک کے اختتام پر پہلے ہی دو بھری ہوئی ریڑھیاں ڈال چکا ہے اور غالباً اسے ایسے متعدد سفر کرنا ہیں۔ گھر میں ہر جگہ کوڑے کے ڈھیر پڑے ہیں۔ روٹی اور نان کے ٹکڑے، آم کی گٹھلیاں جو اتنی پرانی ہیں کہ کالی سیاہ ہو چکی ہیں، صوفیہ کے بہت پہلے کے پڑے پیمپر جن پر ابھی تک گند لگا ہے اور نم جوتے جو پڑے پڑے گل چکے ہیں۔ طارق اب فرش صاف کر رہا ہے۔ وہ فرش پر پانی کی بالٹیاں پھینک کر اوپر جھاڑو کے ساتھ رگڑ رہا ہے۔ ماہا اور بچے جمع ہیں اور اس سارے کام کے ناظرین بنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے آج تک اتنی مہارت سے ہوتی صفائی نہیں دیکھی ہے۔

شام تک بدبو چھوڑتے بدترین علاقے صاف ہو چکے ہیں۔ طارق اور اس کا ساتھی پانچ ریڑھیاں کوڑے کی بھر کر کوڑا گھر کی طرف پھینک آئے ہیں۔ انہوں نے ایک شاپر میں دو عظیم الجثہ چوہوں کو بھی پکڑا اور انہیں اس طرح مارتے باہر لے گئے کہ ان کا سر کچلا جا سکے۔ دوسرے چوہے کچن اور ماہا کے بہتر کمرے کو فی الوقت الوداع کہہ چکے ہیں۔ انہوں نے فی الحال میدان خالی کر دیا ہے اور مالک مکان کے فرنیچر والے

کمرے میں پناہ لے لی ہے۔ میں نے اس کمرے میں جھانک کر ان کو کمرے میں پارٹی کرتے دیکھا۔

عریبہ آج کچھ خاص پکا رہی ہے۔ وہ کئی گھنٹوں تک ہانڈی کے پاس بیٹھی رہی ہے اس کو ہلاتی اور دیکھتی رہی ہے اس کے علاوہ وہ ایک برتن میں کچھ غذا کے اجزا ابھی وقفے وقفے سے ڈال رہی ہے۔ وہ اپنے کھانے پکانے میں کافی دیر سے اتنی زیادہ منہمک ہے کہ اس عرصے میں اس نے اس کمرے کے دو تین ہی چکر لگائے جہاں باقی سب لوگ بیٹھے ہیں۔ مجھے بغیر دیکھے پتہ چل رہا ہے کہ وہ کس وقت کمرے میں آئی کیونکہ جب بھی وہ ائیر کولر کے سامنے گزرتی تو اس کے گندے کپڑے، جن سے پیشاب کی مہک آتی ہے، ہوا کے ذریعے وہ بدبو مجھ تک پہنچا دیتے۔ اس کی ساٹن کی پیلی قمیض بہت گندی ہے جسے وہ کئی دن سے پہنے پھر رہی ہے۔

دو دن کے بعد ماہا کے چوہوں نے پھر میدان جنگ گرم کرنے کا بگل بجا دیا۔ ان کا پرانا اعتماد ایک بار پھر بحال ہو چکا ہے اور وہ مکان مالک کے فرنیچر کے کمرے سے باقی گھر کی طرف دوڑتے بھاگتے آنیاں جانیاں کر رہے ہیں۔ لیکن ابھی ہم نے شکست نہیں مانی۔ ہم ان کی اس حرکت پر بیٹھے ہنس رہے ہیں اور ہمارا صفائی مشن اپنے دوسرے مرحلے میں داخل ہونے والا ہے۔ میں نے گلبرگ میں موجود الفتح سپر مارکیٹ کا ایک چکر لگایا اور کچھ امپورٹڈ صفائی کے محلول لے آئی۔ پاکستانی ورائٹی اگرچہ کافی سستی ہے مگر میں اب بھی وہی چیزیں استعمال کرتی ہوں جن سے میں انگلینڈ سے واقف ہوں۔ میں کسی ایسی طاقتور چیز کا سامنا نہیں کرنا چاہتی جیسے طارق کا تیزاب ہے۔

میں نے پلاسٹک کے دستانے ہاتھوں پر چڑھائے اور جھاڑو ڈھونڈا۔ آج میں بہت پُر جوش ہوں۔ میں نے عریبہ کے ٹوائلٹ کے چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے کام کا آغاز کیا اور ماہا صدمے کے مارے ریلنگ سے لگی کھڑی کہہ رہی ہے: ''میری پیاری لوئیس ___ میری لوئیس ___ میری بہن خاکروبوں کے کام کر رہی ہے۔''

وہ پھر شرم اور عزت کی باتیں کرنے لگی ہے۔ لیکن اس موضوع پر ہمارے دماغ کبھی ہم آہنگی کی صورتِ حال سے دوچار نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہاں پر دو تہذیبوں کا ایک ناقابل عبور خلا موجود ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک ماہا کا گھر کی صفائی کا خیال رکھنا نہ زیادہ بڑی بے شرمی ہے۔ ماہا کا خیال ہے میں ٹوائلٹ کی صفائی جیسا کام کر کے خود کو بے عزت کر رہی ہوں اور شرمندہ بھی، اور انوکھی اور ناقابل توضیح حقیقت یہ ہے کہ مجھے یہ کر کے خوشی مل رہی ہے۔

اب تماشائی بھی پہنچ چکے ہیں۔ کچھ مقامی عورتیں مجھے میری اس مصروفیت کے باعث دروازے سے جھانک کر دیکھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ مجھ تک ان کی آپس کی بحث و تمحیص اور تبصرہ آرائیوں کی آوازیں پہنچ رہی ہیں۔ ایک عورت دوسری کو کہہ رہی ہے ''وہ جو عورت لندن سے آئی ہے ٹوائلٹ صاف کر رہی ہے۔''

پانی کی کمی نے کپڑوں کی دھلائی کے کام کو روک دیا ہے۔ دو بڑی اور جہازی سائز کی بالٹیوں میں

صابن ملا پانی موجود ہے اور گھر کے تمام کپڑے اس کے اندر ڈال دیئے گئے ہیں۔ نیچے والے گھر سے پانی کی سپلائی روک دی گئی ہے۔ مالک مکان نے اس کو کہہ رکھا ہے کہ ماہا کے اور پٹھانی کے گھر میں پانی زیادہ خرچ نہیں ہونے دینا کیونکہ پانی کی کمی ہے اور اس پر پیسے بھی خرچ ہوتے ہیں۔

ماہا نے بالکنی سے کھڑے ہو کر اونچی آواز میں کہا کہ ہم نے کپڑے دھونے ہیں اور ہمیں پانی کی ضرورت ہے۔ نیچے والا موٹا سا آدمی اپنی چارپائی سے اٹھا اور ناگواری سے موٹر کا سوئچ آن کیا تاکہ چند منٹ تک کے لیے ہمارے پاس پانی آ سکے۔ ہم نے پاگلوں کی طرح تمام بالٹیوں اور برتنوں میں پانی بھر لیا لیکن وہ بھی پورا نہ ہوا۔ آخری حل کے طور پر ہم نے ماشکی سے پانی منگوانے کا فیصلہ کیا۔ اس کی پانی کی مشک، چمڑے سے بنی ہے اور اس کے کاندھوں پر لٹکی ہے۔ یہ اتنی وزنی ہے کہ اس کو جھک کر چلنا پڑ رہا ہے۔ ہر مشک سے چار یا پانچ بالٹیاں آسانی سے بھر جاتی ہیں اور وہ ایک پھیرے کے دس روپے لیتا ہے۔ میں نے پوری گرمیوں میں کئی بار اسے صحن میں گھومتے اور آتے جاتے دیکھا ہے جب وہ ان گھروں میں پانی پہنچا رہا ہوتا تھا جہاں پانی کی قلت ہے۔ آج کا دن اس پر کافی بھاری ہے اور بہت وزنی قدموں سے بمشکل زینے کی سیڑھیاں چڑھ پا رہا ہے۔ اپنی سانس بحال کرنے کے لیے اسے درمیانی سیڑھیوں میں کچھ دیر رکنا پڑ رہا ہے۔ اس کی سانس چڑھی ہے اور چہرے پر تیوریاں ہیں، جوں ہی وہ بالٹیوں میں مشک کو خالی کر دیتا ہے چہرہ پھر نارمل حالت میں آ جاتا ہے۔ آج کی رات اسے ماہا کے گھر کے تین پھیرے لگانے ہیں۔

موٹا ___ موٹا عاشق

آج کی شام بحث و گفتگو کا مرکز صرف ایک موضوع ہے۔ نینا کا محبوب۔ وہ آدمی جو انہیں لیلیٰ کے گھر ملا تھا۔ اس نے ماہا کو دو بار فون کیا ہے اور نینا سے ملنے کو بے تاب ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ بوڑھا، بلیک اور بدصورت ہے، چیچک زدہ چہرہ ہے۔ ماہا اس کی مضحکہ خیز انداز میں نقلیں اتارتی ہے۔ وہ اسے موٹا کہتے ہیں۔

اگرچہ اس شخص کی جسمانی کشش صفر ہے مگر مالی ترغیب یقیناً دلکش ہے ''وہ فیکٹریوں کا مالک اور دولت مند ہے'' ماہا نے کہا۔ میرے بازو کو پکڑ کر ہلاتے ہوئے اس نے مزید کہا: ''اگر نینا اس سے شادی کر لے تو اسے دوبئی نہیں جانا پڑے گا۔ ہم دلالوں کو ویزے اور پاسپورٹ کے پیسے واپس دے دیں گے۔ وہ اتنا امیر ہے، ہر وقت اس کی جیب میں لاکھوں روپے ہوتے ہیں۔ ہم نے اسے خود دیکھا ہے...... بے شک نینا سے پوچھ لو۔''

نینا نے تصدیق کی: ''یہ سچ ہے۔ میں نے بھی ایک لاکھ روپے دیکھے تھے۔''

''اس کے پاس بڑی سی سفید اے سی گاڑی ہے۔ وہ نینا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور ڈیڑھ لاکھ دینے پر

بھی تیار ہے۔" ماہا کہتے کہتے رک گئی اور وقفے کے بعد بولی "لیکن، لیکن میں نہیں جانتی۔"

"میں اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں" نینا نے اپنی ماں کو اس پر راضی کرنے کے لیے حوصلہ افزائی کی غرض سے کہا۔ وہ شرمندگی سے مسکرائی، آنکھیں جھکا لیں اور اپنا منہ بھی ڈھانپ لیا۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں وہ ہمیں شاپنگ کرائے، اس نے چٹائی پر نظریں گاڑے رکھیں، تکیے کے پیچھے اپنا منہ دبایا اور ہنس دی۔ اس کی ماں بھی ہنسنے لگی، آخرکار___ وہ سوچ رہے ہیں___ ان کے دن پھرنے والے ہیں۔

موٹے نے ماہا کو ٹیلی فون کیا۔ وہ بات کرتے رہے۔ اس دوران شرم سے سرخ اور مسکراتی نینا پاس بیٹھی رہی۔ عاشق نینا سے بات کرنا چاہتا ہے۔ اس نے اچک کر فون کو تھاما، اس کو دیکھا اور بے دھیانی سے اس کا ہاتھ بال سنوارنے لگا۔ ماہا اس کے کان سے مسلسل لگی اس کو ہدایات دیتی رہی کہ کس طرح بات کرنی ہے۔

"اسے کہو کہ وہ تمہیں پسند ہے اور تم اس کو دیکھنا چاہتی ہو۔"

نینا کو یہ سب کچھ سمجھانے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ وہ قہقہے مار رہی ہے، ادا دکھا رہی ہے اور موٹے کو کہہ رہی ہے کہ اس کا خیال ہے وہ اچھا آدمی ہے۔ اس دوران ماہا مجھے بتاتی رہی وہ کتنا امیر آدمی ہے۔ "وہ اچھا آدمی ہے، وہ بدشکل ہے، بوڑھا ہے لیکن آدمی وہ اچھا ہے۔"

اب نینا زیادہ اچھل رہی ہے۔ اس نے فون پر ہاتھ رکھا اور تحائف کے بارے میں سرگوشی کے انداز میں کچھ کہا۔ ماہا نے تھوڑا سا ناچ پیش کیا اور فون نینا سے لے لیا۔ اس کے بعد گفتگو کا محور وہ عاشق بن گیا۔ وہ چند دنوں میں ماہا کے گھر نینا کا ناچ دیکھنے آ رہا ہے۔ نینا خوشی کے مارے بانہیں پھیلا کر بستر پر گر گئی۔

لوئیس آنٹی وہ میرے لیے تحفہ لے کر آ رہا ہے۔ بالکل ویسا سی ڈے پلیئر جو لیلیٰ کے گھر میں تھا۔ جوں ہی اس نے یہ کہا اس نے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔ اس کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمک رہی ہیں۔ دوسری لڑکیاں بھی اسے تعریفی انداز میں دیکھ رہی ہیں۔ نینا پُرجوش ہے اور میں...... میں بہت شدید الجھن اور ابہام کا شکار۔ میں نے سوچا میں ہیرا منڈی اس لیے آ رہی ہوں کہ اس خوفناک تجارت سے متعلق حقائق لکھوں لیکن پھر بھی میں چاہتی ہوں کہ نینا اس جسم فروشی کے دھندے میں نہ پھنسے۔ چودہ سال کی عمر میں وہ بڑے جوش سے اپنے خاندانی دھندے کو گلے لگانے جا رہی ہے۔ وہ یقیناً وہی کرنے جا رہی ہے جو نسلوں سے اس کے خاندان کی لڑکیاں کرتی آ رہی ہیں، اور بیس سال بعد نینا بھی اپنی ماں کی طرح ایک رَدشدہ عورت ہوگی جس کا زندہ رہنے اور بقا کا انحصار اپنی کم سن بیٹیوں کی فروخت پر ہوگا۔ لیکن اس وقت تو وہ اس بات پر خوش ہے کہ موٹا اس پر دولت خرچ کرنے کو تیار ہے۔ یہ طرز اس کے خوبصورت، اعلیٰ طبقے کی ناچنے والی لڑکی کا ثبوت ہے۔ غالباً زندگی میں پہلی بار نینا کو اپنے طاقت ور ہونے کا احساس ہو رہا ہے اور وہ اس احساس سے مکمل محظوظ ہو رہی ہے۔

مون سون کا سیلاب

دوپہر کے وقت میں نے ٹبی گلی کی کچھ عورتوں کے انٹرویوز لینے کا پروگرام بنایا لیکن اس وقت گھر چھوڑنا ناممکن لگ رہا ہے۔ دو گھنٹے کی موسلا دھار بارش نے مجھے کمرے سے باہر نہ نکلنے دیا، اور میں اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرتی رہی۔ ایک نشئی صحن کے سب سے پرانے گھر کی دیوار پر لیٹا ہے۔ چھت کے پرنالے سے بہتا پانی نالے کی شکل میں اس کے اوپر گر رہا ہے اور آدھے گھنٹے تک کسی خشک جگہ پر پہنچنے کی کوشش کے بعد اب وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں اس موسلا دھار بارش کی زد میں آیا پڑا ہے۔ نوجوان آدمی دھوتی پہنے ننگے سینے لیے چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ نوجوان لڑکے موسلا دھار بارش کے سبب بننے والے تالاب میں اچھل کود رہے ہیں مگر تھوڑی دیر میں وہ بھی اس بارش سے اکتا کر چارپائیوں پر جا بیٹھے۔

ایک گھنٹے بعد طغیانی میرے کمرے کی چھت سے رسنے لگی۔ صحن جھیل بن چکا ہے اور جب بارش کا یہ طوفان تھما تو ہیرا منڈی کی گلیاں اور سڑکیں سڑانڈ مارتے جوہڑ میں بدل گئیں۔ پانی کے گڑھے اور کہیں کہیں تالاب، جس میں بارش کا پانی، پاخانہ، گندگی اور کوڑا فورٹ روڈ پر چلنے والوں کو ٹیڑھے میڑھے راستوں پر ٹیڑھا میڑھا چلا رہا ہے۔ بارش نے زیر زمین بہنے والے گٹروں کو زمین کی سطح پر پھیلا دیا ہے اور پیدل چلنے والے بچارے خشکی کے چھوٹے چھوٹے قطعے ڈھونڈ کر ان پر چلنے کی کوشش میں ہیں جبکہ بدبو نے پورے ماحول پر قبضہ کر لیا ہے۔

روشنائی گیٹ کے قریب ایک گٹر سے پانی ایسے ابل رہا ہے جیسے کسی قدرتی چشمے سے فوارہ پھوٹ رہا ہو۔ میں نے مال روڈ پر موجود پوسٹ آفس تک پہنچنے کے لیے ایک رکشہ کرائے پر لیا تاکہ اپنے بچوں کو خط پوسٹ کر سکوں مگر میں وہاں تک نہ پہنچ سکی۔ سڑکوں پر پانی کئی فٹ تک اوپر آ چکا تھا اور جب رکشے کے اندر ہی میری سینڈلوں سے گٹر کا گندا پانی ٹکرایا اسی وقت رکشے کا انجن بھی دم توڑ گیا اور میں نے اپنا سفر اگلے کسی دن کے لیے ملتوی کر دیا۔

24 گھنٹے بارش کو گزر گئے ہیں مگر جمیلہ کے گھر میں اب بھی تین انچ کیچڑ کی گارے جیسی تہہ موجود ہے۔ درجن بھر بلی کے بچے پانی سے بچنے کے لیے چارپائی پر اور کمرے کی دیوار کے ساتھ موجود کچرے کے ڈھیر پر بیٹھے ہیں۔ جمیلہ کی حالت ہمیشہ سے زیادہ بدحال ہے اور محمود کی ٹانگیں بھی ٹھیک نہیں اور اس ماحول میں تو اس کے بہتر ہونے کے مواقع اور بھی محدود ہیں۔ دونوں میاں بیوی پسینے میں شرابور اور پلاسٹک کی چھت سے چھن کر آتی حبس آلود گرمی میں جھلس رہے ہیں۔

جمیلہ کے گھر کے باہر تین سیمنٹ کے بلاک پڑے ہیں جنہوں نے گلی بند کر رکھی ہے اور ایک تانگے والا

سخت مشکل میں ہے کہ کیسے وہاں سے گزرے۔ تین بیمار نظر آتے مزدور ایک دکان کے سامنے کھڑے مشکل میں گرفتار کھڑے یہ سوچ رہے ہیں کہ کہاں سے کام کا آغاز کریں۔ اندر ملبہ پڑا ہے اور اوپر کی تین منزلیں گر چکی ہیں۔ "یہاں بہت پانی تھا" ایک بندے نے وضاحت کی۔ کل کی بارش پورے شمالی پاکستان کی خطرناک بارش تھی۔ راولپنڈی میں گذشتہ سو سالوں میں اتنی بارش کبھی نہیں ہوئی اور خدشہ ہے کہ سینکڑوں لوگ مارے گئے ہیں۔ لاہور میں ہم بھی بال بال بچے ہیں۔

موٹے کے لیے تیاری

ماہا اپنی زندگی کی سب سے زیادہ نشہ آور نیند کے بعد اٹھی ہے اور گھر کی حالت ٹھیک کر رہی ہے۔ موٹا آج نینا سے ملنے اور اسے سی ڈی پلیئر کا تحفہ دینے آ رہا ہے، جس کا ڈھنڈورا کافی دنوں سے پیٹا جا رہا تھا۔ میں صبح جلدی پہنچ گئی اور بوسوں کی بوچھاڑ کے بعد تمام انتظامات کے درمیان مجھے بٹھا دیا گیا۔ گدے کی چادریں بدل دی گئیں ہیں، اور اب اس پر سرخ، سیاہ اور زرد رنگ کی ڈیزائنوں والی ایک چادر پڑی ہے۔

ماہا کا گھر کسی مہنگی رومانویت کے لیے قطعاً حسب حال نہیں ہے۔ موٹا اپنی سفید، بڑی اور اے سی کار کو گندی، کھلے گٹروں اور گڑھوں سے بھرپور سڑک پر لے کر آنے والا ہے کیونکہ موٹے جیسے امیر لوگ یہاں پیدل چلنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ اگر بالفرض وہ ابتدائی سیڑھیاں چڑھ بھی لے گا تو اس عظیم عاشق کو دو منزلیں تنگ اور تاریک سیڑھیوں سے گزرنا ہوگا۔ اگر وہ واپس جانے کا ارادہ بالجبر دبا کر یہ مرحلہ بھی پار کر گیا تو اسے ماہا کے کوریڈور سے گزرنا ہوگا جو ان دنوں کچن بنا ہوا ہے۔ اسے اپنا راستہ برتنوں، تووں، بالٹیوں، چوہوں، اَن دھلے برتنوں، گلے پیازوں اور چیتھڑوں کے مابین بنانا ہوگا۔

میں تصور بھی نہیں کر سکتی کہ موٹا گھر کے اس اندرونی نقشے سے متاثر ہوگا لیکن مجھے اس بات کا یقین ہے کہ وہ نینا سے ضرور متاثر ہوگا۔ اس نے آج کالی شلوار اور سرخ قمیض پہن رکھی ہے قمیض کا گلا اور کنارے سنہری دھاگوں سے کڑھائی کیے گئے ہیں۔ یہ لباس بہت زیادہ کھلا ہے جو اس کے شانوں پر ڈھلک رہا ہے اور گردن سے نیچے تک خالی ہے۔ یہ اس کو زیادہ غیر محفوظ، نازک اندام اور بہت زیادہ کم عمر دکھا رہا ہے۔ یقیناً موٹے کو یہ پسند آئے گا۔

چہرے پر فاؤنڈیشن، گہرا سیاہ آئی لائنر اور شوخ تیز لپ اسٹک جو اس کی قمیض کے رنگ سے ہم آہنگ ہے، لگی ہوئی ہے۔ وہ اپنی ماں کے میک اپ باکس کی تلاشی کر رہی ہے اور ہر میک اپ دوبارہ لگا رہی ہے۔ اس کے بعد اس نے خوبصورت بالیاں اور مصنوعی سونے کا ہار گلے میں پہنا۔ اس کے بال باندھ دیے گئے ہیں اور نینا نے 20 منٹ بالوں کی لٹیں بنانے میں صرف کیے جو اس کے کان کے اوپر پڑی ہیں۔ اس نے اتنی بار شیشہ دیکھا کہ اگر مجھے سارا پس منظر معلوم نہ ہوتا تو میں یہی سمجھتی کہ وہ پہلی بار اپنے اس محبوب کے ساتھ

ڈیٹ پر جا رہی ہے جس سے اس کو شدید محبت ہو۔

موٹے نے فون کر کے بتایا ہے کہ اسے کچھ دیر ہو جائے گی۔ وہ پرل کانٹی نینٹل ہوٹل میں ایک اہم میٹنگ میں مصروف ہے، جس میں وہ تاجروں اور انجینئروں کے ایک گروپ کے ساتھ اپنی فیکٹری کے لیے مشینیں خریدنے کے حوالے سے گفتگو کر رہا ہے۔ نینا اور نیشا نے اس دیری کا فائدہ اٹھا کر ان اداؤں کی ریہرسل شروع کر دیں جو وہ بھارتی فلموں میں دیکھتی ہیں۔ ایک گھنٹے بعد موٹے کا پھر فون آیا کہ میٹنگ طول پکڑ گئی ہے لیکن وہ تھوڑی دیر میں ان کے ساتھ ہوگا۔ لڑکیوں نے اب ماڈلوں کی نقلیں اتارنی بند کر دی ہیں اور بستر پر لیٹ گئی ہیں جس کی وجہ سے کپڑے شکن آلود ہو رہے ہیں۔ عدنان نے ماہا کو فون کیا اور بتایا کہ وہ مر رہا ہے اور اتنا شدید بیمار ہے کہ اسے کوئی رقم نہیں دے سکتا۔ ماہا نے لمبا سانس لیا اور درد کی شدت پر قابو پانے کی کوشش کی۔

وہ اب بھی اسی امید میں ہے کہ موٹا جلد ہی ان کی مدد کو پہنچنے والا ہے۔ ایک گھنٹہ اور گزر گیا۔ موٹے عاشق کا فون آیا کہ اگلے پندرہ منٹ میں وہ پہنچ رہا ہے۔ ہم اب اس پر یقین نہیں کر سکے ___ اور وہ نہیں آیا۔

ساڑھے دس بجے کے قریب جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ ہم نے وہ کھانا کھایا جو موٹے کے لیے بڑے پیار سے بنایا گیا تھا، اور ماہا نے کہا کہ وہ بھی باقیوں کی طرح بھین چود ہے۔ نینا کو دھتکارے جانے کا احساس ہے اور وہ کمرے کے کونے میں اپنے گھٹنوں کے گرد باہیں لپیٹ کر مغموم سی بیٹھی ہے۔ چھوٹا سا شیشہ اس نے اٹھایا، اپنا چہرہ اس میں دیکھا اور آہ بھر کر کہا:

"میرا اتنا پیارا میک اپ غارت گیا۔"

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ موٹا نینا میں تو دلچسپی رکھتا ہے مگر وہ ہیرا منڈی نہیں آنا چاہتا۔ اس کی وجہ دلال، یہاں کے بدمعاش اور پولیس نہیں بلکہ وہ اس بدنام علاقے میں قدم نہیں رکھنا چاہتا۔ امراء آج بھی ہیرا منڈی سے لڑکیاں خریدتے ہیں مگر وہ ان کے ساتھ پُرتعیش ہوٹلوں، شاندار فلیٹوں اور ایسے پوش گھروں میں لطف اٹھاتے ہیں جہاں شاندار ہال اور امریکی کچن ہوتے ہیں۔ جیسا کہ لیلیٰ کا گھر تھا۔ لیلیٰ کو بھی کہیں سے بھنک پڑی ہے کہ موٹا نینا میں دلچسپی لے رہا ہے اور وہ نینا کی دوشیزگی سے حاصل ہونے والی فیس پر اپنا حصہ وصولنے کے چکر میں ہے۔ اس نے پیش کش کی ہے کہ وہ نینا کو اپنے خوبصورت اور پُرتعیش گھر میں موٹے کے لیے خاص طور پر تین چار دن کے لیے قیام کرانے پر تیار ہے۔ مگر اس کے بدلے میں لیلیٰ دوشیزگی کی آدھی قیمت وصول کرنا چاہتی ہے۔ ماہا نے اسے انکار کر دیا ہے۔ ہیرا منڈی کے کوٹھے پر موٹے کو لانے کی کوشش میں ماہا اس لیے جتی تھی کہ وہ ایجنٹوں اور دلالوں کو فیسیں دینے سے بچنا چاہتی تھی۔ مگر بے چاری کو اس سلسلے میں منہ کی کھانا پڑی اور اب وہ کسی اور امیر عاشق کی تلاش میں ہے۔

بدمعاش

جب میں قلعے کی طرف جانے والی سڑک پر جا رہی تھی تو پیچھے سے ایک شخص دوڑتا ہوا میرے قریب آیا اوراس نے میرا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ یہ ایک آدمی ہے جس کو میں نہیں جانتی۔ میں ایک بیکری میں گھسنے کی کوشش میں ہوں مگر اس کا اصرار بھی جاری ہے۔

''ٹھہرو'' وہ چلایا ''یہ میں ہوں، یہ میں ہوں!''

میں نے ایک بار دیکھا، اور پھر ایک بار غور سے دیکھا۔ یہ تسنیم ہے۔ تسنیم کھسرا۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ میں اسے پہچان نہیں پائی۔ تسنیم ایک لڑکے میں ڈھل چکا ہے۔ اس نے مردوں کے کپڑے پہن رکھے ہیں اور بال بھی ترشوا کر چھوٹے کر لیے ہیں...... بہت ہی چھوٹے۔ اتنے چھوٹے کہ اس کے چھدرے بالوں میں سے اس کی کھوپڑی کی جلد جھانکتی نظر آ رہی ہے اوراس کی کھوپڑی کی جلد پر موجود زخموں کے نشان بھی نمایاں ہیں۔

''کیا ہوا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

وہ پریشان ہے اور پریشانی میں بار بار اپنے سر پر ہاتھ پھیر رہا ہے: ''وہ ایک بدمعاش تھا، اور کہتا تھا کہ اسے مجھ سے محبت ہے اور پھر اس نے میری کنپٹی پہ بندوق رکھ دی تھی'' اس نے اپنے خوفزدہ چہرے کے ساتھ کہا۔ گلی میں رکشے اور تانگے گزر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ کچھ پُرسکون ہوا تو ہم ایک بغلی گلی میں چلے گئے جہاں کچھ خاموشی ہے۔

''اس نے مجھے کہا کہ وہ میری جان لے لے گا اور اپنے چاقو سے اس نے میرا سر بھی مونڈھ دیا۔'' وہ رو رہا ہے اور اپنے ہاتھوں سے آنسو بھی پونچھ رہا ہے۔

''آجکل تم کہاں رہ رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے کندھے اچکا کر کہا: ''کہیں نہیں! شاید میں سفید پھول کے گھر واپس چلا جاؤں۔''

''سوتے کہاں ہو تم؟''

''مسجد کے ساتھ والے میدان میں۔''

''اور بارش میں کیا کرتے ہو'' میں نے احمقانہ سا سوال کیا۔

''بھیگتا رہتا ہوں'' اس نے کہا۔

بے چارہ تسنیم۔ اس کی نئی محبت اور نئی زندگی کی خواہش مٹی میں مل گئی ہے اور وہ ایک بار پھر انہی گلیوں اور اسی زندگی کی طرف لوٹ آیا ہے جن سے بچ نکلنے کے لیے وہ بے تاب تھا۔

''مجھے ملنے آنا پلیز'' میں نے کہا ''تمہیں پتہ ہے نہ میں کہاں رہتی ہوں۔''

اس نے آنے کا وعدہ کر لیا مگر میں جانتی تھی وہ نہیں آئے گا۔ اس نے مجھے پیار کیا اور گلے سے لگا لیا۔ یہ یاد دہانی کرانے کے لیے کہ وہ ہمیشہ میری بہن رہے گا۔ اس کے بعد وہ رکشوں کے درمیان سے بھاگتا، ہاتھ ہلاتا، مسکراتا اور ساتھ ہی روتا ہوا کہیں کھو گیا۔

موٹا عاشق کوٹھے پر آیا

ماہا اور نینا گھر پر نہیں ہیں۔ جو گھر میں باقی ہیں وہ بہت خوش دکھائی دے رہے ہیں۔ موٹے نے نینا کو اپنے ہاں بلایا ہے اور اس وقت وہ اسے ملنے گئی ہے۔ میں گھر میں بیٹھی ان کی واپسی کا انتظار کر رہی ہوں اور گھر میں موجود تمام لوگ میرے ہمراہ بیٹھے ہیں۔ گھر میں دھوبی بھی ہے جو پارٹ ٹائم مالشیئے کا کام بھی کرتا ہے۔ اس کا نام فرخ ہے۔ فرخ ان دنوں ماہا کے گھر کی دیکھ بھال میں ماہا کا ہاتھ بٹاتا ہے، بدلے میں اسے کھانا ملتا ہے۔ اس نے میرے پاؤں کی مالش بھی کی جو خاصی تکلیف دہ تھی۔ نیشا نے یہ دیکھا تو عجیب سا منہ بنا لیا اور کہا کہ میں تو کبھی اس سے مالش نہ کراؤں۔ اس کے علاوہ گھر میں ماسٹر جی بھی موجود ہیں۔ کافی دیر تک سگریٹ کا دھواں اڑانے کے بعد ماسٹر جی اچانک سے اچھل کر کھڑے ہوئے اور کیٹ واک کے انداز میں چل دیے۔ پٹھانی عورت سیڑھیوں سے ہوتی کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ اونچی آواز میں اپنی تقدیر کا رونا روتی آئی ہے، اور سب سے آخر میں میرا تعارف ایک ادھیڑ عمر آدمی سے کرایا گیا۔ اونچی سی گردش میں نیشا نے میرے کان میں کہا کہ یہ ہیرا منڈی کا سب سے بڑا دلال ہے۔ کمرے میں نینا کی نئی شادی اور گھر کے حالات بدلنے کی باتیں گردش کر رہی ہیں۔

مستقبل کی متوقع دلہن اور اس کی ماں ماہا واپس آ گئے ہیں۔ موٹا آج شام یقیناً آنے والا ہے۔ وہ ابھی ابھی لیلیٰ کے گھر میں اس کے ساتھ دو گھنٹے گزار کر آئی ہیں اور واپسی پر موٹا خود انہیں ہیرا منڈی سے نصف میل دور داتا دربار کے ساتھ موجود بابر بیکری تک چھوڑ کر گیا ہے۔ ماہا نے آتے ہی شاپنگ بیگ بستر پر پھینکا۔ اس نے مزاحیہ انداز میں نینا کو اونچی آواز سے کہا ''احمق، ذرا دیکھو اس نے تمہیں کیا دیا ہے'' اس کے بعد ماہا نے شاپنگ بیگ میں موجود چیزوں کی پڑتال شروع کی۔ موٹے نے نینا کو ایک بیکری پر لے جا کر کہا ''تم جو چاہتی ہو خرید لو'' اور یوں اس نے...... ایک لاکھ روپے جیب میں رکھنے والے نے اپنی سخاوت کا اظہار کیا۔

ماہا اپنے کولہوں پر ہاتھ رکھے شاپنگ کو دیکھ رہی ہے۔ وہ اپنی بیٹی پر ناراض ہے۔

''تمہیں پتہ ہے اس احمق نے کیا کیا، اس نے ایک بوتل پیپسی اور لوئیس آنٹی کے لیے تازہ پانی کی دو بوتلوں کا آرڈر دیا اور ایک جیم بھی۔ یہ بے وقوف ایک دولت مند آدمی سے شادی کرنے جا رہی ہے اور اس سے پانی اور 35 روپے کے جیم کی خریداری کروا رہی ہے۔ میری بیٹی کتنی احمق ہے۔''

لیکن ماہا خوش بھی ہے۔ وہ مسکرا رہی ہے اور اپنی بیٹی کو سمجھا رہی ہے کہ اگلی بار جب اس سے ملنا تو مہنگی

چیزوں کا مطالبہ کرتا۔ پورا خاندان خوش لگ رہا ہے۔ صوفیہ مجھے کوئی ایک سو دفعہ پیار کر چکی ہے اور آج تو معتدد بھی اچھے موڈ میں ہے۔

رات پڑتے ہی موٹا آ گیا۔ وہ کوٹھے پر اپنی بڑی سی سفید کار میں آیا جو بالکل نئی لینڈ کروزر گاڑی ہے۔ اس گھر کے کسی بھی فرد نے اپنے مکان کے آس پاس اتنی قیمتی چیز کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔

اس کا نام موٹا اس کی شخصیت کے مطابق ہی لگ رہا ہے۔ وہ ناگوار حد تک بدصورت اور نینا کی جسامت سے تین گنا زیادہ موٹا ہے۔ صرف ایک چیز کے بارے میں نینا اور اس کی ماں کا خیال غلط نکلا اور وہ ہے اس کی عمر، جو کسی بھی طرح 45 سال سے زیادہ نہیں لگتی۔

ہمارا تعارف اس وقت شروع ہوا جب صوفیہ جو دوسرے کمرے میں بند تھی، اٹھلاتی اور ہنستی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو گال پر رکھا اور اسے دباتے ہوئے چلائی:

''موٹا آ گیا، موٹا آ گیا، موٹا، موٹا، موٹا!''

وہ یقیناً بدتمیزی نہیں کر رہی ہے بلکہ اس شخص کا یہی نام اس نے ہمیشہ گھر میں سنا ہے۔ عریبہ نے جلدی سے اسے چوٹی سے پکڑا اور گھسیٹ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ چھوٹی سی صوفیہ کے چہرے پر کرب کے ساتھ گہری حیرت کے آثار نمایاں تھے۔ وہ اس پارٹی میں شامل رہنے کی ضد کرتی رہی۔ جہاں وہ ان بالکل نئے شیشے کے گلاسوں سے پیپسی پینا چاہتی تھی جن کے لیبل بھی ابھی تک چمک رہے ہیں تا کہ مہمان کو لگے کہ اس گھر میں صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان شیشے کے چمکتے گلاسوں کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مہمان کو اس کی اہمیت باور کرائی جائے اور آج کے دن کو اہم دن دکھایا جائے۔ اس ننھی سی بچی کو قطعاً یہ احساس نہ ہوا کہ اس نے کیا گڑبڑ کر دی ہے۔ اگر موٹے نے اس کی حرکت کو نوٹس بھی کیا تو اس نے چہرے کے تاثرات سے اسے ظاہر نہ ہونے دیا۔ غالباً وہ اس تعلق پر اتنا بوکھلایا ہوا ہے یا پھر وہ ان باتوں کی پرواہ ہی نہیں کر رہا ہے۔

نینا بیٹھی بال سنوار رہی ہے تا کہ موٹے کو رجھا سکے۔ اس کے بال کچھ چھدرے مگر سیاہ اور چمکدار ہونے کے ساتھ ساتھ اتنے لمبے ہیں کہ اس کی کمر سے بھی نیچے جاتے ہیں اور اس نے ایک ادا کے ساتھ آدھے بال چہرے پر پھیلا رکھے ہیں۔ ماما جلدی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں سنیکس لینے چلی گئی ہے اور کمرے میں اس وقت میں نینا اور موٹا رہ گئے ہیں۔ غالباً مجھے کنواری کی نگہبانی کے لیے وہاں چھوڑا گیا ہے۔ کمرے میں ناگوار سی خاموشی ہے جبکہ نینا بار بار موٹے کو دیکھے اور بالوں کے ساتھ کھیلے جا رہی ہے۔ موٹا اپنے موبائل کے ساتھ مشغول ہے اور میں اس کی موٹی موٹی انگلیوں کو اس ننھی سی مشین پر مہارت کے ساتھ حرکت کرتے دیکھ کر حیران ہو رہی ہوں۔ ماما کمرے میں واپس آئی تو مجھے کچھ سکون کا سانس نصیب ہوا۔ وہ مذاق کر رہی، قہقہے چھوڑ رہی اور موٹے کی خوشامد کر رہی ہے جو اسے بار بار ماں کہے جا رہا ہے اور بدلے میں وہ بھی کوئل سی

سریلی آواز میں اسے بیٹا بیٹا کہہ رہی ہے۔

ماما اپنا سماجی کردار کمال مہارت سے نبھا رہی ہے۔ دوسری کامیاب طوائفوں کی طرح اس کی بھی تربیت اسی طرح کی گئی ہے کہ وہ سماجی طور پر سرگرم ہوں اور نہ صرف باہر کے مردوں کو لبھا سکیں بلکہ اندر موجود، بلکہ بستر پر موجود مردوں کا بھی دل جیت سکیں۔ ان کی روزی ___ اور بعض دفعہ ان کی زندگی بھی ___ لوگوں کے چہرے پڑھنے اور مزاج سمجھنے کی صلاحیت سے مشروط ہوتی ہے۔ میں اکثر حیران ہوتی ہوں کہ شاید اسی تربیت کا اثر ہے کہ میں جتنی بھی جسم فروشی کرنے والی عورتوں سے ملی ہوں وہ عام عورتوں کے مقابلے میں زیادہ دوستانہ مزاج کی حامل تھیں۔

موٹا زیادہ دیر نہ رکا، اور شاید یہ ٹھیک بھی ہوا کیونکہ شام کو یہاں لوڈشیڈنگ مسائل پیدا کرتی ہے۔ یہ اچھا بھی نہ لگتا کہ ائیر کولر کے بغیر موٹا اندھیرے میں بیٹھا رہتا جبکہ چوہے اپنے روزمرہ معمول کے مطابق اس کے گرد پھدکتے رہتے۔ کچھ چوہے تو اتنے موٹے ہیں کہ ان کے قدموں کی دھمک تک کان میں پڑتی ہے۔

ماما اور نینا موٹے کو کار تک چھوڑنے گئیں۔ میں، دیگر بچے اور ابھی ابھی واپس آنے والے ماسٹر جی بالکنی میں کھڑے موٹے کو اپنی لینڈ کروزر کی طرف جاتے دیکھ رہے ہیں۔ موٹے نے کار ریورس گیئر میں لگائی اور کوڑا کرکٹ سے بھری تنگ گلی میں راستہ بنانے لگا۔ گھر میں موجود ہر شخص ناچ اور ایک دوسرے کو گلے لگا رہا ہے کیونکہ موٹے کی شاندار اور قیمتی گاڑی سے اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ انتہائی دولت مند تگڑا آدمی ہے۔

نینا کا چہرہ چمک رہا ہے اور ماما خود کو فاتح محسوس کر رہی ہے۔ موٹا جلد ہی شادی کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ شادی صرف تین دن کے لیے بھی نہیں کر رہا۔ وہ نینا کو صرف اپنے لیے مخصوص کرنا چاہتا ہے تا کہ جب کبھی وہ لاہور آئے تو اس کے ساتھ رنگین لمحات گزار سکے۔ نینا کو کسی اور شخص کو خوش نہیں کرنا تھا اور اس کی وفاداری کا اسے باقاعدہ صلہ ملتا رہنا ہے۔ ماما نے آہ بھر کر میری اور ماسٹر جی کی طرف دیکھا: ''اب میری زندگی کچھ سکھی ہوگی، ہمارے پاس نیا گھر ہوگا، کرائے کی فکر ہوگی اور نہ بجلی کے بلوں کا جھنجھٹ۔ شاید ہمارے پاس ایک کار بھی ہو۔ میں ابھی بھی تنہا ہوں، عدنان چلا گیا ہے، تو کیا ہوا بھاڑ میں جائے۔ میری بیٹی کا شوہر ایک امیر آدمی بننے والا ہے، مجھ کو اور کیا چاہیے۔''

''ہم جلد ہی شادی کے کپڑے خریدنے جائیں گے'' نینا نے کہا۔ اس کا سر فخر سے اونچا ہے۔ ''گھر کے ہر شخص کے لیے نئے کپڑے آئیں گے۔ لوئیس آنٹی آپ کے لیے بھی نئے کپڑے آئیں گے۔'' میں نے اسے کہا میرے پاس کافی کپڑے موجود ہیں اور مجھے مزید کی ضرورت نہیں ہے۔ نینا نے نرم مگر ضدی لہجے میں جواب دیا ''یہ میری شادی پر میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ ہوگا۔ میں اپنے شوہر کو کہوں گی کہ وہ آپ کے لیے بھی ایک سوٹ خریدے۔ پلیز آنٹی، یہ میری طرف سے تحفہ ہوگا۔''

وہ بالکل میرے ساتھ بیٹھی ہے۔ مجھے توقع تھی کہ وہ اس قسم کی شادی پر خوفزدہ، پریشان اور پچھتاوے کا

شکار ہو گی لیکن وہ قطعاً ایسی نہیں لگ رہی بلکہ وہ بہت خوش ہے۔ وہ چہچہا رہی ہے، شرما بھی رہی ہے اور کچھ بدحواس ہے، اور اس کے پاس کوئی اہم اطلاع بھی ہے جو مجھے بتانے کے لیے بے تاب ہو رہی ہے۔ اس نے میرے کان میں اس طرح خرگوشی کی کہ کوئی اور نہ سن سکے۔

''لوئیس آنٹی، اس نے میرا بوسہ لیا تھا____ وہ نیچے سیڑھیوں پر، جہاں اندھیرا ہے۔ اس نے یوں بوسہ لیا تھا'' وہ میری طرف جھکی اور میری گالوں کو چومتے ہوئے مجھے بتایا کہ کس طرح۔ ''اور ہاں اس نے میرا ہاتھ بھی تھاما تھا، اس طرح'' نینا نے میرا ہاتھ اپنے سینے پر رکھتے ہوئے کہا ''مجھے اپنا دل دے دو''۔ یہ سب سننا کتنا حسین اور دلکش ہے۔ اگر موٹا 45 کی بجائے 15 سال کا ہوتا اور وہ نینا کی قیمت ادا کر کے اس سے شادی نہ کر رہا ہوتا تو یہ منظر انتہائی رومانٹک ہوتا۔ نینا یقیناً متاثر ہے۔ اس نے آدھے گھنٹے میں کم از کم پانچ بار یہ کہانی مجھے دہرا کر سنائی۔ شاید وہ مجھے بار بار یہ کہانی اس لیے سنا رہی ہے کہ کہیں میں پوری طرح سے سمجھ نہیں پا رہی ہوں یا پھر وہ اپنے جذباتی ابال کو دھیما کرنے کے لیے بار بار اس کو دہرا رہی ہے۔ اس کے باوجود میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے کے تاثرات سے اب بھی کچھ شکوک و شبہات ٹپک رہے ہیں جو اس کی خوشی کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں۔ اس کی ماں موٹے کی امارات اور شان و شوکت پر ابھی تک اپنی تقریر جاری رکھے ہوئے ہے۔ نینا ایک لمحے کے لیے اداس ہو گئی اور میری طرف جھکتے ہوئے اس نے کہا، انتہائی مہین سرگوشی میں ''اس کی آنکھیں بہت چھوٹی ہیں۔''

حیرت کی بات یہ ہے کہ موٹے کی بیوی بھی خوش ہے اور موٹے کے ہیرا منڈی کے دورے کے ایک دن بعد ہی اس کا ٹیلی فون آ گیا۔ اس نے نینا سے بات کی۔ دونوں کافی دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ موٹے کی بیوی نے نینا سے پوچھا کہ وہ کیسا محسوس کر رہی ہے۔ نینا نے اسے جواب دیا کہ وہ ٹھیک ہے بس تھوڑی سی نروس ہے۔ بیوی نے اسے کہا کہ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس نے کہا کہ موٹا اچھا آدمی ہے اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔ نینا نے موٹے کی بیوی سے اس کے بچوں کی خیریت بھی دریافت کی اور یہ جان کر خوش ہوئی کہ وہ ٹھیک ہیں۔ ماما میرے ساتھ ہی بیٹھی ہے اور فون سن کر سر ہلا رہی ہے۔ مجھے ان کی باتوں سے کسی قسم کی جلن کی بو نہیں آئی بلکہ وہ نارمل انداز سے باتیں کر رہی ہیں۔ موٹے عاشق کی بیوی اور اس کی کم سن معشوقہ کے درمیان حسد کا شائبہ بھی کہیں نہیں۔

''موٹے کی بیوی ناراض کیوں نہیں ہوئی؟'' میں نے پوچھا ''اور وہ کیوں نینا سے بات کرنا چاہ رہی ہے اور اس سے دوستی کرنا چاہتی ہے۔''

''دیکھو لوئیس! موٹا ایک دولت مند آدمی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ اس کی بیوی اسے خوش رکھے گی تو اس میں اسی کی بھلائی ہے ورنہ وہ اسے طلاق دے دے گا، اور اگر موٹا خوش رہے گا تو اس کی زندگی بھی سکھی رہے گی، اور موٹا خوش رہا تو ہم سب بھی خوش و خرم زندگی گزار سکیں گے'' ماما نے تفصیل سے میرے

سوال کا جواب دیا۔

موٹا اپنی بیوی سے خوش ہے اور اس کی نئی معشوقہ نے اس کے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد موٹے کا فون آیا اور اس نے نینا سے کافی دیر تک باتیں کی۔ اگرچہ وہ پُرسکون رہنے کی کوشش کر رہی ہے مگر کبھی کبھی پُرجوش ہو جاتی ہے۔ وہ موٹے سے باتیں بھی کر رہی ہے اور اپنی ماں کی گود میں سر رکھے اپنی پلکیں بھی سیدھی کرا رہی ہے۔ ماما نے نینا کی بھنوؤں کے گرد جلد کو اتنا کھینچ رکھا ہے کہ وہ حرکت بھی نہیں کر پا رہی۔ اگرچہ نینا تکلیف دہ پوزیشن میں ہے اور درد سے اس کے چہرے پر اذیت کے آثار ہیں مگر اس کے باوجود بھی وہ خوبصورت لگ رہی ہے۔ دو چھوٹے سے چوہے مالک مکان کے فرنیچر کے کمرے سے جھانک کر بیوٹی ٹریٹمنٹ ہوتے دیکھ رہے ہیں۔

ورغلانے کا سبق

موٹے کی آمد سے چند روز بعد نینا کو ترغیب دلانے کے لیے کچھ اور پٹیاں پڑھائی جا رہی ہیں۔ نینا اپنے روٹین کی ریاضت کر رہی ہے جبکہ ماما اسے کچھ اور سٹیپ سکھا رہی ہے یا پھر پہلے سے ریاضت کیے گئے رقص کے گُر میں زیادہ لچک پیدا کرنے کے حوالے سے اس کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ ''تھوڑا سا اور جھکو اور ہاں اپنے ہاتھ کو یوں حرکت دو'' ماما خود بھی رقص کر کے اسے سکھا رہی ہے۔ پھر ماما نے نینا کو بتایا کہ رقص کے دوران کس طرح چہرے پر ہاتھ رکھ کر انگلیوں کے درمیان سے تماش بین کو دیکھنا ہے۔ وہ اسے یہ بھی گُر سکھا رہی ہے کہ سینے کے ابھاروں کے درمیان والی جگہ تماش بینوں کو ایسے دکھانی ہے جیسے حادثاتی طور پر وہ نظر آ رہی ہو۔ دراصل ماما نینا کو زیادہ ترغیب آور اور مردوں کو ورغلانے کے حوالے سے سکھا رہی ہے۔ مغربی ملکوں میں یہ نظر بازی، آنکھوں میں براہِ راست جھانکنا، سینے کو ہلانا اور کولہوں کو مٹکانا جنسی رغبت بڑھانے کے لیے بے سود تصور ہوتے ہیں۔

''ماسٹر جی اسے یہ سبق نہیں سکھا سکتے'' ماما نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ماما اپنی بیٹی کو فرش پر پڑے دیکھ رہی ہے جو جنسی کشش کا شاہکار لگ رہی ہے۔ ماما نے مطمئن انداز میں کہا ''موٹا تو دل کے دورے سے مر جائے گا۔''

نیشا بھی اب ڈانس کرنا چاہتی ہے۔ اس نے وہ لباس پہنا جو نینا کے بقول اس کا ہے۔ دونوں لڑکیاں کچھ دیر کے لیے پھر جھگڑنے لگیں۔ اب نیشا نے اپنے بے ڈھنگے رقص کا مظاہرہ شروع کیا جسے نینا تنک مزاجی سے دیکھ رہی ہے۔ ''یہ میرا گانا ہے'' نینا نے اعلان کیا ''تم اس پر کیوں ناچ رہی ہو۔'' ماما نے نینا کو ڈانٹا اور اسے کہا کہ احمق نہ بنو۔

''تم سب مجھ سے جلتی ہو کیونکہ میری ایک امیر بندے سے شادی ہو رہی ہے'' اس نے کہا اور جوتیاں

پٹخاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ دوسرے کمرے میں جا کر وہ بیڈ روم کے کمرے کے کونے میں پڑے بستر پر دوہری ہو کے سو گئی۔ عریبہ نے بتایا کہ وہ رو رہی ہے۔ میں نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ بستر کے کونے میں بال بنی پڑی رہی اور مجھ سے بات کرنے سے انکار کر دیا۔

ناخوشگوار ماحول کو صوفیہ نے زندہ دل خوشگوار صورت دے دی۔ وہ اپنی بڑی بہن کی طرح رقص کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اگرچہ صوفیہ کی عمر فقط تین سال ہے مگر وہ اب بھی کمال کی ڈانسر ہے۔ وہ ماہر رقاصہ کی طرح ناچتی ہے۔ وہ اسی طرح کمر گھماتی ہے، ہاتھ ہلاتی ہے، انگلیوں کے درمیان سے جھانکتی ہے اور اس گانے کی دھن پر اپنے ہونٹ بھی ہلا رہی ہے جس میں محبوب کی بے وفائی اور دل کے ٹوٹنے کا ذکر ہے۔

اس کی شاندار پرفارمنس پر ہر شخص کی باچھیں کھلی ہیں۔ وہ قہقہے لگا رہے ہیں، حوصلہ افزائی کر رہے ہیں اور چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں ''بنڈ ہلاؤ، بنڈ ہلاؤ''۔ صوفیہ کمال مہارت کے ساتھ اپنے کولہوں کو گول گول گھما رہی ہے۔ اگر وہ اسی طرح آگے بڑھتی رہی اور اپنے سٹائل کو قائم رکھا تو اس میں یقیناً ہیرا منڈی کی قدیم کلاسیکی رقاصہ بننے کے جراثیم موجود ہیں۔

کالا جادو

ماہا اپنی ماں کے گھر گئی ہے۔ وہ کسی اونچی جگہ پر کھڑی ہے اور اِدھر اُدھر گھوم رہی ہے۔ اسے بولنے میں ہچکچاہٹ ہو رہی ہے۔ اس کی بہن بھی ہسپتال سے واپس آ چکی ہے۔ اسے ہائی بلڈ پریشر کا مرض تھا جس کی وجہ سے اسے ہسپتال لے جایا گیا تھا۔ ماہا کی مردہ بہن کا شوہر اس کے ساتھ بیٹھا ہے۔ اس کی مردہ بہن کے شوہر اور بیمار بہن کے درمیان اس دن سے ناجائز تعلقات ہیں جب سے فوزیہ کی زچگی کے دوران موت ہوئی ہے۔ ماہا نے اس تعلق کو کبھی نہیں مانا۔ وہ انہیں شادی کی اجازت اس لیے نہیں دیتی کہ اس کے نزدیک یہ اس کی پیاری بہن کی روح کے ساتھ دھوکہ کرنے کے مترادف ہے۔ یہ آدمی ہیرے کی دکان پر کام کرتا ہے اور میری انگوٹھی کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اگرچہ اس نے کوئی تبصرہ تو نہیں کیا مگر میری انگوٹھی دیکھ کر اظہار ناپسندیدگی اس کے چہرے سے عیاں ہے۔

ماہا کی سوتیلی ماں بھی وہاں موجود ہے۔ اس نے ہماری طرف پیٹھ کی ہوئی ہے۔ وہ غصے سے تھر تھر کانپ رہی ہے اور میں اس کے جسم کی تھرتھراہٹ سے اس میں موجود غصے کو محسوس کر سکتی ہوں۔ یہ لوگ نینا کے بارے میں بات کر رہے ہیں کہ اس کا کیا کرنا ہے۔ اس کو کیا لندن بھیجنا چاہیے یا دوبئی؟ یا پھر وہ یہیں لاہور میں رہے اور موٹے سے شادی کر لے؟ کسی کی بھی کوئی حتمی رائے نہیں بن رہی اور رائے میں اختلاف ابھر کر سامنے آ رہا ہے۔ ماہا کی بھی کسی بات پر کوئی مستند رائے ابھر کر سامنے نہیں آئی۔ میں اس کو کوشش کر کے واپس گھر لے آئی تا کہ وہ اپنے بستر پر دراز ہو سکے۔ جب میں ماہا کو سہارا دیتے ہوئے گھر سے نکلی تو اس کی ماں

ہمیں نفرت سے گھور رہی تھی۔ اس نے انکار میں سر ہلا کر منہ دوسری طرف کیا اور ایک اور سگریٹ جلا لیا۔

میں ماہا سے اکتا چکی ہوں اور اب ماہا کے کالے جادو پر یقین کو برداشت کرنا میرے لیے ناممکن ہو رہا ہے۔ اس شام نیشا نے بڑے جوش و خروش سے رقص کیا مگر پرفارمنس اتنی شاندار نہ تھی۔ میں، ماہا، بچے، ماسٹر جی اور ماہا کی ایک کزن بیٹھے ناچ دیکھ رہے ہیں اور جب وہ پیچھے کی طرف جھکی ہم سب نے زور سے تالیاں بجائیں۔ پھر وہ آگے کی طرف جھکی، ہم تالیاں بجاتے رہے۔ نیشا آگے کو جھکتے جھکتے، غیر متوازن ہوئی اور لڑکھڑا کر چیخ مارتے ہوئے زمین پر گر پڑی۔ پورا گھر اس کے گرد جمع ہو گیا۔ ماہا نے نیشا کو اپنی گود میں لیا اور اسے چومنے لگی۔

''اس کا جسم تپ رہا ہے'' میں نے کہا اور بھاگ کر فریج سے پانی کی ایک بوتل اٹھا لائی۔

ائیر کولر ابھی تک چلایا نہیں گیا حالانکہ شام گرم اور حبس آلود ہے۔

''یہ گرمی کی وجہ سے نہیں ہوا۔ یہ کالے جادو کی وجہ سے ہوا جو اس کمینی نے کیا ہے'' ماہا چیخ رہی ہے۔ وہ اپنی ماں کے گھر کی طرف رخ کر کے اونچی آواز میں بول رہی ہے۔

''وہ جلتی ہے'' جلنے سے اس کا مطلب ہے کہ نینا کی امیر آدمی سے شادی اور اس کی کمائی سے جلنا ہے۔

میں نے کہا کہ نیشا اس لیے بے ہوش ہو گئی ہے کہ ایک تو وہ کمزور ہے اور دوسرا ناچتے ہوئے اس میں پانی کی کمی ہو گئی ہے۔ لیکن میری تشریح سے کوئی ایک بھی شخص متفق نہ ہوا۔ میری معلومات کی درستی کے لیے پورا گھر مجھ پر چڑھ دوڑا، ماہا، اس کی کزن اور ماسٹر جی نے مجھے بتایا کہ یہ بیماری نہیں جادو ہے۔ نیشا بھی کالے جادو کی منطق سے پوری طرح متفق ہے اور کہہ رہی ہے کہ صبح گھر میں کالے کپڑوں میں ملبوس ایک آدمی آیا تھا جس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا کہا تھا۔

میں یہ سن کر ایسی زچ آئی کہ میرا دل کہ اٹھا کہہ اگر کالے کپڑوں میں ملبوس وہ آدمی مجھے ساتھ چلنے کا کہے تو میں چل پڑوں تا کہ اس خرافات سے میری جان چھوٹے۔ نیشا چلائے جا رہی ہے اور ائیر کولر ابھی تک نہیں چلایا گیا ہے۔ دوسری طرف ماہا کا تماشا بھی لگا ہے جو ان کالے جادوؤں کا رونا رو رہی ہے جو اس کے گھر پر اکثر کیے جاتے ہیں۔ میں وہاں سے کھسک گئی اور سوچا کہ اب نہیں جاؤں گی۔

دلہن

لیکن پھر میرا غصہ کم ہو گیا اور میں نے ماہا کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ میں نے روشنائی گیٹ کے باہر کھڑے ریڑھی والے سے سٹوں کا ایک بڑا شاپر بھر کر لیا جو وہ کالے نمک سے بھونتا ہے۔ بھوننے کے بعد نمک مرچ اور لیموں کے ذریعے وہ انہیں مزیدار بناتا ہے۔ میں نے درجن بھر سٹے شاپر میں لیے اور چل پڑی۔ ان کی خوشبو اشتہا انگیز ہے۔

سرخ آنکھوں کے ساتھ موجود نینا نے دروازہ کھولا اور روتے ہوئے مجھے کہا ''لوئیس آنٹی، آج رات میری شادی ہے۔''

میں نے اسے گلے لگایا اور اس سے پوچھا کہ وہ خوش ہے ناں۔ اس نے سر ہلایا اور کہا۔

''ہاں میں خوش ہوں کیونکہ میرا خاندان خوش ہے۔''

ماہا کے گھر کے بہترین کمرے میں کچھ لوگ موجود ہیں۔ میں نے پوچھا ان میں موٹا کونسا ہے، خوش قسمت دولہا۔

''ان میں موٹا نہیں ہے۔ میں اس سے شادی نہیں کر رہی۔ میں شیخ خاسب سے شادی کر رہی ہوں اور دوبئی جا رہی ہوں'' اس نے سسکی بھری۔

میں ماہا اور نینا کو لے کر دوسرے کمرے میں گئی۔ نینا رو رہی ہے اور صاف لگ رہا ہے کہ شادی پر وہ زیادہ خوش نہیں ہے۔

''یہ ابھی بچی ہے'' میں نے دلیل دی ''اور یہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''

ماہا نے بیس ہزار روپے کے نوٹ لپیٹ کر ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہیں۔ یہ ان ڈیڑھ لاکھ روپے کی پیشگی ہے جو نینا جسم بیچنے کی صورت میں وصول کرنے والی ہے۔

''میں یہ پیسے دلال کو واپس دے دوں گی'' ماہا نے کہا۔

''نہیں ماں، میں جانا چاہتی ہوں، میں لازمی جاؤں گی۔ تب ہی ہمارے پاس کچھ پیسے آ سکیں گے۔''

اس موقع کے لیے میں قطعاً خود کو تیار نہ کر پائی۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میں کتنی دیر تک اس فیصلے کی مخالفت کر سکوں گی۔ میں یہاں ہیرا منڈی کی زندگی کو ریکارڈ کرنے آئی ہوں اس میں مداخلت کرنے کے لیے نہیں۔ ہیرا منڈی کے عام سماجی ضابطوں کے مطابق نینا کچھ ہٹ کر نہیں کر رہی ہے۔ محلے کے معیار کے مطابق وہ اب بچی نہیں رہی ہے۔ وہ ''شادی'' اور کنجری بننے کے قابل ہو چکی ہے۔ فکری طور پر اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے باوجود میرے اندر کی بے چینی کم نہیں ہو رہی۔ میں ان لوگوں کی زندگیوں میں اس حد تک داخل ہو چکی ہوں یہ مجھے پتہ نہ چلا۔ میں تحقیق کار ہوں اور مجھے اپنا کام کرنا چاہئے۔ لیکن اب میں ایک غیر جانبدار مشاہدہ کار کی بجائے ان کی دنیا کا حصہ بن چکی ہوں۔

میں اس صورت حال سے فرار حاصل نہیں کر سکتی۔ میرا ضمیر اس کی اجازت نہیں دیتا لیکن میں یہاں رک کر یہ سب دیکھ بھی نہیں سکتی۔ عجیب الجھن میں ہوں۔

میں دوبئی جانے سے اسے روک سکتی ہوں، تماشا کھڑا کر سکتی ہوں لیکن اگر آج میں دوبئی کی اس کی یہ شادی روکنے کے لیے مخالفت کر بھی دوں تو آخر کتنی دیر تک...... یقیناً میں تھوڑی دیر کے لیے ہی یہ ملتوی کرا

سکتی ہوں۔ اگر میں پولیس کو اطلاع کرتی ہوں تو اس سے بھی نینا محفوظ نہیں ہو گی بلکہ ہو سکتا ہے تھانے میں ہی اس کی دوشیزگی مجروح ہو جائے۔ اگر میں کسی ادارے سے بات کروں تو وہ اسے اس گھر سے دور لے جائیں گے جسے نینا بہت پیار کرتی ہے اور اسے کسی یتیم خانے یا پناہ گاہ میں دے آئیں گے اور اس کے بعد بھی اس کے محفوظ مستقبل کی کوئی ضمانت نہیں کیونکہ پاکستان میں شادی ہی وہ واحد حل ہے جو اس طبقے کی عورت کو محفوظ کر سکتا ہے اور جو یتیم خانے اور دارالامان اس ملک میں موجود ہیں ان کا ماحول اور صفائی کی صورت حال یہ ہے کہ وہ دارالامان کم اور بندی خانے زیادہ لگتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ نینا کے لیے سب سے بہتر کیا ہے اور ماہا کے لیے بھی ___ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس بچی کے تحفظ کے لیے ایسا کیا کروں جو اس کی ماں اور میری بہترین دوست سے غداری بھی محسوس نہ ہو۔

بہترین کمرے میں موجود لوگ بھڑوے، دلال یا ایجنٹ ہیں۔ بڑا دلال ایک عورت ہے۔ اس کے ساتھ ایک محافظ قسم کا ایک مرد بھی ہے۔ اس نے ہم لوگوں کو باہر بلایا اور بتایا کہ ہمیں سب کچھ جلدی جلدی کرنا ہوگا۔ ہمیں دو گھنٹے کے اندر اندر سے یہاں نکلنا ہے اور اس سے قبل شاپنگ بھی کرنی ہے۔

''لیلیٰ کو فون کرو، موٹے سے بات کرو'' میں نے تجویز دی ''شاید اس کی یہیں شادی کی کوئی راہ نکل آئے۔''

ماہا نے نفی میں گردن ہلائی ''موٹے نے کئی دن ہوئے فون کرنا بھی بند کر دیا ہے۔ اس کی نینا میں دلچسپی نہیں ہے۔''

دلال عورت نے میرے ہاتھ پکڑا۔ وہ شستہ انگریزی میں مجھے کہنے لگی کہ وہ پاکستانی ہے۔ دوبئی میں پلی بڑھی ہے اور اس کا خاندان اب بھی یہاں ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ میں ماہا کو پُرسکون رکھنے میں اس کی مدد کروں۔

اس نے کہا ''مجھے معلوم ہے کہ ماں پریشان ہے، مگر فکر کرنے والی کوئی بات نہیں۔ وہ صرف ایک مرد کے لیے جا رہی ہے۔ شیخ خاسب کے لیے۔ کوئی اور شخص اسے چھوئے گا بھی نہیں۔'' اس کے نزدیک یہ بات ہمیں کچھ سکون دے گی۔ یہ عورت دراصل مجھے بھی دلال ہی سمجھ رہی ہے۔ اس کو یقین ہے کہ میں یہاں سے لڑکیوں کو انگلینڈ لے جاتی ہوں۔ وہ مجھ سے خالص کاروباری زبان میں یوں بات کر رہی تھی جیسے دو بزنس مین کاروبار کے حوالے سے کرتے ہیں۔ اس نے کہا۔

''تم تو شیخ خاسب کو جانتی ہو گی...... جانتی ہو ناں؟''

ہاں! میں نے اسے کہا میں اسے جانتی ہوں وہ شاہی خاندان کے قریبی لوگوں میں ہے اور گلف ریاستوں کے طاقتور ترین لوگوں میں سے ایک ہے۔

دلال نے باقی معلومات دینا یوں شروع کیں ''اسے کنواری لڑکیاں پسند ہیں...... صرف جنسی رغبت

کے سبب نہیں ___ کیونکہ اس کام کے لیے دنیا بھر میں اس کی کئی گرل فرینڈز موجود ہیں ___ بلکہ وہ کنوارہ پن کو توڑنا پسند کرتا ہے اور یہ صرف چند منٹوں کا کام ہے۔ ایسی لڑکیاں دنیا بھر سے اس کے پاس لائی جاتی ہیں۔ بھارت سے، پاکستان سے اور ایران سے...... وہ تو ان لڑکیوں کی اکثریت کے کپڑے بھی نہیں اتارتا۔ بس یوں سمجھ لیں کہ یہ اس کی عادت ہے۔ اسے کسی نے بتایا ہے کہ کنواری لڑکیوں کے ساتھ سیکس کرنے سے آدمی ہمہ دم جوان رہتا ہے۔

میں یہ بے ہودہ مقولہ پہلے بھی کئی بار سن چکی ہوں۔ مجھے یہ سب سن کر ایسا لگا جیسے نیناوٹامن کی کوئی گولی ہو۔

سفر کے انتظامات کے حوالے سے میں نے اس سے کچھ سوال بھی پوچھے۔

''پاسپورٹ، ویزا اور نیا شناختی کارڈ بالکل تیار ہیں'' اس نے کاغذات مجھے پکڑائے۔ وہ کافی حد تک درست لگ رہے ہیں ''اگر ان کے ساتھ وہاں جا کر کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو یہ میرا مسئلہ ہے۔ میں نے یہ دھندا کرنا ہے اور مجھے اپنی شہرت تو خراب نہیں کرنی۔ یہ پہلی بار نہیں ہے کہ ہم کسی لڑکی کو یہاں سے بھیج رہے ہیں اور نہ ہی یہ آخری بار ہے۔ میں ہیرا منڈی سے پہلے بھی دس لڑکیوں کو لے کر گئی ہوں اور میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ یہ بہت آسان ہے۔ اس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ گلف میں میری بہن اسے لے گی اور وہاں میرے گھر میں قیام کرے گی۔ کل رات اسے شیخ خاسب کے پاس بھیجا جائے گا اور اس سے اگلے دن یہ واپس گھر آجائے گی۔''

یہ عورت اس مضبوط نیٹ ورک کا حصہ ہے جو عرب مردوں کو عورتیں سپلائی کرتا ہے۔ اس کی شہرت کا دار و مدار خوبصورت عورتوں کی سپلائی کی بھڑواگیری کرنا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ اس کے گاہک کیا چیز مانگتے ہیں:

''اس کا لباس عمدہ ہونا چاہئے، ایسا لباس جو خط و خال اور جسمانی نقوش کو ابھارے، شیخ کو عورتوں کے نقوش دیکھنا بہت پسند ہے۔ کشیدہ کاری والے اور شوخ کپڑے اسے پسند نہیں۔ وہ ان کو ایک نظر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ بس کوئی انتہائی سادہ کپڑے مگر سیکسی ویری سیکسی۔''

ماہا نے پیسے ابھی تک ہاتھ میں پکڑ رکھے ہیں۔ اس ایڈوانس میں سے کچھ پیسوں سے وہ سیکسی لباس خریدا جانا ہے جو شیخ کو بہت پسند ہے۔ ماہا نے کہا کہ وہ لباس وغیرہ اور دیگر چیزیں خرید کر ڈیڑھ گھنٹے میں واپس آجائے گی۔ ایجنٹ نے بتایا کہ وہ دو گھنٹے بعد جہاز کی ٹکٹیں لے کر یہاں موجود ہوگی اور ہم فی الفور ائیر پورٹ کی طرف چل پڑیں گے۔

میں شیخ خاسب کو بھا جانے والے سیکسی لباس کی خریداری میں ساتھ دینے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی اس لیے ماہا اور نینا میرے بغیر ہی شاپنگ کے لیے نکل کھڑی ہوئیں۔ بابر مارکیٹ سے وہ شاپنگ کے کئی تھیلوں سمیت واپس آئیں۔ سفر کے لیے نینا نے ایک نیا سوٹ کیس بھی خریدا ہے۔ اس نے نقلی سونے اور

ہیرے کی بالیاں بھی لیں۔ وہ شیمپو کی کئی چھوٹی تھیلیاں اور چہرے کے بالوں کو چھپانے کے لیے بلیچ کریم بھی لائی ہے اور نیا لباس بھی ___ ایسا لباس جو شیخ کو قطعاً پسند نہیں آئے گا۔ دلال کی ہدایات کو لباس خریدتے ہوئے ان لوگوں نے یکسر فراموش کر دیا ہے۔ لباس انتہائی کشادہ اور کسی عورت کا لگ رہا ہے وہ یقیناً نینا ایسی کم سن لڑکی کے سائز کا نہیں ہے۔ لباس سادہ بھی نہیں ہے۔ یہ سیاہ رنگ کا ہے جس پر چاندی کے تاروں سے کشیدہ کاری اور شیشے کا کام کیا گیا ہے۔ جوتے لباس سے بھی برے ہیں۔ چاندی کی چمکتی پٹیوں کے ساتھ تین انچ کا تلا اور 6 انچ کی ہیل۔ یہ لباس تو بے چاری لڑکی کا پارٹی ڈریس لگ رہا ہے۔ ایجنٹ نے لباس دیکھا تو اپنا سر پیٹ لیا اور کہا خیر میں دوبئ میں کسی درزی کو دے کر لباس صحیح کرا لوں گی۔ ماہا اور نیشا گھر میں موجود تمام جوڑے لے آئیں کہ شاید ان میں کوئی ایک ایسا ہو جو محل کے شایانِ شان نکل آئے۔ مگر یہ تمام جوڑے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ایک ہی طرح کے تھے، یا تو دن کے گھریلو لباس یا پھر پارٹی ڈریسز جو سستے پولیسٹر سے بنے تھے۔ خیر چند کپڑے سوٹ کیس میں یہ سوچ کر ٹھونس دیے گئے کہ کام آجائیں گے۔

سفر کے لیے بھی نینا ایک نیا جوڑا لائی ہے۔ یہ کالے رنگ کی قمیض اور دھاری دار دوپٹے پر مشتمل کاٹن کا لباس ہے جس کے گلے کے گرد کڑھائی کی گئی ہے۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہی ہے۔ اس نے لپ اسٹک اور آئی لائنر بھی آج ہلکے رنگوں میں لگائے ہیں۔ ''انہیں ہلکا رکھنا'' ایجنٹ نے یاد دلایا۔ سفر کے دوران نینا کو طوائفوں کے شوخ رنگوں میں لوگوں کی مشغولیت کا سامان نہیں بننا تھا۔

''کیا جہاز پر میں اکیلی مسافر ہونگی'' نینا نے پوچھا۔

نیشا، عریبہ اور صوفیہ ہمارے ساتھ ائیر پورٹ کے لیے نہیں گئے۔ نیشا خوفناک حد تک تنگ کرنے والی لڑکی میں ڈھل گئی ہے۔ وہ عجیب و غریب حرکتیں کرتی دوسرے کمرے میں پاگلوں کی طرح گھوم رہی ہے۔ دلال عورت کے ساتھ آنے والے مرد نے نینا کا بیگ اٹھا لیا۔ نینا اور نیشا ایک دوسرے کو کافی دیر دیکھتی رہیں اور پھر گلے لگ گئیں۔ نیشا رو رہی ہے اور اس کے لاغر بازوؤں نے نینا کو جکڑا ہوا ہے۔ وہ اپنی چھوٹی بہن کو نہ جانے دینے کی ضد کیے ہوئے ہے۔ عورت کے ساتھ موجود مرد نے زبردستی ایک دوسرے کو الگ کیا۔ جب ہم سیڑھیوں سے نیچے اتر رہے ہیں تو کانوں میں نیشا کی آوازیں آ رہی ہیں جو نینا کے لیے ہسٹریائی انداز میں چیخ رہی ہے۔ عریبہ اور صوفیہ بالکنی میں کھڑی نینا کو خدا حافظ کہہ رہی ہیں اور ہمیں رخصت کرنے والوں کا ایک مجمع ٹیکسی کے گرد جمع ہے۔

کار کی پچھلی سیٹ پر نینا میرے اور ماہا کے درمیان بیٹھی ہے۔ دلال عورت کار کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہے جبکہ اس کے ساتھ والا مرد پیچھے موٹر سائیکل پر آ رہا ہے جبکہ معتذر اس کے ساتھ ٹیکسی پر بیٹھا ہے۔ نینا نے اپنا سر ماں کے کاندھے پر ٹکا رکھا ہے۔ وہ اگرچہ آواز نکال کے نہیں رو رہی مگر آنسو اس کی آنکھوں سے مسلسل بہہ کر آئی لائنر کو اس کی گال پر پھیلا رہے ہیں۔ ماہا ایک ایک آنسو کو پونچھے اور اپنی بیٹی کے بالوں کو چومے جا

رہی ہے۔ دونوں میں سے کوئی بھی اس شادی پر دل سے رضامند نہیں..... مگر پیسے اور شیخ خاسب کی دلہن بننے کی عزت کی خاطر..... وہ یہ سب کرنے پر مجبور ہیں۔

میں گاڑی کی سمت کے حوالے سے پریشان ہوں جو ایئر پورٹ کی طرف نہیں ہے۔ ہم ایک قریبی اور غریب سے علاقے میں رکے۔ دلال نے بتایا کہ نینا کا ڈاکٹر سے میڈیکل چیک اپ کرانا ہے۔

ہم جہاں سے گزرے وہاں قریب ایک دیوار پر کچھ عورتیں موجود ہیں۔ ان کی باڈی لینگویج اور آنکھوں میں سیدھا دیکھنے سے میں نے سوچا کہ یقیناً یہ عورتیں طوائفیں ہیں۔

ماہا ان کو کوس رہی اور بڑبڑا کر گالیاں دے رہی ہے "ایسی بے عزتی۔ یہ بھین چود عورت۔"

میں نے اس سے پوچھا بھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے مگر ماہا اتنے غصے میں ہے کہ اس نے جواب نہ دیا۔ ایک سیاہ سی عمارت کے سیاہ تر کمرے میں ڈاکٹر نے سرجری روم کے نام سے ایک چیز بنا رکھی ہے۔ اس کمرے کی حالت دیکھ کر کہیں سے بھی یہ نہیں لگتا کہ یہ کسی ڈاکٹر کا کمرہ ہے۔ کمرے میں ایک گندی سی چٹائی، کچھ بوتلوں میں موجود مائع، کچھ سرنجیں اور کچھ دیگر اشیا موجود ہیں۔ اس سرجری روم کو دیکھ کر تو مجھے ڈاکٹر قاضی کا ہسپتال دنیا کا جدید ترین ہسپتال محسوس ہونے لگا ہے۔ وہاں موجود ڈاکٹر ایک خاتون ہے جس کی عمر کوئی 35 سال ہو گی اور جس کا پیٹ حاملہ ہونے کی وجہ سے غبارے کی طرح پھولا ہوا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس نے نینا کا اندرونی کمرے میں جائزہ لینا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔

نینا بوکھلائی ہوئی ہے مگر دلال اسے پیار سے دلاسے دے رہی ہے اور اسے نیچے لیٹنے کا کہہ رہی ہے۔ وہ چوہے کی طرح چیکاریاں بھر رہی ہے اور رو رہی ہے اور اپنی ماں کے بازو کو زور سے تھام رکھا ہے۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ شیخ کو نینا مشکل سے دوچار کر سکتی ہے کیونکہ یہ بہت چھوٹی ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ لڑکی بالکل دوشیزہ اور اَن چھوئی ہے۔

دلال عورت نے وضاحت پیش کرنے والے انداز میں کہا "ہمیں یہ کرنا پڑتا ہے۔ اس سے ہم بھی محفوظ رہتے ہیں اور لڑکی بھی۔ ہم یوں ہی بلا تصدیق لڑکیوں کو دوبئی نہیں لے جاتے کہ وہاں سے گاہکوں کی یہ شکایتیں آنا شروع ہو جائیں کہ لڑکی دوشیزہ نہیں ہے۔"

یہ ڈاکٹر ایک دائی ہے۔ ایک روایتی مڈوائف جو دھندا کرنے والی عورتوں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ وہ حمل گرانے اور ذہنی بیمار گاہکوں کے لیے دوشیزگی کی تصدیق بھی کرنے والی ہے۔

اس نے ایک سرنج میں ایک دوائی بھری اور وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ نینا کو کوئی مسئلہ ہے جس کا علاج ضروری ہے۔

میں نے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے۔

"اس کی اندامِ نہانی بہت گیلی ہے۔ شاید یہ بہت زیادہ گوشت اور گرم غذائیں کھاتی ہے۔"

یہ مجھے عجیب بے ہودہ بات لگی۔ میں نے ماہا سے کہا یہ سب کیا ہے۔

"وہ کمزور ہے، اور بہت زیادہ پانی ہے" اس نے دائی کی بات ہی دہرا دی جیسے میں اردو نہیں سمجھ سکتی۔ جو چیز میں سمجھنا چاہتی تھی وہ نینا کی طبی حالت ہے۔

"لوئیس" ماہا نے دہرایا "وہ کمزور ہے۔"

"پاکستانی غذائیں ہی ایسی ہیں" دلال عورت نے اضافہ کیا۔

ایک بار تو مجھے خیال آیا کہ یہ اچھا ہے۔ اگر وہ بیمار ہے تو اسے دوبئی نہیں جانا پڑے گا۔ دائی نے نینا کے چوتڑوں پر ایک انجکشن لگایا۔ انجکشن میں اس نے ایک شیشی سے کوئی محلول استعمال کیا۔ ایسی کئی شیشیاں وہاں پڑی ہیں۔ غالباً کافی لڑکیوں کو یہاں ان مسائل کا سامنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد دائی نے ایک کاغذ پر تھوڑا سا سفید پاؤڈر چھڑک کر نینا کو دیا اور اسے کھانے کا کہا۔ یقیناً اس کا ذائقہ اچھا نہیں تھا کیونکہ نینا اسے کھا کر برے برے منہ بنا رہی ہے۔ دائی نے ایک اور کاغذ کا ٹکڑا لیا اس پر اتنی ہی مقدار میں پھر پاؤڈر چھڑکا اور اسے لپیٹ دیا۔ نینا نے اس سفوف کو آدھا آج رات اور آدھا صبح نگلنا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ یہ کھانے کے بعد اسے اچھا اچھا محسوس ہوگا۔ دائی ٹھیک ہی تھی___ کیونکہ اب نینا نہیں رو رہی ہے۔

ایئر پورٹ حسبِ معمول مصروف ہے۔ سینکڑوں لوگ داخلی دروازوں پر جمع ہیں اور مسافر ریڑھیوں پر بیگوں کے بیگ رکھے ایک دوسرے سے پہلے اندر جانے کے لیے جھگڑ رہے ہیں۔ ٹکٹ کے بغیر کوئی شخص اندر نہیں جا سکتا اس لیے ہم باہر ہی رکنے پر مجبور تھے۔ ہم ایک مشروبات کے سٹال پر جا رکے۔ دلال نینا کو ایک بار پھر یاد دہانی کرا رہی ہے کہ اسے کیا کہنا ہے۔ وہ اسے بتا رہی ہے کہ یہ اس کے شوہر کا نام ہے اور دوبئی جانے کی وجوہات کیا ہیں۔

نینا نے کہنا تھا کہ وہ 18 سال کی ہے اور چند مہینے قبل ہی اس کی شادی ہوئی ہے۔ اس کا شوہر دوبئی میں کام کرتا ہے اور اسی نے اس کو بلایا ہے۔ اسے دلال نے کہا کہ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ میں یہ سب سن رہی ہوں۔ میں نے آہستگی سے نینا کو کہا: "تمہیں جانے کی ضرورت نہیں___ پلیز رک جاؤ___ یہ سب ناممکن ہے" وہ مسکرا دی اور کہا سب ٹھیک ہے۔ وہ بہت پُرسکون اور باوقار لگ رہی ہے، اور میں اور ماہا مسلسل روئے جا رہی ہیں۔

جونہی نینا اندر داخل ہوئی ہم شیشے کی کھڑکیوں سے اسے دیکھنے لگے۔ اس نے سوٹ کیس ہاتھ میں پکڑ رکھا ہے وہ پیچھے مڑی، اپنا ہاتھ زور زور سے ہلایا اور ہماری طرف ہوائی بوسے پھینکے۔ ہم ایک گھنٹے تک وہاں رکے رہے۔ بیریئر کے پاس کھڑے انتظار کرتے رہے کہ وہ کامیابی سے امیگریشن کے مراحل سے گزرتی ہے کہ نہیں۔ گرمی بہت شدید ہے اور پھر دلال نے ہمیں بتایا کہ سب ٹھیک ہے۔ وہ اپنے راستے پر ہے اور ہم

واپس جاسکتی ہیں۔

خلاف معمول ماہا کے گھر میں خاموش کے ڈیرے ہیں۔ ماہا اپنے مستقبل کی باتیں کیے جارہی ہے___ نینا کی جسم فروشی سے حاصل ہونے والے پیسوں سے نیا گھر خریدنے کی باتیں___ بریزیئر میں سے اس نے نوٹوں کی گڈی نکالی اور انہیں چٹائی پر پھیلا لیا۔ اس پیشگی رقم کا کچھ حصہ پہلے ہی نینا کے کپڑوں پر خرچ ہو چکا ہے۔''یہ کرایے کے پیسے ہیں''اس نے کہتے ہوئے کچھ نوٹوں کا ڈھیر ایک طرف رکھ دیا۔''اور یہ بجلی کے بل کے لیے۔''

فرخ مرکزی سڑک پر موجود ایک ریستوران سے سپیشل کھانا لے آیا۔ یہ مزیدار ہے۔ تازہ تلی ہوئی مرغی، کچھ چٹنی اور پتلی روٹیاں___ ماہا نے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور بچوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا: ''ہم تمہاری بہن کی......کمائی کھارہے ہیں''پھر وہ میری طرف مڑی اور کہا:''ہیرا منڈی میں......آپ کا سونا ہے اور نینا کی......تو سونے کی ہے۔''

عدنان آ گیا ہے۔ مہینوں سے اسے میں نے نہیں دیکھا ہے اور نہ ہی ماہا نے اس کو دیکھا ہے۔ وہ ہسپتال میں رہا ہے۔ اس کی ٹانگیں کسی غبارے کی طرح سوجی ہوئی ہیں اور ان لوگوں کا خیال تھا کہ وہ مر جائے گا۔

اس نے نشہ کر رکھا ہے اور خالی خالی لگ رہا ہے۔ اس کی قمیض سے تین سرنجیں لٹکی ہوئی ہیں ماہا اسے دیکھ کر خوش نہیں ہے۔

''تم یہ انجکشن لیتے رہے ہو___ ہاں ناں___ جب تم اپنی بنڈ میں بیٹھے یہ انجکشن ٹھونس رہے تھے، میری بیٹی اس وقت دوبئی جارہی تھی۔''

عدنان کے چہرے پر وہ تاثر تھا جیسے اسے اس کا یقین ہی نہ آرہا ہو۔ اس نے اپنا سر اپنے ہاتھوں میں تھاما اور بیٹھ گیا۔ وہ نینا کو تب سے دیکھ رہا ہے جب وہ صرف آٹھ سال کی تھی۔ ماہا اس پر چلا رہی ہے''ہمارے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی، کرائے کے لیے پیسے نہیں تھے۔ کھانے اور بجلی کے بل تک کے پیسے نہ تھے۔ تم نے ہمیں کچھ نہیں دیا۔ جب تم ہسپتال میں تھے یا پھر اپنے گھر اپنی بیوی کے ساتھ اور اپنے نشے کے ساتھ......تب بھی ہمیں کھانے کی ضرورت تھی۔''

فون کی گھنٹی بجی اور وہ اس میں چلانے لگی۔ دوسری طرف موٹا ہے:

''میری بیٹی تمہیں چاہتی تھی، شادی کرنا چاہتی تھی، مگر تم نہ آئے''وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی ہے''اس نے تمہیں پیار کیا اور اب وہ دوبئی ہے۔''

عدنان اِدھر اُدھر گھوم رہا ہے۔ وہ لڑکھڑایا اور پھر ماہا پر برس پڑا''تم کنجری، ٹیکسی، گشتی عورت......گندی ماں جس نے اپنی بیٹی کو دوبئی بھیج دیا۔''

''وہ میری وجہ سے نہیں گئی، تمہاری وجہ سے گئی ہے، یہ تم تھے جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہوتے تھے جب ہم بھوک سے نڈھال ہوتے تھے۔''

عدنان دروازہ کھلا چھوڑ کر لڑکھڑاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ وہ کہہ رہا ہے وہ اب کبھی واپس نہ آئے گا۔

''ٹھیک ہے''ماہا اس کے پیچھے چلائی''جا، کہیں مر جا، بھین چود۔''

موٹا آدھی رات کے وقت اپنے ایک دوست کے ہمراہ آ پہنچا ہے۔ اسے دوبئی جانے والی ماہا کی بات پر یقین نہ آیا تھا۔ اس نے شاید اسے بھی ماہا کی طرف سے رقم بڑھانے کا پینترا سمجھا۔ اس نے ائیر پورٹ فون کر کے جلدی سے یہ جاننے کی کوشش کی کہ آٹھ بجے دوبئی کی طرف جانے والا جہاز اڑ تو نہیں گیا۔ اس کے بعد وہ بستر پر گر گیا۔ ہاتھ اس کے سر کے نیچے رکھا ہے، اور اسے یقین نہیں آرہا۔

آج اس نے شاندار مغربی طرز کا لباس پہن رکھا ہے۔ ایک پولو شرٹ اور کریم رنگ کی جینز___ جینز جو اس کے پیٹ کے نیچے بندھی تھی اور شرٹ اوپر ہو جانے سے اس کا بالوں بھرا پیٹ ہم سب بار بار دیکھتے رہے۔ اس نے کھانے پینے سے انکار کر دیا۔ آدھے گھنٹے تک پوری صورت حال سمجھ لینے کے بعد اس نے بستر کے کنارے پکڑ کر اوپر اٹھنے کی کوشش کی۔ اس کی پیٹھ ہماری طرف ہے۔ وہ خود بھی اس بات پر حیران تھا کہ بغیر گرا ہے وہ کیسے اٹھ بیٹھا۔ اس نے کچھ قوت مجتمع کی اور پھر جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جب وہ اٹھنے لگا تو پیچھے سے اس کی جینز اتنی نیچے گلی گئی کہ اس کی بڑی سی بنڈ نظر آنے لگی۔ جینز نیچے ہی گر جاتی اگر اس کے عضو تناسل کا سامنے کا سہارا اسے حاصل نہ ہوتا۔ کچھ استعجاب کے ساتھ موٹے نے اپنی جینز کو کمر پر درست کیا اور اپنے دوست کے ہمراہ چلا گیا۔

جوں ہی دروازے سے باہر نکلا تمام لوگوں کے دبے ہوئے قہقہے ابل پڑے۔''کیا بنڈ تھی''ماہا چیخی۔

''ہم نے بھی موٹے کی بنڈ دیکھی''صوفیہ نے معصومیت سے کہا۔

منظر اتنا دلچسپ تھا کہ ہم سب ہنس نہیں چیخ رہے تھے۔ عظیم اور دولت مند عاشق ایکسپوز ہو گیا۔ عریبہ نے موٹے کی نقالی کی تو کمرہ ایک بار پھر مجنونانہ قہقہوں میں اُمڈ پڑا۔

''اتنی بڑی تھی''نیشا نے اپنے پورے بازو پھیلا کر کہا۔

''نہیں وہ اس سے بھی بڑی تھی۔''

''اور کتنی کالی تھی۔''

''موٹے کی کالی بڑی بنڈ۔''

''اتنی کالی۔ اتنی بڑی۔''

میرا خیال ہے کہ اپنی تشریف کو اپنی لینڈ کروزر میں رکھتے ہوئے موٹا ہماری آوازیں سن رہا ہوگا۔

دوبئی بھیجی گئی لڑکی

پورے دن نینا کے بارے میں کوئی بات نہ ہوئی۔ دلال نے وعدہ کیا تھا کہ وہ وہاں پہنچتے ہی فون کر دے گی۔ ماہا اس کی فون کال کا انتظار کر رہی ہے۔ میں اسے اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھ سکتی ہوں۔ وہ نیچے صحن میں جھانک رہی ہے۔ آنکھیں بھاری ہیں اور ائیر کولر ساتھ ہی پڑا ہے جو وہ ابھی ابھی بالکنی میں کھینچ لائی ہے۔

میں نینا کے بارے میں سوچ کر خود کو مجرم سمجھ رہی ہوں۔ جسم فروشی اور عورتوں کی تجارت کے حوالے سے جب میں اپنی یونیورسٹی میں اپنے دفتر میں بیٹھ کر لکھتی تھی تو یہ سادہ سی ایک بات ہوتی تھی مگر اب ___ اب میں اس خوفناک جگہ پر موجود ہوں ___ اور ایک ایسی لڑکی کو جسے میں بہت پسند کرتی ہوں دوسرے ملک ایسے شخص کے ہاتھ فروخت ہوتا دیکھ رہی ہوں جسے کنواریاں جمع کرنے کا خبط ہے۔ میں نے ایک ڈاکٹر سے بھی اس دن دائی سے ملاقات کا ذکر کیا۔ اس نے اندام نہانی میں زیادہ پانی کی موجودگی جیسے طبی معاملات سے ناواقفیت ظاہر کرتے ہوئے اس کو احمقانہ کہا۔ غالباً نینا کو جو انجکشن دیا گیا تھا وہ عضو پھیلانے کے لیے تھا ___ کوئی ایسی دوا جو ایک بچی کے مرد کے ساتھ سیکس کرنے کے لیے اسے اس قابل بناتی، اور جو پاؤڈر اسے دیا گیا تھا وہ غالباً کوئی نشہ آور شے تھی تا کہ لڑکی پُر سکون رہے۔ میں ان سب باتوں کا تجزیہ نہیں کر پا رہی ہوں اور مجھے لگتا ہے کہ میں اپنی پیشہ وارانہ حدوں سے بھی باہر نکل رہی ہوں۔

ہیرا منڈی میں اس وقت رات ہے۔ وہاں دوبئی میں بھی اس وقت رات ہوگی۔ ماہا اپنے گھر میں پیٹ کو تھامے فرش پر لوٹ پوٹ رہی ہے۔ سب لوگوں کا خیال ہے وہ مر جائے گی۔

''میرے پیٹ میں شدید درد ہے'' اس نے کراہ کر کہا ''ایسے لگتا ہے جیسے دردزہ ہو ___ یہ بہت شدید ہے جیسے کینسر کا درد ہو۔''

لیکن وہ مری نہیں۔ جب سارے رشتے دار چلے گئے تو وہ رینگتی ہوئی میرے پاس آئی اور میرے ساتھ بستر پر لیٹ گئی۔ وہ نینا کی باتیں کرنا چاہتی ہے مگر کہانی اتنی گنجلک اور چہار رخی ہو گئی ہے کہ میں سمجھ نہیں پا رہی۔ نینا کی کہانی میں ایک خوبصورت نوجوان کی کہانی گھس آئی ہے۔ ایک نوجوان کی، جس نے کبھی ایک لڑکی کو کہا تھا کہ وہ بہت خوبصورت اور سیکسی ہے اور جس نے اسے ایک مہینے تک اپنے بستر کی زینت بنائے رکھا تھا۔ یہ کہانی جس میں درد کی شدتیں تھیں، بستر پر ہر جگہ پھیلے ہوئے خون کی کہانیاں اور ان نشہ آور ادویات کی کہانیاں جس نے لڑکی کو کچھ باتیں یاد رہنے دیں اور کچھ یاد کے نہاں خانوں سے محو ہو گئیں، یہ شیخ زید کی کہانی تھی جو اس لڑکی کا پہلا شوہر تھا اور جس نے اس کو چکھنے کے بعد، تھوڑی دیر بعد اس سنہری بیڈ روم کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ شیخ خاسب کی کہانی تھی، جس نے بیس سال قبل، ہیرا منڈی کی ایک 12 سالہ لڑکی کے

ساتھ ہمبستری کرنے کا لطف اٹھایا تھا۔ وہ لڑکی......... وہ لڑکی ماہا تھی۔

شیخ کے ساتھ نینا کی شادی نہیں ہو سکی ہے۔ اس نے آج ہمیں فون کر کے بتایا ہے کہ شیخ اسے نہیں چاہتا۔ دلال نے جو کچھ بتایا وہ مختلف ہے۔ اس نے بتایا کہ جب نینا کو اس کے شوہر کے سامنے پیش کیا گیا تو یہ بیمار تھی اور اس نے وہاں الٹی کر دی۔ وہ آج رات پھر کوشش کریں گے۔

میں نے اپنے ایک دوست سے رابطہ کیا جو پاکستان کی انسانی حقوق کے حوالے سے سرگرم ایک اہم تنظیم میں وکیل ہے۔ اس نے کہا کہ ہم نینا کی تلاش کے لیے کوشش کر سکتے ہیں۔ لیکن ہیرا منڈی میں کوئی بھی شخص میرے اس خیال سے متفق نہیں ہے۔ ان کا خیال ہے یہ ایک بے تکی تجویز ہے۔ وہ اس سارے معاملے میں انتظامیہ کے لوگوں کو شامل نہیں کرنا چاہتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے ان کے لیے اور مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ اس لیے انہوں نے مجھے اس خیال سے دستبردار کر دیا۔

24 گھنٹے بعد دلال کا فون آیا۔ وہ سخت غصے میں ہے۔ دوسری طرف ماہا بھی چلائے جا رہی ہے۔ دلال کہہ رہی ہے کہ نینا تعاون نہیں کر رہی۔ وہ پھر بیمار ہو گئی ہے۔ اس کو تھوڑی دیر بعد دورہ پڑ جاتا ہے۔ اسے کچھ پیسے کمانے کے لیے اس سارے رویے کو ترک کرنا پڑے گا، پھر ہی اس کو گھر جانے کی اجازت ملے گی۔ ماہا نے جواب میں اس کو گندی گالیاں دیں۔

نینا خوف سے بوکھلائی ہوئی ہے۔ وہ فون کے نزدیک ہی موجود ہے اور چلائے جا رہی ہے۔ اس کی آواز مجھے کمرے کے دوسرے کونے میں آ رہی ہے۔ اسے اپنی ماں سے نفرت ہے۔ اسے دوبئی سے نفرت ہے اور وہ کبھی واپس لاہور نہیں آنا چاہتی۔ میں اس کی چیخیں سن رہی ہوں وہ کہہ رہی ہے: ''تم خوفناک ماں ہو، تم نے مجھے یہاں مرنے کے لیے بھیج دیا۔''

فون کال نے ماہا کو ہلا کر رکھ دیا ہے مگر وہ حوصلہ مند نظر آنے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ کہتی ہے جب نینا واپس آئے گی تو ہم سب پارٹی کریں گے۔ ہم شاندار کھانا کھائیں گے اور نینا کے لیے شادی کا جوڑا بنوائیں گے۔ بہر حال وہ دلہن ہے۔

نیشا نے کہا: ''مجھے تو کبھی شادی کا لباس لے کر نہیں دیا۔''

پھر ماہا اور نیشا کے درمیان تو تکار شروع ہو گئی۔ ماہا نے نیشا کو پکڑا اور زور زور سے ہلایا۔ نیشا سسکیاں لے رہی ہے اور رو کر کہہ رہی ہے ''میرا ایک لاکھ روپیہ واپس کرو، میرا ایک لاکھ روپیہ واپس کرو۔''

میں دنگ رہ گئی ___ نیشا کی بھی شادی ہوئی تھی۔ ان دنوں جب اس کی صحت ٹھیک تھی ___ دو سال پہلے جب وہ 14 سال کی تھی۔

دو دن گزر گئے ہیں۔ اب ماہا کا بھائی فون پر نینا کو سمجھا رہا ہے۔ وہ اسے کہہ رہا ہے کہ وہ پُر سکون رہے۔ ایک بار اس کی شیخ سے شادی ہو جائے پھر وہ گھر آ سکے گی۔ یہ لوگ مجھے اس سے بات کرنے کی اجازت نہیں

دے رہے۔ کہتے ہیں مجھ سے بات کرکے وہ اور پریشان ہوگی۔

ماہا نے نیند کی کئی گولیاں پھانک لی ہیں اور وہ بات نہیں کر پا رہی ___ اس کی بجائے نیشا بہن سے بات کر رہی ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ وہ پچھلی رات ایک ڈیک فنکشن پر گئی تھیں۔ گاہک کا ڈیفنس میں شاندار بنگلا تھا جس میں ایک سوئمنگ پول بھی موجود تھا۔ اس کا ماموں جس نے تھوڑی دیر پہلے نینا سے بات کی تھی وہ ایجنٹ تھا۔ گاہک نے اسی کو پارٹی کے لیے تفریحی پروگرام ارینج کرنے کا کہا تھا۔ اس نے پورے محلے سے عورتیں اکٹھی کیں جس میں ماہا، نیشا، اوپر والی پٹھانی کی بیٹی اور تین دیگر عورتیں۔ اس نے انہیں بتایا کہ یہ ''اوپن پرائس ایونٹ'' ہوں گے۔ اس نے نیشا کے لیے ایک سیکسی سوٹ بھی دیا تھا۔ یہ لباس سلیولیس اور پیٹھ والی جگہ سے بھی خالی تھا۔ یقیناً نیشا، جو ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے اس لباس میں عجیب لگی ہوگی۔

جب آدھی رات کے وقت لڑکیاں پارٹی میں آئیں تو سب مہمان شراب کے نشے میں دھت تھے۔ مردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور فنکشن بے قابو ہوگیا۔ انہوں نے دروازے بند کر دیے اور پھر عورتوں کے کپڑے اتارے گئے، ان کے بوسے لیے گئے اور ان کے جسم کے اعضا کو وہ چھوتے رہے اور...... اس کے بعد نیشا کو کچھ پتہ نہ چلا۔ جب وہ آنے لگے تو ماہا اور نیشا دونوں کو 1000 روپے ملے۔ یہ پورا فنکشن فکسڈ پرائس تھا اور باقی تمام پیسے ماہا کے بھائی نے اپنی جیب میں بھر لیے تھے۔

پیر اور نینا کے لیے ایک پیغام

چند دنوں سے ایک پیر ہیرا منڈی کے دورے پر ہے۔ وہ دو آدمیوں کے ساتھ سفر کرتا ہے۔ ایک ڈھولک بجانے والا اور دوسرے کی آواز بہت اونچی ہے۔ وہ اس کی آمد کی اطلاع اور مقامی لوگوں سے چندے کی اپیل کر رہے ہیں۔ اس کا ٹھکانہ دلالوں کی جھونپڑی ہے۔ ماہا اور میں بھی اس کی زیارت کے لیے جا رہی ہیں۔ فرخ کو بھیج کر ہم نے بیکری سے مٹھائی منگوائی اور دلالوں کی جھونپڑی میں مقدس آدمی کے دربار میں پہنچ گئیں۔

بدوضع پیر آلتی پالتی مارے چارپائی پر بیٹھا ہے۔ اس کی عمر کا اندازہ کوئی ساٹھ سال لگتا ہے۔ اس کے بال بہت لمبے اور لٹوں میں تقسیم ہیں۔ چاندی کا ایک بڑا پنجا اس کے گلے میں لٹک رہا ہے۔ اس کی انگلیوں میں بہت سی انگوٹھیاں اور پاؤں میں موٹا سا آہنی کڑا ہے۔ اس کی آنکھیں مہربان اور مسکراتی ہوئی ہیں۔ چہرہ بہت پتلا ہے اور پیلے سے دانتوں کے مابین ایک سنہری دانت واضح چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ ماہا سے اس نے نرم لہجے میں بات کی۔

فرخ جلد ہی مٹھائی لے آیا اور پیر نے شفقت سے ان پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ ہم وہاں دو گھنٹے تک بیٹھے چائے مٹھائی کے ساتھ پیتے رہے۔ ماہا نے اپنے سارے دکھ درد پیر کو سنائے وہ خاموشی سے انہیں سنتا رہا

اور پھر مشفقانہ انداز میں جواب دیا۔ میرا انہیں خیال کہ یہ شخص کوئی پارسا آدمی ہے مگر وہ بہت شریف بندہ ہے جس کے پاس لوگوں کے مسائل سننے کے لیے بہت سا وقت ہے۔ وہ ان کو مشورے بھی ڈھنگ کے دے رہا ہے۔ اس نے ماہا کو کہا کہ وہ کالے جادو پر لعنت بھیجے اور دعا کیا کرے۔ اس نے ماہا کو تماش بینوں سے ملنے سے بھی روک دیا کہ اب ان میں کوئی اچھائیاں نہیں رہیں۔ اس نے کہا: ''یہ عورتوں کو استعمال کرتے ہیں، یہ پھول کو توڑتے ہیں اور پھر کچل کر پھینک دیتے ہیں'' ماہا نے یوں سر ہلایا جیسے وہ مطمئن ہے۔

بڑا دلال خیمے میں آیا اور ہم سب خاموش ہوگئے۔ اس کی ہر ادا میں طاقت اور اختیار چھلکتا ہے۔ اس نے الماری کے اوپر ٹوٹے ہوئے ایک شیشے کے ٹکڑے کو متوازن کیا اور پانچ منٹ تک کھڑا کنگھی کرتا رہا، اور پھر جسم سے اٹھتی عطر کی خوشبو سمیت وہ کمرے سے نکل گیا۔ پیر نے اپنی ہنسی دبائی۔ وہ بھی یہاں کے لوگوں کی طرح اسے پسند نہیں کرتا۔

ماہا کے ذہن میں پیر کے لفظ گردش کر رہے ہیں۔ وہ مجھے کم از کم چار مرتبہ یاد دہانی کرا چکی ہے کہ یہ پیر سیّد ہے اور اس کا تعلق ایران سے ہے۔ وہ بہت شریف اور دھیما آدمی ہے جو لوگوں پر رائے نہیں دیتا ان کو سنتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ وہ ایک کنجری ہے مگر پھر بھی اس کی آنکھوں کی نرمی میں کمی نہ آئی۔ ماہا نے اسے اپنی بیٹی نینا کے بارے میں بھی بتایا جو دوبئی میں کھو گئی ہے، اس نے عدنان کے نشے کے ٹیکوں اور اپنی اور بچوں کی بدقسمتی کا رونا بھی رویا۔ پیر نے اسے مشورہ دیا کہ وہ یہ جگہ چھوڑ دیں۔ وہ اپنے گھر پر توجہ دیں، اسے صاف رکھیں اور سادگی کی زندگی گزاریں۔ درمیان میں پیر نے لطیفے بھی سنائے تا کہ روتی ماہا ہنس سکے۔ میں جب اس جھگی میں داخل ہو رہی تھی تو یقیناً مایوس تھی مگر میں اس بندے سے متاثر ہوئی جو لوگوں کو حقیقی راحت پہنچانے کی سعی کرتا ہے۔ وہ ایک ماہر نفسیات اور معالج ہے جس نے ناامید ماہا کے دل میں امید کا چراغ جلا دیا ہے۔

اس نے ماہا سے وعدہ کیا کہ وہ نینا کی مدد کرے گا۔ وہ خدا سے دعا کرے گا کہ اس کے دلال کے دل کو نرم کر دے اور اس کی روح کو نینا کے لیے ہمدرد بنا دے۔ وہ اس خاتون کے دل سے بھی بات کرے گا تا کہ وہ موم ہو اور نینا کو واپس بھیج دے۔ ماہا چونکہ چاہتی تھی کہ اپنی بیٹی کے لیے کچھ اور بھی کرے جس سے اس کی مدد ہو سکے اس لیے ہم نے ایک بالکل سفید چڑیا خریدی۔ پیر نے اس چڑیا کو تھاما اور اسے دعائیں دیں، ماہا نے بھی دعا مانگی اور جب پرندے کو چھوڑا گیا اور وہ اوپر اڑا تو ماہا نے اس کی طرف کئی بوسے اچھالے تا کہ وہ پرندہ اس کی محبت اور پیر کی دعائیں، اپنے ساتھ لے جا کر اس کی بیٹی نینا تک پہنچائے جو دوبئی میں بھٹک رہی ہے۔

❀❀❀

ناچنے والی بیٹیاں

موسم سرما دسمبر 2001ء___ جنوری 2002ء

لاہور پر ایک گہری دھند ہر وقت طاری ہے اور ہر دوسرے شخص کو کھانسی ہے۔ برف باری یا تیز ہواؤں کے جھکڑ تو نہیں ہیں لیکن سردی بہت زیادہ ہے اور پرانا شہر تو سیلن زدہ ہو رہا ہے۔ گھر ہر وقت سیلن کی زد میں ہیں اور کبھی خشک نہیں ہو پاتے کیونکہ اس نمی کو بھاپ بنانے کے لیے سورج کی جو روشنی اور حرارت درکار ہے وہ نہیں ہے۔ سردی یہاں دیواروں، کپڑوں، جوتوں اور ہڈیوں میں اتر جاتی ہے۔ الفیصل ہوٹل کے باہر پڑی بنچوں پر جتنے بھی لوگ بیٹھے چائے پی رہے ہیں انہوں نے چادریں اور دبیز لحاف اوڑھ رکھے ہیں۔ بوڑھے لوگ بیٹھے جوڑوں کے درد کی شکایت کر رہے ہیں تو ٹی بی کے مریض ہڈیوں میں اترتی سردی کا رونا رو رہے ہیں۔ پچھلی بار جب میں یہاں تھی تو مجھے یاد ہے کہ لاہور میں گرمی بلا کی تھی اور جولائی اور اگست میں تو حبس نے زندگی مفلوج کر کے رکھ دی تھی۔

میرے کمرے سے باہر کا منظر بڑا پُر سکون ہے۔ دھند کا ایک سفید دبیز پردہ ہے جو کوٹھے اور گرد اگرد موجود عمارتوں پر تنا ہے۔ اکثر دروازے بند ہیں۔ بوڑھی عورتوں نے ابھی اپنے کوئلے کی بھٹیاں نہیں بھڑکائی ہیں۔ دلالوں کی جھگی کا دروازہ بھی بند ہے اگر چہ نیلے بلب کی روشنی دروازے کے نیچے درز سے جھانک رہی ہے۔ ماہا یہاں سے جا چکی ہے۔ پرانی بالکنیوں پر اب نئے چیتھڑے، کپڑے اور چادریں نظر آ رہی ہیں۔ پودے اور ڈیکوں کا شور بھی غائب ہے۔

شام چھا رہی ہے اور پرانے لاہور کی چھتوں پر روشنیاں جل چکی ہیں۔ پرانے لاہور کی اکثر عمارتوں پر موجود بنچوں کے اوپر موجود لائٹیں ایک ایک کر کے جل رہی ہیں۔ مسجد کے قریب موجود درختوں کے ساتھ نشیئوں کے کئی گروپ الاؤ جلا کے بیٹھے ہیں اور روشنائی گیٹ کے باہر ریڑھی والے نئے سامان کے ساتھ موجود ہیں۔ ان کی اس سیزن میں سامان برائے فروخت بھنی ہوئی مونگ پھلیاں اور تلے ہوئے چپس ہیں جنہیں اتنا گرم کیا جاتا ہے اور تلا جاتا ہے کہ جب تک وہ بالکل سیاہ نہیں ہوتے آگ پر رہتے ہیں۔ رات 11 بجے کوٹھے پر خلافِ معمول خاموشی ہے۔ پاپ کارن والا اب یہاں چند منٹ سے زیادہ نہیں رکتا، اور

آدھی رات کے بعد جو آوازیں کبھی کبھی گونج اٹھتی ہیں ان میں موٹر سائیکل، رکشے اور گلی میں گھومتے ہوئے مالش کرنے والوں کی بوتلوں کی کھنک شامل ہیں۔

جنگ ہیرامنڈی بھی پہنچ گئی

آج صبح کے وقت حضوری باغ تقریباً خالی ہے۔ چند ایک لوگ رضائیاں لیے سو رہے ہیں۔ چند ایک لڑکے بوتلیں بیچنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کوئی بھی شخص میری تصویر لینے کی تگ ودو نہیں کر رہا۔ دھند چھٹنا شروع ہوگئی ہے۔ اگرچہ سورج کی کرنیں کمزور ہیں مگر پھر بھی روح میں ایک جوش سا بھر رہا ہے۔ شاہی قلعے کا داخلی مقام ہلکا گلابی ہے اور سورج کی کرنوں میں دھلا دھلا لگ رہا ہے۔ درختوں پر بس چند ہی پتے باقی بچے ہیں جو ویرانی کا منظر نہیں بلکہ مصوروں کو ابھار رہے ہیں کہ ان کی تصویریں اپنے کینوس پر بنائیں۔ مشروبات بیچنے والوں اور ٹور گائیڈز کی بدقسمتی ہے کہ اس موسم خزاں میں پاکستان میں آنے والے سیاحوں نے اپنے دورے منسوخ کر دیے ہیں۔ اب کوئی بھی پاکستان نہیں آنا چاہتا۔

مغربی میڈیا، اخبارات اور ٹیلی ویژن میں پاکستان کے بارے میں بڑی خراب رپورٹیں ہیں اور انگلینڈ میں تو پاکستان جانے کو موت کے پروانے پر دستخط کرنے کے مترادف سمجھا جا رہا ہے۔ اس کی تصویر کشی ایسے کی جا رہی ہے جیسے یہ کسی مخالف کا میدان جنگ ہو جہاں خون آشام اور خوفناک مناظر ہر طرف بکھرے پڑے ہوں۔ وہاں بیٹھے یہی خیال آتا ہے کہ پاکستان میں مذہبی تشدد پرست اور پُرعزم دہشت گرد بھرے پڑے ہیں۔ یہ وہ پاکستان کی تصویر نہیں ہے جسے میں جانتی ہوں۔

پاکستان کے بارے میں میرے مثبت احساسات کے باوجود یہ کسی امریکی یا برطانوی سیاح کے لیے یہاں آنے کا خراب ترین وقت ہے۔ گھر میں مجھے سب لوگ کہتے رہے کہ مجھے ان دنوں پاکستان نہیں جانا چاہیے۔ مغرب افغانستان میں جنگ چھیڑ رہا ہے اور پاکستان میں ایک اقلیتی گروہ امریکیوں اور برطانویوں سے پہلے سے بھی زیادہ متنفر ہے۔ اگرچہ شدت پسند مولویوں کی اکثریت قید کر لی گئی ہے اور ان کے پیروکاروں کی سرگرمیاں بھی محدود ہیں مگر میں پھر بھی کچھ خوفزدہ ضرور ہوں۔ مجھے پٹھانوں کے طرز کے عمامے پہنے لحیم شحیم مردوں سے خوف آتا ہے حتیٰ کہ اسی وضع قطع کے لاغر پٹھانوں سے بھی ڈر لگ رہا ہے۔

شمال کے حالات زیادہ کشیدہ ہیں۔ افغان سرحد کے ساتھ ملحق علاقوں خاص طور پر پشاور اور کوئٹہ کی حالت تو مزید خراب ہے۔ بہت سے افغان یہاں بھی قیام پذیر ہیں اور کچھ پاکستانی خاندانوں نے ان کے ساتھ تعلقات منقطع کر دیے ہیں۔ انہوں نے ان پٹھانوں سے معاشی اور ثقافتی رابطے بھی کاٹ دیے ہیں جو افغانی النسل ہیں اور طالبان کی حمایت کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہاں لاہور میں اہم دشمن بھارت متصور ہوتا ہے نا کہ امریکہ یا برطانیہ۔ ہیرامنڈی میں امریکی ریاست کو مواقع کی سرزمین تصور کیا جاتا ہے اور مجھے اب بھی

برطانیہ کے ویزے کے حصول کے لیے مدد کرنے کو کہا جاتا ہے جو یہاں کے لوگوں کے نزدیک امریکہ کے بعد دوسری اہم جگہ ہے۔

محلے کی کچھ عورتیں تو بین الاقوامی حالات سے مکمل طور پر ناواقف ہیں اور یہ اپنے ملک کے بارے میں بھی کچھ زیادہ نہیں جانتیں۔ یہ نہ اخبار پڑھتی ہیں اور نہ ہی ریڈیو ٹی وی پر خبریں سننا پسند کرتی ہیں بلکہ ہمیشہ میوزک چینل دیکھتی رہتی ہیں۔ کچھ ہی عورتوں نے یہ سن رکھا ہے کہ امریکہ میں کوئی بڑی آگ لگی ہے جس سے کئی بڑی عمارتیں گر گئی ہیں۔ ہاں یہاں کے مرد زیادہ جانتے ہیں۔ ان کا اصرار ہے کہ مسلمان اس حادثے کے ذمہ دار نہیں ہیں اور نہ ہی اس ظلم کا ذمہ دار اسامہ بن لادن ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمان نہ تو منظم ہیں اور نہ ہی اس جدید ٹیکنالوجی کے حامل کہ اتنی بڑی کارروائی کر سکیں۔ ان کا کہنا کہ ستمبر 11 کا حادثہ اتنا منظم اور بڑے پیمانے کا ہے کہ یہ مسلمانوں کا کام نہیں ہو سکتا بلکہ یہ یہودیوں کا کام ہے۔

مجھے ذاتی طور پر خطرے کا جو احساس تھا وہ اب انڈیا پاکستان کے درمیان جاری طویل جھگڑے کی نئی قسط سے کچھ کم ہوگیا ہے۔ بین الاقوامی سفارت کاری کے کئی دور ہو چکنے کے باوجود پاک بھارت سرحد پر افواج جمع ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ ساری گہما گہمی حسب سابق برصغیر میں طاقت کے توازن میں آنے والی تیز تر تبدیلی کا نتیجہ ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ اور انڈو پاک نیوکلیائی ہتھیاروں کے 1998ء کے ٹیسٹ کی مہربانی کہ پاکستان خارجہ پالیسی اور عالمی سیاست میں ایک بار پھر اہمیت اختیار کر گیا ہے۔

پاک بھارت تناؤ ہیرامنڈی میں پریشان کن صورتِ حال کا موجب بن رہا ہے۔ سارے بھارتی چینل یہاں بند کیے جا چکے ہیں۔ ہیرامنڈی کی زندگی کو سرگرم رکھنے کی راہ میں مذہبی تہوار رکاوٹ بنتے اور اب بھارتی چینلوں پر پابندی نے اس بازار کی رونقیں ختم کر دی ہیں۔ یہاں پر بے تحاشا پسند کیے جانے والے سوپ ڈرامے اور 24 گھنٹے چلنے والے میوزک کے پروگرام اب نشر نہیں ہو رہے اور کیبل والوں نے دیگر ملکوں کے چینل بھی اب تک سیٹ نہیں کیے۔ اس کی بجائے ہمیں کارٹون نیٹ ورک یا بی بی سی دیکھنا پڑ رہے ہیں۔ پاکستان ٹیلی ویژن پر ہم ایک مشہور کیمسٹ کا پروگرام دیکھ رہے ہیں جو فش فارمنگ کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا ذکر کر رہا ہے۔ ماہا نے ٹیڑھی نظروں سے ٹی وی کی طرف دیکھا اور مجھ سے پوچھا ''کیا یہ چیزیں، یہ واہیات پروگرام تمہیں لندن میں بھی دیکھنے کو ملتے ہیں؟'' ہم لوگ خوبصورت عورتوں، ہیرو مردوں اور دلکش رقص دیکھنے کے لیے بے تاب ہیں۔

ٹبی گلی میں شیلا کوئلے کی بھٹی کے سامنے بیٹھی ہے۔ کالی رنگت والی نوجوان لڑکی جو پچھلے سال یہاں بدحواس گھوم رہی تھی بدل گئی ہے۔ نئی لڑکی بہت ہنس مکھ، باتونی ہے۔ وہ مجھ سے پوچھ رہی ہے کہ میں کہاں سے آئی ہوں اور کیا میں اگلی بار آتے ہوئے اپنے ملک سے اس کے لیے وہاں کے شیمپو لا سکتی ہوں۔ شیلا یہ جاننے میں دلچسپی لے رہی ہے کہ امریکہ اور لندن میں ان چیزوں کی قیمتیں کیا ہیں۔ وہ اونچی آواز میں پوچھ

رہی ہے''امریکہ میں شیمپو کتنے کا آتا ہے'' میں لجاجت آمیز انداز میں سکڑ رہی ہوں۔ آدمیوں کا ایک بڑا سا مجمع میرے گرد جمع ہو رہا ہے اور میں بطور امریکی یہاں پہچانے جانے کے خوف میں مبتلا ہوں کیونکہ ہمسایہ ملک افغانستان میں جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ شیلا نے مردوں کو گالیاں دے کر وہاں سے دفعہ کیا اور مجھے چائے کا کپ دیا۔ وہ کہہ رہی ہے کہ دھندا ان دنوں مندا ہے۔ میں نے پوچھا کیوں؟

''جنگ کی وجہ سے'' اس نے وضاحت کی۔ میں اور کنفیوز ہوگئی۔ ''تمہیں تو کچھ پتہ ہی نہیں'' شیلا نے حیرت سے مجھے دیکھا ''پاکستان اور بھارت کے درمیان بڑی جنگ چھڑ گئی ہے۔ سارے مرد لڑنے کے لیے چلے گئے ہیں۔''

نیا گھر، نئی شروعات

ماہا کا نیا گھر یہاں سے 15 منٹ کے پیدل سفر کے فاصلے پر پرانے شہر کے بالکل کنارے پر کریم پارک میں واقع ہے۔ ماہا کا خیال ہے کہ وہ تازہ شروعات کر رہے ہیں اور شاید ان کی تقدیر بدل جائے گی۔ یہ ایک عزت دار محلہ ہے اور گلی بھی وہاں کے مقابلے میں زیادہ صاف ستھری ہے جس پر دو چار گٹر اور کچھ ہی گڑھے ہیں۔ گھر کے دو کمرے ہیں، غسل خانہ ہے اور ایک چھوٹا سا کچن ہے جہاں پانی کی ٹونٹیاں بھی ہیں۔ یہ گھر بھی اگرچہ گزارے والا ہے مگر یہاں صاف ستھرائی پرانے گھر سے کہیں زیادہ ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس گھر کا اپنا صحن ہے اور پرانے گھر کی طرح ایک کنواں نما عمارت نہیں جہاں سے سورج کی روشنی چھن کر پہنچتی تھی۔ ماہا کا گھر کیونکہ گراؤنڈ فلور پر ہے اس لیے وہ پوری عمارت کو اپنا کہنے میں حق بجانب ہے۔ کنکریٹ کا فرش صفائی سے دھلا ہوا ہے اور وہ دیوار کے ساتھ اپنے پودوں کے گملے ترتیب سے لگا رہی ہے۔

میرے آنے کی وجہ سے ماہا نے اچھا لباس زیب تن کر رکھا ہے۔ نینا ایک بڑی سی پرانی مردانہ جیکٹ میں گھوم رہی ہے۔ وہ آج بھی ویسی ہی لگ رہی ہے جیسی وہ ہمیشہ لگتی ہے، خوبصورت اور کچھ بیمار۔ نیشا مجھے دیکھ کر خوش ہوئی اور پھر لاغر اور زرد رو بدن کے ہمراہ صوفے پر گاؤ تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گئی۔ سامنے گیس کا ہیٹر جل رہا ہے۔ عریبہ صاف ستھری لگ رہی ہے۔ صوفیہ اور معتذر میرے ارد گرد منڈلا رہے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ میں انگلینڈ سے ان کے لیے چاکلیٹ ضرور لائی ہوں گی۔

ایک کمرہ خوبصورتی سے سجا ہوا ہے۔ ماہا نے اس کمرے کے لیے کریم رنگ کے تکیے اور خوبصورت بیڈ کور بنایا ہے۔ اس نے ایک نیا غالیچہ بھی خریدا ہے جس پر پاؤں رکھنے کی کسی کو اجازت نہیں۔ ایک واس بھی کمرے میں موجود ہے جس میں پلاسٹک کے پھولوں کا گلدستہ موجود ہے۔ ہم نئے بیڈ کور پر لیٹے ہیں۔ ماہا نے بتایا کہ ہیرا منڈی کی کچھ عورتوں نے دھندے کے لیے اس سے ایک کمرہ کرائے پر مانگا ہے مگر اس نے

انکار کر دیا ہے کیونکہ یہ اس کا خاص کمرہ ہے جسے وہ کسی کو خراب کرنے کی اجازت نہیں دے گی۔ یہ اچھا محلہ ہے۔ محلے کے کچھ لوگ پہلے ہی اس کے پاس آ کر کہہ چکے ہیں کہ رات کے وقت موسیقی بند کر دیا کرے۔ اس سے محلے کا تاثر بگڑتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ محلہ عزت دار رہے۔

نینا بھی ہمارے ساتھ لیٹی نمکو کھا رہی ہے۔ وہ چھ ہفتوں بعد دوبئی سے آ گئی تھی۔ اس کی شیخ خاسب سے شادی بہرحال نہ ہو سکی تھی کیونکہ جتنی بھی بار وہ شیخ کے سامنے پیش کی گئی اس پر ہسٹیریا کا دورہ پڑ جاتا اس لیے اسے بے عزت کر کے واپس دلال کے پاس بھیج دیا گیا۔ وہ وہاں دس دیگر لڑکیوں سے بھی ملی۔ انہیں بھی اسی شیخ کے پاس بھیجا گیا تھا۔ ان کی اکثریت پندرہ سولہ سال کی عمر کی تھی اور نینا نے بتایا کہ وہ تمام ہی لڑکیاں بہت خوبصورت تھیں۔ نینا کی تین لڑکیوں سے اچھی خاصی جان پہچان ہو گئی تھی، ایک ترک لڑکی، ایک ایرانی اور تیسری کو وہ عربی سمجھتی ہے۔ یہ ان سب کی پہلی ''شادی'' تھی۔

دلال نے اتنا رحم ضرور کھایا کہ اپنی رقم پوری کرنے کے لیے اس نے نینا کو دوسرے گاہکوں کے سامنے پیش نہ کیا لیکن اس کا سلوک نینا کے ساتھ ہمیشہ برا رہا۔ نینا واپس آنے کے لیے چھ ہفتے تک بلا ناغہ ہر رات ایک کلب میں ڈانس کر کے پیسے جمع کرتی رہی۔

''یہ اتنی کمزور ہو گئی تھی اور اس کے بالوں میں تین سو جوئیں تھیں'' ماہا نے غصے سے چیخ کر کہا۔

''اور عریبہ نے نیا گل کھلایا ہے'' ماہا نے بتایا ''اس کا دوبارہ ریپ ہوا ہے اور اب کی بار حاملہ بھی ہو گئی تھی جو ہم نے گروا دیا۔ بہت تکلیف دہ تھا وہ سب کچھ۔''

بچہ چھ ہفتے قبل گرایا گیا۔ اب عریبہ دھندا کرتی ہے۔ ماہا اس کی دلیل دیتی ہے کہ کم از کم اس سے کچھ پیسے تو مل جاتے ہیں، ریپ کرنے والے جسم بھی خریدتے ہیں اور پیسے بھی نہیں دیتے۔ یہ عورت کی کتنی تذلیل ہے۔

معتذر ایک غریب چوزے کو مختلف طریقوں سے تنگ کر کے خوش ہو رہا ہے۔ میں نے اسے کئی بار روکا کہ ایسا نہ کرے۔ اسے ڈرایا دھمکایا بھی مگر اس کو کوئی فرق نہیں پڑا۔ اسے بے چارے چوزے کو مختلف طریقوں سے ستا کر مزہ مل رہا ہے۔ وہ کبھی اسے اخبار میں لپیٹ دیتا ہے۔ کبھی اس کے اوپر کپ رکھ کے اسے ایک ٹانگ سے پکڑ کر کھینچتا ہے تو کبھی بال کی طرح ہوا میں اچھال دیتا ہے۔ جب وہ ایک لمحے کے لیے رکتا ہے تو چوزے کی آنکھیں بند، چونچ باہر اور جسم کانپ رہا ہوتا ہے۔ مجھے حیرانی ہے کہ یہ ابھی تک مرا کیوں نہیں لیکن لگتا ہے کہ جلدی مر جائے گا۔ ویسے اس بات پر مجھے حیرت ضرور ہے کہ اتنی دیر وہ زندہ کیسے رہا۔ یقیناً کوئی ضدی اور مضبوط ہڈیوں والا چوزہ ہوگا۔

''آہا۔ معتذر کتنا خوش ہے'' اس کی ماں نے اسے اپنی طرف کھینچا اور چوم لیا ''چلو اسے کھیلنے کو کوئی دوست تو ملا، کل ہم نیا چوزہ لے آئیں گے۔''

ماہا نے گھر میں ایک نیا ملازم رکھ لیا ہے جسے وہ بابا کہتی ہے۔ وہ ایک بوڑھا مزدور قسم کا آدمی ہے جو گھر کے چھوٹے موٹے کام کرتا ہے اور بدلے میں اسے کھانا، سر چھپانے کو ٹھکانہ اور ہیٹر کے سامنے بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے۔ بابا کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں اور شکل سے پیدائشی بھوکا لگ رہا ہے۔ وہ پہلے ملازموں فرخ اور ماں جی جیسا ہے۔ غریب پسماندہ لوگ جو جسم اور جان کا رشتہ بحال رکھنے کے لیے بے قاعدہ غلام کا کردار ادا کرتے ہیں۔ ماہا نے اس کی طرف ہمدردانہ نظروں سے دیکھا اور اس کی پلیٹ میں آلو کا ایک اور ٹکڑا رکھا۔

نینا ہمیں ڈانس کر کے دکھا رہی ہے۔ وہ کلاسیکل ڈانس سے زیادہ ہندی پاپ گانوں کے رقص کی طرف زیادہ میلان رکھتی ہے۔ جدید دور کے لوگوں کی آنکھوں کو شاید یہ زیادہ پسند ہے۔ وہ اس رقص سے شاید زیادہ کما لے گی بہ نسبت اس مشکل رقص میں جس میں اتنے وزنی گھنگھرو پاؤں میں پہن کر ہاتھوں سے عجیب سی ادائیں دکھانا پڑتی ہیں۔ وہ بہت زیادہ ہلتی ہے، بالوں کو چاروں طرف گھماتی ہے اور سینے کی درمیانی جگہ دکھانے کے فن میں بھی اب ماہر ہو گئی ہے۔ میں مایوس تو ہوئی مگر میرے پاس اتنا مضبوط دل نہیں کہ اسے کہہ بھی سکتی۔

ماہا میرا ردِعمل جاننے کے لیے مسلسل مجھے دیکھتی رہی۔ اسے نینا پر بہت زیادہ فخر ہے۔ مگر جوں ہی نینا کا رقص ختم ہوا مایوسی کا بادل ایک بار پھر اس پر تن کر چھا گیا ''لوئیس، میں ختم ہو گئی ہوں'' اس نے کہا ''مرد اب مجھے نہیں چاہتے، وہ میری بیٹیوں کو چاہتے ہیں۔ میرا وقت گیا اور اب ان کا وقت ہے'' ابھی تک وہ اس خیال سے ذہنی طور پر مفاہمت نہیں کر پائی ہے۔ وہ اس طاقت کو ابھی تک نہیں بھولی جو بطور ایک خوبصورت عورت کبھی اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس زوال پذیر جوانی اور طاقت کے حصول کا ایک ہی ذریعہ اب اس کے پاس ہے کہ وہ نائیکہ بن جائے اور اپنی بیٹیوں کے معاملات کا انتظام کرے۔

جدید مجرا

چوزہ گذشتہ رات مر گیا ہے۔ ماہا نے بتایا کہ اس کے گلے میں پنسل چبھوئی گئی تھی۔ معتذر مسکرایا اور اپنے ہاتھوں سے آنکھیں چھپاتے ہوئے منمنایا ''یہ عریبہ نے کیا ہے۔''

نیشا اور عریبہ گھر پر نہیں ہیں۔ ایک دلال انہیں رکشے میں بٹھا کر ایک گاہک کو دکھانے لے گیا ہے۔ اگر گاہک کو وہ پسند آ گئیں تو پھر کسی خفیہ جگہ ملاقات کی ذمہ داری اس کی ہو گی۔ آج کی رات نئے سال کی پہلی رات ہے۔ پاکستانیوں کے لیے نیو ائیر نائٹ کچھ زیادہ اہم نہیں ہوتی کیونکہ یہ عیسائی کیلنڈر کے سال کے مطابق نیو ائیر نائٹ ہے۔ مگر امیروں کے بچوں کے لیے یہ پارٹی کا ایک موقع فراہم کرتی ہے اور ہیرا منڈی کی عورتوں کی طلب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے عریبہ اور نیشا لاہور کی ان وسکی میں ڈوبی محفلوں

میں تفریح کا زیادہ دلکش سامان نہیں ہوں گی۔

نینا کہہ رہی ہے کہ عریبہ کو معزز قسم کے تماش بینوں سے ملنا ہے۔ وہ نہا دھو کر اور عجیب فلمی قسم کا میک اپ کیے تیار بیٹھی ہے۔ نیشا خوش نہیں لگ رہی۔ اس نے ماتھے پر شکنیں ڈالیں اور جانے سے انکار کر دیا۔ ماہا نے کندھے اچکائے اور آہ بھر کر کہا ''نیشا کو مردوں سے نفرت ہے۔''

صوفیہ مجھے چھوڑ ہی نہیں رہی۔ کبھی مجھے چوم رہی ہے کبھی گلے لگا رہی ہے۔ آخر ماہا نے اسے چیخ کر کہا کہ مجھے پریشان کرنا بند کرے ''لوئیس سے دور رہو، اب اسے چھونا اور چومنا بند کرو، تم سے بو آتی ہے جو لوئیس کو پسند نہیں۔''

ہم نیو ائیر کی دعوت کے سلسلے میں تلی ہوئی مچھلی کھانے میں مصروف تھے جب لیلیٰ کا فون آیا۔ وہی خوش لباس پروموٹر اور ''کتیا عورت۔'' وہ ایک چھوٹی سی پارٹی کا اہتمام کر رہی ہے اور چاہتی ہے کہ نینا اس کے مہمانوں کے سامنے ناچے۔ ماہا اور نینا نے فوری ردِعمل دکھایا۔ ہم وہاں ایک گھنٹے میں پہنچ جائیں گے جبکہ رکشہ بھی یہاں سے 40 منٹ میں وہاں پہنچائے گا۔ کھانا ملتوی کر دیا گیا اور پلیٹیں وہیں پڑی رہ گئیں۔ نینا کو کہا گیا کہ وہ میک اپ کرے ___ اور کافی سارا میک اپ ___ اور فوراً ایک منٹ میں کرے۔

نینا نے میک اپ کر کے چہرے کا کباڑا کر دیا اور ماہا اسے دیکھ کر چیخ پڑی ''کتنا گندہ میک اپ کیا ہے، تم شکل سے بڑھیا لگ رہی ہو۔''

اس نے کولڈ کریم کی ایک شیشی نکالی، اس کی کریم کو نینا کے چہرے پر تھوپا اور پھر تولیے سے اسے زور زور سے رگڑا اور پھر اس نے شروع سے باقاعدہ میک اپ کیا۔ نینا خوبصورت لگ رہی ہے اور ماہا نے تو کمال مہارت سے فاؤنڈیشن کے ذریعے اس کی آنکھوں کے نیچے موجود سیاہ حلقے بھی چھپا دیے ہیں۔

ہم رکشہ لے کر گارڈن ٹاؤن پہنچے۔ رکشے میں ہم پانچ لوگ ٹھنسے ہیں۔ میں ماہا اور نینا جبکہ صوفیہ اور معتذر ہماری ٹانگوں پر لیٹے ہیں۔ جب ہم باہر نکلے تو چڑے مڑے تھے۔ لیلیٰ کا گھر ماڈرن اور مہنگا ہے۔ جس روڈ پر اس کا گھر ہے اس پر سارے گھر ہی شاندار اور مہنگے ہیں۔ گھر چار دیواری میں گھرا ہے جس میں خوبصورت دروازے، ایک باغ، بے داغ پورچ جس میں دو پُرتعیش قسم کی کاریں کھڑی ہیں۔ اندر سے گھر اتنا متاثر کن نہیں ہے جتنا باہر تھا۔ اندر بڑے سے ہال نما کمرے میں تھوڑا سا فرنیچر ہے۔ صرف چند صوفے اور کمرے میں عجیب لگ رہا ایک ڈیپ فریزر۔ لیلیٰ اپنے مہمانوں کے ناؤ نوش کا اہتمام کر رہی ہے۔ لاؤنج میں سے اونچی اونچی آوازیں آ رہی ہیں۔ پارٹی مختصر اور چنیدہ لوگوں پر مشتمل ہے ___ صرف لیلیٰ اور اس کا شوہر، تین اور مرد اور چند عورتیں جو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اسی دھندے میں ہیں۔ ان میں سے ایک عورت بہت خوبصورت ہے اور اس بات سے آگاہ بھی ہے۔ دوسری کچھ بڑی عمر کی، موٹی اور بے کشش ہے اور وہ بھی اس حقیقت سے آگاہ ہے۔

کمرے کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ ابھی جیسے تکمیل کے مرحلے میں ہے۔ نامکمل سے اس کمرے کو سفید رنگ ہوا ہوا ہے، پردے، بہت بدوضع اور بے ترتیبی سے لٹک رہے ہیں۔ نیلے رنگ کا باسی سا ایک قالین نیچے بچھا ہے۔ شیشے کی ایک ڈائننگ ٹیبل، پرانے سے کچھ صوفے جن کے لکڑی کے ڈھانچوں پر کھدائی کا کام ہے۔ سفید پلاسٹک کے فریم میں دو چھوٹی سی چمکتی تصویریں، جو کسی گاؤں کا منظر دکھا رہی ہیں۔ ایک سنہری کلاک کے ساتھ دیوار پر لٹکی ہیں۔

موٹا، وہی نینا کا عاشق، ایک صوفے پر ایک خوبصورت عورت کے ہمراہ بیٹھا ہے۔ جب ہم نے اس کے ٹراوزر سے جھانکتی اس کی بنڈ کا نظارہ کیا تھا وہ اس سے کہیں زیادہ پھیل چکا ہے۔ اس نے ایک سفاری سوٹ اور اس کے اوپر ایک جیکٹ پہن رکھی ہے جو بمشکل اس کے آدھے پیٹ تک آ رہی ہے۔

نینا میں اور ماہا دروازے میں کھڑے ہیں اور عجیب سا احساس ہے جو ہمیں محسوس ہو رہا ہے۔ ہمیں میز کے ساتھ پڑی کرسیوں پر بیٹھنے کو کہا گیا اور مشروبات بھی ہاتھوں میں تھما دیے گئے۔ نینا کوشش کر رہی ہے کہ وہ موٹے کی طرف نہ دیکھے۔

فضا کچھی کچھی ہے جس کو مصنوعی طریقے سے مزاحیہ اور ہلکا پھلکا بنانے کی کوششیں جاری ہیں۔ پارٹی کو ماڈرن رکھنے کی کوشش بھی کی جا رہی ہے، اسے روایتی انداز سے ہٹ کر زیادہ سے زیادہ مغربی بنانے کی کوشش مضحکہ خیز شکل اختیار کر گئی ہے۔ مرد اور عورتیں بخوشی ایک دوسرے سے مل رہے ہیں مگر ایسا ہو نہیں پا رہا ہے کیونکہ مردوں کو معلوم ہی نہیں کہ عورتوں سے بات کیسے کرنی ہے۔ لیلیٰ نے چست قمیض سیاہ رنگ کی اور تنگ سی ٹراوزر پہن رکھی ہے اور مردوں کو متاثر کرنے کے لیے اونچی آواز میں بولتے اور پارٹی کو زندہ رکھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ بول تو وہ رہی نہیں ہے ___ یا چیخیں ہیں یا پھر قہقہے۔ اور وہ چل نہیں رہی بلکہ مور کی چال دکھا رہی ہے اور جب بھی اپنے شوہر کی طرف دیکھتی ہے چومنے والا منہ بنا کر دیکھتی ہے۔ کوئی چیز اسے بے چین کر رہی ہے۔ یہ وہ نفیس اور مہذب عورت نہیں لگ رہی جس سے کچھ ماہ پہلے میں ملی تھی۔ اس کے دانت بڑے بڑے لگ رہے ہیں۔ چہرے پر گہرا میک اپ جیسے تھوپ دیا گیا ہو، وہ بار بار میری اور ماہا کی طرف آ رہی ہے اور مطالبہ کر رہی ہے کہ آپ لوگ میرے مہمانوں کے ساتھ رقص کریں اور مطالبہ ایسی آواز میں کرتی ہے جیسے کوئی گھوڑا ہنہنا رہا ہو۔ ہم نے کہا کہ ہم صرف نینا کے ساتھ آئے ہیں اور ہم پارٹی کا حصہ نہیں ہیں۔

''ہراہ، 12 بج گئے۔'' لیلیٰ کیک لاتے ہوئے میری طرف دیکھ کر چلائی ''آپ کچھ کہیں ناں، آپ کچھ بولیں۔''

میں نے کہا ''ہیپی نیو ائیر'' اور کیک کاٹ دیا گیا۔ لیلیٰ کا شوہر جو ادھیڑ عمر آدمی ہے جس کے بال رنگے ہوئے، سرخ شرٹ اور پھولدار ٹائی لگا رکھی ہے، کیک کا ٹکڑا اٹھا کر ہماری طرف آیا اور ہم سب کو ایک لقمہ لینا

ہی پڑا۔ اس نے کیک پہلے ماہا کے منہ میں اور پھر میرے منہ میں رکھا اور کہا ''آئیے آنٹی!''

ماہا جھاگ اڑا رہی ہے ''تم نے سنا۔ بھین چو دہم سے بڑھا ہے اور ہمیں آنٹی کہہ رہا ہے۔''

نینا اور دوسری لڑکیوں کو حرکت میں لایا گیا تاکہ وہاں موجود مرد کسی کے ساتھ ڈانس کر سکیں۔ موٹا خود ہی مزے لینے میں مصروف ہے۔ اس کا پیٹ اس کے ڈانس پارٹنر کو پرے دھکیل رہا ہے اور وہ مستی میں ہاتھ ہلائے جا رہا ہے۔ دو دوسرے مرد اپنے سامنے موجود عورتوں کو خالی گھورے جا رہے ہیں، ان کے چہرے پر بدحواسی اور قدموں میں لڑکھڑاہٹ ہے۔

موٹا واپس اپنے صوفے پر جا کر گرا۔ وہ فل پیئے ہوئے ہے۔ اس نے اپنا گلاس خالی کیا تو ایک خوبصورت لڑکی بھاگ کر اس کی طرف گئی اور پھر سے لبالب بھر دیا۔ اب نینا کے ڈانس کا وقت ہو گیا اور فلور اس کے لیے خالی کر دیا گیا ہے۔ اس نے اپنا پاپ روٹین یہاں شروع کیا۔ وہ انتہائی پیشہ ور ہے اور اس نے کچھ بہت ہی مشکل حرکیات بھی آسانی سے کرنا سیکھ لی ہیں۔ وہ سر پیچھے کر کے اس طرح جھکی ہوئی ہے کہ نیلی سیاہ چمکدار روشنی چھوڑتے اس کے بال پیچھے کی طرف فرش کو چھو رہے ہیں۔ گانوں کے درمیان وہ تھوڑا سا سانس درست کر کے اپنی توانائی بحال کرتی ہے۔ میں اور اس کی ماں، نینا کا میک اپ کیے بغیر اس کے منہ سے پسینے کے قطرے ٹشو پیپر کے ذریعے پونچھتی ہیں۔

تماش بین نینا پر نوٹ پھینک کر یا کسی کے سر پر نوٹ رکھ کر اس کی تحسین کر رہے ہیں یا پھر وہ کسی کے گال پر رکھتے ہیں تاکہ نینا رقص کرتی ہوئی اس کی طرف جائے اور رقم وہاں سے لے کر نیچے فرش پر پڑے باقی نوٹوں کے ساتھ پھینک سکے۔ وقفے کے دوران وہ یہ رقم جمع کر کے لا کر اپنی ماں کو دیتی ہے جو اسے اپنے ہمراہ لائے بیگ میں ٹھونس دیتی ہے۔ ہم ساتھ ساتھ پیسوں کی گنتی کا کام بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ماہا نے مجھے ایک بار پھر یاد دلایا کہ موٹا ان سب میں زیادہ دریادلی سے پیسے پھینک رہا ہے۔ وہ پانچ پانچ سو کے نوٹ پھینک رہا ہے مگر اس نے اتنی زیادہ پی لی ہے کہ پیسے وارتے وارتے وہ لڑکھڑا کر لیلیٰ کے شوہر کی گود میں جا گرا۔

موٹا خوشی سے پھٹا جا رہا ہے۔ وہ ایک دلکش لڑکی کے سامنے ہاتھ ہلا ہلا کر لڑکھڑاتی زبان میں کہے جا رہا ہے کہ نینا بہت خوبصورت اور کمال کی رقاصہ ہے۔ نینا اپنے روٹین کا رقص اس طرح کیے جا رہی ہے کہ زیادہ تر وقت موٹے کی طرف اس کی پیٹھ رہی اور جب آخر میں اس نے کمر کے ایک شاندار جھٹکے کے ساتھ ڈانس ختم کیا تو موٹا بے قابو ہو گیا ''نینا، نینا'' وہ چلایا، اور سب کے ساتھ لیلیٰ بھی ہکا بکا رہ گئی۔

مہمانوں کو ایک بار پھر رقص کی دعوت دی گئی تو موٹے نے خود کو بمشکل گدیلے صوفے سے اٹھایا اور خوبصورت لڑکی کے ساتھ بے تکے انداز میں چھیڑ خانی کرنے لگا۔ لیلیٰ توانائی سے بھرپور رقص کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ اس کے ڈانس کو دیکھ کر یوں لگ رہا ہے جیسے کسی میوزک ویڈیو میں ماڈل رقص کر رہی ہو۔ پھر وہ

خوبصورت لڑکی کچھ دیر کے لیے غائب ہوئی اور چند منٹ بعد واپس آ گئی۔ وہ لڑکی اب مکمل سیاہ لباس میں ملبوس ہے جس کی دونوں طرفیں اوپر تک کٹی ہوئی ہیں۔ لڑکی نے بریزیئر نہیں پہن رکھا ہے اور موٹے کے چہرے کے تاثرات کو دیکھتے ہوئے یوں لگ رہا ہے جیسے وہ یہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ اس نے زیر جامے بھی پہنے ہیں کہ نہیں۔

ہم جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میوزک بند کر دیا گیا۔ لیلیٰ نے ہمیں کہا کہ اگر ہم ساری رات یہاں رکتے ہیں تو اسے بہت خوشی ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ اسے خوشی ہوتی مگر ہم دونوں جھٹکے سے اٹھے، معتذر اور صوفیہ کو اٹھایا جو صوفے پر لیٹے ہوئے تھے اور باہر رکشے کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں۔ رکشے والا باہر دھند میں کھڑا ہے اور حیرت انگیز حد تک اس وقت شوخ بنا ہوا ہے۔ اسے یقین ہے کہ میں بھی دھندا کرتی ہوں۔

اس نے مجھ سے عجیب سی آواز میں پوچھا ''تم بھی ناچنے گئی تھی۔''

میں نے کہا ''نہیں۔''

''تم ناچنے گئی تھی'' اس نے دانت نکالتے ہوئے کہا اور میرے ہاتھ کو کوئی درجن بھر اس شدت سے چوما کہ اس کی تھوک میرے ہاتھ پر چمکنے لگی۔

رات ڈھائی بجے کے قریب ہم کریم پارک پہنچے۔ عریبہ اور نیشا گھر پر نہیں ہیں۔ ماہا نے آتے ساتھ ہی پیسے گنے۔ یہ 5000 روپے ہیں۔ یہ زیادہ ہو سکتے تھے ''یہ تو اس کتی لیلیٰ کی وجہ سے ہے'' ماہا نے شکوہ بازی کا بازار پھر سرگرم کرتے ہوئے کہا ''وہ تماش بینوں کو کہتی رہی کہ سو سو والے نوٹ پھینکیں پانچ پانچ سو والے نہیں'' شکر ہے شراب کے نشے میں غرق موٹے نے اس کی بات نہیں سنی۔

عریبہ اور نیشا اگلی شام کو لوٹیں۔ ماہا انہیں ہیرا منڈی سے لائی۔ وہ ایک دلال کے گھر میں تھیں۔ گذشتہ رات نیشا کو دو گاہکوں کے روبرو پیش کیا گیا۔ نیشا نے بتایا کہ تماش بینوں کے پاس ایک لینڈ کروزر تھی، ویسے بھی یہ لوگ چار پہیوں والی ہر گاڑی کو لینڈ کروزر سمجھتی ہیں۔ اس کے اندر ایک خوبصورت سا چھوٹا ٹی وی تھا اور سامنے والی سیٹوں پر بیٹھے دونوں مردوں نے بلیک لیبل وسکی کی بوتلیں تھام رکھی تھیں۔ نیشا نے بتایا کہ پچھلی سیٹ پر اس کے ساتھ ایک اور لڑکی بھی بیٹھی تھی جس نے پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی اور جو بہت خوبصورت تھی۔ لڑکی کا سلوک تو اس کے ساتھ بہتر تھا مگر دونوں مردوں کا رویہ اس کے ساتھ دوستانہ نہیں تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ نیشا بہت پتلی ہے اور انہیں پُر گوشت لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔ اس لیے وہ نیشا کو دلال کے پاس واپس چھوڑ گئے۔ نیشا اس وقت چٹائی پر لیٹی ہذیانی انداز میں ہنسے جا رہی ہے۔ وہ ماہا سے سینڈوچ مانگ رہی ہے اور ماہا اسے کہہ رہی ہے کہ سینڈوچ کے لیے درکار گوشت اس وقت گھر میں نہیں ہے۔

عریبہ پرل کانٹی نینٹل گئی تھی۔ خدا جانے دلال نے کیا سوچ کر اسے پی سی روانہ کر دیا تھا۔ 13 سال کی

لڑکی جس کے سر میں جوئیں ہی جوئیں ہیں، ناخن ٹوٹے ہوئے اور ادب آداب سے عاری ہے اسے پرل کانٹی نینٹل جیسے ہوٹلوں میں کیسے خوش آمدید کہا جا سکتا ہے۔ وہ تمام رات ہوٹل کے اندر موجود رہی کیونکہ باہر پولیس شرابیوں اور رنڈی بازوں کو پکڑنے میں مشغول رہی اور نئے سال کی تقریبات سے بھرپور اس رات میں باہر نکلنا مشکل تھا اور خطرناک بھی۔ ہم سب کو اس سلسلے میں تھانے جانا پڑ سکتا تھا۔

نیشا اور نینا میرے بالوں کو سنوارنے میں لگی ہیں جبکہ ماہا نیم بے ہوشی کے عالم میں لیٹی ہے۔ وہ پھر ایٹی وان کی گولیاں لینے لگی ہے۔ معتذر اس کی پیٹھ میں لاتیں مار رہا ہے جبکہ صوفیہ منہ میں ایٹی وان پنسل کھول کر رکھے ہوئی ہے۔ اس کا منہ کالی سیاہی سے بھر گیا ہے اور اس کا خیال ہے کہ اگر کالی سیاہی کی یہ تھوکیں نئی دھلی بیڈ شیٹ پر سپرے کی جائیں تو وہ خوبصورت لگے گی۔ وہ کمرے میں موجود فریج پر بھی اس سیاہی سے پینٹ کر چکی ہے۔ ماہا بڑبڑاتے ہوئے اس گندگی کے بارے میں کوئی بات کہتے کہتے خاموش ہو گئی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ سو گئی۔

ماہا آج پھر رونے کے قریب ہے۔ لڑکیاں پھر لڑ رہی ہیں اور ماہا کا مزاج اتنا چڑچڑا ہو چکا ہے کہ وہ اب ان کا شور برداشت نہیں کر پا رہی ''جاؤ اور کہیں جاؤ مر جاؤ، کتیو'' وہ چلائی ''میں قسم کھا کے کہہ رہی ہوں لوئیس یہ لڑکیاں میری موت کی وجہ ہوں گی۔''

فون کی گھنٹی بجی اور ماہا نے شیریں آواز میں فون پر ہیلو کہا۔ فون سننے کے بعد اس نے فون نیچے رکھا اور پھنکاری ''بھین چود۔'' یہ ایک بڑے دلال کا فون تھا جو دو لڑکیوں کے رات بھر کی قیمت دو ہزار کہہ رہا تھا۔ یہ ہتک ہے۔ نیشا اور عریبہ 16 اور 13 سال کی ہیں وہ اپنی عمر کے بہترین دور میں ہیں مگر شاید وہ بہترین معیار کی نہیں ہیں۔ نیشا ہڈیوں کے ایک گچھے کے سوا کچھ نہیں اور عریبہ کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے وہ گلی میں سے اٹھا کر لائی گئی ہے۔ ماہا نے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا ہے کیونکہ وہ اپنی لڑکیوں کی قیمت معیاری رکھنا چاہتی ہے۔ ''ابھی ہم پر ایسا برا وقت بھی نہیں آیا'' ماہا کہتی ہے مگر دلال ماہا کی حالت سے باخبر ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ مول تول میں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ماہا اپنی آمدنی بڑھانے کے کچھ اور طریقوں پر بھی غور کر رہی ہے۔ وہ ڈریس ڈیزائننگ خدمات کے حوالے سے قیمتی ملبوسات تیار کر کے امرا کے طبقے کی عورتوں کے لیے بوتیکوں میں بیچنے کا پروگرام بنا رہی ہے۔ وہ بیڈ شیٹس تو اچھی سی لیتی ہے مگر کپڑوں کا معاملہ تھوڑا سا مختلف ہے۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ وہ خود دوبارہ دھندا کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہے مگر اب یہ ناممکن خیال محسوس ہوتا ہے۔ اسے ہیرا منڈی سے باہر دھندے کے لیے جانا ہوگا تا کہ کوئی اسے بے عزت ہوتا نہ دیکھ سکے۔ وہ تجارتی منڈیوں اور بس سٹاپوں کی ان جگہوں اور شہر کے دیگر ان کونے کھدروں میں جا کر کھڑی ہوگی جہاں رکشے اور موٹر سائیکل آ کر رکتے ہیں اور چند سو روپوں کے لیے جسم بک جاتے ہیں۔ مگر اس کا تکبر اس کی اجازت نہیں دیتا اور یہ اس کے

وقار کے بھی منافی ہے۔

نیشا صوفے پر بیٹھی کانپ رہی ہے اور اپنا مڑا ہوا بازو اوپر اٹھانے کی کوشش کر رہی ہے۔

''کوئی مجھ سے پیار نہیں کرتا...... اور میرا بازو، ہائے'' مجھے پتہ نہیں کہ آیا وہ واقعی اِسی بات پر دکھی ہے لیکن مجھے معلوم ہے کہ نیشا بھی اب، مردوں سے نفرت کرنے والی عورت ہونے کے باوجود اس بات پر پریشان ہے کہ گھر کا کوئی بھی فرد ڈھنگ سے دولت نہیں کما پا رہا۔

اقبال

اقبال بھی ان دنوں پریشان ہے۔ میں اسے ہنسانے کی کوشش کرتی ہوں، اسے وہ تمام کامیابیاں یاد دلاتی ہوں اور وہ دلچسپ اور چیلنجنگ چیزیں جو اس کے سامنے ہیں ان کے بارے جوش دلاتی ہوں لیکن مجھے ابھی تک کامیابی نہیں ملی۔ وہ اب میرے ساتھ چھت کی بالکنی پر بھی نہیں بیٹھنا چاہتا ہے۔ وہ باہر بھی نہیں جانا چاہتا ہے۔ سب سے پریشان کن بات یہ ہے کہ وہ اب نقش گری بھی نہیں کر رہا ہے۔ اگر اقبال نے پینٹ نہ کیا تو وہ ضائع ہو جائے گا، ضائع تو وہ شاید پینٹ کر کے بھی ہو جائے گا لیکن اس سے کم سے کم اس کے پاس کوئی مصروفیت تو ہو گی۔ اس نے اپنی بنیادوں کو بھولے بغیر اور ان لوگوں کو فراموش کیے بغیر جن کے ساتھ وہ پلا بڑھا ہے خود کو ہیرامنڈی کی غاروں والی زندگی کے معیار سے اوپر اٹھایا ہے مگر وہ اس جگہ اور اپنی زندگی سے خائف ہے۔ میرا خیال ہے اس کی روح کبھی سکون حاصل نہ کر سکے گی۔

جذباتی بندھن اقبال کے لیے سوہانِ روح ہیں۔ وہ اپنے جذباتی رشتوں کو بہت چاہتا ہے لیکن پھر بھی عمر بھر اپنے خاندانی رشتوں کے علاوہ اس نے جو بھی رشتے دیکھے وہ یا تو دولت کے گرد گھومتے ہیں یا پھر سیکس کے گرد۔ ہیرامنڈی میں کوئی بھی نقش پائیدار نہیں اور محبت یہاں ایک دھوکہ اور سراب کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اقبال یہ سب کچھ مجھ سے زیادہ جانتا ہے مگر وہ اس سب سے کچھ زیادہ چاہتا ہے۔ وہ محبت کرنا چاہتا ہے مگر نہیں جانتا کہ کیسے اور نہ وہ یہ سیکھنا چاہتا ہے ___ اس لیے وہ محبت کے بجائے پینٹ کرتا ہے۔ وہ ہیرامنڈی کی عورتوں کی تصویریں بناتا ہے کیونکہ یہ وہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعے سے وہ ان سے جڑ سکتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیا مجھے وہ میرے ان الفاظ پر کبھی معاف کر سکے گا کہ نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ وہ مجھے معاف کر دے گا کیونکہ وہ بھی ان لفظوں کو بہت بہتر طریقے سے جانتا ہے۔

عریبہ ناچنے والی

دوپہر ہو چکی ہے مگر ماہا کے گھر میں ابھی تک اندھیرا ہے۔ ہر شخص یہاں ابھی تک سو رہا ہے۔ کمرے کے کونے میں دھلنے والے کپڑوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ برتن، کھانے کی پلیٹیں اور بچا کھچا کھانا چار پانچ دن سے

اسی حالت میں پڑا ہے۔ نیشا نے بتایا کہ اس کی ماں کل اکیلی باہر گئی اور نیند کی گولیوں کا ایک پورا پتا لے آئی اور ساری گولیاں کھا کر سو گئی۔ ماہا نے اپنی ایک آنکھ کھول کر مجھے دیکھنے کی کوشش اور تھوڑا سا ہلنے کی کوشش کی۔

عریبہ جاگ گئی ہے اور کمرے میں گھوم رہی ہے اور لنگڑا کر چل رہی ہے۔ پرانے گھر میں جب ابھی میں یہاں تھی، اگست میں، اس کے پاؤں میں ایک کیل کھب گیا تھا اور اب اس کا زخم اسے تنگ کر رہا ہے کیونکہ وہ خراب ہو چکا ہے۔ یہ سوج چکا ہے اور اس میں پیپ بھی پڑ گئی ہے۔ اس نے اپنا پاؤں میرے منہ کے اتنا قریب کیا کہ مجھے اپنا چہرہ پیچھے ہٹانا پڑا۔

دوسری طرف ماہا عریبہ کے بارے میں نہیں بلکہ عدنان کے متعلق کوئی بات کرنا چاہتی ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے جا چکا ہے۔ مگر وہ اب بھی کبھی کبھار ماہا کی زندگی میں دخل دے رہا ہے۔ اب وہ اپنی باقاعدہ فیملی سے پناہ لینے کے لیے ماہا کی زندگی میں دوبارہ آنا چاہتا ہے اور اسے ان سکھی اور خوش و خرم دنوں کی یاد دلا رہا ہے جب وہ اس کا ایک سچا عاشق ہوا کرتا تھا۔ ان کے مابین رشتہ اسی پرانی ڈگر پہ آ گیا ہے۔ وہ گزشتہ تین ہفتوں سے نہ تو ماہا کو ملنے آیا ہے اور نہ ہی کوئی پیسے دیئے ہیں۔ میں ماہا کے ساتھ اس کی رضائی میں گھسی بیٹھی ہوں اور اس کے گھریلو مسائل پر بات چیت ہو رہی ہے۔ صورت حال بہت گمبھیر ہے۔ معاشی حالت اتنی پیچیدہ ہے کہ ماہا کو گھر کا بجٹ پورا کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ اس کا گھر اس وقت مکمل خسارے میں جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ قرض کا بوجھ بھی اس پر بڑھتا جا رہا ہے۔ اس نے بجلی کی اشیا کا ایک مکمل سیٹ ایک سیلز مین سے خریدا تھا جس کو ہر مہینے ایک ہزار روپے کی قسط اس کے ذمے واجب الادا ہوتی ہے۔ اس کا اصرار تو یہی ہے کہ یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ سیلز مین کے بارے میں اس کی رائے ہے کہ وہ شریف آدمی ہے اور قسط کے لیے زیادہ تنگ نہیں کرتا۔

زیور بھی اس کے پاس کوئی باقی نہیں بچا، وہ تمام کے تمام زیور گروی رکھ چکی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی بالیاں اور سونے کی چین جو اس کے لیے عزیز از جان تھیں وہ بھی نہیں رہیں۔ ان چیزوں کی قیمت کسی بھی طرح تیس ہزار روپے سے کم نہیں تھی مگر جیولری مارکیٹ میں وہ انہیں صرف چودہ ہزار روپے میں گروی رکھ آئی۔ اگر اب وہ انہیں واپس لینا چاہے تو اسے نہ صرف یہ قرض بلکہ جتنے مہینے تک یہ زیور گروی تھے اس کے ہر مہینے کے دو ہزار روپے بھی دینے ہیں۔ یوں سمجھیں کہ زیور اب اس کے ہاتھ سے جا چکا ہے۔

عریبہ بھی کہیں چلی گئی ہے۔ چند گھنٹوں پہلے ایک بڑی سی شال اوڑھ کر وہ لنگڑاتی ہوئی کہیں چلی گئی ہے۔

''وہ نہیں جا سکتی۔ یہ اس کی ماہواری کے دن ہیں۔'' ماہا سیڑھیوں پر بیٹھے دلال کو اس کی خون آلود شلوار دکھا کر کہہ رہی ہے۔ عریبہ کے ایام نہیں ہیں، یہ صرف بہانہ بازی ہے اور دلال اس کو خوب جانتا ہے۔ دلال

جانے پر تیار نہیں بلکہ وہ ایک اور تجویز پیش کر رہا ہے۔ وہ عریبہ سے خود جنسی تعلق پروان چڑھانا چاہتا ہے اور ماہا کو زیادہ پیسے دینے کی پیشکش کر رہا ہے۔ ہم خود بھی دیکھ سکتی ہیں کہ دلال صحن میں عریبہ سے چپکے چپکے راز و نیاز میں لگا ہے۔ وہ اسے کہہ رہا ہے کہ باہر رکشہ موجود ہے جو اسے ہیرامنڈی لے جانے آیا ہے جہاں وہ کچھ پیسے کما سکے گی۔

''ہمیں دوبارہ وہیں جانا پڑے گا'' ماہا نے کرب انگیز لہجے میں کہا ''ورنہ یہ دلال میری بیٹی کو نگل جائے گا'' عریبہ اس کے انتظام میں چلی گئی تو گھر میں کمانے والا ایک اور آدمی کم ہو جائے گا۔ عریبہ کمرے میں واپس آئی اور فرش پر گر گئی۔ ماہا اسے گھور کر دیکھ رہی ہے۔

آخرکار آج ماہا عریبہ کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی ہے تاکہ اس کے پاؤں کے خراب ہوتے زخم کا علاج کرا سکے۔ اس کی پٹی کی گئی ہے اور ڈاکٹر نے کہا کہ روزانہ نئی پٹی ہوگی اس لیے مریض کو روزانہ ہسپتال لے کر آنا ہوگا۔

''جاؤ اور برتن دھوؤ اور فرش صاف کرو'' ماہا نے لڑکیوں کو حکم دیا۔ مگر کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ نیشا قیلولہ کر رہی ہے۔ نینا بیٹھی ایک فلم دیکھ رہی ہے اور اس کی ہیروئن کی ادائیں سیکھنے کے لیے ان کی نقل اتار رہی ہے۔

ماہا زور سے چلائی ''عریبہ گشتی۔''

''لیکن میرا پیر۔ میں بیمار ہوں'' عریبہ رو دی۔

اس نے برا سا منہ بنایا اور اپنا ہاتھ اپنے پاؤں پر پھیرنے لگی۔ وہ ایک انچ گہرے پانی کی سطح پر کھڑی ہے اور اس کا زخم گیلا ہونے کا خدشہ ہے۔

ہم نیشا کو زکریا ہسپتال لے کر جا رہی ہیں۔ اس کے بازو میں شدید تکلیف ہے اور وہ مڑ نہیں پا رہا۔ اس کے علاوہ اس کے پیٹ میں بھی شدید درد ہے۔ اس میں تو اب اتنی بھی جان باقی نہیں رہی کہ وہ نینا کے ساتھ ناچ سکے۔

ڈاکٹر کوئی عطائی قسم کا ہے۔ اس نے ہمیں بتایا کہ وہ ہڈیوں کے ڈاکٹر کو بلا رہا ہے اور آپ لوگ کل مریض کو لائیے گا۔

''کیا معاملہ پیچیدہ ہے'' ماہا نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

ڈاکٹر نے مریضہ کا بازو ایک بار پھر معائنے کے لیے اٹھایا اور کہا ''ہم دیکھیں گے'' اس نے اضافہ کرتے ہوئے مزید کہا ''ہڈیوں کا خصوصی معالج بڑا ڈاکٹر ہے وہ ٹھیک رہے گا۔ وہ انگریزوں کا علاج کرتا رہا ہے۔''

چار گھنٹے تک بیٹھے ہم اس ڈاکٹر سے ملنے کا ہسپتال میں انتظار کرتے رہے جو انگریزوں کا علاج کرتا رہا

تھا۔ پہلے ہم نے عریبہ کے پاؤں کی پٹی کرائی۔ بعدازاں ہم ڈاکٹر صاحب کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ پٹی والے کمرے میں چھوٹی سی ایک میز نما ریڑھی پر پٹیاں، روئی، آئیوڈین کا ایک برتن، کچھ قینچیاں اور ایک ٹویزر پڑا ہے۔ سارے آلات میلے ہیں۔ ایک مرد نرس، جس نے ابھی ابھی ایک بوڑھی خاتون کی پٹی کی ہے وہ عریبہ کے پاؤں پر بننے والی مردہ جلد کو کاٹ رہا ہے۔

آخرکار ہمیں ڈاکٹر سے ملنے بلایا گیا...... مشورے کا دور بہت ہی مختصر رہا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ نیشا کو جوڑوں کا مرض ہے اور ایک نسخہ لکھ دیا...... اس نے نیشا کو بتایا کہ وہ روزانہ دو گھنٹے کے لیے سورج کی روشنی میں بیٹھا کرے۔

''کیا یہ ٹھیک ہو جائے گی؟'' میں نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

''انشاءاللہ'' اس نے جواب دیا۔

میڈیکل سٹور والے نے ہمیں دوائیوں کا ایک شاپر بھر دیا۔ زیادہ تر وٹامن کی گولیاں ہیں۔ کچھ دوائیاں بہت زیادہ مہنگی بھی ہیں۔ شربت کی ایک شیشی جو ایک ہفتے میں ختم ہونی تھی وہ پانچ سو روپے کی ہے۔ کمپاؤڈر نے ہمیں بتایا کہ مریضہ کا تین مہینوں تک علاج ہوگا۔ یہ علاج کافی مہنگا ہے اور میرا خیال بھی ہے اور امید بھی کہ ماہا دلجمعی سے یہ علاج کرائے گی۔

اب ہم گھر واپس آ رہے ہیں۔ واپسی پر ہم ٹانگوں، رکشوں اور موٹر سائیکلوں کے اژدہام میں بیچ سڑک پھنس گئے۔ شام کا دھندلکا پھیل چکا ہے اور میں واپسی کے اس سفر کے دوران نیشا کو نصیحت کرتی رہی کہ وہ تمام ادویات باقاعدگی سے استعمال کرے اور جو کچھ ڈاکٹر نے کہا ہے اس پر عمل کرے۔

''لیکن لوئیس آنٹی'' اس نے لڑکھڑاتی اور بوجھل آواز میں گلہ کیا ''میں روزانہ دو گھنٹے تک دھوپ میں کیسے بیٹھوں گی، ماں کہتی ہے اس سے میں بدصورت ہو جاؤں گی۔''..............

''یہ کافی نہیں ہیں۔ ایک رات کے پندرہ سو روپے کافی نہیں ہے۔ عریبہ بالکل بچی ہے۔ کم سے کم تین ہزار روپے'' ماہا ایک ہیٹر کے سامنے بیٹھی دلال سے معاملات طے کر رہی ہے۔ دونوں یوں بیٹھے لڑکی کے بدن کی قیمت لگا رہے ہیں گویا وہ ایک قالین کی دکان پر مول تول میں لگے ہوں۔ کاروباری معاملات کے دوران چائے، گپ شپ اور چند راتوں پہلے پڑنے والے چھاپے سے متعلق بھی باتیں ہوتی رہیں۔ یہ دلال ہیرامنڈی سے آیا ہے اور دونوں پرانے شاطر یہاں بیٹھے اس بات پر ہنس رہے ہیں کہ یہ علاقہ بھی اب چھوٹا سا ہیرامنڈی بن چکا ہے کیونکہ بہت سی کنجریوں نے یہاں اپنے اڈے بنا لیے ہیں۔

عریبہ ہمارے ساتھ بیٹھی کچھ اکتاہٹ کا شکار لگ رہی ہے۔ وہ اپنے ہیئر بینڈ سے کھیل رہی ہے۔

''تمہارا کیا خیال ہے لوئیس'' ماہا نے پوچھا اور پھر مجھ سے کسی جواب کی توقع کیے بغیر وہ بولی: ''یہ ہیرامنڈی ہے، ایک کنجری کی زندگی۔''

پھر ماہا نے دلال کی طرف رخ کرتے ہوئے تجویز دی۔ ''کہو تو میں چلی جاؤں''

''مگر وہ جوان لڑکی چاہتے ہیں۔''

''دیکھا لوئیس'' وہ میری طرف مڑی ''دیکھا تماش بین کیا چاہتے ہیں؟''

وہ غصے میں ہے اور ماچس کی تیلی کو اپنے دانتوں کے درمیان یوں گھما رہی اور اس شدت سے کہ مجھے لگا اس کے جبڑوں سے خون نکل آئے گا۔

ماہا نے کہا وہ ایک بچی کو چکھنا چاہتا ہے۔ وہ اسے ''چکھنا'' چاہتا ہے۔ ماہا نے دلال کو بتایا کہ وہ اس وقت سے دھندے میں ہے جب وہ ابھی 12 سال کی تھی اور اس کا پہلا شوہر شیخ زید تھا۔ وہ یوں بیٹھی یہ قصہ سنا رہی ہے جیسے کوئی بوڑھا سپاہی جوانی میں اپنی جنگجوئی کے قصے بیٹھ کر سناتا ہے۔

''3000 روپے'' اس نے پھر کہا۔

دلال نے اپنا سر نفی میں ہلایا ''1500 روپے، بس۔''

''کیا تم جانا چاہتی ہو'' ماہا نے عریبہ سے پوچھا۔

عریبہ نے برا سا منہ بنایا۔ وہ ناخوش ہے۔ مگر وہ انکار بھی نہیں کرنا چاہتی۔

دو ہفتے پہلے نیو ائیر کی تقریبات کے بعد کوئی بھی کام نہیں کیا ہے۔

میں نے عریبہ کو بازو سے تھاما۔ مگر اس نے بل کر بازو سے میرا ہاتھ پرے کر دیا۔

اس کی ماں نے اسے پکڑنا چاہا تو عریبہ نے اسے بھی پرے دھکیل دیا اور دلال کو ہاں میں گردن ہلا دی۔

ہم تمام لوگ گیس ہیٹر کے سامنے بیٹھے اس کے بدلتے رنگ دیکھ رہے ہیں۔ گرمی عریبہ کے پاؤں پر بندھی پٹی سے جلد میں جذب ہو رہی ہے۔ کمرے پر عجیب سی خاموشی طاری ہے۔ طوفان سے پہلے کی خاموشی۔

''کیا عریبہ نے پہلے بھی یہ کیا ہے؟'' جب ہم برتنوں کی صفائی کر رہی تھیں تو میں نے ماہا سے پوچھا۔

''تین چار بار۔ لیکن یہ رقم بہت خطرناک ہے۔ ان کا خیال ہے عریبہ ایک بدکردار لڑکی ہے۔ بازار میں موجود مردوں نے اسے دیکھ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کی قیمت کم لگاتے ہیں۔ نینا کی رقم اس لیے زیادہ ہے کہ اس نے آج تک ایسی حرکت نہیں کی۔ وہ شریف ہے۔ ایک نوجوان لڑکی کو پانچ، چھ، سات ہزار لانے چاہئیں لیکن وہ عریبہ کے بارے میں کہتے ہیں یہ گندی ہے۔''

''میں کیا کروں لوئیس'' ماہا نے برتن مانجتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولی: ''تماش بین اب مجھے نہیں چاہتے اور میری بڑی بیٹی کا ایک بازو خراب ہے۔ دیکھو اسے، اور نینا یوں جا نہیں سکتی کہ اگر وہ بازار کی نظر ہو گئی تو اسے اچھا شوہر نہیں مل سکے گا۔ جب نینا کی شادی ہو گی ہمارے حالات تبھی بہتر ہوں گے، ہر چیز ٹھیک ہو جائے گی۔''

نینا کی دوشیزگی اب بھی خاندان کی عارضی نجات کی ایک امید ہے۔

''عریبہ کم سن ہے، میں جانتی ہوں مگر میں کر کیا سکتی ہوں؟'' ماہا نے آہ بھر کر کہا۔

''میں اسے برا بھلا کہتی رہتی ہوں مگر میں یہ بھی جانتی ہوں اس کا دل بہت اچھا ہے۔''

عریبہ کو تیار کیا جا رہا ہے۔ نینا اور نیشا باہر گئیں ہیں تا کہ اس کے لیے کریم بلیچ کی ایک ڈبی لا سکیں۔ یہ کریم اگرچہ چہرے کے بالوں کو جلد سے ہم آہنگ کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے لیکن اگر اسے زیادہ دیر لگایا جائے تو اس سے جلد بھی گوری ہوتی ہے۔ ماہا نے کریم کو اچھی طرح مکس کیا اور پھر عریبہ کے چہرے اور گردن پر مل دیا۔ اسے یہ کریم زیادہ استعمال کرنی چاہیے کیونکہ ہر کوئی بار بار اس کی سیاہ رنگت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

''نہ جاؤ'' میں نے کہا ''یہ آدمی برا ہے غالباً سارے تماش بینوں سے برا۔''

''نہیں لوئیس آنٹی'' عریبہ منمنائی ''ہمیں رقم کی ضرورت ہے۔''

اس نے برا سا منہ بنایا کیونکہ کریم اسے چبھ رہی ہے۔

میں نے اس کے چہرے پر موجود کریم کو ایک سٹک کے ذریعے ہٹایا اور باقی کریم کی صفائی کے لیے وہ منہ دھونے چلی گئی۔ سب کا خیال ہے اب وہ بہتر لگ رہی ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آیا کہ بہتر لگنے سے ان کی کیا مراد ہے کیونکہ مجھے تو وہ ویسی ہی لگ رہی ہے۔ اس نے مجھے کہا کہ میں اس کے بالوں میں کنگھی کروں اور پھر میرے گلے سے لگ گئی۔ میں نے اسے کہا کہ مجھ سے وعدہ کرو تم نہیں جاؤ گی، میں اقبال کے گھر کی طرف واپس جا رہی ہوں۔ وہاں سے مجھے اپنی چیزیں سمیٹ کر ائیرپورٹ جانا ہے جہاں سے انگلینڈ اپنے گھر کی طرف میری فلائٹ ہے۔ میں نے کہا میں وہاں سے کچھ پیسے بھیجوں گی۔ اس نے میری طرف دیکھا اور کھلکھلا کر ہنس دی۔

اس نے الماری میں سے کھنگال کر نینا کا ایک پرانا سوٹ نکالا۔

میں نے اسے کہا ''قرآن کی قسم کھاؤ'' لیکن وہ یہ سن کر اور اونچی آواز سے ہنس دی۔

میں جا رہی ہوں۔ ماہا نے رضائی کے اندر سے ہاتھ ہلا دیا۔ 81 (ایٹی وان) کی گولیاں اس پر اثر کرنا شروع ہو چکی ہیں۔ نیشا اور نینا میرے ارد گرد گھوم رہی ہیں جبکہ صوفیہ میری ٹانگوں سے لپٹی ہے۔ عریبہ کمرے کے کونے میں بچھے تولیے پر اپنا سوٹ پھیلا کر استری کا سوئچ لگا رہی ہے۔ اس نے میری طرف دیکھا، مسکرائی اور منہ پھیر لیا...... اسے کام کرنا ہی ہوگا۔

پرانے طریقے — نئی قسمتیں

میں نے ایک سال تک ہیرامنڈی کا چکر نہیں لگایا ہے اور میری اس غیر حاضری میں ہیرامنڈی مکمل

طور پر بدل چکی ہے۔ مقامی حکومت لاہور کو سیاحوں کی دلچسپی کا شہر بنانا چاہتی ہے۔ شہر کے ایک بازار کو پہلے ہی فوڈ اسٹریٹ میں بدلا جا چکا ہے جس میں اوپن ائیر ریستوران ہیں اور جس کی پرانی عمارتوں کو رنگا رنگ پینٹس کے ذریعے بدلا جا چکا ہے۔ اسی طرح کا ایک منصوبہ لاہور کے اس روایتی قدیم علاقے کے لیے بھی تھا جسے پرانا شہر کہا جاتا ہے مگر محافظین اخلاق نے اس منصوبے کی یہ کہہ کر مخالفت کر دی کہ سیاح ریستورانوں کی میز سے سیر ہو کر اٹھیں گے تو جنسی اشتہا کی تشفی کے لیے سیدھا ان قحبہ خانوں کا رخ کریں گے۔ ہیرامنڈی کی عورتوں کو جب اس منصوبے کی تنسیخ کا علم ہوا تو وہ بہت مایوس ہوئیں۔ لیکن اتنا تو ہوا ہے کہ اب بادشاہی مسجد کے قرب میں موجود محلے کا علاقہ اتنا صاف ستھرا ہو گیا ہے کہ وہ سیاحوں کی دلچسپی کی چیز نظر آتا ہے۔

فورٹ روڈ ہموار ہو چکی ہے۔ جہاں کوڑے کا ایک ڈھیر کبھی موجود ہوتا تھا اب وہاں ایک چشمہ ابل رہا ہے، اور جہاں کبھی نشئی بیٹھ کر نشہ فرمایا کرتے تھے اب ان جگہوں پر خوبصورت لائٹیں لگ گئی ہیں۔ لڑکے اب بادشاہی مسجد کے سامنے کرکٹ نہیں کھیلتے، اور اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ وہ دوبارہ اپنے بلے اور گیند لے کر یہاں کھیلنے نہ آ دھمکیں، ہرے میدان کے درمیان میں پڑے بینچ پر دو محافظ بٹھا دیے گئے ہیں جن کی بڑی اور رعب دار مونچھوں کے علاوہ ان کے پاس بندوق بھی ہے۔

سرمئی اور بدہیئت عمارتوں کے سامنے والے حصوں پر نیا رنگ چڑھ چکا ہے، کہیں کریم، کہیں بھورا، کہیں گہرا سرخ تو کہیں ہلکا نیلا۔ کھڑکیاں، بالکنیاں اور دروازوں پر متضاد رنگوں کے ذریعے رونق پیدا کی گئی ہے۔ شام کے وقت فورٹ روڈ کا نظارہ مسحور کن ہوتا ہے۔ خوبصورت لائٹنگ، مسجد، سکھ محل اور حضوری باغ پر جگہ جگہ لگی سپاٹ لائٹیں پورے منظر کو دلکش بنا رہے ہیں۔ بغلی گلیوں میں زیادہ تبدیلیاں نہیں ہوئیں۔ یہاں کھلے گٹر اور گڑھوں والی سڑکیں، کچرا اور بوسیدہ دیواریں بدستور موجود ہیں۔ یہاں سے نشئی بھی رفو چکر نہیں ہوئے ہیں بلکہ مسجد کے احاطے کے باہر نشہ کرنے والے بھی ہیرامنڈی کی ان گلیوں میں ہجرت کر کے آ گئے ہیں۔ ترنم چوک میں موجود پرانی کئی منزلہ عمارت ڈھے چکی ہیں جس نے نشیئوں سمیت کئی مردوں کو اوپن ائیر ٹوائلٹ کی سہولت فراہم کی ہے اور جوں جوں اس کا ملبہ اٹھتا جاتا ہے پرانا گند صاف ہو کر لوگوں کو پھر دعوت دیتا ہے کہ ٹوائلٹ صاف کیا جا چکا ہے۔

کوٹھے کی تمام عمارتیں اسی طرح سر اٹھائے کھڑی ہیں۔ بہت سی کھڑکیوں اور بالکنیوں میں کئی نئے چہرے بھی نمایاں نظر آ رہے ہیں۔ دیہاتی خاندان کوٹھے کو خدا حافظ کہہ کر جا چکا ہے۔ تمام فینسی فرنیچر بھی ان کے ساتھ ہی چلا گیا ہے۔ یہ لوگ کسی بہتر علاقے کی طرف نکل گئے ہیں۔ کسی ایسی جگہ پر جہاں کے کمرے اتنے کشادہ ہیں کہ ان کے بڑے پلنگ اور باقی فرنیچر باآسانی ان میں سما سکتا ہے۔ اس خاندان کی قسمت کا ستارا کم وقت میں زیادہ بلندیاں طے کر گیا ہے۔ پانچ سال پہلے یہ لوگ اپنے گاؤں میں تھے۔ چار سال پہلے

یہ تباہ حال دو کمروں کے مکان میں چوہے کی طرح رہتے تھے جہاں کنجر خاندان انہیں پینڈو گنوار اور دیہاتی کہہ کر ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ پھر ان کی لڑکیوں کے دوبئی کے چکر لگے اور انہوں نے ایک شان سے ہیرامنڈی کے اس گھر کو چھوڑ دیا۔ اپنے ویڈیو پلیئر اور تین رکشوں میں بجلی سے چلنے والی اشیا سمیت وہ ایک نئے علاقے کے ایک بہتر مکان میں شفٹ ہو گئے ہیں جہاں ان کی مرغیوں کے لیے نئے کمرے اور ان کے پھد کنے اور پھڑ کنے سمیت تلنے کے لیے نیا ماحول، نئی کرسیاں، نئے صوفے اور نئے قالین موجود ہیں۔

پچھلے کچھ سالوں میں کوٹھوں کے کونے میں زیر تعمیر امام بارگاہ میں اب نمایاں پیش رفت ہو چکی ہے۔ اب اسے دیکھ کر ایسے لگتا ہے جیسے یہ ہمیشہ سے یہیں موجود چلا آ رہا ہے۔ باتھ روم کی ٹائیلوں کے ساتھ ایک دھاتی جنگلے کا بھی اضافہ ہو گیا ہے، ایک گیٹ بھی شان کے ساتھ موجود جلوے بکھیر رہا ہے۔ چند جھاڑ جھنکاڑ بھی ارد گرد اُگ آئے ہیں جہاں کئی چھوٹے چھوٹے چراغ تبرک کے طور پر جل رہے ہیں۔ ان چراغوں کو رات کو دیکھیں تو بہت خوبصورت لگتے ہیں۔ وہ دلال جو اس امام بارگاہ کا سرپرست تھا وہ یقیناً بہت خوش ہو گا۔ اس کی مذہبی زندگی اور معاشرے میں اس کی شہرت کو بھی چار چاند لگ گئے ہوں گے، اور غالباً اس کا دھندا بھی اب چمک اٹھا ہو گا۔ اس کے گھر میں تین نئی اور انتہائی خوبصورت لڑکیاں تو میں دیکھ ہی چکی ہوں۔

ماہا کی نئی سلطنت

نئے پینٹ کیے گئے دروازوں کے پیچھے ہیرامنڈی کی اندرونی دنیا میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ ماہا نے ایک شاندار بلڈنگ میں اپنا نیا گھر لیا ہے۔ وہ ایک بار پھر ہیرامنڈی کی دنیا میں لوٹ آئی ہے۔ کریم پارک والے اس کے گھر سے اسے بے عزت کر کے نکالا گیا۔ پولیس نے اسے گھر سے نکالا اور دھکا دے کر گلی میں گرایا۔ پھر انہوں نے چمڑے کی اپنی چھتریوں سے تمام ہمسایوں کی موجودگی میں خوب دھلائی کی۔ لازماً پولیس کی جیبیں خالی ہو گئی ہوں گی جس کی وجہ سے انہیں کلین اپ آپریشن کی شدید ضرورت آن پڑی ہو گی۔ عریبہ اور نیشا کی بھی کوڑوں سے پٹائی کی گئی تھی۔ عدنان نے تھانے سے چھڑانے میں ان کی مدد کی۔ جس کے لیے اسے پولیس والوں کو ایک لمبی تڑنگی رشوت دینی پڑی۔ ماہا کے چہرے پر آنے والے زخموں کے علاج کے لیے ہسپتال کے بل بھی عدنان نے ہی ادا کیے۔ اس کی طرف سے پیسے خرچ کرنے کے باوجود ماہا کے غرور کو لگنے والی ٹھیس سے ابھرتی نفرت کم نہ ہوئی۔ ایک صبح پورے خاندان نے خاموشی سے کریم پارک کا اپنا گھر چھوڑا اور معاشرتی کلنک کی علامت چکلا خانوں کے ایک کوارٹر میں ایک بار پھر آ کر آباد ہو گیا۔

ماہا کی نئی رہائش گاہ پچھلی تمام رہائش گاہوں کے مقابلے میں کہیں کشادہ اور کہیں صاف ستھری ہے۔ یہ فورٹ روڈ کے کنارے ایک عمارت کے دوسرے، تیسرے اور چوتھے فلور تک پھیلی رہائش گاہ ہے۔ ایک مذہبی شیعہ فیملی دوسرے فلور پر قیام پذیر ہے۔ ان کا بیٹا بہت اچھی انگریزی بولتا ہے اور ذاتی طور پر صدام

حکومت گرانے کے حوالے سے میرا شکریہ ادا کرنے آیا۔ کیونکہ صدام حسین نے ان کے شیعہ بھائیوں پر بڑا ظلم کیا تھا۔ گراؤنڈ فلور پر رہنے والی فیملی زیادہ دوستانہ مزاج کی حامل نہیں ہے بلکہ اکثر ان کا دروازہ بند ہی رہتا ہے اور شاذ ہی کوئی انہیں دیکھ پاتا ہے۔

تین ٹیریسز کے باعث اب ماہا کے پاس کافی سے زیادہ جگہ ہے کہ وہاں وہ اپنی ملکیتیں پھیلا سکے۔ اس کے پھولوں کے پودے، پرانا فرنیچر، پرانا ایئر کولر اور بچوں کی ٹرائی سائیکلیں، سب وہیں موجود ہیں۔ تمام ہی ٹیرس بہت خوبصورت نظارہ مہیا کرتے ہیں۔ ایک ٹیرس کو پردہ دار بنایا گیا ہے تاکہ کسی ہمسائے کی آنکھ خاندان پر نہ پڑے۔ سب سے اوپر والے ٹیرس سے، جو بہت اونچائی پر واقع ہے، اقبال کے ریستوران تک موجود تمام گھر اور مسجد کا گنبد دیکھا جا سکتا ہے۔ چھت کے ایک کونے میں بڑا سا دھاتی پنجہ اور شیعوں کی علامت کالا جھنڈا لگائے گئے ہیں۔ اس کے نیچے کئی چراغ جل رہے ہیں۔

نئے گھر کے سات کمرے حیران کن حد تک خالی ہیں۔ صرف ماہا اور چھوٹے بچے یہاں ہیں۔ نیشا، نینا اور عریبہ گلف بطور ڈانسر کام کرنے گئی ہوئی ہیں۔ نینا تو اس سے پہلے کئی بار وہاں جا چکی ہے مگر عریبہ کا یہ دوسرا دورہ ہے۔ نیشا جانے پر زیادہ خوش نہیں تھی لیکن رقم اتنی پُرکشش تھی کہ ان کے لیے انکار مشکل ہو گیا۔ اس لیے اپنے مڑے بازو، ہڈیوں والے ڈھانچے کے ساتھ نیشا نے اپنے سوٹ کیس میں چیزیں بھریں اور اپنی بہن کے ساتھ چل پڑی۔ تمام راستے اس کا یہ اصرار جاری رہا کہ وہ کسی بوڑھے ہندو یا کالے عرب کے ساتھ جسمانی تعلق نہیں بنائے گی۔

لڑکیوں کی آمدنی کی پیشگیوں سے نئے گھر کا انتظام چل رہا ہے اور خاندان کی زندگی میں انقلاب رونما ہو چکا ہے۔ ان کے پاس پیسے ہیں اور بہت سا نیا فرنیچر۔ عجیب سے رنگا رنگ قسم کے لیمپ، چند بڑے پلنگ جو نینا کے نئے امیر عاشق نے خاندان پر نچھاور کیے ہیں تاکہ وہ نینا کی دوشیزگی خرید سکے۔ ماہا ان تحائف کو ابھی کم سخاوت کا مظاہرہ سمجھتی ہے اس لیے دو سال قبل نینا کی شیخ خاسب سے شادی کی ناکامی کے بعد نینا ابھی تک مکمل دوشیزہ ہے۔

میں نے اقبال کے گھر کا خوبصورت کمرہ چھوڑ دیا ہے اور ماہا کے ساتھ شفٹ ہو گئی ہوں۔ یہ اس لیے معقول فیصلہ ہے کیونکہ میں اپنا زیادہ تر وقت ماہا اور اس کے خاندان کے ساتھ گزارتی تھی جبکہ اقبال کے گھر میرا کمرہ اکثر خالی ہی پڑا رہتا تھا۔ میں نینا کے دو بڑے پلنگوں میں سے ایک پر سوتی ہوں۔ ماہا نے پلنگ کے ساتھ ملحق چھوٹی درازوں میں کئی ایک چیزیں ٹھونس دی ہیں جن کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ ان کی مجھے ضرورت پڑ سکتی ہے۔ ٹشو کے ڈبے، پانی کی بوتلیں اور ہیئر ریمونگ کریم کی ایک بڑی شیشی۔ کمرے میں قدرتی روشنی کے داخلے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ کھڑکی اس چھوٹے سے تنگ کنویں میں کھلتی ہے جو عمارت کی تہہ تک جا رہا ہے لیکن اس کھڑکی کو کافی عرصے سے نہیں کھولا گیا ہے اس لیے یہ کھڑکی ہمیشہ کے لیے بند ہے۔

ایک بالکل نیا ایئر کنڈیشنر کمرے کو ٹھنڈا رکھے ہوئے ہے۔ عریبہ کے ایک عاشق نے یہاں کی گرمیوں سے تنگ آ کر یہ اے سی لگوا کر دیا ہے۔ رات کے وقت ماہا اس اے سی کو بالکل آخری درجے تک لے جا کر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ میں رضائی میں دبک کر سونے کے باوجود بھی ٹھنڈک محسوس کرتی ہوں۔ وہ مہربان ہونے کی کوشش میں ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ میں بالکل گھر جیسا سکون محسوس کروں اور اس کا خیال ہے کہ شاید لندن میں ہر وقت برف باری رہتی ہے۔

ماہا کے خزانے میں کچھ نئی چیزیں آئی ہیں جنہیں وہ بہت حفاظت سے رکھتی ہے۔ سونے کے زیورات کے دو سیٹ، انگوٹھیاں، ہار، بالیاں، کچھ سونے کے کنگن، دو موبائل فون اور قیمتی گھڑیاں۔ یہ وہ تحائف ہیں جو لڑکیوں کے تسکین پانے والے گاہکوں نے انہیں دیے ہیں۔ یا پھر وہ جو تسکین پانے کی خواہش میں سرگرداں ہیں۔ یہ سارا خزانہ نہ اتنا بڑا ہے اور نہ ہی شاید زیادہ قیمتی مگر ماہا کے لیے یہ بہت اہم ہے اور وہ ان کا بہت خیال رکھتی ہے۔ زیورات سرخ مخملی ڈبوں میں بند ہیں اور موبائل فون ٹشو پیپروں میں لپیٹ کر رکھے گئے ہیں۔ اس نے اپنا بنک اکاؤنٹ بھی کھلوایا ہے جس میں 70 ہزار روپے موجود ہیں۔ ماہا کہتی ہے کہ یہ ابھی ابتدا ہے نئی زندگی کی شروعات۔ جب لڑکیاں واپس آئیں گی اور نینا کی شادی ہو جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔

عدنان کو میں نے صرف ایک بار دیکھا ہے جب وہ کھانستا ہوا بیساکھیوں پر ایک دن آدھی رات کے وقت وہاں آیا۔ اسے بازار میں ہوتی فائرنگ کے دوران دو گولیاں ٹانگوں پر لگی تھیں اور اب شاید وہ کبھی اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ ہو سکے گا۔

ماہا اسے دیکھ کر خوش نہ ہوئی۔ اس بات کا اندازہ میں نے اس وقت لگایا جب عدنان واپس جانے لگا تو اس نے ادا سے سیون اپ کی بوتل کھولی اور منہ دوسری طرف کر لیا۔

''میں یہاں ہمیشہ تنہا ہوتی ہوں'' وہ آہ بھرتی ہے۔ اس کے پاس نہ گاہک آتے ہیں اور نہ شوہر۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت بستر پر سوتے، اپنے کپڑوں سے کھیلتے، غصے کا اظہار کرتے اور حشیش پیتے گزارتی ہے۔ اس نے کوریکس چھوڑ دی ہے مگر کسی نہ کسی نشے کی تو اسے ضرورت ہوتی ہی ہے۔ ماہا ایک مرد کی خواہش مند ہے___ ایک نیا اور شریف آدمی___ اگرچہ عدنان سے بھی کام چل سکتا ہے اگر وہ اس کے ساتھ پیار اور عزت سے پیش آنا سیکھ لے اور اس کی بیوی اس پر جادو ٹونے آزمانا چھوڑ دے۔ وہ مجھے کہتی ہے کہ ہم دونوں کو مردوں کی ضرورت ہے اور اس کے لیے ایک نئے منصوبے کی بھی___ مجھے اپنا وزن کم کرنا ہے اور تمہیں اپنا وزن بڑھانا ہے جس کے لیے آج سے ڈائیٹ پلان شروع۔

ہم مارکیٹ گئیں اور وہاں سے دو شاپنگ بیگ بھر ڈائیٹ کے لیے غذا لائی ہیں جس میں سبزیاں، پھل اور مرغی شامل ہے۔ ہمارے پاس دو نان___ صرف دو___ نان ہیں جو گرم بھی ہیں اور بھوک بھی بڑھا رہے ہیں۔ دونوں نان اخبار میں لپٹے شاپنگ بیگ سے جھانک رہے ہیں___ ماہا نے انہیں للچائی نظر سے

دیکھا۔ ڈائیٹ پلان کے مطابق روٹی اور گھی کم سے کم یا بالکل نہیں استعمال کرنا ___ گیس کے چولہے پر سبزیوں کے سوپ کا بڑا سا برتن چڑھا ہوا ہے جسے دیکھ کر ماہا نے منہ بگاڑ لیا۔

جادو

ماہا میں کوئی چیز ایسی ضرور ہے جو لوگوں کو فوراً یہ باور کرا دیتی ہے کہ وہ کنجری ہے۔ شاید یہ اس کے چادر اوڑھنے کا انداز ہے یا پھر وہ جس طرح ننگے سر چلتی ہے اس کی وجہ سے، یا پھر جس طرح وہ مردوں کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھتی ہے یا پھر اس کا قہقہہ یا پھر اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مردوں کے ہجوم کے درمیان بھی سینہ تان کر چلتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا اس کے حسن کی وجہ سے ہو ___ جو کم ہوا ہے مگر غائب نہیں ___ اور وہ بھی اس کے وزن کی وجہ سے۔ مجھے نہیں معلوم، مگر میں اتنا جانتی ہوں کہ لوگ اسے جن نظروں سے دیکھتے ہیں وہ بہت کچھ بتاتی ہیں۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہی ہوں جبکہ وہ پرانے شہر کے آخری کنارے کی طرف جا رہی ہے۔ میں اس سے کوئی 12 فٹ پیچھے ہوں اور ان مردوں کا مشاہدہ کرتی آ رہی ہوں جو اسے دیکھ کر مسکراتے ہیں، عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں اور اپنے دوستوں کو کہنی مار کر اس کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

ہم ایک مارکیٹ میں پہنچے جو لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہے۔ گاہک سستے کپڑے گھریلو ضرورت کی دیگر چیزیں، سنیکس اور حشیش سمیت دیگر نشہ آور چیزیں خرید رہے ہیں۔ کچھ نشہ آور چیزیں کسی پودے یا جڑی بوٹی کے پتوں کو خشک اور کوٹ کر بنے ہیں۔ کچھ لوگ وہاں بیٹھے ''امید'' بیچ رہے ہیں۔ ماہا اپنے مستقبل کے بارے میں جاننا چاہتی ہے۔ ہم نے جا کر ایک بزرگ فال نکالنے والے کو تین روپے دیے جس نے اپنے طوطے کو آزاد چھوڑا اور کمزور نحیف بدحال طوطا لفافوں کی ایک لمبی قطار سے ایک لفافہ اپنی چونچ میں پکڑ کر بزرگ کی طرف لے آیا۔ اس لفافے میں موجود کاغذ پر لکھی اپنی تقدیر پڑھ کر ماہا خوش نہیں ہوئی ہے۔ مجھے اس فال نگاری کی سمجھ نہ آئی کہ کیا یہ کوئی پرانی روایت ہے یا اس کا ذکر بھی کہیں الہامی کتب میں ہے۔ بزرگ آدمی نے میری اس کنفیوز حالت کا نوٹس لے لیا اور وہ مسکرا دیا تاکہ ہمیں یہ دکھا سکے کہ اس کے منہ میں ایک بھی دانت سلامت نہیں ہے۔

ہم روحانی دنیا کے کچھ دیگر سنجیدہ قسم کے معاملات میں الجھنے کی کوشش میں آگے چل پڑے۔ راوی روڈ کی طرف جانے والی سڑک پر ایک دیوار کے ساتھ ایک جادوگر بیٹھا ہے۔ یہاں ماورائی رہ نمائی کی فیس کچھ زیادہ ہے ___ 20 روپے ___ مگر یہ کچھ زیادہ ذاتی خدمت مہیا کرتا ہے۔ ماہا نے اسے کچھ تفصیلات دیں جیسے اپنا اور اپنے شوہر کا نام اسے بتایا۔ اس نے کچھ ارتکاز اور توجہ کے ساتھ کچھ دھاتی ٹکڑے پھینکے۔ جادوگر نے ایک کاغذ کے پیڈ پر کچھ آڑی ترچھی لکیریں کھینچیں اور اس نے ماہا کا وہ سب کچھ بتایا جو وہ سننا چاہتی تھی۔ اس نے بتایا کہ اس کا شوہر اسے پیار کرتا ہے مگر کچھ مسائل ہیں۔

''ممتاز، اس کی دوسری بیوی'' ماہا نے مداخلت کرتے ہوئے اتنی اونچی آواز میں کہا کہ جادوگر بھی ٹھٹھک گیا۔

''ہاں'' جادوگر نے کہا۔ ممتاز پھر عدنان پر کالا جادو کرا رہی ہے۔ وہ یقیناً اس کے کھانے میں اپنی ماہواری کا خون شامل کر رہی ہے۔ 500 روپے کے بدلے میں جادوگر ماہا کو ایک تعویذ دینے پر تیار ہو گیا جو اس کالے جادو کے اثر کو ختم کر دے گا اور ہر چیز نارمل ہو جائے گی۔

ماہا نے 200 روپے میں معاملات طے کر لیے اور جادوگر نے اسے کاغذ کے تین ٹکڑے لپیٹ کر دیے۔ اس تعویذ پر کچھ بے ترتیب سے نمبر لکھے ہوئے ہیں۔ ماہا نے ان تعویذوں کو ایک شاپر میں اچھی طرح لپیٹ کر اپنے بریزیئر کے نیچے رکھ دیا۔ اب وہ مطمئن ہے۔

تسنیم کے خوبصورت بال

ملیکہ ٹیلی فون کی دکان پر بیٹھی ہے اور جوں ہی اس نے مجھے باہر کھڑے ترنم سنیما کی نئی حالت کو حیرانی سے تکتے دیکھا، بھاگ کر میرے پاس آیا۔ ترنم سنیما کو نیا رنگ کیا جا چکا ہے۔ ملیکہ کھسرا مجھ سے یہ پوچھے جا رہا ہے کہ میں کیوں ان کی طرف نہیں آئی۔

ہونٹ کٹا اور مصنوعی ٹانگ والا کھسرا آج بھی ملیکہ کے گھر میں موجود ہیں وہاں کونے میں ایک اور شخص بھی بیٹھا ہے جسے میں نہیں جانتی۔ یہ سب خوش مزاج لوگ ہیں۔ تسنیم بھی آج کل ملیکہ کے گھر ہی میں رہ رہا ہے اگرچہ اس وقت وہ گھر پر موجود نہیں ہے۔ ان لوگوں نے مجھے بتایا کہ تسنیم کچھ دن کے لیے اپنے گاؤں گیا تھا کیونکہ اس کے چچا کا انتقال ہو گیا تھا۔ مجھے اس واقعے کی صداقت پر البتہ یقین نہیں آیا ہے۔ ملیکہ نے بتایا کہ تسنیم بے چارے کے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہوا۔ اس کی شادی خطرناک انجام سے دوچار ہو گئی۔ وہ کہتا ہے اس کا شوہر بہت ظالم تھا۔ وہ اسے بہت مارتا تھا اور آخر میں اس نے اسے گھر سے بھی نکال دیا، اور وہ ایک بار پھر ملیکہ کے گھر آ گیا کیونکہ اور کہیں اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔

ملیکہ نے میرے بالوں میں کنگھی کی اور مجھ سے پوچھا کہ میں کانوں میں بالیاں کیوں نہیں پہنتی۔ اس کا کہنا ہے کہ خالی کان کا مطلب ہے کہ آپ ادھ ننگے ہیں۔

ٹیلی وژن پر ایک پنجابی فلم چل رہی ہے۔ ڈانسرز ایک کھلے میدان میں گانے والی لڑکی کے گرد گول گول گھوم رہے ہیں۔ کھسروں نے مجھے بتایا کہ یہ گانا گانے والی پاکستان کی مشہور ترین ڈانسر اور گائیک ہے۔ یہ فلم بہت پرانی لگ رہی ہے اور اس میں موجود ہیروئن عجیب اور بدصورت ہے۔

اسی وقت ایک دراز قد کھسرا خوبصورت چہرے اور سمارٹ جسم کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ وہ سب ایک کھسرے کی ڈانس پرفارمنس پر بیٹھے ہنس رہے ہیں اور انہوں نے مجھے اس کی نقل کر کے بھی بتایا کہ وہ کتنا

گنوار ڈانسر ہے۔ خوبصورت کھسرے نے مجھ سے پوچھا کہ میں تسنیم کو کب سے جانتی ہوں۔
''تسنیم ٹھیک نہیں ہے'' اس نے کہا ''وہ بدتمیز، سست، بدکردار اور عقل سے خالی ہے۔''
''اس کا دل بہت اچھا ہے'' میں نے اضافہ کیا اور اس سے پوچھا کہ کیوں وہ اس کے خلاف ہے۔
''کیونکہ وہ ہمیں چھوڑ گیا تھا۔ ہماری شادی نہ ہو سکی تھی۔ ہم یہاں دوسروں کے ساتھ رہتے رہے اور تسنیم کسی اور کے ساتھ شادی کر کے چلا گیا۔''
ملیکہ بھی سر ہلا رہا ہے اور میری طرف سنجیدگی سے دیکھ رہا ہے ''اس کی اجازت نہیں ہوتی'' اس نے مزید کہا ''ہم اپنا اڈہ چھوڑ کر شادی نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس کی اجازت نہیں تسنیم واقعی خراب ہے!''
تسنیم نے کھسرا سوسائٹی کے اصول وضوابط کو پامال کیا ہے...... وہ ضابطے جنہوں نے انہیں باہم مربوط رکھا ہوا ہے جس کے مطابق انہیں چھوڑنے کی اجازت نہیں، اور تسنیم کو اس کی سزا ملے گی۔ اسے طنز کا نشانہ بنایا جائے گا اور سارے وہ کام اس سے کرائے جائیں گے جو دوسرا نہیں کرتا۔ اس کے ساتھ پہلے بھی کچھ اچھا سلوک نہیں ہوتا تھا اور اب تو اس کی زندگی اور تلخ ہو جائے گی۔ مجھے اب خیال آ رہا ہے کہ یہ کوئی بدمعاش نہیں تھا جو تسنیم کو اغوا کر کے لے گیا تھا بلکہ خود کھسروں نے ہی اس کے سر کے خوبصورت بال مونڈھ دیے تھے۔

ریس کورس پارک میں جاگنگ

ماہا اور میں نے غذا کے شیڈول کو موثر بنانے کے لیے ورزش کا سلسلہ بھی جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہم اب روزانہ ریس کورس پارک جایا کریں گی۔ ریس کورس پارک ہیرا منڈی سے کافی دور ہے۔ اس میں خوبصورت باغ، بچوں کے کھیلنے کے میدان، کرکٹ گراؤنڈ، فوارے، ایک بڑا سا جاگنگ ٹریک اور درمیان میں پولو کلب ہے۔ ہم اپنے بہترین ملبوسات کے ساتھ یہاں آئے ہیں کیونکہ یہاں آنے والوں کی اکثریت امیر لوگوں پر مشتمل ہے۔ پارک کے گرداگرد شاندار جاگنگ ٹریک پر جسمانی صحت کے حوالے سے پُرجوش لوگ واک کرتے ہیں۔ ہم ان جاگنگ کرنے والوں کی اکثریت کے مخالف سمت دوڑنے لگے۔ درمیان میں ماہا بار بار رک کر ان خوبصورت پھولوں کی تعریف شروع کر دیتی جو راہ میں آتے۔
پارک سے تھوڑا سے آگے ہی موجود ایک ہسپتال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ماہا نے بتایا ''یہ وہ ہسپتال ہے جہاں میری بہن مری تھی'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
کوئی نہیں جانتا کہ پچھلے مہینے اس کی گلابی گالوں والی بہن کیسے اچانک مرگئی۔ وہ اچانک ہی گری اور چند گھنٹوں بعد جاں بحق ہو گئی۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر بھی اس کی موت کی وجہ نہ بتا سکے۔ ماہا کی ماں اب تنہا اپنے گھر کی کھڑکی میں بیٹھی پان چباتی ہے۔ اس کی حالت انتہائی قابلِ رحم ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے ماہا بھی اس پر دکھی ہے۔

ہم تھکن کی وجہ سے سست ہو چکے ہیں اور ماہا شکایت کر رہی ہے ''لوئیس، میری ٹانگیں، میری پس اور میرے پاؤں'' وہ لوگوں کے درمیان میں سے شارٹ کٹ اختیار کرتے ہوئے گھاس کے میدان میں چلنے لگی۔ قہقہے مارتے اور بڑے بڑے سانس لیتے ہوئے اس نے بتایا کہ اس نے اپنے ایک سابق گاہک کو یہاں دیکھا ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ یہاں موجود لوگوں میں کچھ بہت امیر ہیں اور ان میں سے کچھ تو خاصے دلکش بھی ہیں۔ اس کا دوپٹہ اس کے شانوں پر پڑا ہے۔ اس کے بال اس کے ہیئر کلپ سے آزاد ہو کر لہرا رہے ہیں اور بالوں کی لٹیں اس کو بہت ترغیب انگیز عورت کا روپ دے رہی ہیں۔ ہر شخص اسے دیکھتا ہے، اور پھر ایک سیکنڈ بعد دوبارہ مڑ کر دیکھنا اپنا اخلاقی فرض سمجھ لیتا ہے۔
لاہور پولو کلب پارک کے مرکز میں واقع ہے۔ ماہا نے کلب کے سامنے کھڑی کاروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ دھندے کے لیے یہ جگہ بہت اچھی ہے۔ وہ پہلے بھی یہاں آ چکی ہے۔ ہم نے بچوں کے ایک گروپ کو بھی دیکھا جو گھڑسواری کی تربیت لے رہا ہے۔ ان کے والدین ان بچوں کے ساتھ نہیں ہیں وہاں صرف چند اعلیٰ طبقے کی عورتیں تھیں جنہوں نے ہماری طرف فقط ایک حقارت کی نظر سے دیکھا۔ وہ اونچی آواز سے انگریزی میں بات کر رہی ہیں۔ یہ بڑی مایوس کن بات تھی اس لیے ہم نے کار پارک کا ایک بار اور جائزہ لیا اور پھر قریبی گراؤنڈ میں لیٹ کر سامنے موجود نوجوانوں کو کرکٹ کھیلتا دیکھنے لگیں۔
ماہا بہت خوش ہے اور اوپر آسمان کو دیکھ کر کہے جا رہی ہے کہ وہ ڈائیٹ اور پتلا ہونے کے لیے ورزش پر کاربند رہے گی تا کہ اسے اچھے مرد مل سکیں۔ کل اس نے نئے جوگر خریدنے کا فیصلہ بھی سنایا تا کہ اُس کی رفتار بہتر ہو اور چربی پگھلے۔
اب گھر واپس جانے کا وقت ہے تا کہ سبزی کا سوپ پیا جا سکے۔ ہم نے بچوں کے کھیل کے میدان سے معتز اور صوفیہ کو لیا اور چل پڑے۔ بچے مزید کھیلنے کی ضد کر رہے ہیں۔ انہیں خوش کرنے کے لیے ہم نے پارک میں موجود کیفے سے سب لوگوں کے لیے آئس کریم کوک اور نمکو کے پیکٹ لیے۔ ماہا نے مزے سے آئس کریم کھائی___ بہرحال وہ اس کی حقدار بھی تھی۔ ایک خوبصورت نوجوان ماہا کو آئس کریم کے لقمے لیتے اور چوستے ہوئے بہت دلنواز نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ وہ قریب آیا اور پھر اس نے ہمارا پیچھا کرنا شروع کر دیا جیسے کسی اثر میں ہو۔ ہم رکشے تک پہنچے۔ ماہا اپنے جوتوں میں کبھی پیر ڈالتی کبھی نکالتی، مسکراتی اور بچوں کو کھینچتے آگے بڑھتی رہی۔ وہ خود تو اپنی ان اداؤں سے بے خبر رہی مگر وہاں موجود ہر شخص نے اس کو ایک بار پیچھے مڑ کر ضرور دیکھا۔
شام کو ماہا پھر خوشگوار موڈ میں نہیں ہے۔ ہم کھانا بنا رہی ہیں اور اس کا مزاج اس لیے برہم ہے کہ میں واپس جا رہی ہوں۔
''تم واپس جا رہی ہو'' اس نے گلہ کیا ''اب تو تمہارے جانے میں صرف چار دن رہ گئے ہیں اور میں

پھر تنہا رہ جاؤں گی۔"

"تم تنہا کیسے ہو، تمہارے پاس تمہارے بچے ہیں" میں مسکرائی تا کہ اس کو کچھ ہلکا پھلکا کر سکوں۔

"جب بچے سو جاتے ہیں، میں تنہا ہو جاتی ہوں۔ میرا دل تنہا ہے۔ یہ مرد تو سب دھوکہ ہے۔ یہ مجھے استعمال کرتے ہیں اور چل دیتے ہیں۔ مجھے کبھی کوئی اچھا آدمی نہیں ملے گا۔ اچھے لوگ تو میرے بارے میں جاننا ہی نہیں چاہتے تم صرف واحد شخص ہو جس نے مجھے نہیں دھتکارا۔ وعدہ کرو تم مجھے کبھی نہیں دھتکارو گی___ کبھی نہیں___ تب تک نہیں جب تک ہم زندہ ہیں۔"

میں نے اس سے وعدہ کیا اور دل سے وعدہ کیا۔

گھی کا ایک بڑا برتن سامنے گیس کے چولہے پر چڑھا ہے اور ہم کھانا بنانے کے لیے کچن میں موجود ہیں۔ اس کے اندر کوئی چیز موجود غبارے چھوڑ رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہاں سے کوئی لاوا ابلنے والا ہے۔

"یہ جادو کا کرتب ہے" ماہا نے کہا۔ اس کا موڈ ٹھیک ہو گیا ہے۔ وہ مسکرا رہی ہے اور برتن کے اندر دیکھے جا رہی ہے۔ "یہ 21 دنوں تک روزانہ اس طرح پکے گا۔"

گھی کے اس برتن کی تہہ میں مٹی کا ایک برتن ہے جس میں شکر کے محلول کے ساتھ جادوگر بابا کا تعویذ ہے، اور اس کے اوپر عدنان کے استعمال میں رہنے والی ایک سرنج ہے تا کہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ جس شخص پر جادو ہوا ہے اس کا اثر بھی اسی پر ہو۔

"عدنان اس کو سونگھے گا اور اسے پتہ چل جائے گا کہ کوئی اس کے بارے میں سوچ رہا ہے" ماہا نے بتایا۔

"اور 21 دن بعد کیا ہو گا" میں نے پوچھا۔

"وہ واپس آ جائے گا اور مجھے پیار کرے گا۔"

❀❀❀

پاکیزہ ـــــ خالص دل

موسم سرما دسمبر 2003ء___ جنوری 2004ء

ہمارا رکشہ ترنم چوک میں جا کر ایک بار بی کیو کے سامنے رکا اور ہم نے دروازے سے باہر سر نکال کر دکاندار کو ہدایات دینا شروع کیں۔ ساتھ ہی یہ جھگڑا بھی جاری ہے کہ چکن پیس منگوائے جائیں یا کباب___ دکان پر چند ہی لوگ موجود ہیں اور اس جگہ کی پرانی چہل پہل اور ہماہمی غائب ہے۔ کباب کی بہت سی دکانیں بند پڑی ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس ویرانی کی وجہ یہ شدید سردی ہے یا پھر اچھے موسم میں بھی یہاں کی روایت ہے کہ گاہک کھانا لینے گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ کوٹھے بھی چند ہی کھلے ہوئے ہیں۔ ان کی حالت بھی بہت بری ہے اور سات سال قبل اپنے پہلے دورے میں جو میں نے اعلیٰ قسم کے پُرشور کوٹھے دیکھے تھے، یہ منظر اس سے کہیں مختلف ہے۔ جوتوں کی مارکیٹ آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی شاہی محلے کے بازار کی جانب بڑھ رہی ہے۔

پرانی ہیرامنڈی کے آخری آثار پر زوال کا بادل چھا چکا ہے اور روایتی قحبہ خانوں کی قدیم روایت دم توڑ رہی ہے۔ اب یہاں نواب نہیں آتے اور نہ ہی وہ مہذب طوائف کہیں اپنا وجود بچا سکی ہے۔ آج ہیرامنڈی کی لڑکیوں کا سب سے بڑا خواب اداکار بننا رہ گیا ہے۔ یا پھر اس سے بھی زیادہ وہ لڑکیاں بچ گئی ہیں جو گلف ممالک کے ڈانس شوز کے لیے جانے کو بے تاب پھرتی ہیں۔ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں گاہک بھی ہیں اور پیسہ بھی۔ ماہا کہتی ہے کہ یہ ٹھیک ہے اور اس کی بیٹیاں اچھی رقم بنا لیں گی۔ جہازوں کا سفر، ہوٹلوں کا قیام اور بین الاقوامی منظرنامے میں شمولیت ہیرامنڈی میں کنجری کہلانے کی تہمت سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

پہیے کا گھماؤ

ماہا کا گھر اب خالی نہیں ہے بلکہ لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ لڑکیاں گلف سے واپس آ چکی ہیں اور جیسا کہ ماہا کا خیال تھا وہ نئی طرزِ حیات بھی وہاں سے لائی ہیں۔ ساری لڑکیاں اب دھندے میں ہیں۔ یہ اسی طرح کی زندگی ہے جس طرح کی زندگی اس عمر میں ماہا نے گزاری تھی۔ ہیرامنڈی کی زندگی کا نسلیاتی چکر پورا ہو

گیا ہے۔

دن اور رات کی لے ابہام خیز ہے۔ یہاں کوئی بھی صبح چار پانچ بجے سے قبل بستر پر سونے کے لیے دراز نہیں ہوتا اور پھر یہ دوپہر بعد تک سوئے رہتے ہیں۔ پچھلی رات ماہا نے کہا کہ وہ جلدی سوئے گی مگر پھر جو اس نے کپڑے سیدھے کرنا شروع کیے تو رات کے دو بج گئے۔ اس وقت دن کا ایک بجا ہے مگر تمام لوگ ہی سو رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے اوپر رضائیاں تان رکھی ہیں اور خطرناک حد تک گیس ہیٹر کے قریب لیٹے ہیں۔ گیس ہیٹر سے 4 انچ کا شعلہ اوپر اٹھ رہا ہے اور گیس کا پائپ جہاں ہیٹر کے ساتھ جوڑا گیا ہے وہاں لگی ٹیپ سے سوں سوں کی آوازیں نکل رہی ہیں جو اشارہ دے رہی ہیں کہ گیس لیک ہو رہی ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں کمرے میں آگ نہ لگ جائے کہ اس صورت میں کسی کے بھی زندہ بچنے کا امکان کم سے کم ہوگا۔

میں نے ان لوگوں کو وہیں سوتے چھوڑا اور اوپر چھت پر پنجے کے نیچے سرما کی کمزور دھوپ کے نیچے بیٹھ کر اقبال کے ریستوران پر کھانا کھاتے گاہکوں کو دیکھنے لگی۔ جو لوگ اس وقت وہاں موجود ہیں وہ اچھے خاصے ماڈرن ہیں، مغربیت پسند پاکستانی عورتیں شارٹس پہنے ہوئے ہیں۔ ان کے چہروں پر برانڈڈ چشمے ہیں۔ فرش کی کھردری اینٹیں میرے پاؤں کو گرم محسوس ہو رہی ہیں۔ بہت پُرسکون فضا ہے، اتنی پُرسکون فضا کہ فورٹ روڈ پر چلتے رکشوں کے انجن اور ہارن کی آوازیں بھی دور سے آتی محسوس ہو رہی ہیں۔ بادشاہی مسجد کے میناروں کے گرد پرندے ہوا میں تیر رہے ہیں اور آدمی نماز کے لیے مسجد کے اندر داخل ہو رہے ہیں۔ کوٹھے کے سب سے اوپر والے فلور کی چھت پر کھسروں کا ایک گروپ بیٹھا سرما کی دھوپ سینک رہا ہے اور ایک دوسرے کے سروں پر تیل لگا رہے ہیں۔ کچھ کتے تھوڑی دیر کے لیے ان پر بھونکتے ہیں مگر پھر دلچسپی نہ لیتے ہوئے اپنی راہ پکڑتے ہیں۔ یہ کتے ہمہ دم یہاں موجود ہوتے ہیں، متواتر بھونکنے اور غرانے کی ان کی ریاضت نامختتم ہے۔ اپنے ٹیرس میں ایک خوبصورت خاتون کھڑی برتن مانجھ رہی ہے اور ساتھ ساتھ چڑیوں کو چاول کے دانے بھی ڈال رہی ہے۔ اس کے ناخن لمبے، چمکدار اور سرخ ہیں، بلکہ ویسے سرخ جیسے اس کے گملوں میں موجود گلابوں کا رنگ ہے۔ یہ گلاب اس ست، بے رنگ اور بے ذائقہ و پژمردہ ماحول میں بہار کی علامت دکھائی دے رہے ہیں۔

شام سے پہلے پورا خاندان جاگ گیا ہے۔ نہا دھو کر تر و تازہ چہرے اب بھوک بھی محسوس کر رہے ہیں۔ آدھی رات کے قریب ان لوگوں کی زندگیاں رفتار پکڑتی ہیں۔ رات یا صبح کے تین بجے ہڈیوں میں اترنے والی سردی اور ٹھنڈی یخ ہوا کا راج ہوتا ہے اور اس وقت فضا دھند آلود اور گہری ہوتی ہے چاہے گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہوں۔ حشیش کا دھواں، گیس کی بو اور قریب ہی موجود ریستوران پر تلنے والے گوشت کی بو مل کر ایک عجیب بو تخلیق کرتی ہیں۔ گھر کے سب لوگ آئس کریم کھا رہے ہیں اور ناچ رہے ہیں۔ معتذر اپنی بہنوں کی طرف جوتے پھینک رہا ہے، میوزک کی اونچی آواز میں چلاّئے جا رہا ہے اور

ساتھ ہی سب لوگوں کو حکم بھی دے رہا ہے کہ اسے مہذب انداز میں مخاطب کیا جائے۔ اس انداز میں جیسے میاں بیوی ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہیں۔ میں خود کو اس پارٹی کا حصہ نہیں سمجھ رہی اور کونے میں ایک گرم کوٹ میں لپٹی بستر پر پڑی خود کو گرم کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ان کا خیال ہے میں بیمار ہوں۔ نینا میرے لئے ایک پلیٹ میں پھل لے کر آئی۔ صوفیہ مجھے آئس کریم کے مختلف فلیور، کوک، چائے، سالن اور مٹھائیاں پیش کر رہی ہے۔

صوفیہ مجھ سے ایسا سلوک کرتی ہے جیسے میں کوئی بڑی سی گڑیا ہوں۔ جب کبھی مجھ پر نیند کا غلبہ قائم ہونے لگتا ہے مجھے اس کے بھاگتے قدموں کی آہٹ اور اس کی آواز جگا دیتی ہے ''لوئیس آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے'' اور پھر میرے چہرے پر گیلے ٹشوز کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے۔

بوڑھا عرب

نینا کی آخر کار شادی ہو ہی گئی۔ اس بار اس پر کوئی ہذیانی کیفیت طاری نہ ہوئی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ اب بڑی ہو گئی ہے، بچی نہیں رہی یا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ کام اس کے اپنے گھر میں سرانجام دیا جا رہا ہے کسی بیرونی زمین اور اجنبی ملک میں نہیں۔ وہ اس بوڑھے عرب کو اس کا شوہر کہتے ہیں۔ وہ روزانہ دوبئی سے اسے فون کرتا ہے اور یہ یقین دہانی لیتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ وفادار رہے گی۔ اس نے نینا کو ہفتوں سے نہیں دیکھا ہے، شادی کے بعد سے اب تک ___ وہ دوبئی سے یہاں پاکستان آیا تھا اور ایک مہینے تک ان کے ساتھ رہا تھا۔ اس موقع کی ان کے پاس بہت سی تصویریں بھی ہیں جن میں نینا نے عروسی لباس پہن رکھا ہے، اس کے علاوہ شادی کے بعد کی صبح کی نینا کی تصویریں، چھت پر بیٹھے بوڑھے عرب کی سگریٹ نوشی کرتی تصویریں، بوڑھے عرب کی گوشت کھاتے ہوئے تصویریں۔ وہ بتاتے ہیں کہ اس کی عمر 75 سال ہے۔ لیکن مجھے وہ اچھی طرح استعمال کیا گیا 65 سالہ شخص لگتا ہے۔

ماہا اسے پسند نہیں کرتی ''وہ دوائیاں لیتا ہے'' ماہا کا کہنا ہے'' تا کہ وہ نینا کے ساتھ کئی گھنٹوں تک سیکس کر
سکے۔ نینا بے چاری اتنی تکلیف میں تھی اور اس کا عضو تناسل بھی بڑا ہے۔ بھین چود''۔
نینا اس کی یہاں موجودگی میں ہر وقت سر درد کا بہانہ بنائے رہتی اور جس دن وہ اپنے کاربزنس سے
ایک ماہ کی چھٹی ختم کر کے دوبئی جانے کے لیے اپنی کار کی طرف جا رہا تھا نینا بہت خوش تھی۔
ان لوگوں نے اسے برداشت کیا کیونکہ رقم بڑی تھی۔ 5 لاکھ روپے، دو سونے کے سیٹ اور مہنگا ترین
موبائل، اور جب تک نینا اس کی بیوی رہے گی اس نے ہر مہینے ایک لاکھ روپے بھی ادا کرنے ہوں گے۔ ماہا کا
خیال ہے کہ یہ انتظام زیادہ دیر نہیں چل سکے گا۔ بوڑھا عرب پہلے ہی اپنی مالی معاونت کو نصف کرنے کا کہہ رہا
ہے اس لئے نینا نے اپنے اگلے دولت مند شوہر کی تلاش کا عمل بھی شروع کر دیا ہے۔

نیشا کا بچہ

نیشا کو یقین ہے کہ وہ حاملہ ہے اور وہ اس پر بہت خوش بھی ہے۔ اس کے باپ کا نام عظیم ہے۔ ایک پتلا سا نوجوان جس کی مونچھیں چھدری اور بال اتنے بڑے ہیں کہ اس کی آنکھوں کے سامنے پڑے رہتے ہیں۔ نیشا کے پاس اس کی چند تصویریں بھی ہیں۔ وہ اسے دوبئ میں ایک کلب کے فنکشن کے دوران ملا تھا۔ وہ پاکستانی ہے اور پاکستان کے صوبے بلوچستان سے اس کا تعلق ہے، اور گلف میں بطور ایک مالی کام کرتا ہے۔ نیشا اب بھلا چکی ہے کہ کبھی اسے مردوں سے نفرت بھی تھی۔ اسے عظیم سے محبت ہے۔ وہ حد سے زیادہ خوش میرے پاس لیٹی ہے اور اس بات پر سوچ رہی ہے کہ بچہ کیا عظیم پر جائے گا۔ نینا نے منہ بسورا اور قہقہے لگاتی ہوئی اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

ماہا پھر کپڑوں کی چھانٹی کر رہی ہے اور سر ہلا رہی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ نیشا کی صحت ایسی نہیں ہے کہ وہ بچہ جن سکے "یہ اپنی گولیاں بھی نہیں کھاتی ہے" اس نے شکایت کی "اور اب یہ مشکل بھی ہمارے سر آ پڑی ہے" تمام لڑکیاں مانع حمل گولیاں کھاتی ہیں سوائے نیشا کہ جس کا خیال ہے کہ حاملہ رہنا زیادہ بہتر ہے۔

جب ہم تنہا ہو گئے تو ماہا نے مجھے مزید بھی کچھ بتایا "یہ بچہ ہمارے لئے مسئلہ ہے۔ نیشا پہلے ہی تعلقات بنانے میں کاہل ہے" ماہا کا اصرار ہے "لیکن وہ ڈانس تو کر سکتی ہے اگر اس کے پیٹ میں بچہ ہوگا تو اس کا پیٹ پھول جائے گا اور وہ مزید ڈانس بھی نہیں کر سکے گی۔ ہمارے گھر میں پہلے ہی دو بچے ہیں۔ ہم ایک اور بچہ افورڈ نہیں کر سکتے۔ یہ ایسا وقت نہیں ہے کہ وہ بیٹھ کر بچے جنے۔"

ماہا اپنی بیٹی کو اچھی طرح سے جانتی ہے۔ نیشا بچہ پیدا کرنا چاہتی ہے اور وہ اور کام نہیں کرے گی۔ لیکن نیشا محبت بھی کرنا چاہتی ہے۔ عظیم اسے لاہور آ کر دو دن اور دو راتیں اس کے ساتھ گزار کر گیا ہے۔ یہ دو دن اور دو راتیں اس کی زندگی کے بہترین لمحات ہیں۔ عظیم اس محبت کے بارے میں زیادہ سنجیدہ نہیں ہے۔ اس نے اسے واضح کہا ہے! "میں تمہیں پسند کرتا ہوں، مجھے تمہاری آنکھیں اور تمہاری مسکراہٹ اچھی لگتی ہے مگر میں تم سے محبت نہیں کرتا۔ مجھے تمہارا سراپا پسند نہیں ہے" اور وہ پہلے سے شادی شدہ بھی ہے۔ مگر نیشا کو یقین ہے کہ آنے والا بچہ لڑکا ہوگا اور اس کے بعد عظیم لازماً اسے اپنی دوسری بیوی بنا لے گا۔

نیشا اور میں اس بڑے سے پلنگ پر سوتے ہیں جو نینا کے ایک عاشق نے تحفتاً دیا تھا اس لئے میں جانتی ہوں کہ وہ رات میں گھنٹوں آہیں بھرتی اور سسکیاں لے کر روتی رہتی ہے۔

کبھی کبھی وہ دوبئ کی ایک لڑکی کے بارے میں بھی باتیں کرتی ہے جسے وہ جانتی ہے۔ اس لڑکی کا ایک بوائے فرینڈ ہے لیکن وہ لڑکا اس کے خاندان والوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ پوچھتی ہے کہ اس لڑکی کو کیا کرنا

چاہیے۔ کیا اس لڑکی کو اس لڑکے کے ساتھ رہنے کے لیے اپنے گھر والوں کو چھوڑ دینا چاہیے؟

میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنی دوست کو کہے کہ مرد آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، گھر والے ہمیشہ ضرورت ہوتے ہیں اور ساتھ رہتے بھی ہیں اور نبھاتے بھی ہیں۔ مگر مجھے معلوم ہے کہ یہ بات اس کو دکھ دیتی ہے اور وہ رونا شروع کر دیتی ہے۔

گذشتہ رات نیشا نے مجھ سے اور اپنی ماں سے اپنے مستقبل کے بارے میں باتیں کی۔ اس نے کہا اگر وہ ماہا کو چھ سات لاکھ روپے دے دے تو کیا وہ عظیم سے شادی کر سکتی ہے۔ نیشا خواب دیکھ رہی ہے۔ وہ بھی جانتی ہے کہ یہ ناممکن ہے اور وہ صرف خوابوں کی دنیا میں جی رہی ہے۔

وہ ایک بڑی سی کاپی میں اپنے تعلق کا ایک ریکارڈ بھی رکھ رہی ہے۔ اس میں عظیم کے وہ سارے ٹیکسٹ میسج لکھتی ہے جو اس نے انگریزی میں اس کے پاس صفحات کے صفحات لکھ کر بھیجے ہیں۔ ایسی سطریں جن میں ایک ہی بات لکھی ہے اس سے نیشا کی کاپی بھری ہے:

Azim I Love You

Azim I Love You

Azim I Love You

خشک میوے

نینا پر ایک اور عاشق کا دل آ گیا ہے۔ اس نے چند ہفتے قبل ایک فنکشن میں نینا کا رقص دیکھا تھا، اور اب وہ اسے قریب سے جاننا اور اس سے ملنا چاہتا ہے اکیلے میں۔ ہم نے اس کی آمد کے موقع پر نینا کو تیار کیا۔ گھر کی صفائی کی گئی، کھڑکی سے تمام کوڑا کرکٹ نیچے پھینکا گیا اور ہم نے اپنے میک اپ پر بھی بہت توجہ دی۔ یمیر خشک میووں کا بیوپاری ہے، رات کو یمیر تحائف کے ساتھ پہنچا۔ دو شاپر بھر کر خشک میوہ جات لایا اور نینا کے لیے دو بڑے سے اونی سویٹر بھی۔ ماہا کی پلکیں تن گئیں۔ یمیر نے یہاں کی مناسبت سے غلط تحائف پیش کیے ہیں۔ اسے نینا پر، اس کے جسم کے کسی ایک حصے پر بھی اپنا حق جتانے کے لیے تحفوں کے معیار کو بڑھانا ہوگا۔ یہاں سونے کے سیٹ قابلِ قبول ہوتے ہیں اونی سویٹر نہیں۔

مجھے وہ ایک بدقسمت گاہک محسوس ہو رہا ہے۔ لاغر سا، 55 سال عمر، چھوٹے سر کا، بال اور باریک مونچھیں۔ وہ غیر آرام دہ حالت اور بوکھلائے انداز میں کمرے میں پڑی کرسی پر بیٹھا ہے جبکہ خاندان اپنے فن کے مظاہرے میں مگن ہے۔ نینا کچھ دیر جا کر اس کے ساتھ بیٹھی اور پھر اٹھ کر کمرے کے دوسرے سرے پر جا براجمان ہوئی۔ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر وہ کھلکھلا رہی ہے اور سرگوشیاں بھی کر رہی ہے۔ اس کی ماں اور بہنیں باری باری یمیر سے باتیں کر رہی ہیں۔ وہ یمیر سے روزمرہ کے معمولات کے بارے میں پوچھ رہی ہیں

اور سمیر جواب دیتے ہوئے چوری چوری نینا کی طرف بھی دیکھ رہا ہے۔

ہم سمیر کی طرف مسکرا کر دیکھنے اور خشک میوے کھانے میں گزشتہ دو گھنٹے سے مصروف ہیں۔ خشک میووں کے خولوں کا ایک سمندر ہمارے اردگرد جمع ہو رہا ہے۔

ماہا سمیر کے ساتھ بستر پر نیم دراز ہے۔ ان میں باتیں جاری ہیں۔

''یہ کافی نہیں ہے'' ماہا نے کہا ''اس کی صرف ایک مہینے کے لیے شادی ہوئی ہے۔''

اس کے بعد مذاکرات کا ایک اور دور ہوا اور پھر ماہا نینا سے بولی۔ معاملہ طے ہو گیا ہے۔ سمیر نینا کو چوم سکتا ہے اور گلے لگا سکتا ہے ___ لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ ''اسے چیزیں مفت نہیں ملیں گی'' ماہا نے کہا اور سمیر کے دیے گئے دس ہزار روپے لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

نینا سمیر کے ساتھ بستر میں ہے اور ان کے اوپر رضائی ہے۔ وہ ہنس رہی ہے...... اور اب یہ میرے جانے کا وقت ہے۔ دوسرے کمرے میں خاندان کے باقی افراد ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہیں۔ ماہا ان کے ساتھ جا کر چٹائی پر بیٹھ گئی۔

سالِ نو

ماہا سخت برہم ہے۔ یہ سالِ نو کا موقع ہے اور لڑکیاں ایک اہم فنکشن میں پرفارم کرنے جا رہی ہیں۔ ہر چیز مکمل ہونی چاہیے۔ تماش بین امراء اور طاقت ور لوگ ہیں اور ان میں سے کچھ شاید فنکشن کے علاوہ کچھ اور خدمات بھی لیں۔ لڑکیاں گھنٹوں سے تیاری میں مگن ہیں مناسب کپڑے منتخب کر رہی ہیں، اپنے بالوں کو دھو رہی ہیں اور میک اپ میں مگن ہیں۔ وہ تمام آنکھوں میں شوخ رنگ کے لینز لگانا چاہتی ہیں۔ وہ ہرے اور نیلے رنگ کے انتخاب کے حوالے سے متذبذب ہیں۔ فیصلہ کرانے میرے پاس آئیں تو میں نے کہا تمہاری بھوری آنکھیں زیادہ بہتر ہیں ان میں تم زیادہ نرم اور پیاری لگتی ہو۔ ماہا کو ان کی آنکھوں کے رنگ کے حوالے سے کوئی مسئلہ نہیں ہے وہ صرف چیخے جا رہی ہے کہ دیر ہو رہی ہے حالانکہ ابھی ٹیکسی کے آنے میں بھی دو گھنٹے پڑے ہیں۔

اس نے میرے میک اپ کو دیکھا اور منہ بنا لیا ''کچھ زیادہ کرو'' اس نے مجھے بتایا اور ہاتھ میں شوخ رنگ کی ایک لپ اسٹک پکڑا دی۔ ہم نے میچنگ کریم رنگ کا لباس پہنا اور مجھ پر بوڑھے عرب کے عنایت کردہ زیورات کا اچھا خاصا بوجھ لاد دیا گیا۔ اس فنکشن کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ عدنان کو خاص طور پر بچوں معتصر اور صوفیہ کی دیکھ بھال کے لیے راضی کیا گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ آج کل وہ زیادہ یہاں کے چکر لگاتا ہے حالانکہ اب تو ماہا نے اس سے رقم کا مطالبہ کرنا بھی بند کر دیا ہے۔ وہ یہاں سکون سے بیٹھ کر نشہ کرنے آتا ہے، اور آج تو وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ کافی سارے ڈرگز کے

ساتھ آیا ہے، جو رات بھر مسلسل استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ میری دعا ہے بچے محفوظ رہیں۔

فنکشن ڈیفنس کے ایک گھر میں ہے۔ گھر انتہائی کشادہ اور خوبصورت ہے جس میں ایک بہت بڑا ہال اور کئی خالی کمرے ہیں۔ ملازم ہمیں ایک کمرے میں لے گیا جس میں ایک واش روم ہے جہاں لڑکیاں اپنے کپڑے تبدیل کر سکتی ہیں۔ میزبان کا ایک دوست ہمارے کمرے میں انتظامات کا معائنہ کرنے آیا۔ اس نے بالوں میں سیاہ رنگ کیا ہوا ہے اور بھنویں چھدری ہیں اور لباس کے معاملے میں خاصا بے ذوق آدمی لگ رہا ہے۔ عریبہ نے بتایا کہ یہ شخص چند ہفتوں پہلے اس کے ایک گاہک کی صورت اسے ملا تھا۔

مرکزی کمرہ استقبالیہ میں بڑی عمر کے لوگ کونے کے چمڑے کے سرخ صوفے پر بیٹھے ہیں۔ ہم ان کے سامنے جا کر خاموشی سے بیٹھ گئے جبکہ وہ ہماری طرف دیکھ کر آپس میں کھسر پھسر کرتے رہے۔ اس دوران مسلسل وہ بلیک لیبل وسکی کے گھونٹ بھی بھرتے رہے۔ ہمیں یہ مشروبات ابھی تک پیش نہیں کیے گئے۔ تاوقتیکہ ایک خوش شکل جنرل نے ہمیں جن اور دیگر مشروبات پیش کیے۔ ماہا نے ان کا ذائقہ چکھا تو منہ بنا لیا۔

کچھ اور مہمان آ گئے اور ہمیں کچھ اور پیچھے کم قیمتی کرسیوں پر جا کر بیٹھنا پڑا جہاں سے کھانا ہم سے کچھ اور دور ہو گیا۔ ایک انتہائی ضعیف آدمی کو ہال میں لایا گیا جو بمشکل ہی خود کو کونے میں پڑے صوفے میں ڈال سکا۔

''مجھے ایک ڈرنک بنا کر دو'' اس نے نینا کو کہا۔ وہ کمرے کے درمیان میں باوقار انداز سے آگے بڑھی اور وسکی کا جام لبالب بھر لیا۔ کمرے میں قہقہوں کا ایک طوفان گونجا ___ نینا بہت معصوم لگ رہی ہے۔ ایک لمحے کے لیے تو اس نے اپنا اعتماد کھو دیا، اور جب اس نے دردناک انداز میں اپنی ماں کی طرف دیکھا تو ماہا نے ہاتھ کے اشارے سے سب ٹھیک ہے کہا۔

''ابھی بچی ہے'' ماہا نے ایک تماش بین کو کہا۔ بوڑھے آدمی نے صوفہ تھپتھپایا اور نینا کو اپنے ساتھ بیٹھنے کا کہا۔ وہ اس کی انگلیوں کے ساتھ کھیلتا رہا۔ پھر اس کی رانوں پر ہاتھ پھیرا اور نیچے تک۔ نینا کی محنت سے تیار کی گئی مصنوعی مسکراہٹ...... جسے وہ گھنٹوں آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر سنوارا کرتی تھی ___ احساس ہتک سے چہرے پر سختی لا رہی ہے۔ پاکستان میں مرد عورتوں کو یوں سب کے سامنے نہیں چھوتے ہیں۔

کمرہ آہستہ آہستہ امراء اور ان کی رکھیلوں سے بھرتا گیا۔ یہ لاہور کے طبقہ اشرافیہ کے شوہروں اور بیویوں کی پارٹی نہیں ہے بلکہ اس میں لاہور کے امرا اور ان کی داشتائیں شریک ہیں۔ مردوں میں صنعت کار، بیوروکریٹ، جنرل اور سینئر پیشہ ور افراد شامل ہیں۔ ان کی داشتائیں بہت خوبصورت، کم سن ہیں اور خود کو ہیرا منڈی کی ناچنے والی لڑکیوں سے الگ تھلگ رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہی ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو گی کہ ان کی اکثریت کی جڑیں بھی ہیرا منڈی میں ہی کہیں پیوست ہیں۔ یہ یا ان کی مائیں ہیرا منڈی کے چکلوں سے ہی اٹھ کر ان طاقت ور مردوں کی رکھیلیں بنی ہیں۔ وہ ہم سے کھلم کھلا اظہار نفرت کر رہی ہیں اور

ہم سے بیگانی نظر آنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ جب میوزک چلا اور کمرے کے درمیان نینا نے اپنا رقص شروع کیا تو تمام مرد مسحور ہو کر رہ گئے جبکہ دوسری طرف ان کے ساتھ موجود عورتیں اکتاہٹ کا بہانہ کر رہی تھیں۔

مہمان کی رکھیل، جو خوبصورت اور ناز و نعم کی پلی لگ رہی ہے مگر چہرہ پر سختی کے آثار ہیں۔ اس کے ہونٹ بہت باریک ہیں اور وہ اپنا منہ چھت کی طرف کر کے بیٹھی ہے۔

''کتیا'' ماہا بڑبڑائی۔

نینا کی پرفارمنس شاندار تھی اور وہ کمرے میں موجود تمام لڑکیوں میں سب سے زیادہ خوبصورت لگ رہی ہے۔ کہیں خوبصورت۔ اور تمام عورتوں کو اس بات کا پتہ بھی ہے۔ نینا نے اپنا ہاتھ چہرے پر رکھا اور انگلیوں کے درمیان سے جھانک کر ناظرین کو دیکھا۔ اب وہ کمر کے بل نیچے جھکی اور کمان کی شکل میں آ گئی۔ اس کی زلفیں فرش کو چھو رہی ہیں، اور جب وہ اٹھ کر گھومی تو تماش بینوں نے اس پر نوٹوں کی بارش کر دی۔ وہ ہزار ہزار کے نوٹ اپنے دوستوں کے اوپر رکھ رہے تھے اور نینا رقص کرتے ہوئے ان کی طرف جاتی اور نوٹ لے کر فرش پر پھینک دیتی۔ ماہا کی نظریں وہاں موجود ملازموں پر تھی کہ کہیں وہ ان کی کمائی پر ہاتھ نہ پھیر دیں۔

ناظرین واہ واہ کر اٹھے ہیں اور ان کی داشتائیں جل بھنی ہیں خاص طور پر وہ جو میزبان کے ساتھ ہے، اور جوں ہی میوزک ختم ہوا وہ نینا کے قریب سے گزرتی ہوئی گئی اور میوزک سسٹم پر موجود کئی بٹنوں کو یکے بعد دیگرے دبایا۔ میوزک سسٹم نفیس مگر اتنے بُرے طریقے سے جوڑا گیا ہے کہ دوبارہ آواز بہتر ہونے میں وقت لگا۔ نینا مجروح عزت نفس کے ساتھ سب کے درمیان کھڑی ہے۔

جب میوزک دوبارہ شروع ہوا تو دوسری لڑکیوں نے رقص کی ذمہ داری سنبھال لی۔ نیشا نے رسمی اور پُرتکلف ڈانس کیا۔ عریبہ نے سفید اور چمکدار شلوار قمیض کے ساتھ اس طرح رقص کیا کہ اس کے بڑے پستان اور زیادہ بڑے لگ رہے ہیں جنہیں دیکھ کر ایک جنرل بے خود ہو گیا۔

وہ عریبہ سے ملنا چاہتا ہے مگر ہمیں بتایا گیا کہ ڈانس ختم ہوتے ہی ہم لوگ نکل جائیں۔ پتلے ہونٹوں والی لڑکی ابھی تک اس غصے کی حالت میں ہے۔ شاید وہ یہ نہیں چاہ رہی کہ اسے بھی ہیرا منڈی کی ان گری پڑی لڑکیوں کے ساتھ رکھا جائے یا شاید وہ ان نظروں سے پریشان ہے جو اس کا عاشق دلدوز انداز میں نینا پر جمائے بیٹھا ہے۔

ماہا ڈانس کے کپڑے سوٹ کیس میں ٹھونستے ہوئے غصے کے مارے منہ سے جھاگ بہا رہی تھی ''اتنی بے عزتی، اتنی بے عزتی۔''

بے ڈول موٹا بوڑھا آدمی ہم پر چلا رہا ہے کہ جلدی سے ہم یہ جگہ چھوڑ کر نکل جائیں اور جب ملازم ہمیں باہر کا راستہ دکھا رہا تھا اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

''ہماری عزت کا کباڑا ہو گیا ہے'' ماہا نے دانت کچکچائے ''یہ کتی عورت.........کاش یہ کتی مر جائے۔''

ہماری ٹیکسی گھر کی طرف رواں ہے اور ہم سب خاموش بیٹھے ہیں۔ نینا نے اپنا ماتھا کار کی کھڑکی کے شیشے سے ٹکا رکھا ہے، نیشا رو رہی ہے اور عریبہ نے اپنا ہاتھ سر پر پریشانی سے رکھا ہوا ہے۔ سب غلط ہوا ہے۔ اگرچہ رقم سے بھرا بیگ ماہا کے پاس ہے مگر خاندان کی عزت مٹی میں مل گئی ہے۔ وہاں موجود تمام تماش بین ہماری ذلت سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ اس سے لڑکیوں کی شہرت تباہ ہو گئی ہے جو کہ بہت اہم حادثہ ہے۔ ماہا اور لڑکیاں اپنے مجروح غرور پر اداس ہیں جس کی انہوں نے ہر برے اور اچھے وقت میں حفاظت کی تھی۔

ماہا نے اپنے دوپٹے سے آنسو پونچھے اور ٹیکسی ڈرائیور کو گاڑی مال روڈ کی طرف موڑنے کو کہا۔ ہم ایک اچھے سے ریستوران گئے اور ماہا نے فرائیڈ چکن، فرنچ فرائز اور کوک کی بہت سی بوتلوں کا آرڈر دیا۔ ہم نے یہ سب چیزیں کھائیں اور پھر اس داشتہ کے حسد سے جلے چہرے کو یاد کر کے خوب قہقہے مار کر ہنسے۔

اس کے بعد ہم نے ٹیکسی ڈرائیور کو ایک بیکری کے سامنے رکنے کا کہا۔ ماہا بیکری میں گئی اور ہم کار کی کھڑکی سے اسے مختلف چیزیں آرڈر کرتے دیکھتے رہے۔

''ماں کو دیکھو'' نیشا نے اشارہ کیا ''لگتا ہے وہ پوری دکان ہی خریدنے پر تلی ہے''۔ ماہا نے بیکری پر کام کرنے والے لڑکے کے ہاتھ پر ایک ہزار روپے کا نوٹ رکھا اور لڑکا خوراک سے بھرے تھیلے کار تک چھوڑ گیا۔ گھر پہنچے تو ساری خوراک ایک بڑی سی چادر پر پھیلا دی گئی۔ ہمارے سامنے چادر پر بکھرے پڑے کھانے کا ایک مضحکہ خیز امتزاج موجود ہے۔ نمکو، کھجوریں بسکٹ، اناناس اور آئس کریم کا ایک بڑا سا کیک۔

جب ماہا کیک کے گرد موم بتیاں لگا کر نئے سال کی تقریبات کو اپنے انداز میں منا رہی تھی تو اسی وقت عدنان جاگا جس کی آنکھوں میں ابھی تک نیند کا خمار ہے۔ ہم سب گانے لگے ''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو'' اور ماہا مسکرا پڑی۔ اس کے بعد ماہا نے اپنے بیگ میں جھانکا، اور لڑکیوں کو چیخ کر کہا کہ بوڑھے عربی نے جو ٹیلی فون دیا تھا وہ کہاں ہے؟ کسی کو فون نہ ملا اور ہم میں سے کسی نے فنکشن کے بعد سے اب تک فون کو نہیں دیکھا تھا۔

ماہا کی ہنسی پھر رک گئی۔ وہ سخت پریشان ہے۔ فون صرف ایک فون نہیں تھا بلکہ اس سے زیادہ ہی کچھ تھا کیونکہ اس میں تمام گاہکوں کے نام اور فون نمبر درج تھے۔ اس کے بارے میں ماہا مجھے اکثر کہتی ہے کہ یہ اس کا سب سے بڑا دلال ہے۔ یہ سارا ڈیٹا گم ہونے کا مطلب ہے، بہت بڑا نقصان ''کیا رات ہے؟ کیا رات ہے یہ؟'' ماہا روتے ہوئے کہہ رہی ہے۔ گیس کے ہیٹر کے سامنے موجود آئس کریم پگھل رہی ہے مگر اس کی طرف کسی ایک بھی شخص کی توجہ نہیں گئی ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ غالباً وہ ٹیکسی میں رہ گیا ہے۔ اس لئے ہم سب بھاگتے ہوئے اس کے پیچھے گئے۔ ٹیکسی والا بازار میں چائے کی ایک دکان کے سامنے بیٹھا چائے پی رہا ہے۔

فون اس کی کار میں بھی نہیں لیکن ماہا کو یقین ہے کہ فون اسی نے چرایا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جب وہ

بیکری سے سامان خرید رہی تھی اسی دوران ٹیکسی والے نے فون چرایا۔ عدنان نے ٹیکسی والے کو کہا کہ وہ ان کے ساتھ چلے اور جب وہ بے صبرے انداز میں آ کر بیٹھا تو ماہا چیخنے لگی کہ وہ چور ہے اور یہ کہ وہ پولیس کو بلانے لگی ہے۔ عریبہ بھی اپنی بھاری آواز میں چیخ کر اسے کہہ رہی ہے کہ فون واپس کرو۔ نینا اور نیشا بھی اس کی طرف ایسے دیکھ رہی ہیں کہ گویا وہی چور ہے۔ ماہا نے کہا ''تم نے میرا فون اس لئے چرایا کہ تمہاری بیوی حاملہ ہے اور تمہیں رقم کی ضرورت ہے''، ٹیکسی ڈرائیور نے انکار میں سر ہلایا اور چلا گیا۔

اگلی صبح ہو گئی ہے اور فون ابھی تک نہیں ملا۔ ماہا بہت پریشان ہے۔ نیشا بھی پریشان ہے لیکن اس کی پریشانی کی وجہ فون سے زیادہ عظیم کا ٹیکسٹ میسج ہے جو شاید اس نے بھیجا ہوگا۔ اب پریشانی کے حل کے لیے ماہا کی ایک کزن بھی وہاں موجود ہے۔ میں انہیں دوسرے کمرے میں بیٹھی یہ کہتے سن رہی ہوں کہ کیا کیا جائے؟

اس کی کزن نے کہا: ''کیا ہم لوئیس سے پوچھیں کہ اس کا کیا خیال ہے؟''

''نہیں'' ماہا نے دوٹوک جواب دیا۔ ''وہ بے چاری سادی ہے۔ اسے یہ سمجھ نہیں آئے گا۔''

ایک گھنٹے بعد ماہا کو اپنا فون واپس مل گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا کہ فون سیٹ کے نیچے پڑا تھا۔ مگر یہ حقیقت نہیں ہے۔ کیونکہ پچھلی رات ہم نے ایک تو کار کی پوری تلاشی لی تھی اور دوسرا ثبوت یہ ہے کہ جب عدنان کے موبائل سے ہم نے اس نمبر پر فون کیا تھا تو دوسری طرف سے فون کاٹا گیا تھا۔ یقیناً ٹیکسی ڈرائیور نے اسے چرایا تھا مگر پریشر کی وجہ سے اسے واپس کرنا پڑ گیا۔

ماہا خود کو پُرسکون کرنے کے لیے صوفے پر ڈھے گئی ہے۔ نیشا اداس ہے کیونکہ عظیم کا کوئی میسج نہیں آیا ہوا۔ نینا بوڑھے عرب کی وجہ سے پریشان تھی کہ اس نے فون کیا ہوگا اور دوسری طرف وہ یہاں موجود نہ ہوگی تو پتہ نہیں اس نے کیا سوچا ہوگا۔ ان پریشانیوں اور تفکرات کا سلسلہ زیادہ طویل نہ ہو سکا۔ گراؤنڈ فلور پر موجود خاندان کی اونچی آوازوں نے ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔ ماہا پانی کی موٹر چلتی چھوڑ کر چلی گئی تھی جس نے نیچے سیلابی صورت حال پیدا کر دی ہے۔ نینا نے بھی اونچی آواز سے ان کو جواب دیا تو نیچے سے گالیوں کی ایک بوچھاڑ آئی۔ نینا نے بھی زہریلے جوابات دیے اور ماہا بھی اپنی گندی گالیوں کے ساتھ اس کی ہم آواز ہو گئی۔

نیچے موجود عورت نے کہا ''تمہاری.......... میں آگ لگی ہے۔''

ماہا چلاتے ہوئے کہہ رہی ہے ''یہ عورت ہفتے میں 200 مردوں کو بھگتاتی ہے'' اور ہم سب اسے واپس گھر کے کمروں کی طرف کھینچ رہے ہیں۔

ابوظہبی کے خواب

عریبہ کا وزن کافی بڑھ گیا ہے۔ وہ اب 15 کی نہیں 30 کی لگتی ہے۔ گاہک اسے پسند کرتے ہیں کیونکہ

زیادہ تر تماش بین اسی کا مطالبہ کرتے ہیں اب وہ دو سال پہلے والی دھتکاری ہوئی عریبہ نہیں رہی۔ مگر وہ بہرحال ''خراب'' اب بھی ہے۔ وہ واش روم میں چھپ کر سگریٹ پیتی ہے اور پھر سگریٹ نوشی کے ثبوتوں کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کرتی۔ اس وقت بھی واش روم کے کموڈ میں سگریٹ کے ٹوٹے اور ماچس کی بھری ڈبیا تیر رہی ہے وہ گاہکوں کے ساتھ بیٹھ کر شراب بھی پیتی ہے۔ اعلیٰ طبقے کی طوائفیں کبھی شراب نہیں پیتیں ــــ یہ بے شرمی کہی جاتی ہے ــــ لیکن عریبہ اعلیٰ طبقے کی نہیں ہے۔ وہ صرف برائے تسکین ہے، اور اگرچہ نینا اس سے کہیں زیادہ کماتی ہے مگر گاہک عریبہ ہی کے زیادہ ہیں۔

اس کی کامیابی نے ابھی تک اس کی ترسی ہوئی کیفیت ختم نہیں کی۔ وہ اب بھی محبت کی بھوکی ہے۔ اس نے مجھے کئی تحفے دیے ہیں۔ ہیئر کلپ، چیونگم، لپ اسٹک، جرابیں، آئی شیڈو، کنگن اور پتہ نہیں کیا کیا۔ جب میں کھڑی میک اپ کر رہی ہوتی ہوں وہ مجھے دیکھتی رہتی ہے۔ جب میں کام کر رہی ہوتی ہوں یا کرنے کی کوشش کر رہی ہوتی ہوں تو وہ چپکے سے میرے پاس آ کر بیٹھ جاتی ہے اور گھنٹوں مجھے دیکھتی رہتی ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ کیا میں اتنی دلچسپ ہوں۔

اس کی بہنیں تمام دن کوشش میں رہتی ہیں کہ وہ گلیمرس لگیں مگر عریبہ کبھی ان تکلفات میں نہیں پڑتی۔ وہ عام سے سرخ ٹراؤزر اور میلی سی ایک شرٹ میں دن بھر گھر میں گھومتی رہتی ہے۔ وہ اس وقت بھی کپڑے تبدیل کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتی جب دلال اس کے گھر آتا ہے۔ آج ایک بڑے دلال نے جو بیوروکریٹوں اور بڑے صنعتکاروں کو لڑکیاں سپلائی کرتا ہے اس نے لڑکیوں کا اندازہ لگانے کے لیے انہیں بلایا ہے۔ لڑکیاں اس کی خدمت گزاری میں منہمک ہیں۔ وہ بہت مزاحیہ آدمی ہے اور مسلسل ماہا کو ہنسنے پر مجبور کر رہا ہے۔ وہ نینا کے بارے میں بات کر رہے ہیں اور دلال نے نیشا کو مشورہ دیا کہ وہ زیادہ میک اپ نہ کیا کرے کیونکہ وہ جوان، تازہ اور قدرتی خوبصورتی کی حامل ہے۔ بہت سے تماش بین ایسی لڑکیوں کو پسند کرتے ہیں، اور پھر اس نے ماہا کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔

عریبہ ہمارے ساتھ چٹائی پر نہیں بیٹھی۔ وہ دوسرے کمرے میں صفائی کر رہی ہے۔ وہ کبھی کام سے نہیں تھکتی ہر وقت کسی نہ کسی مشغولیت میں مصروف ہوتی ہے۔ کبھی سبزیاں چھیل رہی ہے تو کبھی برتنوں کی صفائی اور کبھی کمروں میں گیلے کپڑے سے جھاڑو لگا رہی ہوتی ہے۔ اگر کبھی وہ میرے ہاتھ میں جھاڑو دیکھ لے تو فوراً چھین لیتی ہے اور کہتی ہے ''نہیں لوئیس آنٹی، بیٹھ جائیں آپ'' اور میں بیٹھ بیٹھ کر اور اسے کام کرتے دیکھ دیکھ کر تھک چکی ہوں۔

وہ اپنے گاہک کو خوش کرنے میں بھی بہت محنت کرتی ہے۔ آج وہ ایک بڑے ہوٹل میں ایک تماش بین کو خوش کرنے گئی ہے۔ جانے سے پہلے اس نے دو گھنٹے تیاری پر صرف کیے ہیں یہ تماش بین انگلینڈ میں رہتا ہے اور وہ جب کبھی بھی بزنس کے سلسلے میں پاکستان آتا ہے تو ہمیشہ عریبہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ اس کا مستقل

گاہک ہے اور عریبہ کہتی ہے وہ اچھا ہے۔ عریبہ کو پتہ ہے اس کی ضرورت کیا ہے۔ ایک ایسی رات جو بوسوں اور رومانی شرارتوں سے بھرپور ہو کیونکہ اس سے زیادہ کچھ کر پانے کی اس میں صلاحیت ہی نہیں ہے۔

جب عریبہ تیاری میں مگن تھی تو میں نے اس سے پوچھا ''تم اپنی زندگی سے کیا چاہتی ہو۔'' اس نے میری طرف اس حیرت سے دیکھا کہ گویا میں نے کوئی عجیب مضحکہ خیز قسم کا سوال کر دیا ''مجھے نہیں معلوم''۔

''تم کچھ بھی نہیں چاہتی۔''

''شاید ایک کار...... اور بہت سے اچھے کپڑے۔''

میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ الجھی ہوئی اور جذباتی سی لگ رہی ہے۔

''شاید میں ایک بار پھر واپس ابوظہبی جانا چاہتی ہوں'' وہ پُرسکون رہنے کی کوشش کر رہی ہے مگر اس کا لہجہ کچھ اور بتاتا ہے۔

''تمہیں ابوظہبی پسند ہے۔''

''ہاں۔''

اس نے میک اپ چھوڑا اور مجھے ایک تصویر دکھائی جسے وہ ہمیشہ اپنے بیگ کے اس خانے میں رکھتی ہے جو ہمہ دم بند رہتا ہے۔ تصویر ایک معمولی سے ادھیڑ عمر آدمی کی ہے۔ وہ تصویر میں قیام کی حالت میں کھڑا دکھائی دے رہا ہے۔ پس منظر میں کوئی ڈرائیکلینر سٹور ہے کیونکہ استری شدہ کپڑوں کا ڈھیر نظر آ رہا ہے۔

تصویر میں موجود شخص کے چہرے پر مسکراہٹ ہے۔ شریف، کچھ گھبرایا ہوا اور شرمندہ سی مسکراہٹ کے ساتھ موجود اس شخص کو دیکھ کہ عریبہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ دور گئی۔

میں نے اس سے پھر پوچھا کہ تمہیں ابوظہبی کیوں پسند ہے۔ تو اسے جواب ڈھونڈنے اور دینے میں مشکل پیش آئی۔ ایک طویل وقفے کے بعد عریبہ نے ایک لمبی سی آہ بھری اور کہا: ''کیونکہ یہاں میں بوڑھی جبکہ وہاں جوان ہوتی ہوں۔''

بند دروازوں کے پیچھے

ہر شخص کا مزاج چڑچڑا ہو رہا ہے اور سارے ہی لوگ پیٹ میں درد کی شکایت کر رہے ہیں۔ اس گھر میں ہر عورت کے ایام مخصوصہ ایک ہی وقت میں ہوتے ہیں، اور کچھ دنوں کے لیے گاہکوں سے ملنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ گھر میں کوئی سرگرمی نہیں ہو رہی ہے۔ زندگی منجمد اور دھندا بند ہے۔ تمام دن ہم سو کر گزارتے ہیں اور راتیں بھی سوتے گزرتی ہیں یوں لگتا ہے دن اور رات کی تمیز ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ خشک میوؤں کے تاجر سمیر کا فون آیا تو ماہا نے بڑی بے تکلفی سے اسے کہا کہ نینا کے ایام ہیں۔ جب اس نے نینا سے فون پر بات کی تو اسے کہا کہ وہ ایام کے بعد فون کرے گا۔

ہم نیشا کے حمل کی تصدیق کی اطلاع کے منتظر ہیں اور بے صبری سے اس کا انتظار کر رہے ہیں لیکن اطلاع منفی ہے۔ نیشا کھانا درمیان میں ہی چھوڑ کر خاموش بیٹھی ہے۔ پھر نینا نے نیشا کی شلوار کی طرف خون کے چند خشک دھبوں کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ خون میری ناک سے بہا ہے، یہ میری ناک سے بہا ہے۔'' نیشا نے کمرے سے جلدی سے فرار ہوتے اور چیختے ہوئے کہا۔ کبھی وہ اپنا ہاتھ ناک پر رکھ رہی تھی تو کبھی شلوار کے دھبوں پر۔

بستر پر پڑی نیشا سسکیاں لے رہی ہے کیونکہ بچے کے آثار اب نہیں رہے اور یوں شادی کی امیدیں بھی دم توڑ گئیں۔

صبح کے وقت ہم سب لوگ ایک زوردار دھماکے کی آواز سے اٹھ گئے۔ حالانکہ تھوڑی دیر پہلے ہی ہم سونے کے لیے گئے تھے۔ کچن میں سٹور کا خانہ گر چکا ہے۔ کچن میں ہر طرف کانچ کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں اور چینی، مرچ، نمک ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ فرش پر بکھرا ٹماٹو کیچپ خون کی طرح دکھائی دے رہا ہے۔ شور کی آواز سن کر اگرچہ ہم کچن کی طرف آ تو گئے مگر ہم اتنا تھکے اور رات کے جاگے ہوئے تھے کہ سامان سمیٹنے کا تکلف نہیں کیا اور واپس یہ سوچ کر سونے چلے گئے کہ ابھی کون سا گاہکوں نے آنا ہے۔ جب صفائی کے باقی کام نمٹائیں گے تو کچن بھی صاف کر لیں گے۔

واش روم سے پانی کے بڑھتے سیلاب کو بھی ہم نظرانداز کر گئے۔ لازماً معتذر یا صوفیہ میں سے کسی نے پانی کا پائپ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ پانی بہتا ہوا ہال تک پہنچ گیا اور قالین کو بھگوتا نیچے سیڑھیوں تک چلا گیا۔ عریبہ نے پانی کو سمیر کی لائی پٹی کے کاغذی ڈبے سے پونچھنا شروع کر دیا تھا۔

دوسرے کمرے میں ماہا کی ماں بیٹھی رو رہی ہے۔ اسے کسی نے بتایا تھا کہ ماہا اس کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہیں ہے۔ ویسے یہ حقیقت بھی ہے۔ ماہا اس سے خوفزدہ ہے۔ حالات پھر خرابی کی راہ پر گامزن ہیں۔ فنکشن کے موقع پر ہونے والی بکی، فون کا مسئلہ اور پھر کچن کے پورے کیبن کا گر جانا ماہا کے نزدیک کالے جادو کے ان منتروں کی وجہ سے ہے جو اس کی ماں اس پر کرا رہی ہے کیونکہ ماہا کا خیال ہے کہ اس کی ماں اس کی خوشحالی سے حسد میں جل بھنی ہے۔ مجھے اس بات پر کوئی حیرانی نہ تھی کہ ماہا اپنی بیٹیوں کی دولت میں سے اپنی ماں کو کچھ نہیں دیتی۔ پچھلے ہفتے سیڑھیوں پر خون کا چھڑکاؤ کر کے ہم سب نے باری باری خون کیے گئے سپرے کو لتاڑا۔ ماہا کہتی ہے کہ آج کل جو کچھ بڑا ہو رہا ہے اس کی وجہ اس کا سوتیلا باپ ہے۔ اس نے قبرستان سے مٹی اٹھا کر اس میں خون شامل کیا ہے اور سیڑھیوں پر ڈال گیا اور ہم غالباً اس مٹی کے ہاتھوں مرنے والے ہیں۔

سمیر آج پھر فون پر ہے اور ماہا اس سے نرمی اور ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہے۔ اسے بیٹا بیٹا بھی کہہ رہی ہے اور باتوں باتوں میں اسے یہ بھی باور کرا رہی ہے کہ وہ قیمتی تحفے نینا کے لیے نہیں لا رہا۔ وہ گزشتہ دنوں

ہونے والی بکی کے متعلق بھی اسے بتارہی ہے۔ ماہانے اسے کاروباری انداز میں کہا:

''دیکھو یہ ہمارا دھندا ہے اور میں اپنی بیٹیاں کسی کو مفت نہیں دے سکتی۔''

پھر وہ میری طرف مڑی اور چلاتے ہوئے کہا: ''وہ ہمارے لئے مزید مونگ پھلیاں اور خشک میووں کے تحفے لا رہا ہے۔''

نینا نے ماں سے ٹیلی فون لیا اور ہنس ہنس کر میر سے باتیں کرنے لگی۔ دوسری طرف اس کی ماں آدمی کی بے وقوفانہ حرکت پر حیران ہے اور کہہ رہی ہے!

''وہ سمجھتا ہے کہ وہ میری بیٹیوں کا معاوضہ فقط 500 روپے کے خشک میووں کو سمجھ رہا ہے۔''

عریبہ نے چوری کی پرانی عادت سے پھر ناطہ جوڑ لیا ہے۔ ماہانے میری بہت سی چیزیں اس کی الماری میں دیکھی ہیں۔ اگر چہ وہ چیزیں زیادہ قیمتی نہیں بلکہ معمولی نوعیت کی ہیں جیسے میرے قلم، لپ گلوز اور اس طرح کی چھوٹی موٹی چیزیں۔ اس کے علاوہ وہ میرے فون سے دوبئی میں کسی سے باتیں بھی کرتی ہے۔ ماہا شدید غصے میں ہے۔ اس کا خیال ہے کہ عریبہ نہ صرف چھوٹی موٹی چیزیں چراتی ہے بلکہ وہ گاہکوں سے ملنے والا معاوضہ بھی چھپاتی ہے اور خاندان کے حوالے نہیں کرتی۔ عریبہ ہچکیاں لیتی کمرے کے کونے میں کھڑی ہے۔ اس کے شیشے کے کنگن ٹوٹ گئے ہیں اور بازو سے خون نکل رہا ہے۔ دوسری طرف ماہا چیخ رہی ہے۔

''تم بھی ایک کتی ہو اور تمہارا باپ بھی کتا تھا۔''

ماہا کی سانسیں تیز تیز چل رہی ہیں۔ آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب ہے اور بستر پر نڈھال پڑی ہے۔

عریبہ کی معاشی خودمختاری پر اس کا غصہ دراصل اس خوف پر مبنی ہے جسے وہ یوں بیان کرتی ہے: ''میری بیٹیاں میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں'' وہ چلائی ''یہ مجھے چھوڑ کے جانا چاہتی ہیں'' ماہا کو خوف ہے کہ اس کی بیٹیاں بھی اس کو اسی طرح چھوڑ دیں گی جیسے اس نے اپنی ماں کو چھوڑ دیا تھا، اور یوں اس کے پاس آخری عمر میں کھانے کے پیسے نہ بچیں گے۔

اس سے قبل کہ عریبہ پر ایک اور بوچھاڑ جوتیوں کی پڑتی، اس کی خوش قسمتی کہ بوڑھے عرب کا فون آ گیا۔ نینا چونکہ اس کی بات نہیں سننا چاہتی تھی اس لئے نیشا نے فون کال موصول کی۔ تیز سانسوں کے ہمراہ آواز آئی ''ہیلو میری پیاری، میں تمہیں بہت یاد کرتا ہوں، پتہ نہیں کب تمہیں آ کر پھر دیکھوں گا؟''

بوڑھے عرب کو اپنی بیوی کی بہن اور بیوی کی آواز میں فرق بھی محسوس نہ ہوا۔ نیشا نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا اور سرگوشی کرتے ہوئے کہا کہ بوڑھا نشے میں دھت ہے۔ ہم باری باری کان لگا کر اس بوڑھے شیخ کی محبت اور جنسی شہوت کی باتیں سنتے رہے۔ ''کتنی گندی کال ہے'' نیشا نے کہا اور قہقہے ہذیانی انداز میں اس کے لبوں سے پھوٹ پڑے۔

نینا نے اپنی آنکھیں چڑھائیں اور رخ پھیر کر ٹی وی دیکھنے لگی۔ نیشا نیم دلی سے فون کال کے ساتھ

مصروف رہتے ہوئے نمکو کھاتی رہی۔ وہ عرب سے پوچھتی بھی رہی کہ وہ کیا کرنا چاہے گا، کیا کہے گا ''میری پیاری'' بوڑھے عرب کی پرفارمنس بچکانہ تھی، مگر نشے میں غرق وہ بوڑھا اس کی پرواہ کب کر رہا تھا۔

قحبہ خانے سے تصویریں

ماہا کا ڈائیٹ پروگرام کام کر رہا ہے۔ وہ کافی پتلی ہوگئی ہے اور وہ جوڑے اب با آسانی پہن سکتی ہے جو عرصہ ہوا اس نے پہننے چھوڑ رکھے تھے۔ وہ خوش بھی ہے۔ اس بات پر خوش کہ اسے اب پیسوں کے لیے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑتا۔ کرائے کے لیے مالک مکان کی منتیں نہیں کرنا پڑتیں اور اس بات پر خوش ہے کہ اس کی بیٹیاں کامیاب ہیں۔ عدنان گھر کی ذمہ داریاں تھوڑی بہت بٹاتا ہے مگر اب ان لوگوں کو اس کے پیسوں کی پرواہ نہیں ہے کیونکہ دیگر ذرائع آمدن سے ان کے پاس کافی رقم موجود ہے۔ یہ لوگ تب تک معاشی تنگدستی سے محفوظ ہیں جب تک لڑکیاں جوان اور خوبصورت ہیں۔ عدنان بھی لازماً خوش ہوگا کیونکہ اب اس کے پاس نشہ کرنے کے لیے ایک شاندار ٹھکانہ موجود ہے جو اس کی سوتیلی بیٹیوں کی عنایت ہے۔

ماہا مجھے کہہ رہی ہے کہ وہ انگلینڈ میرے ساتھ جانا چاہتی ہے۔ وہ دراصل میری شادی میں شرکت کرنا چاہتی ہے جب مجھے کوئی بندہ مل جائے گا کیونکہ بہرحال اسے یہ یقین ہے کہ میں کسی نہ کسی بندے کو ڈھونڈ لوں گی، اور پھر وہ شادی کے بعد اسے بھی یہاں ہیرا منڈی کی سیر کے لیے بلانا چاہتی ہے۔

''وعدہ کرو لوئیس، قرآن پہ ہاتھ رکھو، لال شہباز قلندر کی قسم کھاؤ کہ تم اسے یہاں لاؤ گی''۔ ماہا بصد اصرار کہتی ہے کہ جب تم لوگ آؤ گے تو گھر کا سب سے بڑا بیڈ تم لوگوں کے لیے مخصوص ہوگا۔ وہاں تم بادشاہوں کی طرح بیٹھنا اور میں تمہیں کریلے میں گوشت بھر کے تل کے تمہیں کھلاؤں گی۔ اس سے تمہارے مرد کو طاقت ملے گی۔ یہ کھانا ماہا کا خاندان اپنے تمام بڑے مرتبے کے حامل گاہکوں کو بھی کھلاتی ہیں۔ اگرچہ آج کل معاملہ اس لئے مختلف ہے کہ طاقت کے لیے تماش بین ویاگرا اپنے ساتھ ہی لاتے ہیں۔

وہ کہتی ہے کہ میرے شوہر، اس کی بہن کے شوہر کو دوائیوں کی ضرورت نہیں پڑنے دے گی، اور یہ وہ سب سے بڑا تحفہ ہے جو وہ مجھے دینا چاہتی ہے۔

ویسے بھی جو کچھ ماہا نے مجھے آج تک دیا ہے میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔ اس نے مجھے اپنی زندگی میں جھانکنے کی اجازت دی ہے۔ اس نے مجھے وہ احساسِ رفاقت دیا ہے جسے دیکھ کر اکثر آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ میں بہت جلد واپس اپنے گھر انگلینڈ جانے والی ہوں لیکن یقیناً یہ محلے میں میرے آخری دن نہیں ہیں۔ میں گرمیوں میں پھر آؤں گی اور ماہا اور دوسری طوائفیں جو یہاں رہتی ہیں میں بھی کبھی ہیرا منڈی کو نہیں چھوڑوں گی۔

میں ماہا کو حاصل تمام کشائش سے آسودہ ہوں اور جو کچھ اس کے پاس نہیں ہے اس پر سوچتی رہتی

ہوں۔ وہ کبھی کبھی بہت غصے میں اور ظلم پر تیار بھی ہوتی ہے مگر پھر بعض لمحات وہ آتے ہیں کہ یہ سارا غصہ اور ظلم معاف کر دینے کو دل کرتا ہے۔ مجھے عریبہ اچھی لگتی ہے اور اس پر ترس بھی آتا ہے۔ عریبہ جسے کبھی محبت نہیں ملی۔ لیکن میں ماہا کے لیے بھی ملول ہوں جو ایک چکلے میں پیدا ہوئی اور وہیں زندگی گزار دی اور جسے 12 سال کی عمر میں بیچا گیا۔ یہ تشدد تشدد ہی کو جنم دیتا ہے۔ خدا ماہا کو وہ ساری خوشیاں دے جو اس سے چھینی گئی ہیں۔ اس کے دل میں اپنے بچوں کے لیے محبت نہیں ہے۔ وہ فطرتاً یاسیت پسند ہو چکی ہے۔ اس کو لازماً مردوں سے نفرت ہو گی......لیکن میں سوچتی ہوں کہ ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ اب بھی حیران کن طور پر محبت پر اپنا ایمان قائم رکھے ہوئے ہے۔

شاید محبت پر یہی ایمان اس کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ اگر چہ وہ اس بات کو بھی شاید اب جان چکی ہے کہ محبت سراب ہے جو کچھ دیر ہی نظر میں رہتا ہے۔ وہ شاید یہ بھی سمجھ چکی ہے کہ یہاں عورت فقط ایک کھلونا ہے جس کی اہمیت فقط اس کے حسن اور جنسی کشش تک محدود ہے۔ اسے آج بھی یہ یقین ہے کہ ایک دن اسے اس کی محبت ضرور ملے گی، ایک ایسا شخص جو اسے فقط ایک ناچنے والی نہ سمجھے گا۔

ایک طویل سے وقفے کے بعد اقبال نے پھر نقش گری شروع کر دی ہے۔ اس نے ماہا کو پینٹ کیا ہے۔ اس کی رقص کی تصویر اور سورج کی روشنی میں شعاعیں چھوڑتی ماہا کی تصویر بنائی ہے۔ اس نے ماہا کے تمام بچوں کی ایک گروپ پینٹنگ بھی بنائی ہے۔ تصویریں بنواتے ہوئے ماہا اسے کہتی:

''دیکھو میں ان تصویروں میں کم عمر نظر آؤں، اور ہاں دیکھو مجھے پتلا دکھانا۔''

اقبال مسکرا کر اسے کہتا ہے کہ مہربانی کر کے تھوڑی دیر ساکن ہو کے بیٹھ رہو تاکہ تمہارے حسن کا کوئی ایک پہلو اور تم میں موجود نا ختم ہونے والی توانائیوں کو میں پینٹ کر سکوں۔ مگر جوں ہی وہ اپنا ایزل ایڈجسٹ کرتا ہے اور اپنے آئل پینٹ مکس کرتا ہے ماہا ایک بار پھر پوز بدل چکی ہوتی ہے۔ وہ صبر کے ساتھ ایک اور مسکراہٹ ہونٹوں پہ لاتا ہے اور آہ بھرتا ہے کیونکہ وہ بھی اپنے مسحور کن ماڈل کے حسن سے متاثر ہے۔ شاید وہ اسے اپنی تصویر میں کم عمر دکھا نہیں سکے گا۔ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ وہ بہرحال اسے زندگی سے بالاتر کوئی چیز دکھانے سے قاصر ہے۔

طوائفوں کی فتوحات

نینا اب وہ 12 سال کی شرمیلی اور شریف سی لڑکی نہیں رہی جسے میں 5 سال قبل ملی تھی۔ اب وہ بچی نہیں ایک بھرپور عورت ہے۔ اس کے چہرے پر تلخی آ گئی ہے اور وہ شدید اَنا پرست ہے۔ وہ مجھ سے ہمیشہ مردوں کو فتح کرنے اور بوڑھے عرب کی باتیں کرتی رہتی ہے۔ وہ خود میں خود کو سمو چکی ہے۔ اسے اپنے حسن پر اعتماد ہے اور طاقت کا گہرا احساس ہر وقت اس پر طاری رہتا ہے۔

نینا میرے اور نیشا کے ہمراہ بیڈ پر بیٹھی ہے۔ ماہا اسی جادو والے بابے سے ملنے کے لیے گھر سے باہر گئی ہوئی ہے۔ میں بیٹھی وہی پرانی کہانیاں سن رہی ہوں کہ کس طرح دوبئی کے کلبوں میں موجود سارے مرد ان کے حسن پر فریفتہ ہوئے۔ نینا بار بار ایک شخص کا نام لے رہی ہے اور یہ شخص وہ بوڑھا عرب نہیں ہے۔ نینا نے دروازہ بند کیا اور کہا!

''لوئیس آنٹی میں کسی بوڑھے کے ساتھ جسمانی تعلق نہیں بنانا چاہتی۔ مجھے جوان آدمی کی مصاحبت زیادہ خوشی دیتی ہے۔''

نیشا نے فقرہ چست کیا ''یوں کہو نہ صرف ایک جوان آدمی۔''

نینا کے چہرے پر ایک رنگ آیا اور چلا گیا۔ وہ کچھ بدحواس ہے۔

''کون ہے یہ نوجوان'' میں نے پوچھا۔

نینا کی زبان گنگ ہو گئی ہے۔ اس لئے نیشا نے جواب دیا:

''اس کا نام یوسف ہے۔ وہ عرب ہے۔ دوبئی کا ایک نوجوان عرب۔''

نینا نے سر ہلایا اور بے خوف ہو کر بولنا شروع ہوئی:

''وہ اٹھارہ سال کا ہے___ بہت خوبصورت___ بہت ہی زیادہ وجیہہ___ اور___ اور___ مجھے اس سے بہت محبت ہے۔''

''وہ بھی اسے چاہتا ہے'' نیشا نے جلدی سے فقرہ مکمل کیا ''اور اس کا خاندان بھی امیر ہے'' نینا اس کے ساتھ اس کی کار میں گھومنے بھی جا چکی ہے۔ وہ ساحل سمندر پر گئے تھے جہاں اس نوجوان عرب نے نینا کو چوما، اور اس بوسے میں بوڑھے عرب کا باسی پن نہ تھا۔ یہ ایک حسین احساس تھا۔ نینا اس لمحے کو یاد کر کے ہواؤں میں اڑ رہی ہے۔

''وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر اس کا خاندان اجازت نہیں دے گا'' نیشا یہ سن کر چونکی اور اپنی محبت کی بدقسمت تصویر اس کی نظروں میں گھوم گئی۔

مگر اس کے باوجود نینا کو بوڑھے عرب سے شادی کرنا پڑی۔ بلاشبہ یہ اس کی زندگی کو تلخ کرنے والا تجربہ ہے۔ اب وہ کبھی یوسف کی بیوی نہیں بن سکے گی، اور شاید کسی بھی معزز شخص کی بیوی بننا اس کے مقدر میں نہیں ہے۔ ماہا کا خیال ہے کہ جو کچھ ہوا ہے وہ زیادہ بہتر ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ نینا کسی نوجوان آدمی کی محبت میں گرفتار ہو۔ ایسی دوشیزگی کو مفت کسی پر لٹائے اور پھر خاندان کو بھی چھوڑ دے۔ نینا نے اپنی ماں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ کبھی یوسف سے پھر نہیں ملے گی۔ لیکن میرا خیال ہے وہ یہ وعدہ ایفا نہیں کرے گی۔ ایک دن ___ چاہے صرف دن بھر کے لیے ___ ضرور یوسف کے ساتھ ہو گی، اور جب تک یہ لمحہ نہیں آتا وہ دوسرے تماش بینوں کے لیے سنورتی اور ہنستی ہوئی یہ ظاہر کرتی رہے گی کہ وہ اس حال میں خوش ہے۔

پاکیزہ

ہم گھر کے بہترین کمرے میں بیٹھے میرے کام اور اس کتاب کے حوالے سے بات کر رہے ہیں جو میں ہیرا منڈی پر لکھ رہی ہوں۔ ماہا مجھ سے پوچھ رہی ہے کہ میں اس کتاب میں اس کے بارے میں کیا لکھنے والی ہوں۔ میں نے کہا ''تمہارے بارے میں تو میں ایک ایک چیز لکھوں گی'' اور وہ یہ سن کر مسرور ہو گئی ہے۔

''میں اس کتاب کی ہیروئن ہوں، ہاں ناں'' اس نے پوچھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا کہ وہ ہی نہیں اس کے تمام بچے بھی اس کتاب کے اہم ترین کردار ہیں۔

میرا خیال ہے اب میں یہ سمجھ سکتی ہوں کہ ماہا کس قسم کی ہیروئن بننے کا ذکر کر رہی ہے۔ اسے بالی وڈ کی فلمیں بہت پسند ہیں اور ایک فلم پاکیزہ جس کا مطلب ہے خالص دل، تو اس کی پسندیدہ ترین فلم ہے۔ یہ کلاسیکل مووی 1970ء میں بنی تھی۔ یہ ایک ایسی طوائف کی کہانی ہے جس کے عاشق کو اس کا خاندان اس سے ملنے نہیں دیتا اور وہ زچگی کے دوران مر جاتی ہے۔ اس کی بیٹی جو خود بھی طوائف تھی وہ اپنی عزت اور توقیر کے لیے کوشش کرتی ہے۔ یہ فلم طوائفوں کی زندگی کو رومانوی انداز میں پیش کرنے کے باوجود ان کا ایک دھتکاری ہوئی مخلوق کا تصور اجاگر کرتی ہے۔ مینا کماری، بالی وڈ کی لیجنڈ اداکارہ نے اس فلم میں ماں اور بیٹی دونوں طوائفوں کا کردار نبھایا ہے۔ مینا کماری حقیقتاً بہت خوبصورت تھی چاہے بات فلم کی ہو یا حقیقت کی۔ مینا کماری کے اس فلم کے شاندار ملبوسات، مردوں کی تحسینی نظریں، رقص کے فن میں مکمل مہارت، معصوم چہرہ مگر زندگی کی ستائی طوائفوں کے پاکیزہ دلی کا بیان ہے۔

پاکیزہ مینا کماری کی آخری فلم تھی اور سب سے زیادہ یادگار بھی۔ ایک ایسی فلم جس میں مینا کماری کی کمال اداکاری اور رقص نے طوائف کے کردار کو امر کر دیا اور اس فلم کی طرح مینا کماری حقیقت میں بھی ایسے کے سے انداز میں شراب نوشی کی کثرت کے باعث جگر پھٹنے سے انتقال کر گئی۔ شاید ماہا بھی اس کی طرح امر ہونا چاہتی ہے۔ وہ بھی اپنی زندگی کا ریکارڈ ہمیشہ کے لیے محفوظ کروانے کی خواہش مند ہے۔ وہ زندگی جو غار نما کمروں میں گزری۔

میں نے ان لوگوں کو بتایا ہے کہ میں کتاب میں ان کے نام بدل دوں گی تا کہ کوئی یہ نہ جان سکے کہ وہ کون ہیں۔

وہ میرے اردگرد بیٹھے یہ جاننے کی کوشش میں ہیں کہ امریکہ اور لندن میں لوگ انہیں کن ناموں سے یاد کریں گے۔ انہوں نے پہلے نام تجویز کیے، پھر رد کیے، پھر مشورے ہوئے اور یوں ناموں کا معاملہ طے ہو گیا۔ میں نے ان کے فرضی نام ایک کاغذ پر لکھے اور وہ سب دیکھنے لگے کہ ان کے نام انگریزی میں لکھے

ہوئے کیسے نظر آتے ہیں۔ یہ وہ نام ہیں جو شاہی محلے میں زیادہ عام نہیں۔ انہوں نے عزت دار عورتوں والے نام چنے، ایسی عورتیں جو وہ بننا چاہتی تھیں مگر بن نہ سکیں۔

میں اپنی واپسی کے ٹکٹ لینے کے لیے تمام دوپہر گھر سے باہر رہی۔ جب میں ٹکٹ لے کر واپس ماہا کے گھر آئی تو وہاں خلاف معمول خاموشی تھی۔ بچے نہیں لڑ رہے ہیں۔ ماہا کی آواز مجھ تک صاف صاف پہنچ رہی ہے اور سارے ہی دروازے کھلے ہیں۔

صوفیہ اور معتذرا ایک کیک پر جھکے ہیں۔ پائن ایپل کے پامال ٹکڑے نیچے قالین پر پڑے ہیں اور ان کے چہروں پر کریم لتھڑی ہوئی ہے۔ چوکلیٹ آئسکریم کیک آدھا پگھل چکا ہے۔

''کیا ہوا ہے؟'' میں نے پوچھا ''کون لایا ہے یہ کیک۔''

''ایک تماش بین'' صوفیہ نے منمناتے ہوئے کہا۔

''سمیرا!''

نیشا اور نینا نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ خوش نہیں ہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ انہیں پسند نہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ آخر انہوں نے اپنی ماں کو زوال آشنا کر دیا ہے۔

ماہا ایک بستر پر بیٹھی ہے۔ نیشا بھی ہمراہ ہے۔ ماہا نے جلدی جلدی مجھے اشارہ کر کے قریب آنے کا کہا۔ کمرے میں چار درجن کے قریب پھول موجود تھے۔ پھول نرم شاخوں والے، گلابی، سرخ اور پیلے تھے جنہیں کونپلوں کی صورت میں ہی پودے الگ کر دیا گیا تھا اور جنہوں نے ابھی کھلنا تھا۔

یہ پھول اور کیک ماہا کا ایک عاشق لایا ہے جس نے اپنا نام نہ بتانے کا فیصلہ کیا۔ ایک کارڈ بھی ہمراہ ہے۔ اس پر انگریزی میں ایک تحریر نوٹ ہے جس کا اردو ترجمہ میں نے ٹھہر ٹھہر کر اور ہچکچاتے ہوئے کیا۔

ہیرا منڈی میں میرا آخری دن ہے۔ مجھے کہا گیا کہ ایک قلم اور کاپی لے کر چھوٹے سے اس کمرے میں آ جاؤں جہاں کئی سوٹ کیس پڑے ہیں۔ پرانے اور نئے کپڑوں کے ڈھیر لگے ہیں۔ وہ یہ تمام چیزیں بنک میں جمع کرانے جا رہی ہے۔ لیکن اس سے پہلے وہ ان کا حساب کتاب کرنا چاہتی ہے۔ نوٹوں کی گڈیاں، درجن بھر موبائل، گھڑیاں، فینسی بجلی کی چیزیں، زیورات کے ڈبے صاف ستھری ترتیب میں رکھے ہیں۔ ہم نے پیسوں کی چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں بنا لیں۔ 5 لاکھ روپے جو بوڑھے عرب نے نینا کی دوشیزگی خریدنے کے بدلے میں دیے انہیں ایک طرف ترتیب سے رکھا۔ ایک اور قطار میں غیر ملکی دوروں سے آنے والی آمدنی رکھی گئی۔ نینا نے تمام پیسوں کو جمع کر کے ایک ٹوٹل نکالا جس کو میں نے تصدیق کے لیے چیک بھی کیا۔

یہ زیادہ بڑی دولت نہیں ہے لیکن ان کے لیے یہ بڑی ہے کیونکہ بہر حال اتنے پیسے وہ اتنی جلدی نہیں کما سکتے ہیں..... ہاں جب صوفیہ دھندے میں قدم رکھے گی تب شاید انہیں پھر اتنے پیسے دیکھنے کو ملیں گے۔ ماہا کو اس رقم کے خرچ کرنے کے حوالے سے احتیاط سے کام لینا ہے۔ خاندان کا مستقبل اور تحفظ اس رقم سے

منسلک ہے۔ وہ اس رقم کو جمع کر کے ایک گھر خریدنے کی فکر میں ہیں تا کہ انہیں روز روز کے کرایوں سے نجات ملے۔

ہم نے ساری دولت جمع کر کے ایک چادر میں لپیٹی جو ماہا نے اپنی کمر سے باندھ رکھی ہے۔ جانے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے ہم دروازے کے سامنے ٹھہرے کیونکہ کچھ لوگ اوپر سیڑھیاں چڑھ رہے ہیں۔ وہ کسی چیز کو اوپر کھینچ کر لا رہے ہیں۔

یہ عدنان ہے۔ ہم ان بندوں کے پیچھے سے اٹھتی اس کی آواز اور لنگڑاہٹ کی دھمک سن رہی ہیں۔ ایک آدمی یہاں آیا ہے مگر وہ عدنان نہیں ہے۔ یہ سمیر ہے۔ وہ ہماری طرف ایک ایک ڈبہ لے کر آتا ہے۔

''یہ کیا ہے؟'' جب اس نے یہ ڈبہ ماہا کے قدموں کے قریب رکھا تو نیشا نے پوچھا۔ ہم اس کے پُرامید چہرے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

''پیسے'' سمیر نے فاتحانہ انداز میں کہا۔

نیشا اندر چلی گئی اور نینا جلدی سے میک اپ کرنے چل دی۔

''بیٹا'' ماہا نے بمشکل ہنسی ضبط کی اور دروازہ کھول کر اسے اندر آنے کا کہا۔

❀❀❀

کچھ اس کتاب کے بارے میں

یہ کتاب میری زندگی کی ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ انگلینڈ کی یونیورسٹی آف برمنگھم میں بطور ایک محقق، میں نے جسم فروشی اور عورتوں کی تجارت پر تحقیق کے حوالے سے کئی سال خرچ کیے ہیں۔ جاپان کے کلبوں میں موجود تھائی لینڈ اور فلپائن کی لڑکیوں سے انجلز اور منیلا کے قحبہ خانوں تک، کمبوڈیا میں بچوں کے استحصال سے نیپال کے خوبصورت پہاڑوں سے بھارت کے بڑے بڑے چکلوں میں سمگل کی گئی عورتوں تک کو دیکھا ہے۔ مگر ہیرا منڈی جیسی جگہ کہیں نہیں ہے۔ اس کی اپنی ایک طویل آرٹسٹک روایت ہے۔ اس کا اسلامی تشخص بطور کمیونٹی ایک ایک احساس، اور شیعہ رسومات کے ذریعے سے جڑے لوگ...... 1990ء میں یہ کمیونٹی ایک واضح انقلاب سے گزری۔ جب یہ فنون لطیفہ اور معزز طوائفوں سے جدید چکلوں میں بدلی، اور یہاں رقص کی بجائے صرف جسم فروشی رواج پانے لگی۔ بطور ایک محقق میرے لئے یہاں یقیناً بے تحاشا مواد تھا۔

یہ تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ تحقیق کا عمل کبھی آسان نہیں ہوتا۔ جب 2000ء میں میں نے باقاعدہ ہیرا منڈی پر کام کرنا شروع کیا تب میرے تین بچے تھے جنہیں میں پاکستان لا سکتی تھی۔ لیکن چونکہ وہ بڑے ہو رہے تھے اس لئے انگلینڈ میں ان کی تعلیم اور حفاظت زیادہ بہتر انداز سے ہو سکتی تھی۔

میری کم سن لڑکیوں اور ماہا کی کم عمر بیٹیوں کی زندگی کے درمیان موجود تفاوت مجھے اکثر پریشان کرتی رہی ہے۔ احساسِ جرم بھی کبھی مجھ پر طاری ہو جاتا رہا ہے کہ ایک طرف میری 14 سال کی لڑکیاں برطانیہ میں مڈل کلاس فیملی سے تعلق ہونے کے باوجود سکول جا رہی ہوتی تھیں، یا پھر سینما جا کر فلمیں دیکھتی تھیں تو ٹھیک اسی وقت میری اپنی بیٹیوں کی ہم عمر ماہا کی کہیں خوبصورت بیٹیاں لوگوں کو خوش کرنے کے لیے رقص کر رہی تھیں یا زیادہ سے زیادہ بولی دینے والے شخص کو اپنی دوشیزگی بیچ رہی تھیں، اور جب ماہا اور اس کے بچے اپنا بدن بیچ رہے ہوتے تھے تو میں دنیا کے کسی دوسرے کونے میں طلباء کو ان کے بارے میں پڑھا رہی ہوتی تھی۔

یہ کتاب براہ راست اس ڈائری سے اخذ شدہ ہے جو تحقیق کے دوران میں باقاعدگی سے لکھتی رہی۔

میری اس تحقیق کا خرچ اولاً Nuffield فاؤنڈیشن نے برداشت کیا اور بعد میں برٹش اکیڈمی نے یہ سارا خرچ برداشت کیا۔ ان دونوں اداروں کی مبنی بر سخاوت کفالت پر میں ان کی شکر گزار رہوں۔

جیسا کہ ہر مصنف جانتا ہے کہ ایک کتاب کئی دماغوں کی محنت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہ کتاب بھی ویسی ہی ہے۔ کتاب کے کور پر دینے کے لیے میرے ذہن میں بہت سے نام زیرگردش تھے۔ میرے ماں باپ...... جولی اور پیٹر براؤن جنہوں نے بغیر کوئی شکایت کیے میرے بچوں کی دیکھ بھال کی جبکہ میں سال میں چار چار مہینے یہاں ہیرامنڈی میں موجود ہوتی تھی۔ ان کی متواتر مدد اور سپورٹ کے بغیر میں یہ کام شروع ہی نہ کر سکتی، چہ جائیکہ اس کی تکمیل کا سوال اٹھتا۔ لاہور میں نوید رحمان نے مجھے اردو سکھائی، یقیناً میری گرامر کی غلطیوں اور احمق لہجے پر وہ برافروختہ ہوتے ہوں گے۔ اس کتاب میں جو تند قسم کے الفاظ میں نے استعمال کیے ہیں یہ نوید رحمان کی تعلیم کی وجہ سے نہیں ہیں۔ میں نوید رحمان کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں۔ میرے ایجنٹ کیروڈک کنگ اور ایڈیٹر جناب کورٹنی ہاڈل کا اس کتاب پر گہرا اثر ہے جنہوں نے اس کی کمزوریوں کو نکالا اور مضبوطیوں کو زیادہ مستحکم کیا۔ میں ان دونوں حضرات کی حوصلہ افزائی اور تعاون کے لیے بھی نہایت ممنون ہوں۔

آخر میں اور سب سے اہم، میں ہیرامنڈی کی سب عورتوں کی شکر گزار ہوں۔ میں نے سوچا تھا میں یہاں تحقیق کرنے آئی ہوں ___ اور یقیناً میں نے یہ سب کرنے کی کوشش بھی کی ___ لیکن یہ جگہ، یہاں کے لوگ میرے دل کو چھو گئے اور یہ تجزیاتی نہیں ذاتی واردات تھی۔

یہاں رہ کر میں نے ان لوگوں کو دیکھا جن میں محبت کرنے کی بے تحاشا صلاحیت ہے اور جو بربریت کا شکار اور سماجی کلنک ماتھے پر سجائے بھی زندہ دلی کے ساتھ زندگی کر سکتے ہیں۔ کئی بار مجھے یہاں پر خوفزدہ بھی ہونا پڑا، ڈری بھی، لیکن یہ سب باہر سے آنے والے تماش بینوں کی بدولت ہوا۔ اس محلے کے رہائشی اور یہاں کام کرنے والے ہمیشہ مجھ سے دوستانہ برتاؤ کرتے رہے۔

اقبال...... میں تمہاری شکر گزار ہوں، وہ تمام پُرخیال شامیں جو تمہاری چھت پر تمہارے ساتھ بیٹھ کر گزاریں۔ طارق ___ تمہارے خاندان کو یقیناً تم پر فخر ہوگا ___ اور تسنیم ___ تم جہاں کہیں بھی ہو ___ میں اس ارغوانی سوٹ اور تمہاری لپ گلوز کے لیے تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ ماہا، نیشا، نینا اور عریبہ ___ تم لوگوں کے لیے میں شکریے کے وہ کون سے لفظ لکھوں، کہ میں جانتی ہوں کوئی بھی لفظ کفایت نہ کرے گا۔

❀❀❀

ہیرامنڈی سے اپ ڈیٹ

یہ 2005ء کا موسم گرما ہے۔ ماہا اور اس کا خاندان رو بہ عروج ہے۔ وہ دولت مند ہو چکے ہیں۔ ہمہ دم مصروف ہیں اور بزنس زوروں پر ہے۔ ماہا نے چار کمروں کا ایک گھر کریم پارک میں خریدا ہے اور اسے قیمتی فرنیچر سے بھر دیا ہے۔ گھر میں دو بڑے فریج ہیں ایک امریکن کچن اور بجلی کا پانی کا فلٹر بھی۔ ماہا نے ہیرامنڈی کے اپنے پرانے گھر کو بھی نہیں چھوڑا ہے۔ وہ اب بھی اکثر وہاں جا کر رہتی ہے کیونکہ اس کے نزدیک وہ گھر برکت والا ہے کہ وہیں سے ان کی تقدیر کا ستارہ اپنی بلندیوں کی طرف گیا تھا۔ پانچ سال پہلے ماہا اپنے خاندان کے ساتھ ایک تنگ سے کوٹھے میں رہتی تھی اور اس کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ وہ خوراک خرید سکتی۔ آج عالم یہ ہے کہ ملٹی نیشنل ریستورانوں کے لڑکوں کی قطار لگی رہتی ہے جو اس کے گھر میں کھانا پہنچاتے ہیں۔ اب ہم رکشوں میں سفر نہیں کرتے۔ اب ماہا کی اپنی ائیر کنڈیشنر کار ہے جسے اس کا شوہر چلاتا ہے۔ وہ عدنان جس سے ماہا چند سو روپے مانگ مانگ کر گزارا کرتی تھی اب ایک بہترین شوفر کے طور پر اس کے ساتھ ہے۔ زندگی بھی کیا چیز ہے اور کیسے کیسے رنگ بدلتی ہے۔

اسلام آباد کی سیاسی اور تجارتی زندگی میں ایک نیا ستارہ ابھر رہا ہے۔ اسلام آباد کے گذشتہ فنکشن میں ایک پروموٹر نے نینا کا تعارف اس شخص سے لاہور کی بہترین ڈانسر کے طور پر کرایا۔ نینا کا وارڈ روب اب لاس ویگاس طرز کے کپڑوں سے بھرا ہے۔ اس کے فون میں پاکستان کے کئی طاقتور مردوں کے نمبر موجود ہیں۔ میرا خیال ہے وہ خوش ہے۔ وہ کہتی ہے وہ مطمئن ہے اگرچہ وہ اس بات کی معترف بھی ہے کہ سیکس ایک خوفناک چیز ہے اور اسے اس میں کوئی دلکشی محسوس نہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے وہ دھندے میں بہت آگے جائے گی۔ کم سے کم کچھ عرصے تک تو وہ عروج سے لطف اندوز ہوگی۔ وہ انتہائی تیز اور ذہین نوجوان عورت کا روپ دھار چکی ہے۔ وہ تیزی سے انگریزی زبان سیکھ رہی ہے۔ میرے ساتھ لیٹے وہ اکثر سبق رٹتی رہتی ہے اور اپنے تازہ ترین عاشق کے انگریزی مسیجز ترجمہ کرتی ہے اور پھر اسے انگریزی میں جواب بھی دیتی ہے۔ یقیناً اگر اسے موقع ملتا تو وہ بلا کی ذہین طالبہ بنتی۔

اس کا بھائی میرے دل میں کبھی بھی جگہ نہ بنا سکا تھا لیکن حیران کن طور پر اپنے پچھلے دورۂ لاہور میں وہ مجھے اچھا لگا۔ ان دنوں وہ خاموش رہتا ہے۔ اب وہ اپنی توانائیاں پلے سٹیشن پر گیمز کھیلنے میں خرچ کرتا ہے اور

بہنوں کو پریشان کرنا چھوڑ دیا ہے نہ ہی اب وہ چھوٹے چھوٹے جانوروں کو تنگ کرتا ہے۔ تنہائی کے شکار اس بچے کا کوئی دوست نہیں ہے اور وہ اپنا زیادہ تر وقت ٹی وی کے سامنے گزارتا ہے۔ معتذر اب بہت کھاتا ہے اور اس کا وزن بھی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ معتذر اور صوفیہ کو اندرون شہر سے باہر ایک پرائیویٹ سکول میں داخل کرا دیا گیا ہے۔ سکول میں اس کی کارکردگی انتہائی خراب ہے۔ دوبارا سے کلاس میں ایک درجہ پیچھے بٹھایا جا چکا ہے۔ نرسری کلاس میں سب سے بڑے بچے، موٹے ہونے اور ہیرامنڈی سے تعلق کی وجہ سے اسے اکثر استہزا کا سامنا رہتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔

اور کاش میں اس کے بارے میں یہ تلخ سطریں نہ لکھتی۔

صوفیہ بہت تیزی سے بڑی ہو رہی ہے۔ اس کی چال ڈھال مجھے اکثر پریشان کرتی ہے۔ ہم سب گھر میں ناچتے ہیں اور اس ناچ میں عریبہ کے علاوہ تمام لوگ حصہ لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ معتذر بھی ڈانس کر کے ہمیں محظوظ کرتا ہے۔ ان تفریحی لمحات میں صوفیہ کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ مرکز نگاہ رہے۔ اپنے چنچل انداز سے وہ پورے گھر کا دل موہ لیتی ہے۔ وہ ابھی بچی ہے اور بالغ ہونے میں ابھی کافی وقت ہے مگر جنسی حوالوں سے وہ ایک مکمل شہوت انگیز عورت کی طرح لگتی ہے۔ مجھے اس کے مستقبل کی بڑی فکر ہوتی ہے کہ اس کے یہ جلوے کسی گاہک میں کوئی چھپے جذبات نہ بیدار کر دیں۔ ایک دن جب وہ رقص کر رہی تھی میں نے اسے روک دیا۔ میں نے اسے بتایا کہ ناچ بری چیز ہے اور تم ابھی بچی ہو۔ تالیوں کا شور اور قہقہوں کی آوازیں ایک دم بند ہو گئیں۔ ماہا نے میری طرف حیرت بھری آنکھوں سے دیکھا۔ صوفیہ کونے میں بیٹھ کر ایک گھنٹے تک روتی رہی اور مجھے عجیب نظروں سے دیکھتی رہی۔ اس کے گال آنسوؤں سے چمک رہے ہیں۔ صوفیہ کا خیال ہے کہ وہ بہتر طریقے سے آگے بڑھ رہی ہے اور وہ وہی کر رہی ہے جو اس کی بڑی بہنیں کرتی تھیں۔

میرا خیال نہیں کہ اب نیشا کبھی بھی ٹھیک ہو سکے گی۔ اصل میں وہ ٹھیک ہونا ہی نہیں چاہتی۔ وہ کوئی کام نہیں کرتی، نہ دوائیاں کھاتی ہے، اور سارا دن بیٹھی ناخنوں کو شوخ رنگ کی نیل پالش کی مصروفیت میں مشغول رکھتی ہے۔ عظیم نے اپنی پہلی بیوی کی زچگی کے دوران وفات کے بعد دوسری شادی کہیں اور کر لی ہے۔ اس نے شادی کے دن نیشا کو فون کر کے بتایا کہ وہ یہ شادی نہیں کرنا چاہتا مگر اس کے گھر والے زبردستی اس کی شادی کر رہے ہیں۔ وہ اسے کہتا رہا کہ وہ اس سے ہی شادی کرنا چاہتا ہے۔

''وہ دھوکے باز ہے'' نیشا بتاتی ہے۔ وہ اپنی الماری میں رکھے عظیم کے دیے گئے تحفوں کو ترتیب بدل بدل کر رکھتی رہتی ہے اور انہیں صاف کرتی رہتی ہے۔ ان تحفوں میں پلاسٹک کے پھول، تسبیح، تصویریں اور قرآن کی آیت شامل ہے۔ اس کی الماری کے پیچھے سینکڑوں جگہ پر عظیم کا نام، اس کے فون نمبر دیوار کے پلاسٹر میں کندہ ہیں۔

میرا ہمیشہ سے یہ اعتقاد رہا ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے بھی میری طرح عریبہ کی زندگی میں

دلچسپی لیتے ہوں گے۔ وہ مہربان، سادہ اور کھردری لڑکی ہے۔ خاندان کا حصہ ہے مگر ہمیشہ خاندان سے باہر کی لگتی ہے۔ ہمیشہ دفاعی موڈ میں اور ہمیشہ معاملات سے دور کنارے پر کھڑی سیاح کی مانند۔ اب جبکہ صوفیہ اور معتذر کی بھی باقاعدہ سکولنگ شروع ہو چکی ہے تو گھر میں صرف عریبہ ہی وہ واحد لڑکی ہے جو چٹی اَن پڑھ ہے۔ میں نے اسے کئی بار پڑھانے کی کوشش کی ہے لیکن یونیورسٹی کے میچور طلبا کو پڑھانے کی تکنیکیں پرائمری تعلیم کی تکنیکوں سے مختلف ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اگلی بار جب میں ہیرامنڈی آؤں گی تو مجھے ضرور کامیابی ملے گی۔ میں نے عریبہ کے لیے ایک شاندار تعلیمی کلاک لیا ہے، جو میری ماں کے پاس تھا۔ میری ماں کی بطور پرائمری سکول ٹیچر ٹریننگ ہوئی ہے اور وہ مجھ سے کہیں زیادہ چھوٹے بچوں کی تعلیمی ضروریات کو سمجھتی ہے۔

عریبہ کو تعلیم یافتہ ہونے کی ضرورت ہے نہ صرف اس کی اپنی ذات کے لیے اور زندگی کا مقابلہ کرنے کے لیے بلکہ اس لیے بھی کہ وہ امید سے ہے۔ جب میں پچھلی بار یہاں تھی، صرف چند ہفتے قبل تو وہ چار ماہ کی حاملہ تھی، ہر وقت بیمار اور میں جب بھی گاڑی لے کر گھر آتی تو اسے ہمیشہ کھڑکی میں ایک ہی جگہ بیٹھا دیکھتی۔ جوانی اب بھی اس پر مہربان ہے اور اس کی قمیض میں اس کے سینے کے ابھار اور ابھرا پیٹ مشکل سے ہی سماتے ہیں۔ وہ ماں بننے کے احساس سے پُر جوش ہے اور ہر وقت ایک عجیب سے والہانہ اور پُر جوش محبت کے انداز میں ''میرا بچہ'' کہتی رہتی ہے۔ اس کا تازہ ترین گاہک حیران کن حد تک خوبصورت، طویل القامت شفاف رنگ کا ایک ایرانی ہے۔ ماہا اس کے ساتھ عریبہ کے تعلقات کے دنوں کا حساب کتاب کر کے یہ پتہ لگانے کی کوشش میں ہے کہ آیا وہ ایرانی ہی اس بچے کا باپ ہے کہ نہیں۔ اس متوقع مہمان کی آمد کے خیال سے تمام گھر ہی پُر جوش ہے۔ وہ مزاروں پر جا کر دعا مانگتے ہیں کہ اس اعلیٰ نسب بچے کہ خدوخال باپ جیسے ہوں اور لڑکی ہی پیدا ہو۔

طوائفوں کی اگلی نسل

میں بچے کی پیدائش پر ہیرامنڈی جاؤں گی۔ میری دعا ہے کہ میری ٹائمنگ ٹھیک رہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میں اس موقع پر وہاں موجود رہوں تا کہ لڑکی پیدا ہونے کی صورت میں ان کی خوشیاں بانٹ سکوں اور اگر لڑکا ہو تو پھر میں عریبہ اور باقی خاندان کو دلاسا دے سکوں اور انہیں سمجھا سکوں۔ لڑکے کے بارے میں ہیرامنڈی کا سماجی نظام بے رحمانہ ہے جس میں یہ اعتقاد پایا جاتا ہے کہ ایک تو لڑکا کماتا کم ہے اور ایک اور منہ کھانے کے لیے آ جاتا ہے۔ اسلام اگرچہ بچہ گود لینے کی ممانعت کرتا ہے مگر ماہا اور عریبہ نے مجھے کہا کہ اگر لڑکا ہو تو تم اسے لے جانا۔ اگرچہ میں نے یہ تجویز قبول کر لی مگر اس کے قانونی اور دیگر مسائل کے بارے میں متفکر ضرور ہوں۔ میں اس حوالے سے انکار بھی نہ کر سکی کیونکہ ایک طویل عرصے تک میں اس خاندان سے صرف جسمانی طور پر ہی قریب نہیں رہی بلکہ جذباتی طور پر ان سے جڑ گئی ہوں۔ ان کے ساتھ رہنے، ان کی زندگیوں

میں جھانکنے اور ان کے بارے میں لکھنے کے بعد میں محسوس کرتی ہوں کہ ان کا مجھ پر بھی حق ہے جس سے میں کبھی نہ بھاگوں گی۔ مجھے یقین نہیں کہ عریبہ کا بچہ قحبہ خانے کی اذیت سے نکل پائے گا۔ یہ صرف اسی صورت ممکن ہے اگر تمام فیملی اس ملامت زدہ شعبے کو خیر باد کہہ دے۔ لیکن میں دعا گو ہوں کہ یہ بچہ چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی اسے زندگی سارے مواقع دے، اسے اچھی میڈیکل کیئر ملے، اچھی تعلیم ملے تا کہ وہ معاشرے میں ایک باوقار فرد کے طور پر جی سکے۔ میری یہ دعا اس بچے کی ماں عریبہ کے لیے بھی ہے۔ میری طرح وہ لوگ بھی جو عریبہ کی کہانی شروع سے پڑھ رہے ہیں یہ جانتے ہیں کہ بدقسمتی سے یہ خواہش پوری ہونے والی نہیں لگتی۔

میں نے تسنیم کھسرے کو ہر جگہ ڈھونڈا۔ ہر شخص کہتا ہے کہ وہ ہیرا منڈی چھوڑ گیا ہے اور اب مجھے ان لوگوں کی باتوں پر یقین بھی ہے۔ اقبال نے اپنے ریستوران پر ایک اور منزل تعمیر کرالی ہے اور چھت پر موجود ریستوران کو بھی ساتھ والی بلڈنگ کی چھت تک وسعت دے لی ہے۔ وہ یہاں اپنی ایک سلطنت تعمیر کر رہا ہے۔ طارق خاکروب کی زندگی بھی رخ بدل چکی ہے۔ اب وہ رکشہ ڈرائیور بن گیا ہے اور گلیوں میں موجود کوڑے کو صاف کرنے کی بجائے وہاں رکشے کو دوڑاتا رہتا ہے۔ وہ اپنے سماجی رتبے میں اس اضافے سے خوش ہے اور میں بھی ___ مجھے یقین ہے کہ وہ اس پیشے میں بھی اچھا کام کرے گا۔

ان تمام تبدیلیوں کے باوصف کچھ چیزیں مستقل ہیں۔ ماہا کے نئے عاشق کی محبت دم توڑ گئی ہے جیسا کہ اس محلے کی روایت ہے اور ماہا پھر عدنان پر برسنا شروع ہوگئی ہے۔ طلاق کی باتیں با قاعدگی اور سے زور و شور سے ہو رہی ہیں۔ عدنان ماہا اور اس کے بچوں کو لاہور اور اسلام آباد کی سیریں کرا رہا ہوگا، جب میں فروری میں واپس آؤں گی۔

عدنان اب بھی اسی خاموشی کے ساتھ ماہا کے گھر آتا ہے۔ کونے میں سکون سے بیٹھ کر نشہ کرتا ہے اور ایک دو دن گزار کر پھر چلا جاتا ہے۔

ماہا کی ڈائیٹ نے کوئی کرشمہ نہیں دکھایا اور اس نے ڈائیٹنگ ترک کر دی ہے۔ اس نے ریس کورس جا کر جاگنگ کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اگر چہ وہ آج بھی پُرعزم ہے کہ اس نے اپنا وزن کم کرنا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ ایک دن وہ بھی نینا کے ساتھ ڈانس کرنے جائے گی اور تماش بین اس پر ہزار ہزار کے نوٹ نچھاور کریں گے۔ اس کا ماننا ہے وہ پھر جوان ہوگی۔ ہم روزانہ ہی عہد کرتے ہیں کہ ڈائیٹ شروع کریں گے، بس شروع مگر پھر اگلے ہی لمحے جا کر مال روڈ سے ایک پلیٹ بھر کھانا اور کوک کے گھونٹ بھرتے ہیں۔ پھر ماہا اپنا حشیش کا پیکٹ نکال لیتی ہے اور میں سمرنوف وڈ کا کی بوتل۔ یہ کتاب پڑھنے والے قاری شاید اس بات پر حیران ہوں کہ میری اور ماہا کی بہت سی عادتیں ملتی ہیں۔

❁❁❁

مصنفہ کے بارے میں

لوئیس براؤن، 1990ء کی دہائی کے شروع میں کھٹمنڈو آئی تھیں۔ تب سے انہیں ایشیا سے محبت ہو گئی۔ جب 2000ء میں انہوں نے ہیرامنڈی پر تحقیق کا فیصلہ کیا تب وہ یونیورسٹی آف برمنگھم میں ایشیا سے متعلق تاریخ کی استاد تھی۔ ہیرامنڈی پر تحقیق نہ صرف ان کے مضمون یعنی ایشیائی تاریخ سے میل کھاتی تھی بلکہ ان کی دلچسپی کے دیگر موضوع صنفی مسائل، اور عورتوں کی جسم فروشی کے موضوع کے حوالے سے بھی اہم تھا۔ کتاب کے حوالے سے مصنفہ کہتی ہیں:

"ہیرامنڈی کی عورتوں کا بھی حق ہے کہ ان کی کہانی کو سنا جائے۔ جب یہ پروجیکٹ شروع ہوا تھا تو میرے ذہن میں اس کا خیال تک نہیں تھا کہ میں مسلسل چھ سال تک ہیرامنڈی جاؤں گی۔ لیکن لوگ اور واقعات ہماری زندگی کے راستے متعین کرنے میں اہم ہوتے ہیں اور میں بھی آہستہ آہستہ ماہا کے خاندان سے جڑتی گئی۔ یہ تعلق صرف محبت اور خیر خواہی کی ڈوری سے بندھا تھا بلکہ فرائض کی حد تک گہرا ہو چلا تھا۔ لوگوں نے میری خاطر اپنی زندگی کے وہ راز بھی کھول کر رکھ دیے جو صرف چھپانے کے لیے ہوتے ہیں۔"